تحقیق، تعلیق

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

مکتبۃ الیمان

پنج پیر ○ صوابی ○ خیبر پختونخوا ○ پاکستان

اَلْبَصَائِرُ

لِلْمُتَوَسِّلِیْنَ بِالْمَقَابِرِ

شیخ القرآن مولانا محمد طاہر

رَحِمَہُ اللّٰہُ الغَافِر

[۱۹۱۶-۱۹۸۷ء]

تحقیق، تعلیق

ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

مَکتبۃُ الیمَان

[illegible] ○ صوابی ○ خیبر پختونخوا ○ پاکستان

نام کتاب: البصائر للمتوسلین بالمقابر

تصنیف لطیف: شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ الغافر

تحقیق، تعلیق: ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

آنرز ان عربک، فاضل وفاق المدارس الاسلامیہ، پی ایچ ڈی

[علوم اسلامیہ]

طبع اول اردو ایڈیشن: شعبان ۱۴۳۸ھ = مئی ۲۰۱۷ء

قیمت: RS:500

مکتبۃ الیمان

پنج پیر ۰ صوابی ۰ خیبر پختونخوا ۰ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ

کے نام سے جو

سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

فہرسِ مضامین

مُقَدِّمَۃُ الْكِتَابِ: شیخ القرآن مولانا محمد طیب صاحب ۱۵

مُقَدِّمَۃُ الْمُصَنِّفِ ۱۹

– ایک بنیادی اور اہم سوال ۱۹

– عقائد قطعی نص کی بنیاد پر ثابت کی جاسکتی ہیں ۲۰

– غیر معروف اور مختصر کتابوں سے فتویٰ نہ دیا جائے ۲۳

– غیر نبی کے غیر مؤید بالوحی خواب سے مسئلے کا اِثبات نہیں ہوسکتا ۲۵

– کتابوں میں ملاوٹ ۳۰

– زنادقہ، واضعینِ حدیث ۳۲

– بلا سند اَحادیث ۳۴

– موضوعی روایات ۳۵

– مُردوں کے بارے میں صالحیہ کا عقیدہ ۳۹

قسم اول ۴۱

فصل اول: قرآن مجید اور مسئلہ سماع موتی ۴۲

– پہلی آیت: وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ [سورۃ فاطر ۳۵:۲۲] ۴۲

– دوسری آیت: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى [سورۃ النمل ۲۷:۸۰، سورۃ الروم ۳۰:۵۲] ۴۲

– اس آیت کی تفسیر، مفسر ابن جریر سے ۴۲

– امام ابن ہمام سے ۴۳

– تیسری آیت: وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ [سورۃ فاطر ۳۵:۲۲] ۴۳

امام فخر الدین رازی سے اس کی تفسیر ۴۳

- چوتھی آیت: وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ [سورۃ فاطر: ۳۵:۲۲] ۴۴
- موتی کی تفسیر میں دو قول ہیں ۴۴
- امام فخر الدین رازی کی تفسیر ۴۴
- حافظ ابن حجر عسقلانی کی تفسیر ۴۵
- مولانا رشید احمد گنگوہی کی رائے ۴۵
- اس آیت کی تفسیر میں علماء کے دو قول ۴۶
- علامہ شہاب الدین خفاجی کی رائے ۴۷
- جامع التفاسیر کا حوالہ ۴۸

سماع اور اسماع کی بحث ۴۸

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ سے استدلال ۵۱

- قرآن مجید میں ہدایت کے مراتب ۵۲
- مولانا رشید احمد گنگوہی کی رائے ۵۶
- ابو اللیث سمرقندی کی رائے ۵۶
- علامہ شبیر احمد عثمانی کی رائے ۵۷
- مولانا محمود الحسن کی رائے ۶۰

فصل دوم: مسئلہ عدم سماع موتی میں وارد آثار ۶۲

- علامہ محمد بن باقر کی روایت ۶۲
- خالد بن معدان کی روایت ۶۴
- نَفعُ قُوتِ المغتذي عَلى جَامِعِ الترمذي روایت: ۶۷
- تفسیر خازن کا حوالہ ۶۸
- حافظ ابن کثیر کا حوالہ ۶۹
- مولانا حسین علی کی رائے ۷۰

مستقر ارواح	۷۱
۱: مؤمنوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں رہتی ہیں	۷۱
۲: جنت کے فناء میں ہوتی ہیں	۷۲
۳: ارواح قبروں کے آس پاس ہوتی ہیں	۷۲
۴: روح کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے وہ جہاں چاہتی ہے، وہاں چلی جاتی ہے	۷۴
۵: کفار کی روحیں آگ میں اور مؤمنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں	۷۴
۶: مؤمنوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہیں	۷۵
۷: مؤمنوں کی روحیں جابیہ میں اور کفار کی روحیں برہوت میں ہوتی ہیں	۷۶
۸: ارواح، ایک خاص سرزمین میں ہوتی ہیں	۷۷
۹: مؤمنوں کی روحیں علیین میں اور کفار کی روحیں سجین میں ہوتی ہیں	۷۷
۱۰: مؤمنوں کی روحیں زمزم میں اور کفار کی روحیں برہوت کے کنویں میں	۷۸
۱۱: مؤمنوں کی روحیں زمین کے برزخ میں اور کفار کی روحیں سجین میں	۷۸
۱۲: مؤمنوں کی روحیں سیدنا آدم کے دائیں جانب اور کفار کی روحیں بائیں	۷۹
۱۳: روحوں کا مستقر وہی ہے جہاں جسموں کے پیدا ہونے سے پہلے ہوتی ہیں	۷۹
۱۴: شہداء کی روحیں جنت میں اور عام مؤمنوں کی روحیں قبور کی افنیہ پر ہوتی ہیں	۸۱
۱۵: دفن سے ساتویں دن تک اپنی قبروں کے آس پاس ہوتی ہیں	۸۱
۱۶: اَرواح کا مستقر عدم محض ہے	۸۲
۱۷: موت کے بعد اَرواح کا مستقر اُن کے وصف اور اخلاق کے مناسب	۸۲
فصل سوم: سماع موتی کے دلائل کا جائزہ	۸۲
[۱] استدلال: رسول اللہ ﷺ کا قلیب بدر والوں سے کلام	۸۷
تنبیہات	۹۵
[۲] استدلال: ابن سمعان کی روایت	۹۷

[۳] استدلال: امام ترمذی کی روایت ۱۰۰
[۴] استدلال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ۱۰۲
[۵] استدلال: حدیث خفق النعال ۱۰۴
[۶] استدلال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایت ۱۰۷
[۷] استدلال: بَلْ اَحْيَآءٌ ۱۱۳
[۸] استدلال: سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ۱۱۵
[۹] استدلال: ابن ابی الدنیا کی روایت ۱۱۷
[۱۰] استدلال: سیدنا ابورزین العقیلی رضی اللہ عنہ کی روایت ۱۱۸
[۱۱] استدلال: مردوں سے خطاب کیا جاتا ہے! ۱۲۰
[۱۲] استدلال: شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت ۱۲۷
[۱۳] استدلال: مولانا عبدالحی لکھنوی کی عبارت ۱۲۸
[۱۴] استدلال: قرآن مجید سے میت کا انس ۱۲۹
[۱۵] استدلال: میت کے پاؤں کی جانب سے زیارت کرنا ۱۳۲
[۱۶] استدلال: فیوض الحرمین کی عبارت ۱۳۴
[۱۷] استدلال: قبر میں جزا اور سزا کس کو ملتی ہے؟ ۱۳۷
[۱۸] حدیث: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ سے استدلال ۱۴۴
[۱۹] عدم سماع موتی اور باب الیمین ۱۴۶
فصل چہارم: سماع موتی کے بارے میں فقہائے احناف کے ارشادات ۱۴۸
- امام ابن ہمام کی رائے ۱۴۸
- علامہ ابن عابدین کی رائے ۱۴۸
- امام مرغینانی: صاحب ہدایہ کی رائے ۱۴۹
- امام ابن الہمام کی وضاحت ۱۴۹

- الکفایۃ کا حوالہ ۱۵۰
- العنایۃ کا حوالہ ۱۵۰
- محقق دوانی اور دوسرے اہل کلام کی رائے ۱۵۱
- شرح الکافی کا حوالہ ۱۵۱
- مولانا محمد اسحاق دہلوی کی رائے ۱۵۱
- مراقی الفلاح کی عبارت ۱۵۱
- امام طحطاوی کی عبارت ۱۵۲
- شرح الفقہ الاکبر کی عبارت ۱۵۲
- علامہ طحطاوی نے حاشیہ نور الایضاح میں لکھا ۱۵۲
- مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کی عبارت ۱۵۳
- مأۃ مسائل کی عبارت ۱۵۳
- علامہ زیلعی کی عبارت ۱۵۴
- علامہ اکمل الدین بابرتی کی عبارت ۱۵۵

قسم دوم ۱۵۹

فصل اول: شرک کی حقیقت اور اسباب ۱۶۰
- پہلا سبب: قبروں کی تعظیم میں غلو اور ان سے تبرک کا حصول ۱۶۶
- دوسرا سبب: ستارہ پرستی ۱۷۰
- تیسرا سبب: قبروں کی عبادت اور مُردوں کو اللہ کا شریک بنانا ۱۷۲
- صنم اور وثن کا معنیٰ ۱۸۳
- عربوں کے بت ۱۸۵

فصل دوم: معترضین کے اعتراضات ۲۲۳
- صوفیاء کے اَقوال سے استدلال ۲۲۶

- خوابوں سے استدلال ۲۲۸
- دینی امور میں قیاس ۲۳۰
- علماء کے اقوال سے استدلال کا جواب ۲۳۳

فصل سوم: مسئلہ وسیلہ ۲۴۰

- وسیلہ کا لغوی معنیٰ ۲۴۱
- وسیلہ کا شرعی معنیٰ ۲۴۴

قائلین وسیلہ ذات کے دلائل کا مختصر جائزہ ۲۵۱

- ۱: فَاسْأَلُوا اللّٰهَ بِجَاهِي ۲۵۱
- ۲: توسل اعمیٰ ۲۵۱
- ۳: إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأصحابِ القبور ۲۵۲
- ۴: رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام کا توسل۔ ۲۵۲
- ۵: سیدنا سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کا قول: وَإِنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِيْنَ وَسِيْلَةً ۲۵۲
- ۶: حديثُ الكُوَّة ۲۵۳
- ۷: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۲۵۴
- ۸: اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَمَا نَقَمُوْا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۲۵۴
- ۹: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پیش کرنا ۲۵۴
- ۱۰: امام مالک نے منصور سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تیرا وسیلہ ہیں ۲۵۵
- ۱۱: امام شافعی کا اہل بیت کے وسیلہ سے دعاء کرنا ۲۵۶
- ۱۲: خَدِرَ الرِّجْلُ؛ پاؤں کا سن ہونے کی حدیث ۲۵۷
- ۱۳: سنن ابن ماجہ کی روایت میں سوال بِحَقِّ الأَنْبِيَاءِ وَبِحَقِّ السَّائِلِيْنَ ۲۵۷
- ۱۴: سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا قول: أَلَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنْتَ رَجَاؤُنَا ۲۵۸
- ۱۵: قیامت کے دن لوگوں کا انبیاء کے وسیلہ سے دعاء پیش کرنے کی حدیث ۲۵۹

-۱۶: عتبی کی روایت ۲۵۹
-۱۷: سیدنا دانیال ﷤ کی قبر سے استسقاء ۲۵۹
فصل چہارم: البَيِّنَاتُ فِي قَطْعِ الشُّبُهَاتِ لِمَنْ يَدْعُو الأَمْوَاتَ ۲۶۰
-۱: مجازِ عقلی ۲۶۰
-جواب ۲۶۱
-۲: اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دینا ۲۶۶
-۳: رسول اللہ ﷺ کی طرف اِغناء کی نسبت ۲۷۸
- جواب ۲۷۸
-قاعدہ ۲۸۰
-۴: سیدنا عیسیٰ ﷤ کی طرف خلق وشفاء کی نسبت ۲۸۱
-جواب ۲۸۱
-۵: یہ اُمت شرک کا ارتکاب نہیں کرے گی! ۲۸۲
-جواب ۲۸۳
- ۶: سیدنا عمر ﷛ کے عہد خلافت میں قحط ۲۸۶
-جواب ۲۸۷
-یہ مجہول الاسم راوی سیدنا بلال بن حارث ﷛ ہیں؟ ۲۸۷
-جواب ۲۸۸
- ۷: إذا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئلوا الله بجاهي ۲۹۳
-۸: حديث الأعمى ۲۹۷
-جواب ۳۰۲
-اس حدیث کی سند پر کلام ۳۰۶
-ابوجعفر کون ہیں ۳۱۰

- خلاصہ کلام ۳۱۳
- حدیث کے معنیٰ پر کلام ۳۱۴
- ضعف استدلال کے وجوہ ۳۱۶
- ظاہر حدیث سے استدلال کا جواب ۳۱۶
- صیغہ خطاب سے استدلال کا جواب ۳۱۷
- ۹: سیدنا سواد بن قارب ﷛ کے اشعار سے استدلال ۳۲۰
- جواب ۳۲۱
- ۱۰: اعرابی کا رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے بارش مانگنا ۳۲۳
- جواب ۳۲۳
- ۱۱: عتبی کی کہانی ۳۲۴
- جوابات کا خلاصہ ۳۲۷
- ۱۲: غیر اللہ کی پکار سے متعلقہ آیات میں عموم نہیں! ۳۲۹
- پہلا جواب ۳۲۹
- دوسرا جواب ۳۳۱
- تیسرا جواب ۳۳۳
- ۱۳: تَوَسُّلٌ بِالْمَلٰئِكَةِ ۳۳۵
- جواب ۳۳۵
- ۱۴: رسول اللہ ﷺ کا بحق نبیّك والأنبیاء سے دعاء کرنا ۳۳۷
- بحق الانبیاء کے معنیٰ کی بحث [illegible]
- ۱۵- سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہ کا مرتبہ [illegible]
- جمل ۳۴۶

معنیٰ پر بحث	۳۴۷
۱۶۔ سیدہ عائشہ کے پاس قحط کی شکایت اور نبی کریم ﷺ کی قبر کا وسیلہ	۳۴۹
جواب	۳۵۰
۱۷۔ سوال بحق السائلین	۳۵۲
اس حدیث کی سند پر کلام	۳۵۳
۔ حدیث کے معنیٰ پر بحث	۳۵۵
۱۸۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ کا وسیلہ!	۳۵۸
۔ جواب	۳۵۸
۔ اس حدیث کی سند پر کلام	۳۵۹
۔ بحق فلان کے بارے میں علماء احناف کی رائے	۳۶۰
۔ صاحب کشاف سے اس آیت کی تفسیر	۳۶۱
دوسرا جواب	۳۶۶
انبیاء علیہم السلام کی قرآنی دعائیں	۳۶۷
۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی دعاء	۳۶۸
۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعاء	۳۶۸
۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعاء	۳۶۹
۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعاء	۳۶۸
۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعاء	۳۶۸
۔ سیدنا یونس علیہ السلام کی دعاء	۳۶۸
۔ مؤمنین سابقین کی دعاء	۳۶۸
۔ اصحاب طالوت کی دعاء	۳۶۹
۔ قاعدہ	۳۶۹

-۱۹: انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلے کی حقیقت ۳۷۵
-جواب ۳۷۵
-۲۰: سیدنا آدم ؑ، جنت اور دوزخ کا سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے پیدا ہونا ۳۷۶
-۲۱: شہداء زندہ ہیں اس لیے ہم اُنہیں پکارتے ہیں ۳۸۰
-جواب ۳۸۰
-۲۲: امام مالک نے منصور کو نبی کریم ﷺ کے وسیلہ کا حکم دیا ۳۸۱
-جواب ۳۸۲
-اس کہانی کے رواۃ سے بحث ۳۸۳
-اس روایت کے ضعف کی دیگر وجوہ ۳۸۵
-۲۳: سیدنا آدم ؑ نے اللہ تعالیٰ سے بحق محمد ﷺ معافی مانگ لی ۳۸۹
-سند پر کلام ۳۹۰
-اس حدیث کے موضوع ہونے کے دلائل ۳۹۴
-جوابات کا خلاصہ ۴۰۴
-۲۴: غزوۂ یمامہ میں صحابہ کرام ؓ کا شعار [جنگی نعرہ] یا محمداہ! تھا ۴۰۶
-جواب ۴۰۶
-۲۵: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وامحمداہ کہا ۴۰۸
-جواب ۴۰۸
-پہلا طریق ۴۰۸
-دوسرا طریق ۴۰۹
-تیسرا طریق ۴۰۹
-۲۶: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے وامحمداہ کہنے کی تلقین کی ۴۱۰
-جواب ۴۱۰

ان روایات کے معنیٰ سے بحث	۴۱۱
۲۷ یاعباد اللہ احبسوا سے استدلال	۴۱۳
جواب	۴۱۴
-اس کی سند سے کلام	۴۱۴
-حدیث کے معنیٰ پر کلام	۴۱۶
-۲۸: سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعاء	۴۱۷
-جواب	۴۱۹
-۲۹: قرابت کا وسیلہ	۴۲۲
-جواب	۴۲۲
فصل پنجم: فضائل اعمال' اماکن اور قبور کے بارے میں جھوٹی باتیں	۴۲۴
-۱: قبروں کے بارے میں بہت زیادہ جھوٹی باتیں مشہور ہیں۔	۴۲۴
-۲: ایک شبہ کا اِزالہ	۴۳۲
-جواب	۴۳۳
-ایک اور شبہ کا اِزالہ	۴۳۳
-حافظ ابن تیمیہ	۴۳۵
-علمی فہارس	۴۵۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمة الكتاب

الحمد لِلّٰهِ ربِّ العالمين، والصَّلاة والسَّلام على خاتم الأنبياء و سيّدِالمرسلين،
وعلى آله وأصحابه وذرياته أجمعين. أمّابعد!

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، دیوبند اور میانوالی کے انوارات کا مجموعہ سرزمین پنج پیر پر شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شکل میں نمودار ہوا اور مملکت خداداد پاکستان کے اطراف واکناف کو منور کیا۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں قرآن مجید کی درس وتدریس کے ذریعے دعوتِ توحید، اصلاح عقائد اور معاشرتی برائیوں کی تردید کا سلسلہ جاری رکھا۔ پٹھانوں کے خطے میں بالخصوص اور دیگر خطوں میں بالعموم اس مردِ درویش نے قبر پرستی، توہم پرستی، بدعات اور غیر شرعی رسم ورواج کے خلاف علَمِ جہاد بلند کیا۔ توحید وسنت کی منظم تحریک کے ذریعے شرک وبدعت اور رسوماتِ جاہلیت کا جنازہ نکال دیا۔ اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صرف اُس کے باقیات کو دفن کرنے کی ضرورت ہے۔

شیخ رحمہ اللہ نے وعظ وتقریر کے علاوہ قلم وقرطاس سے بھی رشتہ لگائے رکھا اور کئی علمی وتحقیقی کتابیں یادگار چھوڑ دیں۔ آپ کی اکثر وبیشتر قلمی کاوشیں عربی زبان میں ہیں، جس کی

وجہ آپ نے خود ہی واضح کی ہے۔ ایک دفعہ آپ کی ہمشیرہ نے آپ سے استفسار کیا کہ آپ نے اپنی تمام کتابیں علماء کے لیے عربی میں لکھی ہیں، ہمارے لیے کچھ بھی نہیں لکھا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: ان کتابوں میں میرے مخاطب علماء کرام تھے۔ ان کے چند عقائد اور اعمال کا اصلاح کرنا مقصود تھا۔ میں نے عربی میں اس وجہ سے لکھا کہ وہ اپنے غلط عقائد و اعمال کی شرعی حیثیت ان کتابوں میں مدلل طور پر ملاحظہ کر کے اِنابت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی اصلاح کریں گے۔ نہ عوام میں اُن کی درگت بنے گی اور نہ اُن کی کسی قسم کی گستاخی ہوگی لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ اُنہوں نے مجھے بدنام کرنا شروع کر دیا۔

شیخ القرآن کی تصانیف کرنے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ اُن کی ساری کتابوں کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اندازِ بیاں اول سے آخر تک شستہ اور سلیس ہے۔ ادب و تہذیب کا مرقع ہیں۔ بات نرم مگر دلیل و برہان کے لحاظ سے مضبوط ہوتی ہے۔ موقف دوٹوک ہوتا ہے جس پر قرآن و سنت سے دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں۔ ہر کتاب کی سطر سطر سے نصیحت اور خیر خواہی نمایاں ہیں۔ آپ کا اندازِ ردّ و تنقید مَابَال أقْوَام يَفْعَلُوْنَ كَذَا وَكَذَا کا عملی نمونہ ہے۔ اپنے موقف کے مخالف کی توہین و تنقیص سے سخت اجتناب کرتے ہیں۔ کسی معین شخص کو نشانہ تنقید بنانے سے سخت گریزاں اور دلیل سے اپنی بات منوانا شیخ القرآن کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان تمام صفات کے باوجود خوفِ الٰہی سے عاری لوگوں نے شیخ القرآن کو عوام میں متشدد و سخت گیر اور بے جا فتویٰ بازی کرنے والا مشہور کر دیا اور مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ اس میں بعض داخلی لوگوں کی نوازشات بھی غیر شعوری طور پر شامل تھے۔

اُس زخم کے بھرنے میں بہت دیر لگتی ہے
جس زخم میں شامل ہو اپنوں کی عنایات

بنا بر ایں ضرورت محسوس کی گئی کہ شیخ القرآن کی کتابیں اُردو قالب میں ڈالی جائیں تاکہ عوام بھی اس سے استفادہ کر سکے اور اصل حقیقت تک اُن کی رسائی ممکن ہو سکے۔ اس مقصد

کے لیے ایک غیر رسمی کمیٹی قائم کی گئی جو شیخ القرآن کے تصنیفات کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے اور اس پر تحقیق و تخریج کرنے میں مصروف عمل ہے۔ جملہ احباب سے بھی التماس ہے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے میں ہمارا تعاون کریں۔ شیخ القرآن کی دعوت و فکر کی مرکزی کتاب: "اَلْبَصَائِرُ لِلْمُتَوَسِّلِیْنَ بِالْمَقَابِرِ" قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ تمام مسائل جس میں بعض عاقبت نا اندیش عوام الناس کو راہ اعتدال اور جادۂ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش میں مصروف ہیں جیسے حیات الاموات، سماع موتی، اموات کا توسل، اموات سے استشفاع اور اہل قبور سے مدد طلب کرنا وغیرہ مسائل قرآن وسنت سے مدلل بیان کیے گئے ہیں اور اس پر اکابرین اہل سنت والجماعۃ خصوصاً اکابرین احناف کے تصریحات پیش کیے گئے ہیں اور خصم کے دلائل سے مسکت جوابات دئے گئے ہیں۔ بقول امام عبد الرحمٰن بن مہدی[1]: أَهْلُ الْعِلْمِ يَكْتُبُوْنَ مَالَهُمْ وَمَاعَلَيْهِمْ وَأَهْلُ الأَهْوَاءِ لَايَكْتُبُوْنَ إِلَّامَالَهُمْ.

[اقتضاء الصراط المستقیم ۱: ۸۵، فصل فی حال الناس قبل الاسلام[2]]

شیخ القرآن رحمہ اللہ نے بھی مخالفین کے دلائل نقل کر کے علمی اور تحقیقی انداز سے اس پر نقد و تبصرہ کر کے اُن کا کامیاب تعاقب کیا ہے۔ اس طرز عمل سے شیخ القرآن کا تعصب سے بالاتر ہونا اور اُن کا قرآن وسنت کی اتباع کرنا اظہر من الشمس ہوتا ہے۔ یہ گراں قدر علمی سرمایہ عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا عوامی طبقہ اس سے استفادہ کرنے سے

---

(۱) عبد الرحمٰن بن مہدی بن حسان عنبری لؤلؤی ابو سعید۔ حافظ حدیث تھے۔ بصرہ میں ۱۳۵ھ = ۷۵۲ء کو پیدا ہوئے اور وہیں ۱۹۸ھ = ۸۱۴ء کو وفات پائی۔ بغداد جا کر درس دیا کرتے تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: بے مثل و بے نظیر محدث تھے۔ [تاریخ بغداد ۱۰: ۲۴۰ - ۲۴۸، الاعلام ۳: ۳۳۹]

(۲) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم ۱: ۸۵ کے علاوہ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ۶: ۳۴۳، اور منہاج السنۃ النبویۃ ۴: ۸۴ میں اس قول کو امام عبد الرحمٰن بن مہدی کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے، جب کہ امام دار قطنی نے سنن [ص: ۲۲، بذیل روایت: ۳۲] میں اس کو امام وکیع بن الجراح المتوفی: ۱۹۷ھ کے حوالے سے درج کیا ہے۔

محروم تھا۔ جناب مولانا ڈاکٹر سراج الاسلام صاحب حنیف نے محنت شاقہ کر کے اسے اُردو کے قالب میں ڈال کر تحقیق وتخریج کر کے اسے عسل مصفی بنایا۔اوراب اللہ تعالی کے فضل و کرم سے علماء کرام طلباء عظام اور عوام وخواص یکساں طور پر اس سے مستفید ہوسکیں گے۔

اللہ تعالی ڈاکٹر صاحب کی محنت شاقہ کو قبول فرما کر انہیں جزائے خیر عنایت فرمائیں۔

اس سے پہلے جناب پروفیسر صدیق الرحمن صاحب نے بھی اس کتاب کا اُردو ترجمہ اور تحقیق وتخریج کر کے ایم۔فل کی ڈگری حاصل کی ہے جو۔إن شاء اللّٰہ۔عن قریب زیور طبع سے آراستہ ہو جائے گی۔

اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ ان دونوں کی عمر مال ودولت اور اولاد میں برکت عطا فرمائیں۔

امین! ثم امین! یارب العالمین!

[شیخ القرآن مولانا] محمد طیب طاہری [زید مجدہ]
مرکزی امیر جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ العالمیۃ
۱۶ شعبان ۱۴۳۸ھ=۱۲ مئی ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۃ المصنف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ .

اما بعد: زیرِ نظر کتاب میں اُن لوگوں کے لیے بصیرت وعبرت کا سامان، واضح براہین اور حجتیں ہیں جو قبروں کی زیارت اس عقیدے کی بنیاد پر کرتے ہیں کہ مُردے سنتے ہیں اور اگر اُن کو مصائب اور تکالیف میں پکارا جائے تو اِن سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے[1]۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں دینِ قویم پر چلنے کی ہدایت دے اور ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔

ایک بنیادی اور اہم سوال

یہ ایک بنیادی سوال ہے کہ مسئلہ سماعِ موتیٰ کا تعلق اعتقادیات سے ہے یا یہ ایک فروعی مسئلہ

---

(۱) سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: قالَ بعضُ العارفين: مرجع الخواص إلى الحق جل شأنه من أوّلِ البداية، و مرجع العوام إليه سبحانه بعد اليأسِ من الخَلقِ. و كان هذا في وقت هذا العارف، و أمّا في وقتنا فترَى العامة إذا ضاق بهم الخِناقُ تركُوا دُعاءَ الْمَلِكِ الْخَلَّاقِ، و دَعَوْا سُكَّانَ الثَّرَى، و مَن لا يَسْمَعُ و لا يَرَى. [روح المعانی، سید آلوسی بغدادی، ۸: ۱۹۴، بذیل تفسیر سورۃ الانعام ۶: ۴۰-۴۱، من باب الاشارات، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء]

''بعض اہلِ معرفت کا قول ہے کہ خواص کا مرجع ابتدا ہی سے حق جل شانہ ہوتے ہیں اور عوام اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں جب وہ خلق [یعنی: مخلوق] سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ اُس عارف کے زمانے کی بات ہوگی۔ ہمارے زمانے میں عوام کی حالت تو یہ ہے کہ جب اُن کا کوئی کام اٹک جائے تو وہ مَلِک اور خلّاق کو پکارنا ہی چھوڑ دیتے ہیں اور اہلِ قبور اور اُن لوگوں کو پکارتے ہیں جو نہ تو سنتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔''

ہے؟ یہ قضیہ حل ہو جائے تو پھر مسئلہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

عقائد قطعی نص کی بنیاد پر ثابت کیے جا سکتے ہیں

اگر سماعِ موتی کا تعلق عقائد سے ہے تو اس عقیدہ کے قائلین کو چاہیے کہ اس مسئلے پر قرآن مجید یا متواتر (۱) و مشہور (۲) صحیح حدیث کو پیش کریں اس لیے کہ:

علامہ تفتازانی (۳) لکھتے ہیں: لَا عِبْرَةَ بِالظَّنِّ فِي بَابِ الْاِعْتِقَادِيَّاتِ۔

[شرح المقاصد ۱:۵ (۴)]

''اعتقادیات کے باب میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔''

---

(۱) هو مارواه جمعٌ تحيلُ العادة تواطؤهم على الكذب عن مثلهم من أول السند إلى منتهاه على أن لا يختلّ هذا الجمع في أيّ طبقةٍ من طبقات السند۔ [شرح نخبۃ الفکر، حافظ ابن حجر عسقلانی: ۱۱ مکتبۃ الغزالی دمشق، بدون تاریخ؛ فتح الباری بشرح صحیح الامام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی ۱:۲۸ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، پاکستان ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء]

''متواتر اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کو ایک ایسی جماعت روایت کرتی ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً اور عادتاً محال ہو اور وہ جماعت جس جماعت سے روایت کرتی ہو وہ بھی اس طرح کی ہو اور یہ وصف سند کے آغاز وسط اور منتہیٰ میں موجود رہے۔''

(۲) ماله طرق محصورة بأكثر من اثنين وهو المشهور عند المحدثين سُمّيَ بذلك لِوُضوحه۔ [شرح نخبۃ الفکر: ۱۴]

''مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں تین یا اس سے زیادہ ہوں لیکن متواتر کی تعداد سے کم ہوں۔''

(۳) مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی، سعد الدین۔ عربیت، بیان اور منطق کے ماہر عالم تھے۔ خراسان کے ایک گاؤں تفتازان میں ۷۱۲ھ=۱۳۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ سرخس میں اقامت پذیر رہے۔ تیمور لنگ نے اُنہیں سمرقند جلاوطن کیا جہاں ۷۹۳ھ=۱۳۹۰ء کو وفات پائی۔ سرخس میں دفن کیے گئے۔ [الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی ۴: ۳۵۰، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۳ء؛ الاعلام، خیر الدین زرکلی ۷: ۲۱۹، دار العلم للملایین بیروت، نومبر ۱۹۸۴ء]

(۴) شرح المقاصد، مسعود بن عمر بن عبداللہ سعد الدین تفتازانی ۱: ۲۹، اشاعت اسلام کتب خانہ پشاور، پاکستان، بدون تاریخ

یہ بھی لکھتے ہیں کہ: إنَّ خبرَ الواحدِ علی تقدیرِ اشتمالہ علی جمیع شرائطِ المذکورۃ في أصول الفقہ لایُفِیدُ إلَّا الظَّنَّ، و لاَعِبْرَۃَ بِالظَّنِّ فِيْ بَابِ الإعْتِقَادِیَّاتِ خصوصاً إذا اشْتَمَلَ علی خلافِ روایۃٍ و کان الفعل بِمُوجِبِہ ما یُفضِي إلی مخالَفَۃِ ظاھر الکتاب. [شرح العقائد: ۱۰۱(۱)]

"خبر واحد اصولِ فقہ میں مذکور تمام شرائط پر مشتمل ہونے کے باوجود ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور عقائد میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں خصوصاً جب وہ صحیح روایت کے خلاف ہو یا اُس پر عمل کتاب اللہ کے ظاہر کی مخالفت کی طرف لے جانے والی ہو۔"

- حافظ ابن حجر عسقلانی (۲) لکھتے ہیں: الأحادیثُ إذَا کانَت في مسائلِ عَمَلِیَّۃٍ یکفي في الأخذ بھا بعد صحتھا إفادَتھا الظن، أمَّا إذا کانت في العقائد فلا یکفي فیھا إلَّا مایفید القطع. [فتح الباری ۸: ۴۳۱(۳)]

"یعنی جن مسائل کا تعلق عمل کے ساتھ ہے اُن میں صحیح اَحادیث سے استدلال کافی ہے کیونکہ اعمال کے [ثبوت کے] لیے ظنی دلائل ہی کافی ہیں لیکن جب عقائد کی باری آئے گی تو اُن میں صرف وہی احادیث قابلِ قبول ہوں گی جو قطع و یقین کا فائدہ دیں [یعنی: صرف

---

(۱) شرح العقائد النسفیۃ، سعد الدین تفتازانی: ۱۷۰، مکتبہ یادگار شیخ، لاہور، پاکستان، ۱۴۳۴ھ

(۲) احمد بن علی بن محمد، کنانی، عسقلانی، ابو الفضل، شہاب الدین، ابن حجر، قاہرہ میں ۷۷۳ھ = ۱۳۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ شعر و ادب کے دلدادہ تھے، پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے حصول میں صعوبتیں برداشت کیں۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ حدیث، رجال اور تاریخ کے بے نظیر عالم ہیں۔ ۸۵۲ھ = ۱۴۴۹ء کو قاہرہ ہی میں وفات پائی۔ [البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، محمد بن علی شوکانی ۱: ۸۷، مطبعۃ السعادۃ، القاہرۃ، مصر، ۱۳۴۸ھ، الاعلام ۱: ۱۷۸]

(۳) یہ عبارت فتح الباری میں نہ مل سکی، البتہ حافظ ابن حجر نے عقائد کے باب میں خبر واحد کی حجیت اور عدم حجیت ہونے سے متعلق کئی مقامات پر بحث کی ہے۔
[فتح الباری ۴: ۱۷۷، ۳۶۶؛ ۸: ۴۸۰؛ ۱۳: ۲۳۴، ۲۳۸]

متواتر حدیثیں ہوں عام اس سے کہ تواتر لفظی ہو یا معنوی تواتر طبقہ ہو یا تواتر توارث ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے]۔"

۔ملا علی قاری[1] لکھتے ہیں: لَا يَخْفَى أَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي الْعَقَائِدِ هُوَ الْأَدِلَّةُ الْيَقِينِيَّةُ.
[شرح الفقہ الاکبر: ۱۲۳[2]]

---

(۱) ملا علی قاری بن سلطان محمد نور الدین حنفی فقیہ تھے۔ ہرات میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۰۱۴ھ = ۱۶۰۶ء کو وفات پائی۔ سال میں ایک مصحف لکھ کر اسے فروخت کر کے اس پر گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ [البدر الطالع ۱: ۴۴۵ الاعلام ۵: ۱۲]

(۲) ملا علی قاری کی شرح الفقہ الاکبر میں مجھے یہ عبارت نہ مل سکی البتہ اس سے ملتی جلتی یہ عبارت موجود ہے: إِنَّ الْأَحَادَ لَا تُفِيدُ الْاعْتِمَادَ فِي الْاعْتِقَادِ. [منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر علی بن سلطان محمد القاری: ۱۷۱ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء شرح الفقہ الاکبر ملا علی قاری: ۵۷ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان بدون تاریخ]

"اخبار آحاد اعتقاد کے بارے میں قابل اعتماد نہیں ہوتے۔"

یہ بھی لکھتے ہیں: وَلَا يَخْفَى أَنَّ مَبْنَى الْاعْتِقَادِ لَا يَكُونُ إِلَّا عَلَى الْأَدِلَّةِ الْيَقِينِيَّةِ.

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ملا علی قاری ۹: ۳۵۸ بذیل حدیث: ۵۴۵۶ المکتبۃ التجاریہ مکۃ المکرمۃ ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء]

"یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ عقائد کی بنیاد صرف یقینی دلائل پر ہوتی ہے۔"

اور یہ بھی لکھتے ہیں: وَمِنَ الْمَعْلُومِ عِنْدَ أَرْبَابِ الْعُلُومِ وَأَصْحَابِ الْفُهُومِ أَنَّ مَبْنَى الْعَقَائِدِ عَلَى الْأَدِلَّةِ الْقَطْعِيَّةِ لَا عَلَى الْحُجَجِ الظَّنِّيَّةِ الْمُفِيدَةِ فِي الْمَسَائِلِ الْفِقْهِيَّةِ الْفَرْعِيَّةِ.

[شم العوارض فی ذم الروافض: ۲۱ مندرجہ: مجموعہ رسائل الملا علی القاری دار الکتب پشاور بدون تاریخ]

"ارباب علم وفہم کے نزدیک یہ بات معلوم ہے کہ عقائد کی بنیاد قطعی دلائل پر استوار ہوتی ہے۔ اور ان ظنی دلائل پر اس کی عمارت نہیں کھڑی کی جا سکتی جو فقہی اور فرعی مسائل میں مفید ہوتی ہیں۔"

اور یہ بھی لکھتے ہیں: فِي بَابِ الْاعْتِقَادِ لَا يُعْمَلُ بِالظَّنِّيَّاتِ وَلَا يُكْتَفَى بِالْآحَادِ مِنَ الْأَحَادِيثِ الْوَاهِيَاتِ وَالرِّوَايَاتِ الْوَهْمِيَّاتِ. [ادلۃ معتقد ابی حنیفۃ فی ابوی الرسول ﷺ ملا علی قاری: ۶۲-۶۳ مندرجہ: مجموعہ رسائل الملا علی القاری جلد دوم دار الکتب پشاور بدون تاریخ]

"عقائد کے باب میں ظنی دلائل اخبار آحاد اور کمزور اور وہمی روایات پر عمل نہیں کیا جائے گا۔"

''یہ بات مخفی نہیں [بلکہ ظاہر ہے] کہ عقائد کے باب میں یقینی دلائل ہی معتبر ہوتے ہیں۔''
اور اگر سماع موتی کا مسئلہ فروعی ہے تو مقلد کو چاہیے کہ اپنے امام کے قول کو اختیار کرے اور دوسرے ائمہ کے اقوال سے استناد نہ کرے تاکہ اپنے فقہی مذہب سے خارج نہ ہو اس لیے کہ اس سے تلفیق في العمل میں پڑ جائے گا جیسا کہ علامہ شامی [1] سے منقول ہے۔
[شامی ۱:۶۹ [2]]

غیر معروف اور مختصر کتابوں سے فتویٰ نہ دیا جائے

عمومی طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ غیر معروف مصنفین کی تصانیف یا مختصرات سے کسی مسئلے کا جواب دیتے ہیں جو اصول وقواعد کی خلاف ورزی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: لَا یجوزُ الإفتاءُ ممَّا في الکتب الغریبۃ' ولا یجوزُ الإفتاءُ من الکتب المُختَصَرَۃِ کالنَّھرِ وشرح الکنزِ للعَیني والدُّرِّ المختار شرح تنویر الأبصار ' أو لعدم الإطلاع علی حال مُؤَلِّفِیْھا کشرح الکنز لمُنْلاَّ مسکین وشرح النقایۃ للقھستاني ' أو لنقل الأقوال الضعیفۃِ فیھا کالقنیۃ للزاھدي' فلا یجوزُ الإفتاءُ من ھذہ إلاَّ إذا عُلِمَ المنقولُ عنہ وأخذہ منہ. [شامی ۱:۶۵ [3]]
''غیر معروف اور مختصر کتابوں سے فتویٰ دینا جائز نہیں جیسے النہر الفائق اور شرح الکنز جس

---

(۱) محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن عابدین' فقیہ دیار شامیہ' اپنے زمانے میں احناف کے امام تھے۔ دمشق میں ۱۱۹۸ھ = ۱۷۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابن عابدین سے شہرت پائی۔ دمشق ہی میں ۱۲۵۲ھ = ۱۸۳۶ء کو فوت ہوئے۔ [الاعلام ۶: ۴۲]
(۲) وہ لکھتے ہیں: و التَّلفیقُ باطلٌ فصِحَّتُہٗ منتفیۃٌ. [رد المحتار علی الدر المختار محمد امین المعروف بابن عابدین شامی ۱: ۵۵' مقدمہ' مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ' پاکستان' بدون تاریخ]
(۳) رد المحتار علی الدر المختار ۱: ۵۲' مقدمہ' مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ' پاکستان' بدون تاریخ

کے مصنف علامہ عینی (۱) ہیں۔ درمختار شرح تنویر الابصار بھی اس زمرہ میں شامل ہے۔ ایسی کتابوں پر فتویٰ دینا درست نہیں جن کے مؤلفین کا حال معلوم نہ ہو جیسے ملا مسکین (۲) کی شرح کنز اور قہستانی (۳) کی شرح النقایۃ اور ایسی کتابوں سے بھی فتویٰ دینا جائز نہیں جس میں ضعیف اور کمزور اقوال نقل کیے گئے ہوں جیسے زاہدی (۴) کی القنیۃ۔ ان ساری کتابوں

---

(۱) محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد ابو محمد بدر الدین عینی حنفی۔ مؤرخ، علامہ اور بہت بڑے محدث تھے۔ ۷۶۲ھ = ۱۳۶۱ء کو عین تاب میں پیدا ہوئے۔ حلب، مصر اور دمشق میں رہائش پذیر رہے ہیں۔ قاہرہ میں ۸۵۵ھ = ۱۴۵۱ء کو وفات ہوئے۔ [الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، شمس الدین محمد بن عبد الرحمن ابن محمد السخاوی، تحقیق: عبد اللطیف حسن عبد الرحمن ۱۰: ۱۲۱ - ۱۲۵، ترجمہ: ۳۱۲۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۳ء، الاعلام ۷: ۱۶۳]

(۲) محمد بن عبد اللہ ہروی معین الدین المعروف بملا مسکین۔ حنفی فقیہ تھے۔ ہرات سے تعلق تھا۔ رہائش سمرقند میں تھی۔ شرح الکنز یہاں لکھی جس سے ۸۱۱ھ کو فارغ ہوئے۔ ۹۵۴ھ کو وفات پائی۔
[کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مصطفیٰ بن عبد اللہ المعروف بحاجی خلیفہ و ملا کاتب چلپی ۲: ۱۵۱۵، نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی، پاکستان، بدون تاریخ، الاعلام ۶: ۲۳۷]

(۳) محمد قہستانی شمس الدین۔ حنفی فقیہ تھے۔ بخارا کے مفتی اور فقیہ تھے۔ کئی کتابیں لکھیں۔ ۹۵۳ھ = ۱۵۴۶ء کو وفات پائی۔ ہراۃ اور نیشاپور کے درمیان کوہستانی علاقے سے تعلق کی وجہ سے یہ نسبت پڑی۔
[شذرات الذہب فی أخبار من ذہب، شہاب الدین ابو الفلاح عبد الحی بن احمد ابن العماد ۱۰: ۴۳۰، دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۳ء، الاعلام ۷: ۱۱]

(۴) مختار بن محمود بن محمد ابو الرجاء نجم الدین الزاہدی الغزمینی۔ غزمین، خوارزم کا ایک قصبہ ہے۔ حنفی فقیہ تھے۔ حصول علم کے لیے بغداد اور روم کے سفر کیے۔ ۶۵۸ھ = ۱۲۶۰ء کو وفات پائی۔
[تاج التراجم، ابو الفداء زین الدین قاسم بن قطلوبغا: ۲۹۵، ترجمہ: ۲۸۶، دار القلم دمشق ۱۴۱۳ھ = ۱۹۹۲ء، الاعلام ۸: ۱۹۳]

مولانا عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں: أنه معتزلي الاعتقاد حنفي الفروع، وتصانيفه غير معتبرة مالم يوجد مطابقتها لغيرها لكونها جامعة للرطب واليابس. [الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ، عبد الحی لکھنوی: ۳۴۹، ترجمہ: ۴۶۴، شرکۃ دار الارقم بن ابی الارقم، بیروت، ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء] ......

سے فتویٰ دینا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک ان کے مصادر تک رجوع نہ ہو سکے۔''
اسی طرح ملا علی قاری نے الموضوعات الکبیر میں لکھا ہے (۱)۔

کسی غیر نبی کے غیر مؤید بالوحی خواب سے کسی بھی مسئلے کا اِثبات نہیں ہو سکتا

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی مسئلہ کے اِثبات کے لیے خرقِ عادت چیزوں مثلاً معجزہ یا کرامت کو دلیل بنایا جاتا ہے' اسی طرح غیر معصوم لوگوں کے خوابوں کو بھی حجت میں پیش کیا جاتا ہے حالانکہ دین کا کوئی مسئلہ خوارق یا خوابوں سے ثابت نہیں کیا جا سکتا چنانچہ امام شاطبی (۲) نے لکھا ہے کہ: وأضعفُ هؤلاءِ احتجاجاً: قومٌ استنَدُوا في أخذ الأعمال

... ''عقائد میں معتزلی اور فروع میں حنفی تھے۔ ان کی تصانیف غیر معتبر ہیں اس لیے کہ رطب و یابس کا مجموعہ ہیں اس لیے جب تک دوسری معتبر کتابوں کے مطابق نہ ہوں۔''

(۱) یہ کتاب الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اُن کی عبارت یہ ہے: قلتُ: من القواعد الكُلّيّةِ أنّ نقلَ الأحاديث النبوية والمسائل الفقهية والتفاسير القرآنية لا يجوز إلّا من الكتبِ المتداوَلَةِ لعدم الاعتماد على غيرها من وَضعِ الزنادقةِ وإلحاق المَلاحِدَةِ بخلاف الكتب المحفوظةِ فإنّ نُسَخَها تكون صحيحةً متعدِّدَةً.
[الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة' ملا علی قاری' تحقیق: محمد لطفی الصباغ: ۳۹۳' فصل: ۲' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء]
''میں کہتا ہوں: قاعدہ کلیہ ہے کہ احادیث نبویہ' فقہی مسائل اور قرآنی تفسیر بجز کتب متداولہ کے کسی سے روایت کرنا جائز نہیں کیوں کہ دیگر کتابوں پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ زندیقوں اور ملحدوں نے ان کتابوں میں بہت کچھ داخل کیا ہوا ہے بخلاف کتب محفوظہ کے اس لیے کہ اُن کے نسخے صحیح اور متعدد ہوتے ہیں۔''

(۲) ابراہیم بن موسیٰ بن محمد لخمی' غرناطی' اصولِ دین کے ماہر عالم تھے۔ حافظ تھے۔ غرناطہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ مالکی مذہب کے ائمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کئی مفید اور معتبر کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۷۹۰ھ = ۱۳۸۸ء کو وفات پائی۔
[فہرس الفہارس والاثبات' عبدالحی الکتانی' ۱: ۱۳۴' دار الغرب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۲ھ = ۱۹۸۲ء' الاعلام ۱: ۷۵]

إلى المنامات، وأقبلوا وأعرضوا بسببها، فيقولون: رأينا فلاناً الرّجلَ الصّالحَ في النوم فقال لنا: اتركوا كذا واعمَلوا كذا، ويتفق مثل هذا كثير للمُترَسِّمِيْنَ بِرَسْمِ التَّصوُّف وربما قال بعضُهم: رأيتُ النبي ﷺ في النَّوم فقال لي كذا، وأمرني بكذا، فيعمل بها ويترك بها، مُعرِضاً عن الحدودِ الموضوعةِ في الشريعةِ، وهو خطأ، لأنَّ الرؤيا من غير الأنبياء لاَ يُحكَمُ بها شرعاً على حالٍ. [الاعتصام ١: ٢٠٩] (١)

''سب سے زیادہ کمزور استدلال اُن لوگوں کا ہے جو اپنے اعمال کے لیے خوابوں کو دلیل ٹھہراتے ہیں اور اس کے سبب خوابوں کی طرف متوجہ ہوئے اور شریعت سے منہ موڑا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں نیک شخص کو خواب میں دیکھا جس نے ہمیں کہا فلاں عمل کو چھوڑ دو اور فلاں کام شروع کرو ایسا اکثر صوفیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن میں سے اکثر تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ نے مجھے فلاں کام اختیار کرنے اور فلاں کام چھوڑنے کا حکم دیا اور شریعت کے مقرر کردہ حدود سے منہ موڑ کر ان باتوں پر عمل کرتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اس لیے کہ کسی بھی حال میں انبیاء علیہم السلام کے خوابوں کے علاوہ کسی اور کا خواب قابل عمل نہیں ہوتے (۲)۔''

سماع موتی کے اکثر مثبتین ضعیف اقوال، کمزور آراء اور کشف اور خوابوں سے استدلال کرتے ہیں اور اُن کتابوں سے عبارات پیش کرتے ہیں جن کے مصنفین نے صحیح روایات

---

(۱) الاعتصام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی ۲: ۹۳، تحقیق: ڈاکٹر سعد بن عبداللہ آل حمید، دار ابن الجوزی جدۃ، سعودی عرب، ۱۴۳۱ھ

(۲) امام نووی لکھتے ہیں: لا يُغَيَّرُ بسبب ما يراهُ النائمُ ما تقرَّرَ في الشَّرْعِ.

[شرح صحیح مسلم، یحییٰ بن شرف النووی ۱: ۱۱۵، مکتبۃ الغزالی دمشق، بدون تاریخ]

''جو چیز شریعت نے مقرر اور متعین کیا ہے اسے کسی خواب دیکھنے والے کے خواب کے سبب نہیں بدلا جائے گا۔''

اس عبارت کو ملا علی قاری نے اس طرح لکھا ہے: ما تقرَّرَ في الشَّرْعِ لا يتغيَّرُ بسبب ما يراهُ النَّائمُ.

[الاسرار المرفوعۃ: ۳۷۵]

جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے جیسے امام ابن ابی الدنیا[1] کی کتابیں امام طبرانی[2] کے معاجم ثلاثہ امام ابن ابی شیبۃ[3] کی اَلْمُصَنَّف، امام عبدالحق[4] کی کتابُ العاقبۃ[5]

---

(۱) عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان ابن ابی الدنیا قرشی اموی بغدادی ابو بکر۔ ۲۰۸ھ=۸۲۳ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ خلیفہ معتضد باللہ عباسی اور اُن کے بعد اُن کے بیٹے مکتفی باللہ کے اتالیق اور مؤدب رہے ہیں۔ ۲۸۱ھ=۸۹۴ء کو بغداد میں وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ابوعبداللہ شمس الدین محمد ذہبی ۲: ۶۷۷ ترجمہ: ۶۹۹ داراحیاء التراث العربی بیروت بدون تاریخ الاعلام ۴: ۱۱۸]

(۲) سلیمان بن احمد اللخمی الشامی ابوالقاسم بہت بڑے محدث تھے۔ طبریہ [شام] سے تعلق کی وجہ سے طبرانی کہلائے۔ عکا میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے حجاز مقدس یمن مصر عراق فارس اور جزیرہ کے سفر کیے۔ ۳۶۰ھ=۹۷۱ء کو اصبہان میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان ۲: ۴۰۷ ترجمہ: ۲۷۴ تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس منشورات الرضی قم ایران ۱۳۶۴ش الاعلام ۳: ۱۲۱]

(۳) عبداللہ بن محمد بن قاضی ابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان بن خُواستی العبسی مولاہم الکوفی ابوبکر ۱۵۹ھ=۷۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث اور حنفی فقیہ تھے۔ ۲۳۵ھ=۸۴۹ء کو وفات پائی۔ امام احمد امام اسحاق بن راہویہ اور امام علی ابن المدینی کے اقران میں سے تھے۔

[سیر أعلام النبلاء شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی ۱۱: ۱۲۲ تحقیق شعیب الارنووط مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۰ھ=۱۹۹۰ء الاعلام ۴: ۱۱۷]

(۴) عبدالحق بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ اَزدی اِشبیلی ابومحمد المعروف باابن الخراط۔ اندلس کے علماء میں سے تھے۔ ۵۱۰ھ=۱۱۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ فقہ حدیث رجال اور علل حدیث کے عالم تھے۔ ادب وشعر میں خاص کمال حاصل تھا۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۵۸۱ھ=۱۱۸۵ء کو "بجایۃ" میں وفات پائی۔

[فوات الوفیات محمد بن شاکر بن احمد بن عبدالرحمٰن الکتبی ۱: ۶۰۶ ترجمہ ۲۴۴ تحقیق: علی محمد معوض دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء الاعلام ۳: ۲۸۱]

(۵) یہ کتاب ۲۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ العاقبۃ أو الموت والحشر والنشور کے نام سے عبداللہ ابوعبدالرحمٰن المصری الاثری کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۱۰ھ=۱۹۹۰ء کو دارالصحابۃ للتراث طنطا مصر سے شائع ہوگئی ہے۔

اور امام ابن عساکر (۱) کی تاریخ دمشق (۲)۔

---

(۱) علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابوالقاسم ثقۃ الدین ابن عساکر الدمشقی ۴۹۹ھ = ۱۱۰۵ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ میں دیار مصریہ کے محدث تھے۔ مؤرخ اور حافظ حدیث تھے۔ حصول علم کے لیے لمبے لمبے سفر کیے۔ ۵۷۱ھ = ۱۱۷۶ء کو دمشق ہی میں وفات پائی۔ تاریخ دمشق الکبیر کے مصنف اور امام سمعانی صاحب الانساب کے رفیق رہے ہیں۔ [وفیات الاعیان ۳: ۳۰۹' الاعلام ۴: ۲۷۳]

(۲) محدث ہند شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم دہلوی اور اُن کے فرزند شاہ عبدالعزیز دہلوی نے محدثین کی کتابوں کے طبقات کو متعین کیا جن میں سے دو طبقوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

- تیسرا طبقہ -

اس طبقہ میں حدیث کی وہ تمام مسانید' جوامع اور مصنفات داخل ہیں' جو امام بخاری سے قبل کے علماء' اُن کے ہم عصروں یا متاخرین نے ترتیب دی ہیں' مگر اِن کتب کے مصنفین نے صحت کا التزام نہیں کیا ہے اور نہ اُن کی کتابیں شہرت اور قبولیت میں طبقہ اُولی اور ثانیہ کی کتب تک پہنچ سکی ہیں' اگرچہ ان کتب کے مؤلفین علوم حدیث میں ماہر' ثقہ اور ضبط و عدل کی صفات سے متصف تھے' مگر ان کی کتابوں میں صحاح' حسان اور ضعاف کے ساتھ ساتھ ایسی احادیث بھی موجود ہیں جن پر موضوع ہونے کا اِتّہام [الزام] ہے اور ان کے کئی راوی مجہول و مستور الحال ہیں' اگرچہ ان کے مابین فرقِ مراتب ضرور ہے' ان کتابوں کے نام یہ ہیں: مسند شافعی' سنن ابن ماجہ' سنن دارمی' مسند ابی یعلیٰ موصلی' مصنّف عبدالرزاق' مصنّف ابی بکر بن ابی شیبہ' مسند عبد بن حُمید' مسند ابی داؤد طیالسی' سنن دار قطنی' صحیح ابن حِبان' مستدرک حاکم' امام بیہقی امام طحاوی حنفی اور امام طبرانی کی کتابیں۔

[حجۃ اللہ البالغۃ' شاہ ولی اللہ ۱: ۱۳۴' میر محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی' بدون تاریخ' عجالہ نافعہ' شاہ عبدالعزیز: ۵' نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی' بدون تاریخ]

- چوتھا طبقہ -

اس طبقہ میں وہ احادیث داخل ہیں جن کا قرونِ اُولیٰ [دورِ صحابہ و تابعین] میں نام و نشان نہیں ملتا مگر متاخرین علماء نے ان کو نقل کیا ہے' ان کے متعلق دو صورتیں ممکن ہیں:

- ۱: یا تو سلف صالحین نے ان کی چھان بین کی اور انہیں ان کی کوئی اصل نہیں ملی کہ وہ ان کو روایت کرے
- ۲: اور یا پھر اُن کی اصل تو پائی مگر اُن میں علت و قباحت دیکھ کر روایت سے گریز کیا۔

بہر حال دونوں صورتوں میں ان احادیث پر سے اعتماد اٹھ گیا اور وہ اس قابل نہ رہیں کہ کسی عقیدہ......

حافظ سیوطی (۱) نے اپنی کتاب شَرحُ الصُّدُور بِشَرح أحوالِ المَوتیٰ و القُبُورِ میں ان ہی کتابوں سے اخذ واستفادہ کرکے اُن کے نام سے روایتیں درج کی ہیں۔ انہوں نے ان میں سے بعض احادیث اور اُن کے رُواۃ پر کلام بھی کیا ہے جب کہ سماعِ موتی کے قائلین اُن کی شَرحُ الصُّدُور کا نام لیے بغیر ان کتابوں کے حوالوں سے مسئلہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رُواۃ سے متعلق اُن کے کلام کا ذکر تک نہیں کرتے مثلاً انہوں نے امام بیہقی (۲) اور امام ابن عساکر کے حوالے سے ایک ایسی سند سے روایت کی ہے جس میں سعید بن مسیب (۳) سے روایت کرنے والا مجہول ہے (۴)۔ یہ لوگ حافظ سیوطی کے اس

...... یا عمل کے ثبوت کے لیے انہیں دلیل بنایا جائے' اس قسم کی احادیث نے بہت سے محدثین کو غلطی میں مبتلا کیا ہے اور ان کتابوں میں احادیث کی بکثرت سندیں دیکھ کر دھوکہ کھا گئے اور اُن کے متواتر ہونے کا حکم لگا بیٹھے' اس قسم کی کتابیں یہ ہیں: کتاب الضعفاء والمترو کین از ابن حبان' تصانیف حاکم' کتاب الضعفاء از عقیلی' کتاب الکامل فی الضعفاء از ابن عدی' تصانیف خطیب' تصانیف ابن شاہین' تفسیر ابن جریر' فردوس دیلمی بلکہ اُس کی تمام تصانیف ابونعیم' جوزقانی' ابن عساکر' ابوالشیخ' اور ابن النجار کی تصانیف اور مسند خوارزمی۔ [حجۃ اللہ البالغہ ۱:۱۳۵' عجالہ نافعہ: ۵-۶]

(۱) عبدالرحمن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین' خضیری' سیوطی' جلال الدین' ۸۴۹ھ = ۱۴۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ قاہرہ میں پلے بڑھے۔ چالیس سال کی عمر میں دریائے نیل کے روضۃ المقیاس میں عزلت نشین ہوئے اور وہیں اپنی اکثر کتابیں لکھیں۔ امراء اور شرفاء ان سے ملنے وہاں آتے اور وظائف وتحائف پیش کرتے مگر آپ کسی سے ملتے اور نہ وظیفہ یا تحفہ قبول کرتے۔ ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء کو وفات پائی۔ [شذرات الذہب ۸:۵۱' الاعلام ۳:۳۰۱]

(۲) احمد بن حسین بن علی ابوبکر' ائمہ حدیث میں سے تھے۔ نیشاپور کے کے شہر بیہق کے مضافاتی گاؤں خسروجرد میں ۳۸۴ھ = ۹۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ بیہق میں پلے بڑھے۔ حصول علم کے سلسلے میں بغداد' کوفہ اور مکہ معظمہ کے سفر کیے۔ ۴۵۸ھ = ۱۰۶۶ء کو نیشاپور میں وفات پائی۔ اُن کا جسد خاکی بیہق منتقل کیا گیا جہاں اُن کی تدفین ہوئی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۳:۵۷۹' الاعلام ۱:۱۱۶]

(۳) سعید بن مُسَیَّب بن حَزن بن ابی وہب' ۱۳ھ = ۶۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ جلیل القدر تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ کے سات بڑے فقہاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ محدث' فقیہ اور عابد وزاہد تھے۔ زیتون کی

تبصرہ کو چھوڑ کر اس عبارت کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ یہ صدفی صد صحیح ہے اور حافظ سیوطی کی بھی یہی رائے ہے حالانکہ یہ بہت بڑی خیانت ہے۔

کتابوں میں ملاوٹ

بے دین لوگوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اہل حق کی کتابوں میں ملاوٹ کیا کرتے ہیں۔ کسی زمانے میں جب پریس ابھی ایجاد نہیں ہوا تھا اور ہاتھوں سے کتابیں لکھنے کا رواج تھا اُس دور میں باطل کا ساتھ دینے والوں نے اس قسم کی حرکتیں بکثرت کی ہیں۔ اس کی اَن گنت مثالیں ہیں یہاں ایک دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ درمختار مطبوعہ مصر میں ہے:

مَن فَقَدَ شيئًا فَلْيَذْهَبْ سبعةَ أقدامٍ نحو الشيخ عمرو بن حمدان وليَقُل: يا عمرو بن حمدان! إن لم ترد عليَّ ضالَّتي أخرجْتُكَ عن ديوانِ الأولياء(۱).

تجارت کرکے اس کی آمدنی سے اپنا پیٹ پالتے تھے اور کسی سے کسی قسم کا کوئی وظیفہ نہیں لیتے تھے۔ سیدنا عمر ؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ ۹۴ھ=۷۱۳ء کو وفات پائی۔

[الطبقات الکبریٰ محمد بن سعد ۵:۱۱۹ دار صادر بیروت ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء الاعلام ۳:۱۰۲]

(۴) شیخ القرآن رحمہ اللہ کا اشارہ اُن کی اس عبارت کی طرف ہے: وأخرج الحاكم في تاريخ نيسابور و البيهقي وابن عساكر في تاريخ دمشق بسند فيه مَن يُجْهَلُ عن سعيد المسيب.

[شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی: ۱۸۶ روایت: ۹۲۱ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء]

حواشی صفحہ ہذا

(۱) درمختار کی عبارت یہ ہے: أنَّ الإنسان إذا ضاعَ له شيءٌ وأراد أن يرده اللهُ سبحانه عليه فليَقِف على مكانٍ عالٍ مستقبلَ القبلةِ ويقرأُ الفاتحةَ ويهدي ثوابها للنبي ﷺ ثم يهدي ثواب ذلك لسيدي أحمد بن علوان ويقول: يا سيدي أحمد! يا ابن علوان! إن لم ترد عليَّ ضالَّتي وإلَّا نزعتُكَ من ديوان الأولياء، فإنَّ اللهَ تعالى يرد على مَن قال ذلك ضالَّتَهُ ببركته.

[درالمختار محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمٰن حصکفی برہامش ردالمحتار ۳:۲۵۵ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان بدون تاریخ]

....

''جس کا کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ سات قدم شیخ عمرو بن حمدان [1] کی طرف چلے۔ اور کہے کہ:
اے عمرو بن حمدان! اگر تو نے میری گم کی ہوئی چیز مجھے واپس نہیں لوٹائی تو میں تمہیں اولیاء کے دیوان میں سے مٹا لوں گا۔''

یہ الفاظ ہندوستان اور استنبول سے شائع ہونے والی درمختار میں موجود نہیں ہیں۔ اس قسم کے اکثر الفاظ یہود یا اُن کے بہی خواہوں روافض [2] نے وضع کی ہیں۔

...... ''جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ اللہ وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ رخ کھڑا ہو جائے اور سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اُس کا ثواب رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کرے اور پھر سیدی احمد بن علوان کو اور پھر کہے: یا سیدی احمد یا ابن علوان! اگر آپ نے میری چیز واپس نہ لوٹائی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا پس اللہ تعالیٰ اُس کی گم کی ہوئی چیز اُن کی برکت سے لوٹا دے گا۔''

مولانا احمد یار خان صاحب گجراتی اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں: ''اس دعا میں سید احمد بن علوان کو پکارا بھی' اُن سے مدد مانگی' اُن سے گئی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی؟ حنفیوں کے مفتی اعظم صاحب درمختار نے۔ [جاء الحق وزہق الباطل' حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی: ۱۹۹-۲۰۰' مفتی احمد یار خان نعیمی کتب خانہ' گجرات' پاکستان' بدون تاریخ]

(۱) اس نام کا کوئی شیخ مجھے نہ مل سکا۔

(۲) روافض: رافضی کی جمع ہے۔ رفض سے نکلا ہے' جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں۔ کوفی شیعوں کے ایک گروہ کا نام ہے' ان لوگوں نے زید بن علی کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہا' جس پر انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اس پر یہ لوگ اُن کے در پے ہوئے کہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے براءت کا اعلان کریں مگر اُنہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ وہ میرے نانا ﷺ کے وزیر اور ساتھی ہیں اس لیے انہوں نے زید بن علی سے الگ ہو جانے کا اعلان کیا' اس لیے روافض کہلائے۔

[تہذیب اللغۃ' ابو منصور محمد بن احمد ازہری' ۱۲: ۱۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱ء؛ المصباح المنیر' احمد بن محمد بن علی فیومی: ۸۹' مکتبۃ لبنان' ۱۹۸۷ء]

امام شعبی فرماتے ہیں: روافض یہود و نصاریٰ سے بدتر ہیں' اس لیے کہ جب اُن سے پوچھا جائے کہ تمہارے ہاں سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ تو اُن کا جواب ہوتا ہے: اصحاب سیدنا موسیٰ اور اصحاب سیدنا عیسیٰ علیہما السلام اور جب روافض سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے نزدیک بدترین لوگ کون ہیں؟ تو ......

درمختار میں شیخ ابن عربی (۱) کی کتابوں پر اعتراضات کے جواب میں بھی یہ بات کی گئی ہے
کہ: وفیه کلماتٌ تُبايِنُ الشَّريعةَ، وتكلَّفَ بعضُ المُتَصَلِّفِينَ لإرجاعِها إلى الشَّرعِ
لكنّا تَيَقَّنّا أنّ بعضَ اليهودِ افتراها على الشيخ قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهٗ فيجب الإحتياطُ.
[درمختار ۴:۶۰۶ (۲)]

''اس میں کچھ باتیں شریعت کے خلاف ہیں۔ کچھ ڈینگیں مارنے والوں نے ان کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان باتوں کو کسی یہودی نے گھڑ کر شیخ ابن عربی قدس اللہ سرہ کی طرف منسوب کی ہیں۔''

زنادِقہ (۳)، واضعینِ حدیث

زنادقہ دین کے دشمن تھے اور احادیث وضع کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ امام

...... اُن کا جواب ہوتا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ﷺ.

[التبصیر فی الدین' ابوالمظفر اسفرائینی: ۴۱-۴۲' عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء]

(۱) محمد بن علی بن محمد ابن عربی ابوبکر الحاتمی الطائی الاندلسی' عرف محیی الدین بن عربی' لقب: شیخ اکبر' صوفی اور فلسفی تھے۔ رمضان ۵۶۰ھ=۱۱۶۵ء کو مرسیہ [اندلس] میں پیدا ہوئے۔ اِشبیلیہ منتقل ہوئے۔ رحلۃ میں قیام پذیر ہوئے۔ شام' روم' عراق اور حجاز مقدس کے سفر کیے۔ کچھ شطحیات کی وجہ سے اہل مصر نے اُنہیں قید میں ڈال کر پھانسی چڑھانے کا فیصلہ کیا مگر علی بن فتح بجائی کی کوششوں سے رہائی ملی' وہاں سے جا کر دمشق میں رہائش اختیار کی' جہاں ۶۳۸ھ=۱۲۴۰ء کو وفات پائی۔

[فوات الوفیات ۲: ۳۹۷' ترجمہ: ۴۸۴' الاعلام ۶: ۲۸۱]

(۲) درمختار بر حاشیہ رد المحتار' مطبوعہ کوئٹہ ۳: ۳۲۲

(۳) زندیق کی جمع ہے۔ اسلامی فقہ میں یہ اصطلاح اُس فاسد العقیدہ بدعتی کے لیے استعمال ہوتی ہے جس کی تعلیم حکومت کے لیے خطرہ بن جائے۔ ہر بے دین کو بھی زندیق کہا جاتا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے: ''زندیق وہ کافر ہے جو سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرنے کے باوجود کافرانہ عقائد رکھتا ہو۔''

[شرح المقاصد ۳: ۴۶۰]

محمد طاہر [1] نے مجمع بحار الانوار کے خاتمہ میں ذکر کیا ہے کہ: قال حَمَّاد بن زید : وضعتِ الزَّنادِقَةُ أربعةَ آلاف حديثٍ، و لمَّا أُخِذَ ابن أبي العوجآء لِضَربِ عُنقِهِ قال: وَضَعْتُ فيكم أربعة آلافِ حديثٍ. [مجمع بحار الانوار: ۷۰۵ د [2]]

"حماد بن زید [3] کہتے ہیں: زندیقوں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں اور جب ابن ابی العوجاء کو اُس کا گردن اڑانے کے لیے گرفتار کیا گیا تو اُس نے کہا: میں نے چار ہزار احادیث گھڑ کر تمہارے اندر پھیلائی ہیں [4]۔"

---

(۱) جمال الدین محمد بن طاہر پٹنی ہندی' ۸۱۴ھ = ۱۵۰۸ء کو گجرات [ہند] کے شہر "نہروالہ" میں پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ ۸۴۴ھ میں حج کیا اور حجاز کے علماء سے بھرپور علمی فوائد حاصل کیے۔ بوہرہ قوم سے تھے جو مہدویہ اسماعیلیہ کی پیروتھی۔ انہوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک اپنی قوم سے بدعت وضلالت دور نہ کروں گا عمامہ سر پر نہ باندھوں گا۔ ۹۸۶ھ = ۱۵۷۸ء کو آپ نے شہادت پائی۔ [تذکرہ علمائے ہند' مولوی رحمان علی: ۴۴۰' ترجمہ: ۵۱۱' ترتیب و ترجمہ: محمد ایوب قادری' پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی' کراچی' ۱۹۶۱ء]

(۲) مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار' محمد طاہر پٹنی' ہندی ۵: ۲۱۰' دائرۃ المعارف العثمانیہ' ہند' ۱۳۸۷ھ = ۱۹۶۷ء

(۳) حماد بن زید بن درہم' ازدی' جھضمی' بصری' ابو اسماعیل' بنیادی طور پر بجستان سے تعلق تھا۔ بصرہ میں ۹۸ھ = ۷۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں عراق کے شیخ تھے۔ بینائی سے محروم تھے۔ چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ ازرق کے نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ صحاح میں اُن کی روایتیں لی گئی ہیں ۱۷۹ھ = ۷۹۵ء کو بصرہ میں فوت ہوئے۔ [سیر اعلام النبلاء ۷: ۴۵۶' الاعلام ۲: ۲۷۱]

(۴) ہارون الرشید نے ایک زندیق کو پکڑوا کر اُس کی گردن اڑانے کا حکم دیا' اس پر اُس نے وجہ پوچھی' جس کے جواب میں ہارون الرشید نے کہا: أُرِيحُ العبادَ منكَ' قال: فأين أنتَ مِن ألفِ حديثٍ وضعتُها على رسول الله ﷺ كلها ما فيها حرفٌ نطقَ به رسول الله ﷺ قال: فأين أنت يا عدوَّ الله من أبي إسحاق الفَزَارِي وعبدالله بن المبارك؟ يَتَخَلّلانِها فيُخرِجانها حرفاً حرفاً.

[تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۷۳' ترجمہ: ۲۵۹] ....

بلاسند اَحادیث

اِسناد کی اہمیت واضح ہے۔ دین اسلام کی بنیاد ہی اِسناد پر قائم ہے۔ اگر اِسناد نہ ہو تو دین کی ساری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ روافض اور مبتدعین کا طریقہ ہے کہ وہ بے سند اقوال وافعال کو سینے سے لگائے بیٹھے رہتے ہیں اور اُن پر ایسا عمل کرتے اور ایسا عقیدہ رکھتے ہیں گویا کہ وہ کسی قطعی نص سے ثابت ہے۔ دینی معاملات میں سب سے زیادہ جھوٹ روافض نے بولا بلکہ اُنہوں نے تو اپنے دین اور عقائد ونظریات کی بنیاد ہی اِخفاء پر رکھی ان موضوع روایات کی یا تو سند نہیں ہوتی اور اگر سند ہو بھی تو کذابین اور وضاعین پر مشتمل ہوتی ہے۔ امام مسلم (۱) لکھتے ہیں: الإسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ وَلَوْلَا الإسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَآءَ مَاشَآءَ (۲)

...... "میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تیرے شر سے بچانے کے لیے یہ اقدام کرتا ہوں وہ زندیق اس کے جواب میں بولا: تم اُن چار ہزار موضوع روایات کا کیا کرو گے جو میں نے حلال وحرام سے متعلق گھڑی ہیں اور ان میں سے ایک حرف بھی نبی ﷺ کا ارشاد کیا ہوا نہیں ہے؟ ہارون نے اس سے کہا: اللہ کے دشمن! تم امام ابو اسحاق فزاری اور امام عبداللہ بن مبارک جیسے علماء سے ناواقف ہو؟ جو تمہاری موضوع روایات کو صحیح روایات سے اس طرح حرفاً حرفاً نکال باہر پھینکیں گے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال کو نکالا جاتا ہے۔"

(۱) مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری ابوالحسین ۲۰۴ھ = ۸۲۰ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ کبار ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔ حجاز شام اور عراق کے سفر کیے۔ نیشاپور ہی میں ۲۶۱ھ = ۸۷۵ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۵: ۱۹۴ تذکرۃ الحفاظ ۲: ۵۸۸ الاعلام ۷: ۲۲۱]

(۲) یہ عبداللہ بن مبارک کا قول ہے۔

[صحیح مسلم مسلم بن حجاج قشیری مقدمہ: ۶۷ باب: الاسناد من الدین [۵] روایت ۳۲ ترقیم: یاسر حسن موسسۃ الرسالۃ ناشرون بیروت ۱۴۳۷ھ = ۲۰۱۶ء]

امام احمد بن عمر قرطبی محدث [وفات: ۶۵۶ھ] لکھتے ہیں: وهذا الذي قاله ابن المبارك قد قاله أنس ابن مالك وأبو هريرة ونافع مولى ابن عمر وغيرهم وهو أمر واضح الوجوب لا يختلف فيه [المُفهِم لِمَا أشكَلَ مِن تلخيصِ كتاب مُسلِم ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی ۱: ۱۲۱ تحقیق: لجمہ من المحققین دار ابن کثیر دمشق ۱۴۲۰ھ = ۱۹۹۹ء]

......

''اِسنادِ حدیث ہی دین ہے' اگر اِسناد نہ ہوتی تو پھر ہر کوئی جو چاہتا' وہی کہہ دیتا۔''

موضوع روایات

بہت سے لوگوں نے احادیث وضع کیں جن میں سے سرفہرست روافض، صوفیاء اور زاہد ہیں۔ حافظ سیوطی نے حماد بن سلمۃ کے حوالے سے لکھا ہے: أخبرني شیخٌ من الرّافضة أنهم کانوا یَجتَمِعون علی وضع الأحادیث. [التدریب: ۳۰ [1]]

''مجھے روافض میں سے ایک شیخ نے بتایا کہ وہ اکٹھے ہو کر احادیث وضع کیا کرتے تھے۔''

قدیم صوفیاء میں سے جو اہلِ علم و دیانت ہوتے، وہ کسی جھوٹے راوی سے حدیث سن کر اُس کو بیان کر دیتے تھے اس لیے محدثین اُن کی روایات پر اعتماد نہیں کرتے تھے [2]۔ متاخرین

..... ''الإسناد من الدین'' صرف امام ابن مبارک ہی کا قول نہیں ہے بلکہ یہ سیدنا انس بن مالک' سیدنا ابو ہریرۃ اور نافع مولی ابن عمرؓ کا ارشاد بھی ہے اور یہ ایسی واضح چیز ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

امام شاطبی فرماتے ہیں: جعلوا الإسناد من الدین' و لا یعنون: حدثني فلانٌ عن فلانٍ مجرداً' بل یریدون ذلك لما تضمنه من معرفة الرجال الذین یحدث عنهم' حتی لا یسند عن مجهول و لا مجروح' و لا مُتّهم' إلا عمّن تحصل الثقة بروایته' لأن روح المسئلة أن یغلب علی الظن من غیر ریبة أن ذلك الحدیث قد قاله النبي ﷺ لنعتمد علیه في الشریعة' و نسند إلیه الأحکام.

[الاعتصام ۲: ۱۵' باب: فی مأخذ اہل البدع [۴] فصل اول]

''اِسناد دین میں سے ہے'' اس جملے کا یہ مطلب نہیں' کہ حَدَّثَنِي فُلَانٌ عَن فُلَانٍ پر اکتفاء کی جائے' بلکہ اس سے محدثین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی مجہول' مجروح' متہم اور غیر ثقہ راوی سے روایت نہ لی جائے' کیوں کہ اس مسئلے کی جان یہی ہے کہ ایسی با اعتماد سند ذکر کی جائے جس سے یہ غالب گمان ہو کہ واقعی یہ بات رسول اللہ ﷺ ہی نے فرمائی ہے تا کہ ہم شرعی احکام کے سلسلے میں اس پر اعتماد کر سکیں۔''

(۱) تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی' جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی ۱: ۲۳۱' نوع: ۲۱' الموضوع دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء

(۲) امام مسلم' امام یحییٰ بن سعید القطان کا قول نقل کرتے ہیں: لَمْ نَرَ الصَّالِحِیْنَ فِيْ شَيْئٍ أَکْذَبَ مِنْهُمْ فِي الْحَدِیْثِ. [مقدمہ صحیح مسلم: ۶۸]

صوفیاء میں جہل کا غلبہ ہے۔ حدیث کے علم سے دوری ہے اس لیے اُنہوں نے تابعین اور
بعد کے آنے والے محدثین کے اقوال و آراء کو مسند و مرفوع کر کے سنانا شروع کیا اور ان
کے اَسانید کو حذف کر کے آگے پہنچانا شروع کیا جس سے بہت بڑا فساد پیدا ہوا اور موضوع
و من گھڑت روایتیں عام ہونے لگیں۔

ایسے بھی کچھ محدثین گزرے ہیں جو خود تو ثقہ تھے لیکن اُن کی لاعلمی میں اُن کے کاتب
شاگرد یا کچھ قریبی جھوٹے رشتہ دار اُن کی کتابوں میں ملاوٹ کیا کرتے تھے جس کو وہ ثقہ
راوی نہ جان سکے بلکہ اُن روایات کو شہرت دی اور اُن کا پڑھنا پڑھانا شروع کیا اس لیے
محدثین نے اُن ثقہ غافل راویوں کے غفلت کے زمانے کی روایات کی نشان دہی کی اور
لوگوں کو متنبہ کیا(1)۔

''ہم نے حدیث کے بیان کرنے میں نیک و صالح لوگوں سے زیادہ خطا کرنے والا کسی اور کو نہیں
دیکھا۔''

امام مسلم اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يقول: يَجْرِي الْكَذِبُ عَلَى لِسَانِهِمْ وَلَا يَتَعَمَّدُونَ
الْكَذِبَ. [مقدمہ صحیح مسلم ۱:۱۸]

''مطلب یہ ہے کہ ان کی زبان پر غیر ارادی طور پر کذب جاری ہو جاتا ہے۔''

مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی املائی کتاب میں ہے: إذا وقع في الإسناد صوفي فاغسل يديك
منه، فإنهم يقولون: ظنوا بالمؤمنين خيراً، ولا يطلبون حقيقة الحال.
[العرف الشذي شرح سنن الترمذي، محمد انور شاہ بن معظم شاہ کشمیری ۱:۶۲، بذیل حدیث: ۱۷، تصحیح
محمود شاکر، دار إحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۴م]

''جب کسی [حدیث کی] سند میں کوئی صوفی [راوی] آجائے تو اُس [حدیث] سے اپنے ہاتھ دھو لو اس
لیے کہ وہ کہتے ہیں: ''مومنوں پر اچھا گمان رکھو'' اور حقیقت حال کو تلاش نہیں کرتے۔''

(1) امام ابن حبان لکھتے ہیں: ومنهم من امتحن بابن سوء أو ورّاق سوء كانوا يضعون له
الحديث، وقد أمن الشيخ ناحيتهم فكانوا يقرؤون عليه ويقولون له: هذا من حديثك فيحدث
به، فالشيخ في نفسه ثقة إلا أنه لا يجوز الاحتجاج بأخباره ولا الرواية عنه لما خالط

ابن ابی العوجاء - جو حماد بن سلمۃ کا سوتیلا بیٹا تھا - حماد بن سلمۃ کی کتابوں میں احادیث کی ملاوٹ کرتا تھا(۱)۔ امام معمر(۲) کی کتاب میں اُن کے رافضی بھتیجے نے زہری عن عبید اللہ بن عبد اللہ کی

...... أخباره الصحيحةُ الأحاديث الموضوعة.

[المجروحین من المحدثین' ابن حبان ۱: ۷۵' نوع: ۱۴' تحقیق: حمدی عبد المجید السلفی' دار الصمیعی' ریاض' سعودی عرب' ۱۴۲۰ھ = ۲۰۰۰ء]

''ان محدثین میں سے کچھ وہ ہیں جن کا پالا یا تو نالائق اولاد سے پڑا ہے اور یا اُحادیث وضع کرنے والے وراقین سے' حالانکہ شیخ اُن کی طرف سے مطمئن ہوتے ہیں یہ لوگ حدیث کو پڑھ کر شیخ سے کہتے ہیں کہ یہ آپ کی بیان کی ہوئی روایت ہے' اس لیے شیخ اس کی روایت کر لیتا ہے۔ ایسے شیخ فی نفسہ تو ثقہ ہوتے ہیں لیکن اُن کی روایات نا قابل استدلال ہوتی ہیں اس لیے کہ اُن کی صحیح حدیثیں موضوع احادیث کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتی ہیں اور ان میں تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے۔''

امام ابن حبان نے اس سلسلے میں حبیب بن ابی حبیب وراق' عبد اللہ بن ربیعۃ قدامی کے بیٹے' سفیان بن وکیع بن الجراح کے وراق اور قیس بن ربیع کے نالائق بیٹے کے نام لے کر اس کی مثال کے طور پر پیش کیے ہیں۔ [المجروحین من المحدثین' ابن حبان ۱: ۷۵' نوع: ۱۴]

(۱) حافظ ابن عدی نے حماد بن سلمۃ کے ترجمہ کے تحت لکھا ہے کہ: إنَّ ابن أبي العوجاء كان ربيبه فكان يدُسُّ في كتبه هذه الأحاديث. [الکامل فی ضعفاء الرجال' ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی ۳: ۴۷' ترجمہ: ۶۲/ ۴۳۱' تحقیق: لجنۃ من المحققین' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء]

امام محمد طاہر پٹنی ہندی لکھتے ہیں: عبد الرزاق بن همام عمي في آخر عمره' و كان ابن أخته أحمد ابن عبد الله يدُسُّ في كتبه الأباطيل حتى رمي بالكذب من أجل ذلك. [قانون الموضوعات والضعفاء' محمد طاہر پٹنی' ہندی: ۲۶۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۵ء]

''عبد الرزاق آخری عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے اس لیے اُن کے بھانجے احمد بن عبد اللہ کو اُن کی کتابوں میں دَسّ [ملاوٹ] کرنے کا موقع مل گیا جن کی نسبت بعد میں عبد الرزاق کی طرف کی گئی اور اس سے یہ ابہام پیدا ہوا کہ آپ کو جھوٹا تصور کیا گیا۔''

(۲) معمر بن راشد بن ابی عمر و ازدی' حدانی' ابو عروۃ۔ فقیہ اور متقن وثقہ حافظِ حدیث تھے۔ بصرہ سے تعلق تھا۔ بصرہ میں ۹۵ھ = ۷۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ یمن میں رہائش تھی' اُنہوں نے جب بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو یمن والوں نے اُنہیں قید کرنے کا مشورہ کیا چنانچہ وہاں اُن کی شادی کروائی گئی اور وہ وہیں رہ گئے

سند سے یہ حدیث گھڑ کر ڈال دی کہ: إنَّ النبي ﷺ نظَرَ إلى عَليٍّ فقال: يا علي! أنتَ سَيِّدٌ في الدُّنيا، سَيِّدٌ في الآخرة، حَبِيبُكَ حَبِيبي، وحَبِيبي حَبِيبُ اللهِ، وعَدُوُّكَ عَدُوِّي وعَدُوِّي عَدُوُّ اللهِ، والوَيْلُ لِمَن أبغضَكَ بعدي (۱)۔

"رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ (۲) کی طرف دیکھ کر فرمایا: علی! تم دنیا اور آخرت میں سردار ہو، جس نے تجھ سے محبت کی، اُس نے مجھ سے محبت کی اور میرا دوست اللہ کا دوست ہے اور تیرا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن اللہ کا دشمن ہے اور جو میرے بعد تیرے ساتھ بغض رکھے اُس کے لیے ہلاکت ہے (۳)۔"

......رُکے۔ یمن میں سب سے پہلے تصنیف اُنہوں نے کی۔ ۱۵۳ھ = ۷۷۰ء کو وہیں وفات پائی۔
[تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۶۴، ت: ۳۵۷، الاعلام ۷: ۲۷۲]

(۱) تاریخ بغداد، ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی ۴: ۴۲، دار الفکر بیروت، بدون تاریخ

(۲) علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہاشمی، قرشی، نبی ﷺ کے چچازاد اور داماد تھے۔ چوتھے خلیفہ راشد، سابقون اولون اور عشرۃ مبشرۃ میں سے ہیں۔ مکہ معظمہ میں ۲۳ ق ھ = ۶۰۰ء کو پیدا ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے سایہ عاطفت میں پلے بڑھے۔ ۳۵ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ = ۶۶۱ء کو شہادت پائی۔
[الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابو عمر یوسف بن عبد البر: ۵۲۷، ترجمہ: ۱۸۶۶، تحقیق: ڈاکٹر خلیل مامون شیما، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء، الاعلام ۴: ۲۹۵]

(۳) امام حاکم اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں: صَحِيحٌ على شرطِ الشَّيخَين، وأبو الأزهر بإجماعهم ثقةٌ وإذا تفَرَّدَ الثِّقَةُ بحديثٍ فهو على أصلهم صحيحٌ.
[المُستدرَك على الصَّحِيحَين، حاکم نیشاپوری ۳: ۱۲۸، دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ = ۱۹۷۸ء]

"یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین [امام بخاری اور امام مسلم] کے شرط کے مطابق ہے۔ ابو الازہر کی وثاقت پر محدثین کا اجماع ہے اور جب کوئی ثقہ کسی حدیث کو بیان کرنے میں اکیلا ہو تو محدثین کے اصل کے مطابق وہ روایت صحیح ہوتی ہے۔"

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ذہبی نے لکھا: هذا وإن كان رُواته ثقاتٌ فهو منكرٌ ليس ببعيدٍ من الوضع وإلا لأيّ شيءٍ حَدَّثَ به عبدالرزاق سِرًّا ولم يجسر أن يتفوّه به لأحمد وابن معين والخلق الذي رحلوا إليه، وأبو الأزهر ثقةٌ ذكر أنه رافق عبدالرزاق من قرية له إلى صنعاء......

مُردوں کے بارے میں معتزلہ (۱) میں سے صالحیہ کا عقیدہ

قال: فلما وَدَّعتُهُ قال: قد وجب حقُّكَ عَلَيَّ، وأنا أحدِّثك بحديث لم يسمعه مني غيرك، فحدَّثني والله بهذا الحديث لفظاً.

[تلخیص المستدرک، ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی ۳: ۱۲۸، دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ = ۱۹۷۸ء]

"یہ روایت منکر ہے، اگرچہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس کا موضوع و من گھڑت ہونا بعید نہیں ورنہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محدث عبدالرزاق نے اس روایت کو بیان کرنے میں رازداری سے کیوں کام لیا اور اسے کیوں امام احمد، امام یحییٰ بن معین اور اُن بہت سے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کیا جو اُن کے ساتھ اس سفر میں شریک تھے؟ ابوالازہر ثقہ ہیں اور انہوں نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ میں نے عبدالرزاق کی معیت میں صنعاء تک کا سفر کیا اور جب میں انہیں رخصت کرنے لگا تو فرمایا: تمہارا بھی ایک حق مجھ پر لازم ہوا۔ میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جو تیرے علاوہ کسی اور نے مجھ سے نہیں سنی اور پھر یہ پوری حدیث مجھے سنادی۔"

اور خطیب بغدادی لکھتے ہیں: هذا حديثٌ باطلٌ، والسبب فيه أنَّ معمراً كان له ابن أخ رافضيٌّ، وكان معمر يُمَكِّنُهُ من كتبه فأدخل عليه هذا الحديث، وكان معمر رجلاً مهيباً لا يقدر عليه أحدٌ في السؤال والمراجعةِ فَسَمِعه عبدالرزاق في كتاب ابن أخي معمر. [تاریخ بغداد ۴: ۴۲]

"یہ روایت باطل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معمر کا ایک رافضی بھتیجا تھا جسے معمر کی کتابیں پڑھنے کی اجازت تھی، اُس نے اس روایت کو اُن کی کتابوں میں گھسیڑ دی۔ معمر چونکہ ایک بارعب شخص تھے اس لیے کوئی اس سے سوال کرنے یا مراجعت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اس روایت کو امام عبدالرزاق نے معمر کے بھتیجے کی کتاب سے سن کر روایت کیا ہے۔"

(۱) علم کلام کا ایک مدرسہ فکر جس نے عقل اور نقل کے مابین تطابق اور توافق کی کوشش کی۔ اعتزال کے معنی کسی شخص یا گروہ سے الگ ہو جانے کے ہیں۔ مشہور خیال کے مطابق معتزلہ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ حسن بصری ایک دن اپنے حلقہ درس میں بیٹھے طلباء کو پڑھا رہے تھے کہ واصل بن عطا نے کھڑے ہو کر خوارج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ایک گروہ ایسا پیدا ہوا ہے جس کا کہنا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے، اور مرجئہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں قرار دیا جا سکتا ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ایمان صحیح ہے تو گناہ کبیرہ سے کفر لازم نہیں آتا یعنی یہ لوگ فرد کو اس حد تک چھوڑ دیتے ہیں

سید شریف جرجانی (۱) لکھتے ہیں: الصَّالحیۃُ: أصحابُ الصَّالح، و من مذھبھم ا
جوّزوا القیام و العلم و القُدرۃ و الإرادۃ و السّمع و البَصَر بِالمَیّت.
[شرح المواقف: ۷۵۰ (۲)]

''صالحیہ: صالح کا گروپ ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ مردہ اُٹھ سکتا ہے۔ وہ صاحب علم
قدرت اور صاحبِ ارادہ ہوتا ہے اور وہ سن بھی سکتا ہے اور دیکھ بھی سکتا ہے۔''

...... کہ گناہ سے کسی قسم کا نہ ایمان پر ضرر پڑتا ہے اور نہ ہی اس کے مستقبل پر۔ ان دونوں فرقوں میں برحق کون سا فرقہ ہے؟ حسن بصری اب جواب نہیں دے پائے تھے کہ اُس شخص نے خود ہی کہا: میری رائے میں ایسا شخص نہ کافر ہے نہ مؤمن، بلکہ اس کے بین بین ہے اور اس کے ساتھ حسن بصری کے تلامذہ میں اس عقیدے کی تلقین بھی شروع کی، اس پر حسن بصری نے فرمایا: اِعتزَلَ عنّا واصل: ''واصل ہم سے الگ ہو گیا ہے۔'' اس حوالے سے اس کا اور اس کے ہم خیالوں کا نام معتزلہ مشہور ہوا۔ [الملل والنحل، ابوالفتح محمد عبدالکریم بن ابی بکر شہرستانی: ۳۷-۳۸، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۲ھ=۲۰۰۲ء]

(۱) علی بن محمد بن علی، استرآباد کے نواحی گاؤں ''تاکو'' میں ۷۴۰ھ=۱۳۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ شیراز میں علم حاصل کیا۔ ۷۸۹ھ کو جب تیمور شیراز میں داخل ہوا تو جرجانی نے وہاں سے بھاگ کر سمرقند میں پناہ حاصل کی اور تیمور کی وفات تک وہاں ٹھہرے رہے، پھر شیراز واپس آ گئے اور وہیں ۸۱۶ھ=۱۴۱۳ء کو فوت ہوئے۔ فلسفی اور کبار علماء عربیت میں سے تھے۔

[الفوائد البہیۃ: ۲۱۳، ترجمہ: ۲۶۹، الاعلام ۵: ۷]

(۲) امام جرجانی کی عبارت یہ ہے: الصَّالحیۃُ: فرقۃٌ من المعتزلۃ، أصحابُ الصَّالح، وھم جوّزوا قیام العلم و القُدرۃ و السّمع و الإرادۃ و البَصَر بِالمَیّت. [التعریفات، علی بن محمد بن علی جرجانی: ۱۷۲، باب الصاد، تحقیق: ابراہیم ابیاری، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۲ء]

یہ عبارت اصل میں علامہ ایجی [وفات: ۷۵۶ھ] کی ہے۔ دیکھیے اُن کی کتاب: المواقف، عضدالدین عبدالرحمن ابن احمد الایجی ۳: ۶۵۵، تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرۃ، دارالجیل، بیروت، ۱۹۹۷ء۔

اس کتاب کی شرح علامہ جرجانی نے ''شرح المواقف'' کے نام سے لکھی ہے جس میں یہ عبارت موجود ہے۔ [شرح المواقف، سید شریف علی بن محمد جرجانی ۸: ۳۱۳، تحقیق: محمود عمر دمیاطی، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۸ء]

قسم اول

فصل اول: قرآن مجید اور مسئلہ سماع موتی
فصل دوم: مسئلہ عدمِ سماع موتی میں وارِد آثار
فصل سوم: سماع موتی کے دلائل کا جائزہ
فصل چہارم: سماع موتی کے بارے میں فقہائے احناف کے ارشادات

فصل اول

قرآن مجید اور مسئلہ سماع موتی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

۱- وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ. [سورۃ فاطر ۳۵:۲۲]

''اور تم قبر والوں کو نہیں سنانے والا۔''

۲- اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ.

[سورۃ النمل ۲۷:۸۰، سورۃ الروم ۳۰:۵۲]

''اور آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ہی بہروں کو سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چلے جائیں۔''

مفسر ابن جریر طبری (۱) نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: هٰذَا مَثَلٌ ضَرَبَهُ اللّٰهُ لِلْكَافِرِ، فَكَمَا لَا يَسْمَعُ الْمَيِّتُ الْاٰنَ كَذٰلِكَ لَا يَسْمَعُ الْكُفَّارُ قَوْلَكَ (۲).

''اس میں اللہ تعالیٰ نے کافر کی مثال بیان کی ہے تو جیسے کہ مردے اب نہیں سنتے ویسے کفار بھی آپ کی بات نہیں سنتے۔''

---

(۱) محمد بن جریر بن یزید طبری، ابو جعفر: مورخ و مفسر اور امام تھے۔ ۲۲۴ھ = ۸۳۹ء کو ''آمل طبرستان'' میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں سکونت پذیر رہے اور وہیں ۳۱۰ھ = ۹۲۳ء کو وفات پائی۔
[غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد بن الجزری ۲:۱۰۶، مکتبۃ الخانجی، مصر ۱۳۵۱ھ = ۱۹۳۲ء، الاعلام ۶:۶۹]

(۲) تفسیر الطبری، محمد بن جریر طبری ۱۰:۱۹۷، بذیل تفسیر سورۃ الروم ۳۰:۵۳، فقرہ: ۲۸۰۲۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء

امام ابن ہمام [1] نے لکھا ہے: فَإِنَّهُمَا يُفِيْدَانِ تَحْقِيْقَ عَدَمِ سَمَاعِهِمْ فَإِنَّهُ تَعَالَى شَبَّهَ الْكُفَّارَ بِالْمَوْتَى لِإِفَادَةِ تَعَذُّرِ سَمَاعِهِمْ وَهُوَ فَرْعُ عَدَمِ سَمَاعِ الْمَوْتَى.
[فتح القدیر ۲:۶۹] [2]

"یہ دونوں آیتیں [وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ [سورۃ فاطر ۳۵:۲۲] اور اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى [سورۃ النمل ۲۷:۸۰، سورۃ الروم ۳۰:۵۲] مردوں کے نہ سننے کے تحقق کا فائدہ دیتی ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردوں کے ساتھ سماع کے نہ ہونے کی وجہ سے تشبیہ دی ہے جو کہ عدم سماع کی فرع ہے۔"

اسی طرح شامی، جلد ۳، صفحہ ۱۸۰ میں بھی ہے [3]۔

۳: وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ. [سورۃ فاطر ۳۵:۱۹-۲۲]

"اندھا اور دیکھنے والا، اندھیرے اور روشنی، سایہ اور دھوپ برابر نہیں اور مردے اور زندے بھی برابر نہیں۔"

امام رازی [4] نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نو اَمَّا الأحياء و الأموات

---

(۱) محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود سیواسی اسکندری کمال الدین، حنفی فقیہ اور عالم تھے۔ اصول تفسیر، فرائض، فقہ، حساب، لغت، موسیقی اور منطق کے ماہر عالم تھے۔ ۷۹۰ھ = ۱۳۸۸ء کو اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں پرورش ہوئی۔ حلب میں کافی عرصہ تک رہے ہیں۔ ۸۶۱ھ = ۱۴۵۷ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [الضوء اللامع لاہل القرن التاسع، الاعلام ۶:۲۵۵]

(۲) فتح القدیر، محمد بن عبد القادر سیواسی سکندری، ابن ہمام ۲:۱۰۴، باب الجنائز، دار الفکر بیروت، بدون تاریخ

(۳) رد المحتار علی در المختار ۳:۱۴۳، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک

(۴) محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی بکری، ابو عبد اللہ فخر الدین رازی۔ اپنے زمانے میں معقول اور علوم اوائل کے بہت بڑے عالم تھے۔ طبرستان سے تعلق تھا۔ "رے" میں ۵۴۴ھ = ۱۱۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ ہرات میں ۶۰۶ھ = ۱۲۱۰ء کو وفات ہوئے۔ [وفیات الاعیان ۵:۱۵۷، الاعلام ۶:۳۱۳]

فالتفاوت بينهما أكثر إذ ما من ميت يساوي في الإدراك حيا من الأحياء فذكر الأحياء لا يساوون الأموات(۱).

''زندوں اور مُردوں کے درمیان بہت فرق اور تفاوت ہے۔ کوئی بھی مردہ ادراک میں کسی بھی زندہ کے برابر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ زندے، مردوں کے ساتھ برابر نہیں۔''

۴: وما انت بمسمع من فی القبور. [سورۃ فاطر:۳۵:۲۲]

''اور تو قبر والوں کو نہیں سنانے والا۔''

اس کی تفسیر میں دو احتمال ہیں(۲):

پہلا احتمال: اس سے کفار مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کا کلام اور آپ پر نازل ہونے والی وحی سننے میں مُردوں کی مانند بلکہ اُن سے بڑھ کر ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو سناتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اُن کو نہیں سنا سکتے جو مر جائیں اور قبر میں دفن کر دیے جائیں۔ مُردے تو اللہ تعالیٰ کی بات سنتے ہیں اور کفار مُردوں کی طرح ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی بات نہیں سنتے۔

دوسرا احتمال: اس سے مقصود رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ ان کو فائدہ نہیں دے سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو سنا سکتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی سنا سکتے ہیں کیونکہ وہ جس کو چاہے سناتے ہیں خواہ وہ سخت پتھر ہی کیوں نہ ہو۔ آپ تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ آپ پر ان کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

امام رازی فرماتے ہیں: والميت لا يدرك شيئا. [التفسیر الکبیر ۶:۱۰۴](۳)

''اور میت کو کسی قسم کا ادراک نہیں کر سکتا۔''

---

(۱) التفسیر الکبیر، فخر الدین محمد بن عمر رازی ۹:۲۳۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۷ء

(۲) یہ دونوں احتمالات بھی امام رازی نے لکھے ہیں۔ [التفسیر الکبیر، فخر الدین محمد بن عمر رازی ۹:۲۳۳]

(۳) التفسیر الکبیر ۸:۱۴۳

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ التَّأْوِيْلِ فِي الْمُرَادِ بِالْمَوْتٰى فِي قوله تعالى: إِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى، وَكَذٰلِكَ الْمُرَادُ بِمَنْ فِي الْقُبُوْرِ فَحَمَلَتْهُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰه عنها عَلَى الْحَقِيْقَةِ وَجَعَلَتْهُ أَصْلاً. اِحْتَاجَتْ مَعَهُ إلى تأويل قوله ﷺ: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْهُمْ، وَهٰذَا قَوْلُ الْأَكْثَرِ. [فتح الباری ۷: ۲۳۷(۱)]

''اہل تاویل کا اِس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: إِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور مَنْ فِي الْقُبُوْرِ سے کیا مراد ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا(۲) نے اسے حقیقت پر حمل کیا ہے اور اسے اصل قرار دیا ہے جس کی وجہ سے انہیں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْهُمْ میں تاویل کرنی پڑی۔''

شیخ المشائخ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی(۳) نے فرمایا ہے: فَإِنَّهُ لَمَّا شَبَّهَ الْكُفَّارَ بِالْأَمْوَاتِ فِي عَدَمِ السَّمَاعِ عُلِمَ أَنَّ الْأَمْوَاتَ لَا يَسْمَعُوْنَ وَإِلَّا لَمْ يَصِحَّ التَّشْبِيْهُ. [الکوکب الدری ۲: ۳۱۹(۴)]

---

(۱) فتح الباری ۷: ۳۰۴، کتاب المغازی [۶۴] باب قتل ابی جہل [۸] بذیل حدیث: ۳۹۸۱

(۲) عائشہ رضی اللہ عنہا بنت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ، ام المؤمنین، ۹ قبل ہجری = ۶۱۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ علم وادب اور علوم دینیہ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ دو ہجری کو رسول اللہ ﷺ سے ان کی شادی ہوگئی۔ اکابر صحابہ آپ سے فرائض [میراث] کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ ۵۸ھ = ۶۷۸ء کو مدینہ منورہ میں وفات پاگئیں۔ آپ سے ''۲۲۱۰'' احادیث کی روایت کی گئی ہیں۔
[اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ابن الاثیر الجزری ۵: ۴۹۴ ترجمہ: ۷۰۹۶، دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء، الاعلام ۳: ۲۴۰]

(۳) مولانا رشید احمد گنگوہی ۶ ذوالقعدہ ۱۲۴۴ھ = ۱۸۲۹ء کو گنگوہ، انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ اُن کے والد وفات پاگئے، اُن کے دادا نے اُن کی تربیت کی۔ شاہ عبدالغنی کے شاگرد رہے ہیں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کی اور خلافت سے نوازے گئے۔ ۸ یا ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ = گیارہ اگست ۱۹۰۵ء کو وفات پائی۔
[بیس بڑے مسلمان، عبدالرشید ارشد: ۱۴۵-۲۲۵، مکتبہ رشیدیہ، لاہور ۱۹۹۹ء] ......

"اللہ تعالیٰ نے کفار کو نہ سننے میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ مردے نہیں سنتے ورنہ تشبیہ صحیح نہیں ہو گی۔"

اسی طرح انہوں نے لطائف رشیدیہ میں بھی فرمایا ہے (۱)۔

آیت کی تفسیر میں علماء کے دو قول ہیں:

پہلا قول: موتیٰ سے مراد اس کا حقیقی موضوع لہٗ معنیٰ ہے یعنی: مُردے۔

دوسرا قول: اس سے مراد مستعار منہ کفار ہیں۔

پہلا معنیٰ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے اصول کے موافق ہے۔

حاشیہ صفحہ سابقہ

(۴) الکوکب الدری علی جامع الترمذی' املاء: رشید احمد گنگوہی' جمع و ترتیب: محمد یحیٰ کاندھلوی' ۲: ۱۹۷ تحقیق: محمد زکریا کاندھلوی' مطبعۃ ندوۃ العلماء' لکھنؤ' ہند' بدون تاریخ

حواشی صفحہ ہٰذا

(۱) اُن کی پوری عبارت یہ ہے: "مسئلہ سماعِ موتیٰ کا قرنِ اول میں مُختلفٌ فِیہِ ہوا ہے۔ اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلد کی کوئی ترجیح کی جانب اگر میلان کرے تو مضایقہ نہیں۔ سو مسلک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مثل طریقہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنیٔ حقیقی پر حمل کر کے - کہ اصل موضوع لہٗ ہے - حدیث میں - کہ شرح قرآن ہے - تاویل مناسب ہے جب تک قطعی معنیٰ حدیث پر حاصل نہ ہو جائے چنانچہ اصول میں مبرہن ہے پس آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی قطعی خاص اور احادیث و سماع ظنی۔ اخبار آحاد سے تخصیص کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ پھر اس آیت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں معنیٰ وجہ شبہ کی حقیقتاً ہوتی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ میت اور اصم میں صلاحِ سماعت نہیں لہٰذا معنیٰ عدم اجابت کی' جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہو گا' البتہ مشبہ میں یہی مراد ہے' لہٰذا حسبِ قاعدہ مرجح جانب عدمِ سماع ہے الحاصل اَرجح مذہب عدمِ سماع کا ہے' حسبِ قواعد' پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے۔"

[لطائفِ رشیدیہ' بضمن تالیفات رشیدیہ' امام ربانی رشید احمد گنگوہی' ۶۷۶-۶۷۷' ادارہ اسلامیات' لاہور ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء]

ہمارے مشائخ حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے اور یہی قول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔
علامہ گنگوہی نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ استعارۃ مصرحہ ہے جس میں وجہ شبہ کا مشبہ کے مقابلے میں مشبہ بہ میں اقویٰ ہونا ضروری ہے۔
علامہ شہاب الدین خفاجی [1] فرماتے ہیں: أَكْثَرُ مَشَايِخِنَا عَلَى أَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ، اِسْتِدْلَالًا بِهٰذِهِ الْآيَةِ. [خفاجی علی البیضاوی ۷: ۱۳۸ [2]]
"ہمارے اکثر مشائخ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مُردے نہیں سنتے۔"
جامع التفاسیر میں سورۃ فاطر کی تفسیر میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ [3] کا مذہب عدم سماع کا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس میں ان سے اختلاف کیا ہے [4]۔
شرح المقاصد میں ہے کہ: وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ فَتَمْثِيْلُ حَالِ الْكَفَرَةِ

---

(۱) احمد بن محمد بن عمر شہاب الدین خفاجی مصری۔ خفاجہ قبیلہ کی نسبت سے خفاجی کہلائے۔ قاہرہ کے نواح میں ۹۷۷ھ = ۱۵۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں ابوبکر شنوائی سے حاصل کی اور اُن سے فقہ حنفی اور فقہ شافعی پڑھی۔ آپ روم ایلی کے عہدہ قضاء پر بھی فائز رہے ہیں جس کے بعد ترقی کر کے سلطان مراد کے زمانے میں اُسکوب کے قاضی ہو گئے۔ معزول ہو جانے کے بعد شام اور حلب کے سفر کیے۔ مصر واپس آکر پھر قاضی بنا دیے گئے۔ مصر ہی میں ۱۰۶۹ھ = ۱۶۵۹ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ [خلاصۃ الاثر فی أعیان القرن الحادی عشر المحبی ۱: ۳۳۱ بدون نام مطبع و تاریخ اشاعت الاعلام ۱: ۲۳۸]
(۲) حاشیۃ الشہاب المسماۃ عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی شہاب الدین خفاجی ۷: ۴۰۲ بذیل تفسیر سورۃ الروم ۳۰: ۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۷ء
(۳) نعمان بن ثابت تیمی کوفہ میں ۸۰ھ = ۶۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش ہوئی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ صغار صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو اُن کی زیارت و دید کا شرف حاصل کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی سے آپ کی روایت ثابت نہیں ہے۔ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۶: ۳۹۰ الاعلام ۸: ۳۶]
(۴) جامع التفاسیر نواب قطب الدین خان دہلوی: ۱۱۰ نظامی پریس دہلی تاریخ طباعت ندارد

بِحَالِ الْمَوْتٰی، وَلَا نِزَاعَ فِي أَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ. [شرح المقاصد۲:۱۴۳](۱)

''آیت ''وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ''میں کفار کے حال کو مُردوں کے حال کی طرح قرار دیا گیا ہے اور مُردوں کے نہ سننے میں کوئی اختلاف نہیں۔''

سَمَاع [سننے] اور اِسْمَاع [سنانے] کی بحث

سماعِ موتی کے قائلین ''وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں اِسماع [سنانے] کی نفی ہے سماع [سننے] کی نفی نہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ نزاع سماع [سننے] میں ہے اور جب اصل یعنی اِسماع [سنانے] کی نفی ہوگئی تو فرع یعنی سماع [سننے] کی بطریقِ اَولیٰ نفی ہوگئی اس لیے کہ انسان اپنی بات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بغیر اپنی قدرت اور اختیار کے ساتھ کسی کو نہیں سنا سکتا اس لیے جب بندہ سے اِسماع [سنانے] کی نفی ہوگئی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ان کو سنانا باقی رہ گیا اور اللہ تعالیٰ کا کسی کو سنانے میں کوئی اختلاف نہیں۔ وہ تو پتھروں اور درختوں کو بھی سناتا ہے اور یہ ہماری بحث سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ تو جس کو سنانا چاہے سنا دیتا ہے اور جسے نہ سنانا چاہے تو نہ سنائے اور اگر اللہ تعالیٰ کا مُردوں کو سنانا مراد ہو تو وہ اُس کی مشیت پر موقوف ہے جو ہمیں معلوم نہیں۔ یہ لوگ کیسی بات کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت تو اُس کی قدرت واختیار میں ہے۔ آیت کریمہ میں بندے سے نفی کی گئی۔

علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے کہ: قال ابنُ التِّين: لا مُعارَضَة بين حديثِ ابن عمر والآية، لأن الموتٰى لا يسمعون، لا شكَّ، لكن إذا أراد الله إسماع ما ليس من شأنه السماع لم يمتنع كقوله تعالى: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ...... الآية.

[عمدۃ القاری۴:۲۲۳](۲)

---

(۱) شرح المقاصد۳:۲۶۵، المقصد السادس فی السمعیات، فصل فی المعاد

(۲) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی ۸:۲۰۲، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، دار الفکر بیروت، بدون تاریخ

''ابن التین (۱) کہتے ہیں: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما (۲) کی روایت اور آیت میں کوئی معارضہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مُردے بالکل نہیں سنتے لیکن جب اللہ کسی چیز کو سنانا چاہیں جس کا کام سننا نہیں تو ممتنع اور ناممکن نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ.'' [سورۃ الاحزاب ۳۳: ۷۲]

''بے شک ہم نے [بار] اَمانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔''

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مردوں میں سننے کی طاقت نہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ سنانا چاہیں تو اُن کو سنا دیتے ہیں جیسے بدر کے کنویں والوں کو سنایا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر مردوں کا سننا مفقود ہے اور اللہ کی مشیت کا ہمیں علم نہیں کہ وہ کس وقت مُردوں کو سناتے ہیں اور کس وقت نہیں سناتے تو ثابت ہوا کہ مُردوں کا سننا ہمیں معلوم نہیں اور یہ اس لیے کہ اُن کا سننا ایک غیر معلوم چیز پر موقوف ہے، اس میں ہمارے لیے کلام کرنا مناسب نہیں اور نہ ہم قطعی طور پر اس سلسلے میں کوئی بات کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا. [سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۳۶]

---

(۱) ابو محمد عبدالواحد بن عمر بن التین، تونسی، مالکی، صفاقسی۔ شیخ، امام، فقیہ، مفسر اور محدث تھے۔ صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے، جس کا نام المُخبِرُ الفَصِيحُ في شرح البخاري الصحيح ہے۔ علوم شرعیہ میں عموماً اور علوم حدیث میں خصوصاً بلند مرتبہ اور راسخ القدم تھے۔ ۶۱۱ھ = ۱۲۱۴ء کو صفاقس میں فوت ہوئے۔ [شجرة النور الزكية في طبقات المالكية، محمد بن محمد بن عمر بن قاسم مخلوف ۱: ۲۴۲، ت: ۵۶۴، تعلیق: عبدالمجید خیالی، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۲ء]

(۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بن خطاب، عدوی، قرشی، ابو عبدالرحمٰن، جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۱۰ قبل ہجری = ۶۱۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ اسلام ہی میں ہوش سنبھالا۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں ہجرت کی۔ بدر اور اُحد کے علاوہ سوا سارے غزوات میں شریک رہے، اُن کی مرویات ۲۶۳۰ ہیں۔ مکہ معظمہ میں ۷۳ھ = ۶۹۲ء کو وفات پائی۔ [اسد الغابہ ۳: ۲۷۵، ترجمہ: ۳۰۸۰، الاعلام ۴: ۱۰۸]

"اور تو اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

امام بیضاوی [1] نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: مَا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ عِلْمُكَ تَقْلِيدًا رَجْمًا بِالْغَيْبِ. [تفسیر البیضاوی [2]]

"جس کا تیرے پاس کوئی یقینی علم نہ ہو اور تم تقلید یا دیکھے بغیر اُس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہو۔"

اور حافظ ابن کثیر [3] نے قتادہ [4] کے حوالے سے لکھا ہے کہ: لَا تَقُلْ: رَأَيْتُ وَلَمْ تَرَ وَسَمِعْتُ وَلَمْ تَسْمَعْ وَعَلِمْتُ وَلَمْ تَعْلَمْ. [تفسیر ابن کثیر ۳: ۳۹ [5]]

---

(۱) عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی شیرازی، ابو سعید، بیضاوی، قاضی [Judge] مفسر تھے۔ فارس کے شہر شیراز کے قریبی گاؤں "بیضاء" میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک شیراز کے قاضی رہے ہیں۔ تبریز میں ۶۸۵ھ = ۱۲۸۶ء کو وفات پائی۔ [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی ۵: ۵۹، فیصل عیسیٰ البابی الحلبی، مصر، بدون تاریخ، الاعلام ۴: ۱۱۰]

(۲) انوار التنزیل و اسرار التاویل، ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی ۳: ۲۵۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۸ء

(۳) اسماعیل بن عمر بن کثیر، قرشی، دمشقی، ابو الفداء، عماد الدین، حافظ، مؤرخ اور فقیہ تھے۔ بصریٰ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۷۰۱ھ = ۱۳۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۷۰۶ھ کو اپنے بھائی کے ہمراہ دمشق تشریف لے گئے۔ طلب علم میں لمبے لمبے سفر کیے۔ ۷۷۴ھ = ۱۳۷۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔

[البدر الطالع ۱: ۱۵۳، الاعلام ۱: ۳۲۰]

(۴) قتادۃ بن دعامۃ [بکسر الدال] بن قتادۃ بن عزیز [بالتصغیر] ابو الخطاب، سدوسی، بصری، مفسر قرآن اور حافظ حدیث تھے۔ مادر زاد اندھے تھے۔ لغت، ایام عرب اور انساب کے ماہر عالم تھے۔ قدری اور مدلس تھے۔ ۶۱ھ = ۶۸۰ء کو پیدا ہوئے اور ۱۱۸ھ = ۷۳۶ء کو واسط میں طاعون کے عارضہ سے وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۱: ۱۲۲، الاعلام ۵: ۱۸۹]

(۵) تفسیر القرآن العظیم، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی، تحقیق: لجنۃ من العلماء ۹: ۹، دار عالم الکتب، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۴ء

''جس چیز کو دیکھا نہ ہو تو یہ مت کہنا کہ میں نے دیکھا ہے اور جس چیز کو نہ سنا اور نہ جانا تو یہ مت کہو کہ میں نے سنا ہے اور مجھے معلوم ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ نَهٰى عَنِ الْقَوْلِ بِلَا عِلْمٍ بَلْ بِالظَّنِّ الَّذِيْ هُوَ التَّوَهُّمُ وَالْخَيَالُ. [تفسیر ابن کثیر ۳:۳۹ (۱)]

''اللہ تعالیٰ نے علم کے بغیر محض ظن وتخمین کی بنیاد پر بات کرنے سے روکا ہے۔''

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ سے استدلال (۲)

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ.

[سورۃ القصص ۲۸:۵۶]

''جس کو تم دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔''

اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے ہادی ہونے

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم ۹:۹

(۲) شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر لکھتے ہیں: ''مطلب یہ ہے کہ یہ سنانا تیری قدرت، اختیار اور بس میں نہیں ہے کیونکہ جس عالم میں یہ سماع ہے وہ قبر اور برزخ کا عالم ہے اور اس جہان میں جیسے سماع عادۃُ اللہ کے مطابق ہے اُس جہان کا سماع اس سے متفاوت اور جدا ہے' اس کو آپ ایسا ہی سمجھیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ.

[سورۃ القصص ۲۸:۵۶]

''بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا [یعنی تجھے ہدایت دینے کا اختیار اور قدرت نہیں ہے] جس سے تو محبت کرتا ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت فرماتا ہے۔''

اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ جب رسول اللہ کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے تو کسی کو ہدایت حاصل ہی نہیں ہوتی۔'' [تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور' مولانا محمد سرفراز خان صفدر: ۲۸۱-۲۸۲' ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ' ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء]

کے باوجود ہدایت دینے کی نفی کی ہے۔ اِسماع بھی ہدایت ہی کی طرح ہے اگر چہ اِسماع کی نفی کی گئی ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ مُردوں کو نہیں سنا سکتے؟

جواب: اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وہ ہدایت نہیں دے سکتے جس کی آپ سے نفی کی گئی ہے اور وہ ہدایت دیتے ہیں جو آپ کے اختیار میں ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں ہدایت کے چار مراتب ہیں:

پہلا: ہدایتِ عامہ: اس میں چوپائے اور ڈور ڈنگر سب شامل ہیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے: رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی. [سورۃ طٰہٰ ۲۰:۵۰]

''ہمارا رب وہ ہے' جس نے ہر چیز کو اُس کی شکل وصورت بخشی پھر راہ دکھائی۔''

دوسرا: ہدایتِ خاصہ: جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء اور رُسل کی بعثت ہوتی ہے اور جس کے لیے کتابیں نازل ہوتی ہیں' جیسا کہ اس ارشاد میں ہے:

وَلِکُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ. [سورۃ الرعد ۱۳:۷]

''اور ہر قوم کے لیے ایک راہ دکھانے والا ہوتا ہے۔''

اور فرمایا: فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشۡقٰی. [سورۃ طٰہٰ ۲۰:۱۲۳]

''تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا' وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔''

یہی وہ ہدایت ہے' جس کے لیے رسولوں کو بھیجا گیا۔ رسول اللہ ﷺ یہی ہدایت دیتے تھے۔

تیسرا: توفیق کے معنی میں' جیسا کہ اس ارشاد میں ہے:

وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ.

[سورۃ العنکبوت ۲۹:۶۹]

''اور جن لوگوں نے ہمارے [دین کے] لیے محنت کی' ہم اُن کو ضرور اپنے راستے دکھائیں گے اور اللہ نیک کاروں کے ساتھ ہے۔''

اسی طرح اس آیت میں بھی ہے: وَالَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًی. [سورۃ محمد ۴۷:۱۷]

''اور جن لوگوں نے راہ پائی اللہ ان کو وہ ہدایت مزید بخشتا ہے۔''

اسی ہدایت کی رسولوں سے نفی کی گئی ہے۔

چوتھا: جنت؛ جو توحید کا ثمرہ ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ.

[سورۃ الاعراف ۷:۴۳]

''اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں [جنت] کا راستہ دکھایا اور اگر اللہ ہم کو رستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پا سکتے[1]۔''

رسول اللہ ﷺ سے تیسرے معنیٰ کی نفی کی گئی ہے۔ دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے آپ ہدایت دیتے ہیں جسے معترضین بالکل نہیں سمجھ سکے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ. [سورۃ فاطر ۳۵:۲۲]

''اور تم قبر والوں کو نہیں سنانے والا۔''

سے اگر جسد بلا روح مراد لیا جائے تو اس کا مقصد معنیٰ موضوع لہ میت ہی ہوگا تو مثبت کے نزدیک اس کا معنیٰ صرف جسم کو یا صرف روح کو سنانا ہوگا تو تشبیہ کیسے درست ہوگی؟ اور اگر دونوں کو ایک ساتھ سنانا ہو تو یہ قبروں میں مرنے کے بعد زندہ ہونا قرار پائے گا اور اسی طرح موت اور حیات تین تین دفعہ حاصل ہوں گے جب کہ یہ صرف دو دو بار ملتے ہیں جیسے اللہ

---

(۱) ان مراتب اور استعمالات کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

- المفردات فی غریب القرآن' ابو القاسم حسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی: ۵۳۸؛ دار المعرفۃ بیروت' بدون تاریخ

- عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ' احمد بن یوسف بن عبد الدائم المعروف بالسمین الحلبی' تحقیق: محمد باسل عیون السود ۴: ۲۴۴ - ۲۴۷' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۶ء

- بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز' مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزابادی ۵: ۳۱۳' ۳۱۴' دار الباز' مکۃ المکرمۃ' بدون تاریخ

تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ. [سورۃ المؤمن ۴۰:۱۱]

''وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی۔ ہم کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے تو کیا نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟''

اس سے علماء نے قبر میں زندگی پر استدلال کیا ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے [1]۔

اگر قبر میں سماع ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قبر میں زندگی ملنے کے بعد پھر موت ملے گی اور آخرت میں پھر تیسری حیات ملے گی اور اس طرح تین زندگیاں اور تین موتیں ثابت ہوں گی!!

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبر میں زندہ کیا جانا تو محض سوال کے لیے زندہ ہونا ہے جو مکمل حیات نہیں، جیسا کہ علامہ عبدالحکیم [2] نے حاشیہ شرح العقائد میں فرمایا ہے [3]۔

اور اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ قبر میں مردے کو زندہ کیا جاتا ہے، جس کے بعد وہ

---

(۱) امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: إحتجّ أكثر العلماء بهذه الآية في إثباتِ عذاب القبرِ، وتقريرُ الدّليلِ أنهم أثبتوا لأنفسهم موتتين: ﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ فأحدُ الموتتينِ مُشاهَدٌ في الدنيا فلا بُدّ مِن إثباتِ حياةٍ أُخرى في القبرِ حتّى يصير الموتُ الذي يحصل عقيبها موتاً ثانياً، وذلك يدُلُّ على حُصُولِ حياةٍ في القبرِ. [التفسير الكبير ۹:۴۹۴]

(۲) ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا کمال الدین کشمیری [وفات: ۱۰۰۸ھ] کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ انہیں شاہ جہان کے دور میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ بادشاہ نے انہیں دو مرتبہ سونے چاندی سے تلوایا اور ان کے وزن کے مطابق چھ چھ ہزار نقد انعام دیا۔ ۱۰۶۷ھ = ۱۶۵۶ء کو وفات پائی۔ سیالکوٹ سے باہر شہابان روڈ پر دفن ہوئے۔ [تذکرہ علمائے ہند: ۲۸۰-۲۸۱، ترجمہ: ۲۹۱، رودِ کوثر، شیخ محمد اکرام: ۳۹۱، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور ۱۹۸۸ء]

(۳) علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی عبارت یہ ہے: قال الشارح: يجوز أن يخلق اللّٰه في جميع الأجزاء أو في بعضها نوعاً من الحياةِ قدر ما يُدرِك الألم واللذّة.

[حاشیہ لملا عبدالحکیم السیالکوتی علی الخیالی: ۱۱۸، حاشیہ ۶، مطبع یوسفی، لکھنؤ، ہند بدون تاریخ]

مرنا ہے جیسے سید شریف جرجانی نے شرح مواقف' مقصد ثانی عشر میں ذکر کیا ہے کہ:

ثُمَّ الإمَاتَةُ فِيْهِ أيْضًا بَعْدَ مَسْألَةِ مُنْكَرٍ وَنَكِيْرٍ ثُمَّ الإحْيَاءُ لِلْحَشْرِ' هٰذَا هُوَ الشَّائِعُ الْمُسْتَفِيْضُ بَيْنَ أصْحَابِ التَّفْسِيْرِ. [شرح المواقف (۱)]

''پھر قبر میں منکر ونکیر کے سوال کے بعد میت پر موت طاری ہوتی ہے۔اسے پھر حشر میں زندہ کیا جائے گا۔مفسرین کے ہاں یہی مشہور قول ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں میت فرشتوں کے سوال کے بعد روح کے بغیر ہی ہوتا ہے۔

''موتی'' کا مجازی معنی کفار ہیں اور مجازی معنیٰ اُس وقت مراد لیا جاتا ہے جب حقیقی معنیٰ مراد لینا متعذر اور ناممکن ہو۔نیز لفظ ''مَــنْ'' بھی اَصَالَۃً ذوی العقول ہی کے لیے مستعمل ہے۔یہ غیر ذوی العقول کے لیے مجازاً ہی مستعمل ہے۔مردہ جسم کے لیے بھی ''مَنْ'' کا لفظ مجازاً ہی استعمال کیا جاتا ہے۔تو اس صورت میں بھی اس سے روح ہی مراد ہوگی جس سے ہماری بات ہی ثابت ہوتی ہے کہ ان کی ارواح نہیں سنتیں اور کفار مراد لیے جائیں تو اس میں تشبیہ ہے جس میں مشبہ بہ کا ہونا ضروری ہے اور عدم سماع اصل قرار پائے گا اس لیے کہ آیت میں ''مَوْتٰی'' کا ذکر ہے جو مُسْتَعَار ہے اور مُسْتَعَارٌ لَہٗ کفار ہیں اور یہ استعارہ مصرحہ ہے کیونکہ اس میں مُسْتَعَارٌ لَہٗ کے لیے مُسْتَعَارٌ مِنْہُ کا ذکر ہے اور استعارہ مصرحہ ہوتا ہی وہی ہے جس میں تشبیہ کے طرفین میں سے کسی ایک کا ذکر کر کے دوسرے طرف یعنی مشبہ کو مراد لیا جائے اور مُشَبَّہ، مُشَبَّہ بِہٖ کی جنس میں داخل ہونے کا تقاضا کرے جیسے کوئی کہے: فِي الْحَمَامِ أسَدٌ ''حمام میں شیر ہے۔'' اور اس سے زید مراد لیں۔علماءِ بیان (۲) نے صراحت

---

(۱) شرح المواقف ۸:۳۲۶' المرصد الثانی فی المعاد المقصد الحادی عشر: إحیاء الموتی فی القبور

(۲) بیان: عربی لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے: وضاحت اور اِبانت' یعنی وہ وسائل جن کے ذریعے وضاحت پیدا کی جائے لہٰذا کلام یا تعبیر کا واضح ہونا اور وہ ملکہ جس سے یہ وضوح میسر ہو، بیان کہلاتا ہے۔بیان، بلاغت سے ترقی کر کے اس کی خاص شاخ بن گیا ہے۔

کی ہے کہ مُشَبَّہ بِہ میں وجہ تشبیہ قوی ترین ہوتی ہے۔ سید شریف نے مطول کے حاشیہ میں تفتازانی نے مختصر میں اور علامہ دسوقی (۱) نے یہی بات ذکر کی ہے (۲)۔ مُردوں میں عدم سماع اصل ہوا اور کفار میں فرع۔

لطائفِ رشیدیہ ص: ۹ میں علامہ گنگوہی کا بھی یہی قول ہے (۳)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان "اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى" میں استعارہ مصرحہ ہے۔ مَوْتٰی، مُشَبَّہ بِہٖ اور کفار مُشَبَّہ ہیں اور وجہ تشبیہ مُشَبَّہ بِہ میں اَقویٰ ہوگی ورنہ استعارہ صحیح نہیں ہوگا۔

علامہ عینی نے ابو اللیث سمرقندی (۴) سے نقل کیا ہے کہ: هٰذَا مَثَلٌ ضَرَبَهُ لِلْكُفَّارِ، فَكَمَا اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى كَذٰلِكَ لَاتُفْقِهُ كُفَّارَ مَكَّةَ. [عمدۃ القاری ۴: ۲۲۵ (۵)]

"یہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے مثال بیان کی ہے کہ جس طرح آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اسی طرح کفار مکہ کو سمجھا بھی نہیں سکتے۔"

---

(۱) محمد بن احمد بن عرفۃ دسوقی مالکی۔ عربیت کے بہت بڑے عالم تھے۔ مصر میں دسوق نامی شہر میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت نامعلوم ہے۔ ازہر میں تعلیم حاصل کی۔ وہیں اقامت پذیر تھے۔ وہیں پڑھاتے رہے ہیں اور وہیں ۱۲۳۰ھ = ۱۸۱۵ء کو وفات پائی۔ [الاعلام ۶: ۱۷]

(۲) مختصر المعانی، مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی: ۴۲۸، فصل فی شرائط حسن الاستعارۃ، بک لینڈ لاہور بدون تاریخ؛ حاشیۃ الدسوقی علی مختصر المعانی ۲: ۳۶۹، محمد بن عرفۃ الدسوقی، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، بدون تاریخ،

(۳) لطائفِ رشیدیہ بضمن تالیفات رشیدیہ: ۶۷۶-۶۷۷

(۴) نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی۔ اُن کا عرف امام الہدیٰ تھا۔ شہر علم وادب سمرقند میں پیدا ہوئے۔ کسی نے تاریخ ولادت کو محفوظ نہیں کیا۔ سمرقند میں سارے علوم حاصل کیے۔ فقہ اور فلسفہ میں خصوصی مہارت حاصل کی۔ زاہد اور صوفی تھے۔ کئی نفیس کتابیں لکھیں۔ ۳۷۵ھ = ۹۸۵ء کو وفات پاگئے۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۶: ۳۲۳، ترجمہ: ۲۳۰، الاعلام ۸: ۲۷]

(۵) تفسیر السمرقندی المسمّٰی بحر العلوم نصر الدین محمد بن احمد ابو اللیث السمرقندی ۲: ۵۹۲، بذیل تفسیر سورۃ النمل ۲۷: ۸۰، تحقیق: ڈاکٹر محمود مطرجی، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء، عمدۃ القاری ۸: ۲۰۲

یہی قول ہمارے ائمہ احناف کا بھی ہے۔اور علامہ شبیر احمد عثمانی [۱] نے بھی شرح صحیح مسلم میں شیخ قاسم العلوم والخیرات نور اللہ مرقدہ [۲] کا کلام ذکر کیا ہے [۳] جس کا حاصل یہ ہے:

یَنْبَغِي أَنْ يُفْهَمَ أَنَّ سَمَاعَ الْمَوْتٰى كَلَامَ الْأَحْيَاءِ لَيْسَ دَاخِلاً فِيْ دَائِرَةِ الْأَسْبَابِ الطَّبِيعِيَّةِ الْعَادِيَّةِ وَلِهٰذَا لَيْسَ لَنَا قُدْرَةٌ عَلٰى سَمَاعِهِم وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يَّخرق

---

(۱) شبیر احمد عثمانی بن مولانا فضل الرحمٰن عثمانی۔۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ=۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ان کے والد مولانا محمد قاسم کے ساتھ بناءِ دار العلوم دیوبند میں برابر کے شریک تھے جو مولانا کی پیدائش کے وقت بجنور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔مولانا کی تعلیم کا آغاز ۱۳۱۱ھ میں ہوا اور ۱۳۲۵ھ میں تمام طلبہ میں اول رہ کر تعلیم سے فارغ ہوئے ۱۹۱۱ء کی جنگ بلقان وطرابلس سے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔۱۹۴۰ء کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہوئے ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے ممبر بھی رہے ہیں۔۱۹۴۹ء میں وفات پائی اور کراچی میں اسلامیہ کالج کے احاطہ میں دفن ہوئے۔

[شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا' سید قاسم محمود ۲:۱۰۶۴' الفیصل ناشران کتب' لاہور اکتوبر ۲۰۰۸ء]

(۲) محمد قاسم بن شیخ اسد علی بن غلام شاہ۔تاریخی نام خورشید حسن ہے۔۱۲۴۸ھ=۱۸۳۱ء کو قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے۔بچپن سے ذہین' طباع اور محنتی تھے۔تعلیمی میدان میں اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ نمایاں رہے ہیں۔بہت چھوٹی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا تھا۔فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم قصبہ دیوبند میں حاصل کی۔شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔۱۲۹۷ھ=۱۸۷۹ء کو وفات پائی۔

[بیس بڑے مسلمان:۱۱۳' شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا ۲:۱۴۵۲]

(۳) مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی اپنی عبارت یہ ہے:''ابھی عرض کیے دیتا ہوں۔سماع اموات کے قصہ میں اول تو یہ معروض ہے کہ یہ امر قدیم سے مُختَلَفْ فِیْہِ ہے۔دوسری: ضروریاتِ دینی اور عقائدِ ضروریہ میں سے نہیں۔اس کی تنقیح قرار واقعی تو بعد مرگ ہی معلوم ہوگی۔اگر بعد مرگ ہم نے اوروں کا سلام و پیام سن لیا تو سماع' نہیں تو عدم سماع متحقق ہو جائے گا،علاوہ بریں طرفین میں بڑے بڑے اکابر۔اگر ایک طرف میں بالکل ہو رہیے تو کسی نہ کسی طرف والوں کو برا سمجھنا پڑے گا۔اس لیے اہلِ اسلام کو یہ ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں خواہ مخواہ ایسے پکے نہ بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل سمجھ لیں۔'' [جمال قاسمی ۷-۸ مندرجہ نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم: نذیر یہ محمد کتب خانہ کراچی' بدون تاریخ]

العادَةَ أو يُنشِئُ أسباباً خَفِيَّةً مَجْهولةً عندنا فيُسْمِعُهم بعضَ أصواتِنا فيسمَعُون سَمَاعَ الأحياءِ بل أزيَدَ منهُم ولعَلَّ لهذه الدَّقيقةِ نفَى القرآنُ العزيزُ الإسماعَ من العبادِ وما أفصَحَ في موضعٍ بنفيِ السَّماعِ عن الأمواتِ. [فتح الملہم ۲: ۴۷۹] (1)

"اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ مُردوں کا زندوں کے کلام کو سننا طبعی اور عادی اسباب کے دائرہ میں داخل نہیں ہے اس لیے ہمیں ان کو سنانے کی طاقت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ خلاف عادت کچھ ایسے نامعلوم اور غیر مرئی اسباب پیدا کر کے ان کو ہماری آوازیں سنا دے جس سے وہ زندوں سے بھی بڑھ کر سن لیں اور شاید کہ اسی نکتہ کی وجہ سے قرآن عزیز نے بندوں سے اسماع کی نفی کی ہے اور کسی ایک جگہ میں مُردوں کے سماع کی نفی نہیں کی۔"

---

(۱) فتح الملہم بشرح صحیح مسلم شبیر احمد عثمانی ۲: ۴۷۹ بذیل کتاب الجنائز [۱۱] باب المَیِّتُ یُعَذَّبُ ببُکاءِ أهله [۹] حدیث إنهم ليسمعون ما أقول: ۲۶- [۹۳۲] مدینہ برقی پریس بجنور، ہند ۱۳۵۳ھ

فتح الملہم کے جدید نسخہ میں اس حدیث کے تحت یہ عبارت نہیں ملتی بلکہ اس کے بجائے لکھا ہے کہ: وأما قولها في إنكارها سماع الموتى فسياتي بسط الكلام فيه في آخر الكتاب إن شاء الله تعالى حيث ذكر مسلم أحاديثه.

[موسوعہ فتح الملہم بشرح صحیح امام المسلم ۶: ۱۸ بذیل حدیث: ۲۱۵۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۶ء]

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کا جو انکار کیا ہے اس کی تفصیل کتاب کے آخر میں آئے گی جہاں امام مسلم سماع سے متعلق احادیث پیش کرتے ہیں۔"

اور جلد ۱۲، صفحہ ۱۸۸ پر مسئلہ سماع موتی کا ذکر تو کیا مگر اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسلک کا نہایت مجمل اور مختصر ذکر کیا اور پھر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی ۲۲ سطروں پر مشتمل پوری عبارت حذف کر دی اور مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب احکام القرآن ۳: ۱۶۸ کا حوالہ دیا۔

بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس علمی عبارت کو قصداً عمداً خیانت کر کے حذف کر دیا گیا ہے۔ اگر کسی کو اس عبارت سے اختلاف تھا تو اسے فٹ نوٹ میں لکھنا چاہیے تھا۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے تصریح کی ہے کہ مُردوں کو سنانا ہماری طاقت اور اختیار میں نہیں ہے۔ باقی رہی اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر کسی کو سنا سکتا ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کب سناتا ہے اور کب نہیں سناتا؟

اصول فقہ کی کتابوں میں ہے کہ اَخبارِ آحاد نص کو خاص نہیں کر سکتیں (۱)۔ اور اسی بنا پر امام ابوحنیفہ نے قِرَاءَت خَلْفَ الإِمَامِ [امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے] کی احادیث کے شہرت کی حد کو پہنچنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. [سورۃ الاعراف ۷: ۲۰۴]

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

سے امام کے پیچھے قراءت کے نہ ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ امام صاحب نص کو روایت مشہورہ کے ساتھ خاص نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنے عموم پر ہی چھوڑتے ہیں' تو سماع ثابت کرنے والے کیوں اپنے مذہب کے اصول چھوڑتے حالانکہ اس [سماع] کے بارے میں وارد احادیث کا وہ مقام نہیں جو قراءت خلف الامام کے متعلق احادیث کا ہے۔ نیز مُردوں کے سننے کے بارے میں اکثر احادیث میں ہشام بن سعد اور ابن سمعان جیسے وضاع قسم کے راوی ہیں اور جو روایت ثابت بھی ہے تو اسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رد کر دیا ہے اور اس کی تاویل علم کے ساتھ کی ہے کہ وہ عذاب کو جانتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کانوں کے ساتھ سنتے ہیں اور اگر کسی روایت میں سماع کا ذکر بھی ہے تو وہ بھی علم پر ہی محمول

---

(۱) امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی' وفات: ۴۹۰ھ لکھتے ہیں کہ: إنَّ العام الذي لم يثبت خصوصه بدليل لا يجوز تخصيصه بخبر الواحد و لا بالقياس.

[اصول السرخسی' ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی ۱: ۱۳۳' دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۳ھ = ۱۹۷۳ء]

''وہ عام حکم جس کی تخصیص کتاب اللہ کی کسی دلیل کی بنا پر نہیں کی گئی ہو اس کی تخصیص کسی خبر واحد یا قیاس سے نہیں ہو سکتی۔''

ہے جیسا کہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کا قول فتح الملہم کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے۔
شیخ الہند مولانا محمود الحسن (۱) نے فرمایا ہے کہ: إنَّ غرض عائشة رضي الله عنها ليس إنكارُ لفظ السَّماع بل المقصودُ إنكار حمْلِه على ظاهر معناه و التنبيه على أن ﷺ إنما أثبت لهم العلم دون السَّماع بالأُذُنِ سَواء تَلَفَّظَ بِالعِلم أو بالسَّماع فلو ثبت لفظ السَّماع فهو أيضاً محمول على العلم. و الله أعلم. [فتح الملہم ۲: ۴۷۸] (۲)
''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد سماع کے لفظ کا انکار نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد اس کو ظاہر معنی پر محمول کرنے کا انکار اور اس بات کی تنبیہ کرنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے سماع کا لفظ بیان فرمایا ہو یا علم کا اس سے مقصود علم ہی ہے۔ کانوں سے سننا مراد نہیں ہے اور اگر کہیں سماع کا لفظ ثابت بھی ہے تو وہ علم پر محمول ہے۔ و الله أعلم۔
حافظ ابن حجر عسقلانی کا اِرشاد بھی لکھا جا چکا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے موتی کے لفظ کو حقیقت پر حمل کیا اور اسے اصل قرار دے کر مَـا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْهُمْ کی تاویل کی ضرورت محسوس کی اور یہی اکثر کا قول ہے۔
آیت کی تفسیر میں مفسر ابن جریر طبری، ابو اللیث سمرقندی اور ہمارے عام علماء اور مشائخ حنفیہ سے یہی مروی ہے اور یہ بات حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، فتح القدیر شرح ہدایۃ، رد المحتار علی الدر المختار اور ہمارے مشائخ کے شیخ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے لطائف رشیدیہ میں، علامہ خفاجی نے حاشیۃ علی البیضاوی میں اور

---

(۱) محمود الحسن بن مولانا ذو الفقار علی دیوبندی۔ ۱۲۶۸ھ = ۱۸۵۱ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ قرآن مجید کا کچھ حصہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں فارسی کی باقی کتابیں اور ابتدائی عربی کتب اپنے چچا مولانا مہتاب علی سے پڑھیں۔ دار العلوم دیوبند کے پہلے طالب علم ہیں۔ ۱۳۳۹ھ = ۱۹۲۰ء کو فوت ہوئے۔ [شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۲: ۱۳۶۰]
(۲) فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، شبیر احمد عثمانی ۲: ۴۷۸، بذیل کتاب الجنائز [۱۱] باب المَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أهله [۹] حديث: إنهم لَيَسمَعون ما أقولُ: ۲۶- [۹۳۲]

نواب قطب الدین دہلوی نے جامع التفاسیر کی سورۃ فاطر کی تفسیر میں ذکر کیا ہے (۱)۔ اب مثبت سماع کے لیے اپنے مذہب سے اعراض، صریح نص کے ترک اور مشائخِ حنفیہ پر افترا کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

شرح المقاصد میں تصریح ہے کہ: لَا نِزَاعَ فِيْ أَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ (۲)۔

''مردے کے نہ سننے میں کوئی اختلاف نہیں۔''

---

(۱) تفسیر الطبری ۱۰: ۱۹۷، بذیل تفسیر سورۃ الروم ۳۰: ۵۳، نقرہ: ۲۸۰۲۸، تفسیر السمرقندی المسمّٰی بحر العلوم ۲: ۵۹۲، بذیل تفسیر سورۃ النمل ۲۷: ۸۰، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، شیخ احمد طحطاوی ۲: ۱۹۳، مکتبۃ القدس، کوئٹہ ۲۰۰۱، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۸: ۲۰۲، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، فتح القدیر ۲: ۱۰۴، باب الجنائز، رد المحتار علی در المختار ۳: ۱۴۳، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک، لطائفِ رشیدیہ، ضمن تالیفاتِ رشیدیہ، امام ربانی رشید احمد گنگوہی: ۶۷۶-۶۷۷، حاشیۃ الشہاب المسماۃ عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی، شہاب الدین خفاجی ۷: ۱۳۸، جامع التفاسیر، نواب قطب الدین خان دہلوی: ۱۱۰

(۲) شرح المقاصد ۳: ۳۶۵، المقصد السادس فی السمعیات، فصل فی المعاد

فصل دوم

مسئلہ عدمِ سماعِ موتیٰ میں وارِد آثار

علامہ عینی نے محمد بن علی الباقر (۱) کے حوالے سے روایت کی ہے:

نَهٰى رسولُ اللهِ ﷺ اَنْ يُسَبَّ قَتْلٰى بَدْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وقال: لَاتَسُبُّوْا هٰؤلاءِ فَاِنَّهُ لَايَخْلُصُ اِلَيْهِمْ شَيْءٌ مِّمَّا تَقُوْلُوْنَ وَتُؤْذُوْنَ الأَحْيَاءَ. [عمدۃ القاری ۴:۲۵۵ (۲)]

''رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مقتولین کو برا بھلا کہنے سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ تمہاری کوئی بات اُن تک نہیں پہنچتی تم ایسا کر کے زندوں کو تکلیف پہنچاتے ہو۔''

یہ روایت دلیل ہے کہ مردے نہیں سنتے۔

حافظ سیوطی نے الدر المنثور میں سورۃ الروم کی تفسیر میں ابن مردویہ (۳) کے حوالے سے

---

(۱) محمد بن علی زین العابدین بن حسین، طالبی، ہاشمی، قرشی، ابوجعفر الباقر۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک پانچویں امام ہیں۔ ۵۷ھ=۶۷۶ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ناسک اور عابد تھے۔ قرآن مجید کے مفسر تھے۔ ۱۱۴ھ=۷۳۲ء کو حمیمہ میں وفات پائی۔ مدینہ منورہ میں دفن کیے گئے۔

[وفیات الاعیان ۴:۱۷۴، الاعلام ۶:۲۷۰]

(۲) کتاب الصمت، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا: ۱۸۳، حدیث: ۳۲۰، تحقیق: ابواسحاق الحوینی الاثری دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۷ء، کتاب الحلم، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا: ۲-۷۳، حدیث: ۱۱۳، تحقیق: محمد عبدالقادر عطا، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ =۱۹۹۳ء، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۸:۲۳۰، کتاب الجنائز، باب ما نہی من سب الاموات

(۳) احمد بن موسیٰ بن مرذویۃ اصبہانی، ابوبکر۔ ۳۲۳ھ=۹۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ انہیں ابن مردویہ الکبیر بھی کہا جاتا ہے۔ ۴۱۰ھ=۱۰۱۹ء کو وفات پائی۔ حافظ حدیث، مفسر اور مؤرخ تھے۔

[سیر أعلام النبلاء ۱۷:۳۰۸، الاعلام ۱:۲۶۱]

کلبی اور ابوصالح کی سند سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما (۱) کا قول نقل کیا ہے کہ:

نُزِلَت هٰذه الآيةُ في دُعَاءِ النبي ﷺ لأهلِ بدرٍ (۲)۔

''آیت اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى اُس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مقتولینِ بدر سے خطاب فرمارہے تھے کہ یہ آپ کی بات نہیں سنتے۔''

---

(۱) عبداللہ بن عباس ﷺ بن عبدالمطلب' قرشی' ہاشمی' ۳ قبل ہجری = ۶۱۹ کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی' جلیل القدر صحابی ہیں۔ حبر الامۃ [امت کے عالم] اور ترجمان القرآن جیسے القاب سے نوازے گئے۔ طائف میں سکونت پذیر تھے اور وہیں ۶۸ھ = ۶۸۷ء کو وفات پائی۔

[اسد الغابہ ۳:۹۲' ترجمہ:۳۰۳۸' الاعلام ۴:۹۵]

(۲) الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور' جلال الدین سیوطی ۶:۴۴۱' بذیل تفسیر سورۃ الروم ۳۰:۵۶' تحقیق:

عبدالرزاق المہدی' دار إحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱ء

یہ روایت موضوع ہے اس لیے کہ:

- اس کا ایک راوی محمد بن السائب کلبی ہے جو کذاب اور ساقط الاعتبار تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ متروک تھا۔ سبئی تھا اور کہا کرتا تھا کہ سیدنا علی ﷺ مرے نہیں۔ واپس دنیا میں آئیں گے اور اسے عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ جھوٹ بولنے سے بدنام تھا۔

[میزان الاعتدال' ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی ۳:۵۵۸' دار المعرفۃ بیروت' بدون تاریخ]

- اس کا ایک راوی ابوصالح باذام ہے جو جمہور کے نزدیک ضعیف اور امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام ابن مہدی کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ [المجروحین من المحدثین ۱:۲۱۰' ترجمہ:۱۲۸]

محدث حبیب بن ابی ثابت کہا کرتے تھے کہ ہم ابوصالح باذام کو ''دروغزن'' یعنی جھوٹا کہا کرتے تھے۔

امام ابن مہدی نے اُس سے حدیث لینی ترک کی ہے۔ [التاریخ الصغیر' محمد بن اسماعیل بخاری ۱:۲۷۲' تحقیق: ڈاکٹر یوسف المرعشلی' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء' التاریخ الکبیر' محمد بن اسماعیل بخاری ۲:۱۴۴' دار الباز للنشر والتوزیع' مکۃ المکرمۃ' بدون تاریخ]

شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ عدم سماع موتی کے بارے میں قرآنی آیات نقل کیے ہیں اس لیے اگر یہ روایت کمزور وموضوع ہوئی تب بھی اصل مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حافظ سیوطی اور امام ابن سعد [1] نے خالد بن معدان [2] سے روایت کی ہے کہ:

لَمَّا انْهَزَمَتِ الرُّومُ يومَ أجنادين انتهوْا إلى موضعٍ لا يعبره الإنسان وجعلتِ الرُّوم تُقاتِل عليه، وقد تقدَّمُوه وعَبَرُوهُ وتقدَّمَ هِشَامُ بنُ العاص بن وائل فقاتَل عليه حتّى قُتِل ووقع على تِلْكَ الثُّلْمَةِ فَسَدَّهَا فلمّا انتهى المُسْلِمون إليها هابُوا أنْ يُوطِئُوهُ الخَيْلَ فقال عمْرُو بنُ العاص: أيها الناس! إن الله قد استشهدهُ ورفع روحه، وإنما هي جثة فأوطِئُوهُ الخيلَ ثم أوطأهُ هُوَ وتبِعه النَّاسُ حتّى قطعُوهُ، فلمّا انتهتِ الهزيمةُ ورجع المسلمونَ إلى العسكر كَرَّ إليه عمرو بن العاص فجعل يجمعُ لحمه وأعضاءَهُ وعظامه ثم حَمَلَهُ في نَطْعٍ فوارَاهُ. [شرح الصدور [3]]

''جب اَجنادین [4] کے دن رومیوں کو شکست ہوگئی تو رومی لڑتے ہوئے ایسی جگہ پہنچ گئے

---

(۱) محمد بن سعد بن منیع زہری، ابوعبداللہ، ثقہ مؤرخ، حافظ حدیث اور قاضی محمد بن عمر واقدی کے کاتب و سیکرٹری تھے۔ بصرہ میں ۱۶۸ھ=۷۸۴ء کو اُن کی ولادت ہوئی۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے اور وہیں ۲۳۰ھ=۸۴۵ء کو وفات پائی۔ واقدی کے کاتب رہنے کے باوجود بھی اُن کی وثاقت اور عدل میں کوئی کمی تسلیم نہیں کی گئی۔ [تاریخ بغداد ۵: ۳۲۱، الاعلام ۶: ۱۳۷]

(۲) امام ابن سعد، وفات ۲۳۰ھ نے خالد بن معدان کے بجائے خلف بن معدان لکھا ہے۔
[الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد ۴: ۱۹۳-۱۹۴، دار صادر بیروت، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء]
جب کہ امام ابن عبدالبر، وفات: ۴۶۳ھ، امام ابن الاثیر الجزری، وفات: ۶۳۰ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی، وفات: ۸۵۲ھ اور حافظ سیوطی، وفات: ۹۱۱ھ نے خالد بن معدان لکھا ہے۔
[الاستیعاب ۶: ۳۷، اسد الغابہ ۴: ۶۵۰، الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۲: ۶۰۳، شرح الصدور: ۱۷۹]

(۳) الطبقات الکبریٰ، محمد بن سعد ۴: ۱۹۳-۱۹۴، واللفظ لہ، شرح الصدور: ۱۷۹، روایت: ۸۷۸۔

(۴) اَجنادین: یہ اَجنادَین اور اَجنادِین دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ اصحاب حدیث اسے اَجنادَین پڑھتے ہیں۔ شام میں فلسطین کے نواح میں ایک معروف مقام ہے۔ یہاں رومی عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ۱۳ھ میں ایک معرکہ ہوا جس کی قیادت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔
[معجم البلدان، شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی ۱: ۱۰۳، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء]

جہاں صرف ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا' سیدنا ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ[1] آگے بڑھے اور لڑتے ہوئے شہید ہو کر اس راستے [شگاف] میں گر پڑے جس سے وہ راستہ بند ہو گیا جب مسلمان اس جگہ پہنچے تو انہیں خوف محسوس ہوا کہ ہمارے گھوڑے ان کے جسم کو روندھ ڈالیں گے۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ[2] نے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ نے ان کو شہید کر کے ان کی روح اوپر اٹھالی ہے' یہ تو ایک جسم ہے' اس کو گھوڑوں سے روندھتے ہوئے آگے بڑھو پھر خود آگے بڑھے اور آپ کے پیچھے لوگ بھی چل پڑے یہاں تک کہ اس [جسم] کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ جب معرکہ ختم ہوا اور مسلمان معسکر چلے آئے تو سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اُن کے جسد کے پاس آئے۔ اُن کی ہڈیوں' گوشت اور اعضاء کو ایک کپڑے میں جمع کر کے دفن کیا۔"

اور مشکوٰۃ المصابیح میں بَابُ مَایُقَالُ مَنْ حَضَرَہُ الْمَوْتُ میں عبدالرحمٰن بن کعب[3] کی

---

(۱) ہشام بن العاص بن وائل سہمی قرشی رضی اللہ عنہ۔ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ دوسری ہجرت حبشہ میں شریک تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد مکہ مکرمہ واپس آئے تاکہ مدینہ منورہ ہجرت کریں لیکن اُن کے والد نے اُنہیں مکہ مکرمہ میں محبوس کیا اس لیے غزوۂ خندق تک مکہ مکرمہ میں رہنے کے بعد مدینہ منورہ چلے گئے۔ صالح اور شجاع تھے۔ ۱۳ھ = ۶۳۴ء کو وفات پائی۔
[الطبقات الکبریٰ ۴:۱۹۱' الاعلام ۸:۸۶]

(۲) عمرو بن العاص بن وائل سہمی قرشی ابوعبداللہ فاتح مصر رضی اللہ عنہ۔ ۵۰ ق ھ = ۵۷۴ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں اسلام کے شدید مخالفین میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ کے دوران اسلام قبول کیا۔ صاحب رائے' بہادر' نڈر اور بہت محتاط تھے۔ غزوۂ ذات السلاسل میں مسلمانوں کے امیر الجیش تھے۔ حروب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ قنسرین آپ نے فتح کیا تھا۔ اہل حلب' منبج اور اہل انطاکیہ سے آپ نے صلح کیا تھا۔ ۴۳ھ = ۶۶۴ء کو وفات پائی۔ [الاصابہ ۳:۲' ترجمہ: ۵۸۸۲' الاعلام ۵:۷۹]

(۳) عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک الانصاری السلمی ابوالخطاب المدنی۔ صحاح کے راوی ہیں۔ ثقہ تابعی تھے۔ امام ابن سعد نے اُن کا ذکر اہل مدینہ کے طبقہ ثانیہ میں کیا ہے۔ سلیمان بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ [الطبقات الکبریٰ ۵:۲۷۴]

روایت ہے کہ انہوں فرمایا: لَمَّا حَضَرَتْ كعبًا الوَفَاةُ أَتَتْهُ أُمُّ بِشرِبنت البراء بن معرور فقالت: ياأباعبد الرحمن! إن لَقِيتَ فُلانًا فاقرأ عليه مِنِّي السَّلام، فقال: غَفَرَ اللهُ لَكِ يا أُمَّ بِشر! نحن أشغَلُ مِن ذٰلك، فقالت: ياأباعبد الرحمن أما سمعت رسول الله ﷺ يقول: إنَّ أرواح المؤمنين في طير خُضرٍ تَعلُقُ فِي شَجَرِ الجَنَّة؟ قال: بَلىٰ! قالت: فهو ذٰلك. [مشکاۃ المصابیح (1)]

''جب سیدنا کعب رضی اللہ عنہ (2) کے وفات کا وقت ہوا تو سیدہ ام بشر رضی اللہ عنہا (3) اُن کے پاس آئیں اور کہا: ابوعبدالرحمٰن! اگر تیری فلاں [اُن کے والد سیدنا براء رضی اللہ عنہ (4)] کے روح

---

(1) سنن ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی، کتاب الجنائز [6] باب ما جاء فیما یقال عند المریض اذا حضر [4] حدیث: ۱۴۴۹، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء؛ کتاب البعث والنشور، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ص: ۱۵۳، حدیث: ۲۰۵، تحقیق: عامر احمد حیدر، مرکز الخدمات و الابحاث الثقافیۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۷ء؛ مشکاۃ المصابیح، محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، کتاب الجنائز [4] باب مایقال عند من حضرہ الموت [3] الفصل الثالث، حدیث: ۱۶۳۱-[۱۶] تحقیق: سعید محمد اللحام، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ = ۱۹۹۱ء

(2) کعب بن مالک بن عمرو بن قین انصاری سَلَمی خزرجی رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں۔ بہت بڑے شاعر تھے۔ عہد جاہلیت میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ اسلام میں رسول اللہ ﷺ کے شاعر تھے۔ اکثر غزوات اور وقائع میں شرکت کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے اور اُن کی شہادت کے بعد گھر بیٹھ گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے کنارہ کشی کی۔ ۷۷ سال تک زندہ رہے۔ ۵۰ھ = ۶۷۰ء کو وفات پائی۔

[الاصابۃ ۳: ۳۰۲، ترجمہ: ۷۴۳۳، الاعلام ۵: ۲۲۸]

(3) ام بشر بن براء بن معرور بن صخر بن سابق رضی اللہ عنہا۔ [الاصابۃ ۴: ۴۹۵، ترجمہ: ۱۴۹۰]

(4) براء بن عازب بن حارث خزرجی ابوعمارہ رضی اللہ عنہ، جلیل القدر فاتح صحابی ہیں۔ بچپن میں اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں پندرہ غزوات میں شرکت کی۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے انہیں ''رے'' کا امیر بنا کر فارس بھیجا تھا۔ ابہر، قزوین اور زنجان آپ نے فتح کیے ہیں۔ ۷۱ھ = ۶۹۰ء کو فوت ہوئے۔ [الاستیعاب: ۱۰۸، ترجمہ: ۱۷۰، الاعلام ۲: ۴۶]

سے ملاقات کرو تو اُسے میرا سلام کہنا اس پر سیدنا کعب ﷜ نے فرمایا: اللہ آپ کو معاف فرمائے، ہمیں اس کی فرصت کہاں ملے گی، ہم تو اپنی مشغولیت میں ہوں گے؟ سیدہ ام بشر رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ابوعبدالرحمٰن! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا: مؤمنوں کی روحیں سبز پرندوں میں ہوتی ہیں، جنت کے درختوں میں سے پھل کھاتی ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں؟ تو وہ کہنے لگیں: میں بھی تو یہی بات کہہ رہی ہوں۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مؤمنوں کی روحیں جنت کے درختوں میں سے کھاتی ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں ہوتی ہیں۔

نَفعُ قُوتِ المغتذي عَلى جَامعِ الترمذي (١) میں حدیث: إنَّ أرواحهم في طَيرٍ خُضرٍ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ کی تشریح میں کمال الدین زملکانی (٢) کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

في هذا الحديثِ دَليلٌ على مُفارَقَةِ الرُّوحِ بَدَنًا وأنَّ الجِسمَ يَفنَى ويأكُلُه التُّراب لقوله ﷺ: حتّى يرجعه اللّٰه إلى جسده يوم القيامة، وقد قيل: إن المُنعَمَ والمُعذَّبَ جُزءٌ مِن جَسَده يبقي فيه، وهذا الجزء هو النفس وهي شبه بالروح. قال الغزالي: إن الروح باقية بعد مفارقته الجسد وحقيقة الإنسان نفسه وروحه وهي باقية نعم

---

(١) نَفعُ قُوتِ المغتذي عَلى جَامعِ الترمذي علی بن سلیمان دمنانی البُجمُوعي ابوالحسن [١٢٣٣-١٣٠٦ھ=١٨١٩-١٨٨٨ء] کی تصنیف ہے جو ١٥٨ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ اصل میں حافظ سیوطی کی کتاب قُوتُ المغتذي عَلى جَامعِ الترمذي کی تلخیص ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اور توفیق محمد تکلہ کی تحقیق کے ساتھ دار النوادر لبنان سے ١٤٣٣ھ=٢٠١٢ء کو شائع ہوئی ہے۔

(٢) محمد بن علی بن عبدالواحد الانصاری کمال الدین المعروف بابن الزملکانی۔ اپنے زمانے میں شوافع کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ ٦٦٧ھ=١٢٦٩ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں علم حاصل کیا اور وہیں تدریس اور افتاء کی ذمہ داریاں ملیں۔ ٧٢٧ھ=١٣٢٧ء کو بلبیس میں وفات پائی۔ قاہرۃ میں دفن ہوئے [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ٥:٢٥١، الاعلام: ٢٨٤]

سلب منه أعضائه. [نفع قوت المغتذی (۱)]

''اس حدیث میں روح کے جسم سے جدا ہونے کی دلیل ہے۔ جسم فنا ہو جاتا ہے اس کو ٹی کھا جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: حَتّٰى يَرْجِعَهُ اللّٰهُ إِلٰى جَسَدِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۲)

''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس کے جسم کی طرف لوٹائے گا۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جسم کے ایک حصہ کو عذاب وثواب سے نوازا جاتا ہے جو اس جسم میں باقی رہتا ہے اور وہ نفس اور روح ہے۔ امام غزالی (۳) کہتے ہیں کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور انسان کی حقیقت نفس اور روح ہی ہے جو باقی رہتی ہے۔ ہاں اس کے اعضاء سلب کر لیے جاتے ہیں۔''

تفسیر خازن (۴) میں وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹]

---

(۱) تحفیق الأولى من أهل الرفيق الأعلى' قاضی کمال الدین محمد بن علی بن عبدالواحد الزملکانی ۱:۲۶۹-۲۷۰' تحقیق: ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالعزیز' جامعہ ام القریٰ' مکۃ المکرمۃ' سعودی عرب' ۱۴۲۳ھ؛ قوت المغتذي على جامع الترمذي' جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال ابوبکر سیوطی ۳:۹۸۵-۹۸۶' تحقیق: توفیق محمود تکلہ' دار النوادر' بیروت' ۱۴۳۳ھ=۲۰۱۲ء؛ نفع قوت المغتذي على جامع الترمذي علی بن سلیمان دمنانی البجموعي ابوالحسن: ۱۱۳-۱۱۴' اضواء السلف' بدون مقام اشاعت و تاریخ اشاعت

(۲) امام غزالی کی عبارت اُن کی احیاء علوم الدین ۴:۴۹۳ میں پڑھی جا سکتی ہے۔

(۳) محمد بن محمد' غزالی' طوسی' ابو حامد صوفی اور فلسفی تھے۔ تقریباً دو سو کتابیں تصنیف کیں۔ ۴۵۰ھ=۱۰۵۸ء کو طابران میں پیدا ہوئے جو صوبہ خراسان کے طوس شہر کا مضافاتی گاؤں تھا اور اسی گاؤں میں ۵۰۵ھ=۱۱۱۱ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴:۲۱۶' الاعلام ۷:۲۲]

(۴) علی بن محمد بن ابراہیم الشیحی علاء الدین المعروف بالخازن تفسیر وحدیث کے بڑے عالم تھے۔ شافعی فقیہ تھے۔ حلب کے ایک علاقے شیحہ سے منسوب ہو کر شیحی کہلائے۔ ۶۷۸ھ=۱۲۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ ایک عرصہ تک دمشق میں مقیم تھے جہاں کے مدرسہ سمیساطیہ میں کتب خانہ کے خازن تھے۔ ۷۴۱ھ=۱۳۴۱ء کو حلب میں وفات پائی۔ [الدرر الکامنۃ ۳:۹۷' الاعلام ۵:۵]

کے تحت مذکور ہے: مَعنَى الآيةِ: بل هم أحياء في الذِّكر وأنهم يُذكرون بخير أعمالهم
[تفسیر خازن ۲: ۲۷۶] (۱)

"[اللہ تعالیٰ کے فرمان اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا] یہی معنی ہے کہ وہ اس لحاظ سے زندہ ہیں کہ اُن کا تذکرہ کیا جاتا ہے اُن کا ذکر اُن کے اچھے اعمال کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔"

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد ذکر کیا ہے کہ:

أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ (۲).

---

(۱) تفسیر الخازن، علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم الخازن ۱: ۳۱۹، وحیدی کتب خانہ پشاور بدون تاریخ

(۲) حافظ ابن کثیر کی پوری عبارت یہ ہے: ابو الزبیر المکی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ: لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَرْوَاحَهُمْ فِي أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَ تَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوْا طِيْبَ مَشْرَبِهِمْ وَ مَأْكَلِهِمْ وَ حُسْنَ مَقِيْلِهِمْ قَالُوْا: يَا لَيْتَ إِخْوَانَنَا يَعْلَمُوْنَ مَا صَنَعَ اللّٰهُ لَنَا لِئَلَّا يَزْهَدُوْا فِي الْجِهَادِ، وَلَا يَنْكُلُوْا عَنِ الْحَرْبِ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْآيَاتِ عَلَى رَسُوْلِهِ: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.

[تفسیر ابن کثیر ۳: ۲۵۸-۲۵۹، بذیل تفسیر سورۃ آل عمران ۳: ۱۶۹]

"جب تمہارے بھائی اُحد میں شہید کر دیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں داخل کر دیا جو جنت کی نہروں پر آتے ہیں۔ وہاں کے پھل کھاتے ہیں اور پھر عرش کے سائے میں لٹکے ہوئے سونے کی قندیلوں کو رات میں لوٹ جاتے ہیں۔ جب اُنہوں نے وہاں کے کھانے پینے اور آرام و راحت کے مزے دیکھے تو کہا: کون ہے جو ہمارا یہ پیغام ہمارے بھائیوں تک پہنچا دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں۔ ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد سے بے رغبت نہ ہو جائیں اور لڑائی میں بزدلی نہ دکھائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. [سورۃ آل عمران ۳: ۱۶۹]۔"

یہ روایت سنن ابی داود، کتاب الجہاد [۱۵] باب فی فضل الشہادۃ [۲۵] حدیث: ۲۵۲۰ کی ہے۔

''اُن کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں ہوتی ہیں جن کے لیے عرش کے نیچے پنجرے لٹک رہے ہوتے ہیں جنت میں جہاں چاہیں چرتی پھرتی ہیں۔''

ہمارے شیخ مولانا حسین علی صاحب [1] نے فرمایا ہے کہ روح کے سننے یعنی شعور میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں خواہ اس کو سماع کہیں یا نہ اور اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ مؤمنوں پرہیزگاروں کی روحیں قبروں کے پاس مقید نہیں ہوتیں [2]۔

(۱) حسین علی بن حافظ میاں محمد بن عبداللہ حنفی نقش بندی۔ واں بھچراں ضلع بنوں [اب ضلع میاں والی] میں ۱۲۸۳ھ کو پیدا ہوئے ابتدائی کتابیں میزان الصرف سے لے کر حمداللہ تک اپنے علاقے کے اساتذہ سے پڑھیں پھر کان پور چلے گئے [illegible] و منقول کی ساری درسی کتابیں مولانا احمد حسن کان پوری سے پڑھیں۔ صحیحین، سنن ترمذی اور سنن ابی داود کو مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھا اور اُن کے دروس کو وقت و ایجاز کے ساتھ قلم بند کیا۔ اپنے علاقہ میں واپس لوٹ کر شیخ عثمان بن عبداللہ نقش بندی کے ہاں ٹھہرے وہاں سے اپنے گاؤں واپس آتے ہی دینِ حق، توحید اور اتباعِ سنت کی دعوت کی ابتداء کی۔ قبر پرستی، شرک و بدعات سے لوگوں کو منع کیا جس کی پاداش میں آپ کو واں بھچراں چھوڑنا پڑا اور اپنی زمینوں میں رہائش اختیار کی، لیکن اُن کے پائے استقلال میں کوئی کمی نہ آئی۔ بہت سے علماء نے آپ کے علوم سے فائدہ اُٹھایا۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مضبوط و توانا جسم کے مالک تھے۔ آپ کا رنگ گندم گوں مائل بسفیدی تھا۔ رجب ۱۳۶۳ھ کو وفات پائی۔ [نزہۃ الخواطر ۸: ۱۳۳-۱۳۴]

(۲) ۔ احمد ۔

مستقر ارواح

موت سے لے کر قیامت کے دن تک ارواح کے مستقر کے بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں جن کا ذکر حافظ ابن قیم (۱) نے اس طرح کیا ہے:

۱- مؤمنوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں رہتی ہیں' خواہ وہ شہداء ہوں، یا نہ ہوں' بشرطے کہ کوئی کبیرہ گناہ یا قرض جنت میں جانے سے حائل نہ ہو۔ یہ سیدنا ابو ہریرۃ (۲) اور سیدنا عبداللہ بن عمر ﷺ کا مذہب ہے (۳)۔

---

(۱) محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد زرعی دمشقی' ابو عبداللہ' شمس الدین' اکثر و بیشتر علوم اسلامیہ پر ان کو دسترس تھی' ۶۹۱ھ=۱۲۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے بہت بڑے محدث' مفسر' فقیہ اور متکلم تھے۔ امام ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا اور ان کے علوم پر امام ابن تیمیہ ہی کا رنگ غالب رہا۔ ۷۵۱ھ= ۱۳۵۰ء کو وفات پائی۔ [البدایۃ والنہایۃ ۱۴: ۲۲۱' البدر الطالع ۲: ۱۴۳-۱۴۶' الاعلام ۶: ۵۶]

(۲) مشہور صحابی ہیں' ان کے نام کے سلسلے میں محدثین و مؤرخین کے مابین اختلاف موجود ہے اس بارے میں ان کے اٹھارہ اقوال ملتے ہیں۔ ایک جم غفیر کے نزدیک ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا۔ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے' ان کے مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ ۸۰۰ کے لگ بھگ ان کے شاگرد تھے۔ ۵۹ھ=۶۷۹ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۱۴۱۱' ترجمہ: ۶۳۲۹' الاعلام ۳: ۳۰۸]

(۳) الرّوح ۱: ۲۷۱' مسئلہ: ۱۵ : حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: جو اس بات کے قائل ہیں کہ مؤمنوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱- فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ. [سورۃ الواقعۃ ۵۶: ۸۸-۸۹]

''پھر اگر وہ مقربین میں سے ہوا تو [اُس کے لیے] آرام' خوش بودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں۔''

اس میں روح کی یہ حالت موت کے وقت جسم سے نکلنے کے بعد بتائی گئی ہے اور روحوں کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔ پہلی قسم مقربین کی ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جَنَّةُ النَّعِيْمِ میں ہوں گے دوسری قسم اصحاب الیمین کی ہے جنہیں عذاب سے سلامتی کا مژدہ سنایا گیا ہے جب کہ تیسرا گروہ مکذبین و ضالین کا ہے جن کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ ان کی کھولتے ہوئے پانی اور دخول جہنم

۲: ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جنت کے فِناء[1] میں ہوتی ہیں جہاں انہیں اس کی خوش بو، نعمتیں اور رزق ملتا ہے[2]۔
۳: ایک جماعت کہتی ہے کہ ارواح قبروں کے آس پاس ہوتی ہیں[3]۔

...... ہے اس میں روح کی یہ حالت موت کے وقت جسم سے نکلنے کے بعد بتائی گئی ہے اور روحوں کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔ پہلی قسم مقربین کی ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ جنّۃ النعیم میں ہوں گے دوسری قسم اصحاب الیمین کی ہے جنہیں عذاب سے سلامتی کا مژدہ سنایا گیا ہے جب کہ تیسرا گروہ مکذبین وضالین کا ہے جن کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ اُن کی کھولتے ہوئے پانی اور دُخول جہنم سے تواضع کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ احکام اَرواح پر اَبدان سے جدا ہونے کے بعد لاحق ہوتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتداء میں اَرواح کے قیامت کے دن والے اَحوال بتائے گئے ہیں یعنی ابتداءِ سورۃ میں قیامتِ کبریٰ کے بعد والے حالات ہیں اور سورۃ کے آخر میں قیامتِ صغریٰ کے بعد والے حالات ہیں۔

۲: یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ○ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○ [سورۃ الفجر ۸۹: ۲۷-۳۰]

"اے اطمینان پانے والی روح! اپنے رب کی طرف لوٹ چل۔ تو اُس سے راضی، وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے [ممتاز] بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

اس آیت میں اکثر صحابہ وتابعین کا قول ہے کہ روحوں سے یہ خطاب موت کے وقت کیا جاتا ہے جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہوتی ہیں اُس وقت فرشتے اُنہیں جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ جنہوں نے یہ خطاب آخرت کا خطاب بتایا ہے اُن کا قول بھی اس کے خلاف نہیں اس لیے کہ بشارت موت کے وقت بھی دی جاتی ہے۔ قبروں سے اُٹھتے وقت بھی اور آخرت میں بھی دی جائے گی۔ [الرُّوح ۱: ۳۸۰]

(۱) فِناءُ الجنۃ: اس کی جمع اَفنِیَۃ ہے۔ چار دیواری کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق احاطے اور دروازے پر بھی کیا جاتا ہے۔

(۲) الرُّوح ۱: ۳۷۱ مسئلہ: ۱۵

(۳) الرُّوح ۱: ۳۷۱ مسئلہ: ۱۵؛ علامہ ابن بطال علی بن خلف [وفات: ۴۴۹ھ] نے حدیث اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَیْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ ...... فَیُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰی یَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ [صحیح بخاری، کتاب الجنائز [۲۳] باب المیت یُعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی [۸۹] حدیث: ۱۳۷۹] کے تحت لکھا ہے: اِسْتَدَلَّ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ مَنْ ذَهَبَ اِلٰی اَنَّ الْاَرْوَاحَ عَلٰی اَفْنِیَةِ الْقُبُوْرِ ......

وَهُوَ أَصَحُّ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ' لِأَنَّ الْأَحَادِيْثَ بِذٰلِكَ أَثْبَتُ مِنْ غَيْرِهَا.

[شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ۳: ۲۶۰' بذیل حدیث: ۱۰۲/۱۱۳۳]

''اس حدیث سے اُن لوگوں نے استدلال کیا ہے جن کا مسلک یہ ہے کہ روحیں قبروں کے آس پاس ہوتی ہیں اور اس سلسلے میں یہ سب سے زیادہ صحیح مذہب ہے اس لیے کہ اس بارے میں اَحادیث دوسری روایات کی بہ نسبت زیادہ قوی ہیں۔''

حافظ ابن عبد البر یوسف بن عبد اللہ القرطبی [وفات: ۴۶۳ھ] لکھتے ہیں: قَدِ اسْتَدَلَّ بِهِ مَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّ الْأَرْوَاحَ عَلَى أَفْنِيَةِ الْقُبُوْرِ' وَهُوَ أَصَحُّ مَا ذُهِبَ إِلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ مِنْ طَرِيْقِ الْآثَارِ' لِأَنَّ الْأَحَادِيْثَ الدَّالَّةَ عَلَى ذٰلِكَ ثَابِتَةٌ مُتَوَاتِرَةٌ' وَكَذٰلِكَ أَحَادِيْثُ السَّلَامِ عَلَى الْقُبُوْرِ.

[التَّمْهِيْدُ لِمَا فِي الْمُوَطَّأِ مِنَ الْمَعَانِي وَالْأَسَانِيْد ۵: ۳۸۲' بذیل حدیث: ۱۹/۳۲۵]

''اس روایت سے اُن لوگوں نے استدلال کیا ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ روحیں قبروں کے پاس ہوتی ہیں اور آثار کی بنیاد پر یہ مذہب زیادہ قوی ہے اس لیے کہ اس پر دلالت کرنے والی احادیث قوی و متواتر ہیں اور اسی طرح قبروں پر سلام کرنے کی احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔''

امام موصوف نے دوسری جگہ لکھا ہے: وَقَدْ يَسْتَدِلُّ بِهِ مَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّ الْأَرْوَاحَ عَلَى أَفْنِيَةِ الْقُبُوْرِ' وَهُوَ أَصَحُّ مَا ذُهِبَ إِلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ' وَاللّٰهُ أَعْلَمُ' لِأَنَّ الْأَحَادِيْثَ بِذٰلِكَ أَحْسَنُ مَجِيْئًا وَأَثْبَتُ نَقْلًا عَنْ غَيْرِهَا' وَالْمَعْنٰى عِنْدِيْ: أَنَّهَا قَدْ تَكُوْنُ عَلَى أَفْنِيَةِ قُبُوْرِهَا' لَا عَلَى أَنَّهَا لَا تَرِيْمُ وَلَا تُفَارِقُ أَفْنِيَةَ الْقُبُوْرِ' بَلْ هِيَ كَمَا قَالَ مَالِكٌ - رَحِمَهُ اللّٰهُ - أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْأَرْوَاحَ تَسْرَحُ حَيْثُ شَاءَتْ.

[الاستذکار، الجامع لمذاہب فقہاء الامصار ۳: ۸۹' بذیل حدیث: ۵۲۱]

''جن لوگوں نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے کہ اَرواح قبروں کے آس پاس ہوتی ہیں، اس حدیث سے اُنہوں نے استدلال کیا ہے' اور اس سلسلے میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے' اس لیے کہ اس بارے میں وارد اَحادیث، دوسری روایات کی بہ نسبت، طرق اور نقل کے لحاظ سے اَحسن اور اَثبت ہیں اور میرے نزدیک معنیٰ یہ ہے کہ یہ کبھی کبھار قبروں کے پاس ہوتی ہیں [اور کبھی قبروں کے پاس نہیں ہوتیں] اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کبھی بھی وہاں سے دور جا کر نہیں بنتیں بلکہ ان کی حالت تو یہ ہے جیسا کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ روح کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے وہ جہاں چاہتی ہے، وہاں چلی جاتی ہے۔''

اس عبارت کو امام ابن العربی المالکی [وفات: ۵۴۳ھ] نے امام ابن عبد البر کا نام لیے بغیر نقل کیا

۴- امام مالک[1] نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ روح کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے وہ جہاں چاہتی ہے، وہاں چلی جاتی ہے[2]۔

۵- امام احمد[3] سے ان کے بیٹے عبداللہ کی روایت کے مطابق کفار کی روحیں آگ میں

...... ہے۔ دیکھئے اُن کی المسالك في شرح موطأ الإمام مالك ۲: ۵۵۳، باب جامع الجنائز، فائدہ: ۵

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: روحوں کے قبروں کے پاس رہنے سے اگر یہ مراد ہے کہ وہاں سے کبھی الگ نہیں ہوتیں تو یہ غلط ہے جس کی تردید قرآن مجید اور احادیث سے ہوتی ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ قبروں میں آجاتی ہیں یا اپنی اصلی جگہ رہ کر قبروں سے تعلق قائم رکھتی ہیں تو ٹھیک ہے مگر اس سے معلوم ہوا کہ قبریں اُن کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہیں۔ امام ابن عبدالبر کے ساتھ یہ علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے لیکن: وَهٰذَا الْقَوْلُ تَرُدُّهُ السُّنَّةُ الصَّحِيْحَةُ وَالْآثَارُ الَّتِيْ لَا مَدْفَعَ لَهَا وَقَدْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهَا وَكُلُّ مَا ذَكَرَهُ مِنَ الْأَدِلَّةِ فَهُوَ يَتَنَاوَلُ الْأَرْوَاحَ الَّتِيْ هِيَ فِي الْجَنَّةِ بِالنَّصِّ وَفِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى وَقَدْ بَيَّنَّا أَنَّ عَرْضَ مَقْعَدِ الْمَيِّتِ عَلَيْهِ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ لَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الرُّوْحَ فِي الْقَبْرِ وَلَا عَلٰى فِنَائِهِ دَائِمًا مِنْ جَمِيْعِ الْوُجُوْهِ بَلْ لَهَا إِشْرَافٌ وَاتِّصَالٌ بِالْقَبْرِ وَفِنَائِهِ. [الروح ۱: ۳۹۶-۳۹۷]

''یہ قول اُن صحیح احادیث اور آثار سے غلط ثابت ہوتا ہے جن کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا اور جن کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ اُن کی تمام پیش کردہ دلائل سے روحوں کا مستقر جنت اور رفیقِ اعلیٰ ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مُردوں پر جنت و جہنم پیش کیے جانے سے روحوں کا من کل الوجوہ ہمیشہ قبروں میں یا قبروں کے پاس رہنا لازم نہیں آتا بلکہ قبروں سے اُن کا تعلق ثابت ہوتا ہے۔''

(۱) مالک بن انس بن مالک اصبحی حمیری ابوعبداللہ، امام دارالہجرۃ، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ ۹۳ھ = ۷۱۲ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۷۹ھ = ۷۹۵ء کو وفات پائی۔ دینی امور میں متصلب اور امراء، وزراء اور سلاطین سے کوسوں دور رہتے تھے۔ [وفیات الاعیان ۴: ۱۳۵، الاعلام ۵: ۲۵۷]

(۲) الاستذکار، الجامع لمذاہب فقہاء الامصار ۳: ۸۹، بذیل حدیث: ۵۲۱، الروح ۱: ۳۷۴، مسئلہ: ۱۵

(۳) احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ شیبانی، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ مرو سے تعلق تھا، ان کے والد سرخس کے گورنر تھے۔ ۱۶۴ھ = ۷۸۰ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے حصولِ علم میں لگے رہے اور اس سلسلہ میں سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کے زمانے میں مامون الرشید نے ''خلق قرآن'' کا فتنہ اٹھایا۔ امام موصوف نے اس فتنہ کی خوب سرکوبی کی اور اس سلسلے میں انہیں ناقابلِ برداشت تکالیف کا سامنا

اور مؤمنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں [۱]۔

۶۔ امام ابوعبداللہ بن مندۃ [۲] نے کہا ہے کہ مؤمنوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہیں اور اس سے زائد کچھ نہیں کہا [۳]۔

کرنا پڑا مگر آپ صبر واستقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ ۲۸ مہینے جیل کی ہوا کھانی پڑی۔ ۲۴۱ھ = ۸۵۵ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۴: ۴۱۳-۴۲۳' الاعلام ۱: ۲۰۳]

(۱) الرّوح ۱: ۴؍۳۷۴' مسئلہ: ۱۵

(۲) محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ' ابن مندۃ' ابوعبداللہ العبدی [عبد یا لیل کی طرف منسوب] اصبہانی۔ ۳۱۰ھ = ۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے بہت سفر کیے۔ اپنے زمانے کے بہت بڑے حافظِ حدیث تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ سو اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ ۳۹۵ھ = ۱۰۰۵ء کو وفات پائی۔
[طبقات الحنابلہ ۲: ۱۶۷' الاعلام ۶: ۲۹]

(۳) الرّوح ۱: ۴؍۳۷۴' مسئلہ: ۱۵؛ اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ:

وَاَمَّا قولُ مَنْ قال: أرواحُ الْمُؤْمِنِيْنَ عِندَ اللّٰهِ تعالیٰ' ولم يزدْ علی ذلك فإنَّهُ تأدّبَ مع لفظ القرآن حَيْثُ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. [الرّوح ۱: ۴۰۵]

''اس قول میں کہ'' مؤمنوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا'' قرآن مجید کا ادب ملحوظِ خاطر ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے کہ: بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.
[سورۃ آل عمران ۳: ۱۶۹]

''وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔''

حافظ ابن قیم نے آگے اس قول کے دلائل کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے ایک حدیث اس سند سے مروی ہے: محمد بن اسحاق صغانی' حدثنا یحییٰ بن ابی بکیر' حدثنا محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذئب عن محمد بن عمرو بن عطاء عن سعید بن یسار عن ابی ہریرۃ ؓ عن النبی ﷺ قال: إنَّ الْمَيِّتَ إذا خرجتْ نَفْسُهُ يُعْرَجُ بِهَا إلَی السَّمَآءِ، حَتّٰی يَنْتَهِيَ بِهَا إلَی السَّمَآءِ الَّتِيْ فِيْهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، وإذا كان الرَّجُلُ السُّوْءُ يُعْرَجُ بِهَا إلَی السَّمَآءِ، فَإنَّهُ لَا يُفْتَحُ لَهَا أبوابُ السَّمَآءِ، فَتَصِيْرُ إلَی الْقَبْرِ.
[مسند احمد ۲: ۳۶۴' ۶: ۱۴۰' سنن ابن ماجۃ' ابواب الزہد [۳۷] باب ذکر الموت [۳۱] حدیث ۴۲۶۲]

''مرنے کے بعد روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے یہاں تک کہ اس آسمان پر پہنچ جاتی ہے جس پر

۷: مؤمنوں کی روحیں جابیہ میں اور کفار کی روحیں برہوت میں ہوتی ہیں جو کہ حضرموت میں ایک کنواں ہے۔ اسے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے (۱)

...... حق تعالیٰ ہیں جب کہ بدروح کے لیے پہلے آسمان کے بھی دروازے نہیں کھولے جاتے اور وہیں سے پھینک دی جاتی ہے، پھر وہ قبر میں آتی ہے۔"

اس کی سند کے بارے میں حافظ صاحب موصوف نے لکھا ہے: وَهٰذَا إِسْنَادٌ لَا تَسْأَلْ عَنْ صِحَّتِهِ.

[الرُّوح ۱:۲۰۶]

"اس حدیث کی سند کی صحت کے بارے میں مت پوچھو!"

(۱) الرُّوح ۱:۳۴۷، مسئلہ ۱۵: اس مسلک کے بارے میں حافظ ابن حزم نے لکھا ہے کہ: ذَهَبَ قَوْمٌ مِّنَ الرَّوَافِضِ إِلَى أَنَّ أَرْوَاحَ الْكُفَّارِ بِبَرَهُوتَ وَهُوَ بِئْرٌ بِحَضْرَمَوْتَ وَأَنَّ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَوْضِعٍ آخَرَ أَظُنُّهُ الْجَابِيَةَ. وَهٰذَا قَوْلٌ فَاسِدٌ لِأَنَّهُ لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ أَصْلًا وَمَا لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ فَهُوَ سَاقِطٌ.

[اَلْفَصْلُ فِي الْمِلَلِ وَالْأَهْوَاءِ وَالنِّحَلِ ۴:۶۹]

"روافض میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ کفار کی روحیں برہوت میں ہوتی ہیں جو حضرموت میں ایک کنواں ہے جب کہ مؤمنوں کی روحیں جابیۃ میں ہیں۔ یہ ایک فاسد قول ہے اس لیے کہ اس پر اصلاً کوئی دلیل موجود نہیں اور جس چیز پر کوئی دلیل نہ ہو وہ ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔"

اس پر حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ بات جس طرح حافظ ابن حزم نے کی ہے، ویسی نہیں ہے بلکہ یہ اہل السنت میں سے بھی ایک جماعت کا قول ہے۔ آگے انہوں نے امام ابوعبداللہ ابن مندۃ کے حوالے سے اس رائے کے لیے کچھ مؤید آثار پیش کیے ہیں:

۱۔ محمد بن محمد بن یونس حدثنا ابن عاصم حدثنا ابوداود وسلیمان بن داود حدثنا ہمام حدثنی قتادۃ حدثنی رجل عن سعید ابن المسیب عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما موقوفاً۔ [الرُّوح ۱:۳۱۱]

یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ قتادۃ نے اپنے استاذ کا نام نہیں لیا بلکہ عن رجل کہہ کر اسے نقل کیا ہے۔

۲: حماد بن سلمۃ عن عبدالجلیل بن عطیۃ عن شہر بن حوشب عن کعب عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما موقوفاً۔

[الرُّوح ۱:۳۱۱]

یہ روایت بھی ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا راوی شہر بن حوشب کثیر الارسال والاوہام ہے۔

[تقریب التہذیب ۳۵۱، ترجمہ ۲۸۴۶]

امام شعبہ کے نزدیک مطعون تھا۔ [تہذیب الکمال ۱۲:۵۸۲]

۸۔ صفوان بن عمرو [۱] نے عامر بن عبداللہ ابوالیمان [۲] سے روایت کیا ہے کہ ارواح اُس سرزمین میں ہوتی ہیں جس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:
وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ [۳] .

[سورۃ الانبیاء ۲۱: ۱۰۵]

''اور بے شک ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے [۴]۔''

۹۔ مؤمنوں کی روحیں ساتویں آسمان میں علیین میں ہوتی ہیں اور کفار کی روحیں ساتویں زمین میں ابلیس کے لشکر کے نیچے سجین میں ہوتی ہیں یہ قول کعب [۵] کا ہے [۶]۔

---

(۱) صفوان بن عمرو بن ہرم سکسکی ابوعمرو حمصی۔ حدیث میں ثقہ اور ثبت ہیں۔ ۱۵۵ھ کو وفات پائی۔
[تہذیب الکمال ۱۳: ۲۰۱' ترجمہ: ۲۸۸۸]

(۲) عامر بن عبداللہ بن لحی ابوالیمان ابوعامر الہوزنی الحمصی۔ [تہذیب الکمال ۱۴: ۶۰' ترجمہ: ۳۰۵۰]
امام ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالملک ابن القطان الفاسی لکھتے ہیں: اس کی حالت غیر معروف ہے۔
[بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام ۳: ۵۳' نص: ۷۱۱]

(۳) الرُّوح ۱: ۳۷۴-۳۷۵' مسئلہ: ۱۵؛ حافظ ابن قیم نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس آیت کریمہ میں ''الأرض'' کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: سعید بن جبیر اور اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے جنت کی زمین مراد ہے جب کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے وہ دنیا مراد ہے جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا تھا۔ [الرُّوح ۱: ۴۱۴]

(۴) امام نسفی لکھتے ہیں: الزَّبور بمعنی: المزبور' أي: المکتوب' یعني: ماأنزل علی الأنبیاء من الکتب' والذکر أم الکتاب' یعني: اللوح' لأن الکل أخذوا منه' والأرض: أرض الجنة.
[تفسیر النسفی ۲: ۱۰۵۹]

(۵) کعب بن ماتع حمیری' علمائے اہل کتاب میں سے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مشرف باسلام ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۱: ۵۲]

(۶) الرُّوح ۱: ۳۷۵' مسئلہ: ۱۵؛ حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ سلف وخلف میں ایک جماعت کا قول ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: ''اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى'' اس کی شاہد ہے۔ [الرُّوح ۱: ۴۱۶]

۱۰- ایک جماعت کا قول ہے کہ مؤمنوں کی روحیں زمزم کے کنویں میں اور کفار کی روحیں برہوت کے کنویں میں ہوتی ہیں (۱)۔

۱۱- مؤمنوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہوتی ہیں اور جہاں چاہیں چلی جاتی ہیں اور کفار کی روحیں سجین میں ہوتی ہیں۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۲) کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ تَذْهَبُ فِي الْأَرْضِ حَيْثُ شَاءَتْ (۳)۔

''مؤمن کا نَسَمَۃ [یعنی: روح] زمین میں جہاں کہیں چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔''

---

(۱) الرّوح ۱: ۲۷۵، مسئلہ: ۱۵: حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ ایک بلا دلیل قول ہے۔ قرآن مجید اور سنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور اس کو تسلیم کرنا ضروری نہیں اور یہ صحیح بھی نہیں اس لیے کہ تمام مؤمنوں کی روحیں بئر زمزم میں نہیں سما سکتیں اور یہ اُس صحیح حدیث کے مخالف ومعارض ہے، جس میں مذکور ہے کہ:

نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ. [مسند احمد ۳: ۴۵۵: ۴۵۶: ۴۶۰]

''مؤمن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے پھلوں سے کھاتا ہے۔''

اس لیے یہ قول نہایت فاسد اور باطل ہے۔ [الرّوح ۱: ۴۱۷]

(۲) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ خود کو سلمان الاسلام کہا کرتے تھے۔ اصبہان کے ایک مجوسی خاندان میں سے تھے۔ جیان نامی گاؤں میں پلے بڑھے۔ شام، موصل، نصیبین اور عموریہ سے ہوتے ہوئے بلادِ عرب پہنچے۔ بنو کلب کے کچھ افراد کی معیت اختیار کی، جنہوں نے انہیں بزور غلام بنا کر فروخت کیا۔ بنو قریظہ کے ایک شخص نے انہیں خریدا اور اس طرح آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ فارسیوں، یہود اور نصاریٰ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اسلام قبول کیا۔ غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا مشورہ انہوں نے دیا تھا۔ ۳۶ھ = ۶۵۶ء کو وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۴۹۹، ۵۰۰، ترجمہ: ۲۱۵۱، الاعلام ۳: ۱۱۱]

(۳) الرّوح ۱: ۲۷۵، مسئلہ: ۱۵: حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: برزخ، دو چیزوں کے درمیان پردے کو کہتے ہیں اور سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کے درمیان جو برزخ یعنی پردہ ہے، روحیں وہاں آزادانہ اپنی مرضی سے پھرتی ہیں۔ یہ ایک قوی قول ہے اس لیے کہ یہ دنیا سے تو الگ ہوئی ہیں لیکن آخرت میں داخل نہیں ہوئی ہیں۔ مؤمنوں کی روحیں ایک وسیع وعریض برزخ میں ہیں جہاں جہاں کی نعمتوں میں سے کھاتی پیتی ہیں جب کہ کفار کی روحیں ایک تنگ وتاریک برزخ میں ہیں جہاں انہیں غم اور عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ [الرّوح ۱: ۴۱۸]

۱۲۔ مؤمنوں کی روحیں سیدنا آدم علیہ السلام کے دائیں جانب اور کفار کی روحیں بائیں جانب ہوتی ہیں۔ یہ ایک گروہ کا قول ہے[1]۔

۱۳۔ حافظ ابن حزم اور ایک گروہ کا قول ہے کہ روحوں کا مستقر وہی مقام ہوتا ہے جہاں جسموں کے پیدا ہونے سے پہلے ہوتی ہیں۔ اس گروہ نے ان نصوص سے استدلال کیا ہے: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ.

[سورة الاعراف ۷:۱۷۲]

"اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرالیا [یعنی: اُن سے پوچھا کہ] کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے: ہم گواہ ہیں [کہ تو ہمارا رب ہے۔ یہ اقرار اس لیے کرایا تھا] کہ قیامت کے دن [کہیں یوں نہ] کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔"

اور: وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ.

[سورة الاعراف ۷:۱۱]

"اور ہم ہی نے تم کو [ابتداء میں مٹی سے] پیدا کیا، پھر تمہاری شکل وصورت بنائی، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات آسمان دنیا میں اہل سعادت کی روحیں سیدنا آدم علیہ السلام کے دائیں جانب اور اَشقیاء کی روحیں سیدنا آدم علیہ السلام کے بائیں جانب دیکھیں یہ

---

(۱) الرّوح ا:۲۷۵، مسئلہ:۱۵؛ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: اللہ کی قسم! اس قول کی تائید حدیث اسراء ومعراج کی صحیح حدیث سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اَرواح کو سیدنا آدم علیہ السلام کے اِرد گرد دیکھا تھا لیکن اس حدیث میں ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے سیدنا آدم علیہ السلام کے برابر ہی میں روحوں کے اجتماع کا ثبوت ہو بلکہ کچھ روحیں آپ کے دائیں ہیں اور آپ سے بلند اور وسیع ترین مقامات پر ہیں اور کچھ بائیں اور پست اور تنگ وتاریک مقامات میں ہیں۔ [الرّوح ا:۴۱۹-۴۲۰]

روحوں کے اجسام سے جدا ہونے کے وقت ہوتا ہے اور انبیاء اور شہداء کی روحوں کو جلد جنت کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ محمد بن نصر مروزی [(۱)] نے اسحاق بن راہویہ [(۲)] سے بعینہ ہماری یہی بات نقل کی ہے [(۳)] اور فرمایا کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔ حافظ ابن حزم

---

(۱) محمد بن نصر بن منصور ابو سعد ہروی اشکانی۔ خراسان کے ہراۃ سے تعلق تھا۔ ۴۵۸ھ = ۱۰۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ بغداد منتقل ہوئے۔ مستظہر عباسی کے ہم نشین رہے ہیں۔ سیاست اور قضاء سے تعلق تھا۔ ۵۰۲ھ سے ۵۰۴ھ تک بغداد میں قضاء کے عہدہ پر فائز رہے۔ امام ابو حنیفہ کے پیروکار تھے۔ شعر کہا کرتے تھے۔ ۵۱۸ھ = ۱۱۲۴ء کو وفات پائی۔ [الجواہر المضیۃ: ۳۷۹:۲' ترجمہ: ۱۴۹۹' الاعلام ۷: ۱۲۵]

(۲) اسحاق بن ابراہیم بن مَخلَد حنظلی تمیمی مروزی ابو یعقوب ابن راھَوَیہ' اپنے زمانے میں خراسان کے بہت بڑے عالم تھے۔ ۱۶۱ھ = ۷۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔ امام بخاری' امام نسائی اور امام ترمذی جیسے اساطین علم نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے' چونکہ اُن کے والد کی ولادت دوران سفر ہوئی تھی اسی لیے راہویہ کہلائے۔ نیشاپور میں ۲۳۸ھ = ۸۵۳ء کو وفات پائی۔
[وفیات الاعیان ۱: ۱۹۹' الاعلام ۱: ۲۹۲]

(۳) حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: محمد بن نصر مروزی نے یہ بات کِتَابُ الرَّدِّ عَلٰی اِبْنِ قُتَیْبَۃَ میں ارشاد ربانی وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ [سورۃ الاعراف ۷: ۱۷۲-۱۷۳] کے تحت اس طرح لکھی ہے: قال إسحاق: أجمعَ أهلُ العلم: أنها الأرواح قبل الأجساد استنطقهم...... هذا نصُّ کلامه وهو کما تری لایدُلُّ علی أنَّ مستقر الأرواح ما ذکر أبو محمد حیث تنقطع العناصر بوجه من الوجوه' بل ولایدُلُّ علی أنَّ الأرواح کائنة قبل خلق الأجساد بل إنما یدُلُّ علی أنه سبحانه أخرجها حینئذٍ فخاطَبَها ثم رَدَّها إلی صلب آدم. [الرُّوح ۱: ۴۲۳]

''اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اَجسام سے پہلے۔ پشت آدم علیہ السلام سے نکالی ہوئی روحوں سے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا۔ اس عبارت سے حافظ ابن حزم کا یہ دعویٰ کہ روحوں کا مستقر وہ مقام ہے جہاں عناصر ختم ہوتے ہیں، کسی صورت بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اَجسام سے پہلے اَرواح موجود تھیں۔ بس اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس وقت روحیں سیدنا آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر اُن سے ربوبیت کا اقرار کرالیا اور پشت آدم میں لوٹا دیں۔''

نے کہا ہے کہ یہ تمام اہل اسلام کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ [سورۃ الواقعہ ۵۶: ۸] کا یہی مقصد ہے (۱)۔

۱۴: شہداء کی روحیں جنت میں اور عام مؤمنوں کی روحیں قبور کی افنیہ پر ہوتی ہیں۔ یہ حافظ ابن عبدالبر (۲) کا قول ہے (۳)۔

حافظ ابن قیم نے اُن احادیث کو نقل کیا ہے جن سے حافظ ابن عبدالبر نے استشہاد کیا ہے (۴)۔

۱۵: دفن سے ساتویں دن تک اپنی قبروں کے آس پاس ہوتی ہیں اس قول کی نسبت بلاسند مجاہد (۵) کی طرف کی گئی ہے (۶)۔

---

(۱) الرُّوح ۱: ۳۷۵-۳۷۶ مسئلہ: ۱۵ الفَصْلُ فِي الْمِلَلِ وَالأَهْوَاءِ وَالنِّحَلِ ۴: ۶۹-۷۰

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: حافظ ابن حزم کے اِس دعویٰ کی بنیاد اِس پر ہے کہ روحیں اَجسام سے پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ لیکن اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اَرواح اَجسام کے بعد پیدا ہوئی ہیں اور دوسرا قول وہ ہے جسے حافظ ابن حزم نے اختیار کیا ہے کہ اَرواح اَجسام سے پہلے وجود میں آئیں لیکن قرآن مجید، حدیث اور اجماع امت سے اس کی کوئی دلیل نہیں یہ دعویٰ انہوں نے اُن نصوص سے اخذ کیا ہے جو اس پر دلالت نہیں کرتیں بلکہ یہ اُن کا اپنا فہم ہے اور یا اُن کا مستدل غیر متعلقہ اور غیر صحیح احادیث ہیں۔

[الرُّوح ۱: ۴۲۱]

(۲) یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرّ نمری، قرطبی، مالکی، ابوعمر، حافظ حدیث، مؤرخ اور ادیب تھے۔ اپنے دور میں حافظِ مغرب کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ قرطبہ میں ۳۶۸ھ = ۹۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے اندلس کے مشرقی اور مغربی علاقے چھان مارے۔ شبونہ اور شنترین کے قاضی رہے تھے۔ شاطبہ میں ۴۶۳ھ = ۱۰۷۱ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۷: ۶۶، الاعلام ۸: ۲۴۰]

(۳) الرُّوح ۱: ۳۷۷، مسئلہ: ۱۵

(۴) الرُّوح ۱: ۳۷۷، ۳۸۳-۳۸۹

(۵) مجاہد بن جبر ابوالحجاج المکی، مولی بنی مخزوم۔ ۲۱ھ = ۶۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ تابعی اور مفسر ہیں۔ بعض مسائل میں اہل کتاب سے رجوع کرتے تھے اس لیے سلف اُن کی تفسیر کی کتاب سے گریزاں رہا۔

-۱۶: جو لوگ نفس کو اَعراضِ بدن میں سے ایک عرض سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اَرواح کا مستقر عدم محض ہے(۱)۔

-۱۷: موت کے بعد اَرواح کا مستقر اُن کے وصف اور اخلاق کے مناسب ہوتا ہے۔ درندہ اور کلبی صفت انسان کی روح درندوں اور کتے کے جسم میں وغیرہ میں ہوتی ہے۔ یہ قول اہل تناسخ (۲) اور منکرین معاد کا ہے جو اہل اسلام کے اقوال سے خارج ہے(۳)۔

پھر حافظ ابن قیم نے مستقر اور مقامات کے لحاظ سے اَرواح کے مراتب ومقامات کا ذکر کیا

..... کرتے تھے۔ ۱۰۴ھ = ۷۲۲ء کو وفات پائی۔ [سیر أعلام النبلاء ۴: ۴۴۹، الاعلام ۵: ۲۷۸]

(۶) الرُّوح ۱: ۲۷۸، مسئلہ: ۱۵

حواشی صفحہ ہٰذا

(۱) الرُّوح ۱: ۲۷۸، مسئلہ: ۱۵؛ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: یہ اُن کا عقیدہ ہے جو روحوں کو عوارضِ اَجسام مانتے ہیں اور انہیں زندگی سمجھتے ہیں جیسے ابن باقلانی وغیرہ اور یہی ابوالہذیل علاف کا قول ہے لیکن اُنہوں نے روح کی حیات سے تعبیر نہیں کی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جسم کی موت سے دیگر تمام اَعراض کی طرح روح بھی مر جاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا اس لیے ہر تغیر کے بعد ایک نئی روح کا پیدا ہونا ضروری ہے یعنی زندگی کے تھوڑے سے زمانے میں انسان کی ہزاروں روحیں پیدا اور ختم ہوتی رہتی ہیں اور مرنے پر پچھلی روح بھی ختم ہو جاتی ہے۔ آسمان پر چڑھنے اُترنے اور قبر میں آنے جانے فرشتوں کے پکڑنے چھوڑنے اور عذاب وثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس اللہ تعالیٰ جسم کو عذاب وثواب پہنچاتے ہیں اور جب جسم کو عذاب وثواب پہنچاتے ہیں تو اُس وقت زندہ کر دیتے ہیں۔ روحوں کا بالذات و مستقل وجود نہیں۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ زندگی محض دُمچی کی ہڈی میں لوٹائی جاتی ہے اور اُسی کو عذاب وثواب پہنچتا ہے۔ یہ اُن لوگوں کا قول ہے جن کو اپنی روحوں کا بھی علم نہیں۔ یہ قول قرآن مجید، احادیث نبویہ اور اِجماع کے خلاف ہے اور عقلی وفطری دلائل بھی اسے رد کر دیتے ہیں۔ [الرُّوح ۱: ۴۲۳-۴۲۶]

(۲) تناسخ: ایک بدن سے دوسرے بدن کی طرف ''نفسِ ناطقہ'' کا اِنتقال۔ [موسوعہ کشاف اصطلاحات العلوم والفنون ۱: ۵۱۲]

(۳) الرُّوح ۱: ۲۷۸-۲۷۹، مسئلہ: ۱۵

ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی اَرواح اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں اور بعض یعنی خاص شہداء کی اَرواح سبز پرندوں کے قالبوں میں ہوتی ہیں جو جنت میں جہاں چاہیں چرتی پھرتی ہیں۔ کچھ شہداء کی اَرواح کو ان کے عمل کی وجہ سے روک دیا جاتا ہے جیسے مال غنیمت سے چادر چھپانے والے کو روک دیا گیا یا کسی قرض کی وجہ سے روک لیے جاتے ہیں یا جنت کے دروازے پر ہی روک لیے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: رَأَيْتُ صَاحِبَكُمْ مَحْبُوسًا عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ (۱).

''میں نے تمہارے ساتھی کو جنت کے دروازے پر روکا ہوا دیکھا۔''

کچھ کا ٹھکانہ جنت کے دروازے پر ہوتا ہے جیسا کہ مسند احمد میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے (۲) اور کچھ تو زمین میں ہی روک لی جاتی ہیں ان کی ارواح ملا اعلیٰ کی طرف چڑھتی ہی نہیں اور کچھ روحیں تنور میں ہوتی ہیں جیسے زانی مرد اور عورتیں اور کچھ خون کی نہر میں تیرتی ہیں ان کے سروں کو پتھروں سے پھوڑا جاتا ہے۔ تمام نیک بخت اور بد بخت روحوں کے لیے ایک ہی مستقر نہیں ہوتا۔ اَحادیث میں غور وفکر کرنے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے (۳)۔

---

(۱) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ حُبِسَ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ بِدَيْنٍ كَانَ عَلَيْهِ.
[مسند احمد ۵:۱۳]

(۲) یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: الشُّهَدَاءُ عَلَى بَارِقٍ - نَهْرٍ بِبَابِ الْجَنَّةِ - فِي قُبَّةٍ خَضْرَاءَ يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً. [مسند احمد ۱:۲۶۶]

(۳) الرُّوح ۱:۴۳۱-۴۳۳؛ اس کے بعد حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے چار گھر بنائے ہیں۔ پہلا گھر ماں کا پیٹ ہے جو نہایت تنگ و تاریک ہے جہاں انسان تین پردوں میں رہتا ہے۔ دوسرا گھر دنیا کا ہے جہاں اس کی پرورش ہوتی ہے یہاں تک کہ کمال کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور جہاں وہ خیر و شر کما کر سعادت یا شقاوت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ تیسرا گھر برزخ کا ہے جو دوسرے دونوں گھروں کی بنسبت بہت بڑا ہے اور دنیا کی اس سے نسبت ایسی ہے جیسے ماں کا پیٹ کا دنیا سے! اس کا چوتھا گھر ......

اس سے ظاہر ہوا کہ نیک لوگوں کی اَرواح جنت کی نعمتوں میں ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قرب اور اعلیٰ علیین کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان پر نعمتیں اور احسان کیے ہیں تو کیا دنیا کی خساست اور جس قید خانے سے وہ جدا ہوئی تھیں اس کی طرف آ سکتی ہیں؟ اور اس قید خانہ میں آ کر بیٹھ کر ان کی باتیں سن سکتی اور ان کے زائرین کو جان سکتی ہیں؟ اور بد بخت لوگ جنہیں وہاں روک دیا گیا یا ان کو دردناک عذاب میں سزا دی جا رہی ہے تو کیا ان کو ایسے سخت عذاب اور خوفناک ہولناکی میں کچھ فہم و شعور رہتا ہے جس میں انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لوہے کے ہتھوڑوں کے ساتھ مارے جاتے ہیں۔ بچھو کاٹتے ہیں اور سانپوں کی زہر کے ساتھ جلائے جاتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کے عذاب کو دور کر بے شک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے۔ نیک بخت لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت میں مشغول ہوتے ہیں اور بد بخت درد اور عذاب میں مبتلا رہتے ہیں ہر ایک اس دنیا میں اپنے کیے کی جزا میں مشغول ہے (1)۔

...... دار القرار یعنی جنت یا جہنم ہے جس کے بعد کوئی پانچواں گھر یا پانچویں زندگی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اس آخری گھر میں کیے بعد دیگرے داخل کرتا ہے۔ [الرُّوح ۱: ۴۳۴]

(1) حافظ ابن قیم نے اس بحث کے شروع میں لکھا ہے کہ: هذه مسألةٌ عظيمةٌ تكلّمَ فيها النّاسُ و اختلفوا فيها، وهي إنّما تُتَلقّى من السّمع فقط. [الرُّوح ۱: ۳۷۱، مسئلہ: ۱۵]

"یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے جس پر کئی لوگوں نے کلام اور کئی نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ یہ مسئلہ صرف سمعی [یعنی منصوصی] ہے [عقلی نہیں] ہے۔"

فصل سوم

سماع موتی کے دلائل کا جائزہ

بعض لوگ سماعِ موتی کے سلسلہ میں بلاسند ضعیف بلکہ موضوع احادیث تک بیان کرنے سے گریز نہیں کرتے، حالانکہ یہ دینِ مبین میں خیانت کے مترادف ہے کہ کسی روایت کا درجہ اور مرتبہ معلوم کیے بغیر اُس پر کسی عقیدہ یا عمل کی بنیاد رکھی جائے۔

حدیث کی کتابوں میں بعض ایسی ہیں جن کے مصنفین نے صحتِ حدیث کا التزام نہیں کیا بلکہ اُنہیں جس سند کے ساتھ روایت ملی، خواہ وہ صحیح ہو، ضعیف ہو یا منکر اور موضوع ہو، وہ اسے باسند لکھ لیتے ہیں تاکہ ساری روایات کو محفوظ کیا جا سکے۔ وہ بسا اوقات صحیح احادیث کے ساتھ ضعیف اور موضوع روایات بھی لکھ لیتے ہیں اس وجہ سے حدیث کے ماہر اور نقاد علماء جرح و تعدیلِ رُواۃ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اُنہوں نے موضوع روایات کو صحیح روایات سے الگ کیا مگر فن کے کسی بھی عالم نے ان کے اس عمل پر نکیر و تنقید نہیں کی اور نہ ہی کسی نے ان سے کہا کہ تم اُن روایات کو کیوں کر ضعیف و موضوع کہتے ہو جن کو بڑے بڑے علماء نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے جیسے امام ابن السنی (۱) امام طبرانی، امام ابن ابی الدنیا اور امام حاکم (۲) وغیرہ؟

---

(۱) ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق، ابن السنی الدینوری الشافعی، مشہور عالم حدیث ہیں، اُنہوں نے اسی سال سے زیادہ عمر پائی اور ۳۶۴ھ = ۹۷۴ء کو وفات پائی۔ علم حدیث کی تحصیل کے لیے اکثر سفر میں رہتے تھے اُنہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ امام نسائی کے شاگرد رہے ہیں۔

[طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۳: ۳۹، الاعلام ۱: ۲۰۹]

(۲) محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم، ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری، نیشاپور میں ۳۲۱ھ = ۹۳۳ء کو پیدا ......

اس کا سبب یہ ہے کہ اکثر محدثین اُن تک پہنچنے والی ہر حدیث اور خبر کو روایت کر دیتے ہیں اور قاری کے علم، نقد اور بحث پر اعتماد کرتے ہوئے، اس کا قبول ورد قاری پر چھوڑ دیتے ہیں کہ جس طرح یہ روایتیں اُن تک پہنچیں اسی طرح نقل کی امانت کو دیکھتے ہوئے روایت کر دیتے ہیں اور نقد و چھان بین کو فن کے علماء پر چھوڑ دیتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا کسی حدیث کو صرف نقل کر دینا اس روایت کی تصحیح و توثیق نہیں ہے اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ علماء ان کی روایات و احادیث کی تصحیح و تضعیف کرتے ہیں اور ہر ایک کے لیے اس کے عمل کا ایک رخ اور طریقہ ہے۔

محدثین کا ایک اگروہ وہ ہے جنہوں نے یہ شرط عائد کر رکھی ہے کہ وہ صرف وہی روایت درج کریں گے جو ان کے نزدیک صحیح اور ثابت ہوگی۔ اسی وجہ سے امام بخاری (۱) نے چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے اپنی صحیح لکھی (۲) اسی طرح امام مسلم، امام ابوداؤد (۳) اور ان جیسے دیگر علماء نے وہی روایات ضبط اور جمع کیں جو ان کے نزدیک صحیح تھیں۔ امام حاکم

......ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ ۳۴۱ھ کو عراق گئے اور اسی سال فریضہ حج ادا کیا۔ ۳۵۹ھ کو نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے اور اسی وجہ سے حاکم لقب پڑ گیا' ان کی اکثر تصانیف حدیث اور علومِ حدیث سے متعلق ہیں۔ نیشاپور ہی میں ۴۰۵ھ = ۱۰۱۴ء کو وفات پائی۔ [تاریخ بغداد ۵: ۴۷۳' الاعلام ۶: ۲۲۷]

(۱) محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ' بخاری' ابوعبداللہ' امیر المؤمنین فی الحدیث' ۱۹۴ھ = ۸۱۰ء کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ طلب حدیث کے سلسلے میں مشقتیں اٹھائیں اور لگ بھگ ایک ہزار اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ ۲۵۶ھ = ۸۷۰ء کو خرتنگ میں وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۲: ۵۵۵' الاعلام ۶: ۳۴]

(۲) تاریخ بغداد ۲: ۸' طبقات الحنابلۃ ۱: ۲۷۵' ۲۷۶

(۳) سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر' ابوداؤد' ازدی' سجستانی' اپنے زمانے میں حدیث کے بہت بڑے عالم تھے' ان کی "السنن" اصول ستہ میں گنی جاتی ہے۔ ۲۰۲ھ = ۸۱۷ء کو ولادت ہوئی۔ حصول علم کے لیے لمبے سفر کیے۔ ۲۷۵ھ = ۸۸۹ء کو بصرہ میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۲: ۴۰۴' تاریخ بغداد ۹: ۵۵' الاعلام ۳: ۱۲۲]

طبرانی اوران کے نقش قدم پر چلنے والے علماء نے ایسا نہیں کیا ان کی کتب میں کسی روایت کا پایا جانا اس روایت پر عمل کے وجوب اور قبول کے لیے کافی نہیں ہے اوران کا کسی روایت کو صحیح و ثابت کہنا اس وقت تک کافی نہیں جب تک اس فن کے علماء متقنین اس کی تصحیح نہ کردیں جو اس دین سے غالیوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی ملاوٹوں کو دور کرنے والے ساداتِ ائمہ نیک، ماہر، نقاد، جید، حفاظ اور علماء ہیں جنہوں نے صحیح احادیث کو جمع کیا اور صحیح، حسن، منکر، ضعیف، موضوع، متروک اور جھوٹی روایات کو جمع کر کے اُن کی حیثیت بیان کی اور رجال کی ہمہ اقسام وضاعین، کذابین اور مجاہیل کی نشان دہی کردی۔

[۱] استدلال: رسول اللہ ﷺ کا قلیب بدر والوں سے کلام (۱)

اس سوال کے جواب میں امام ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ:

وأورِدَ أنَّ النبي ﷺ قال لأهل القليب: هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ فقال عُمَرُ ؓ: أتُكَلِّمُ الْمَوتَى يارَسولَ اللّهِ؟ فَقَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِي بيده مَا أنتم بِأسْمَعَ لِمَا أقُول مِن هٰؤلَآءِ - أومنهم - وأجيبُ بأنّه غير ثابت يعني من جهة المعنَى وإلّا فهو صحيحٌ، وذٰلك بسبب أنّ عائشة رضي اللّٰه عنها رَدَّتْهُ بقوله تعالَى: وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ، وَاِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى، وبأنّه إنما قاله ﷺ على وجه الموعظة للأحياء لَا لإفْهَام المَوتٰى، كَمَا رُوِيَ عن علي ؓ أنه قال: اَلسَّلَامُ عليكُم دارَ قومٍ مؤمنين، أمّا نِسَائُكم فَنُكِحَت و أمّا أموالكم فقُسِمَت وَ أمّا دُوْرُكُم فقَدْ سُكِنَتْ، فهٰذا

---

(۱) حدیث قلیب بدر جو صحاح میں منقول ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتولینِ قریش کو نام بنام پکار کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ تو پورا ہوا تو کیا تم سے کیا گیا وعدہ پورا ہوا؟ سیدنا عمر ؓ نے فرمایا: يارسولَ اللّه! أتكلِّمُ أجسادًا بلا أرواحٍ؟ فقال ﷺ: والذي نفسي بيده ما أنتم بأسْمَعَ من هؤلاء ولكن لايُجيبون. [صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا [۵۱] باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علیہ واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ [۱۷] حدیث: ۷۲۲۲]

خبرُكم عِندَنا فَمَا خبرُنا عِندَكم' أو بانه مخصوصٌ بأولئك تضعيفًا لِلحسرة عليهم. [فتح القدیر: ج ۲' ص ۶۹' باب الجنائز] (۱)

"رسول اللہ ﷺ نے اہل قلیب کو خطاب کر کے فرمایا کہ: هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ فقال عُمَرُ رضی اللہ عنہ: أَتُكَلِّمُ الْمَوْتَى يارَسولَ اللهِ؟ فَقَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِي بيده مَا أَنتُم بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِن هٰؤُلَاءِ۔ أو منهم۔

"کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (۲) نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مردوں سے باتیں کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ان سے بڑھ کر میری باتوں کو نہیں سنتے۔"

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ معنیٰ کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے' اگر چہ حدیث صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے قول اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ کی وجہ اس کو رد کر دیا تھا نیز رسول اللہ ﷺ نے یہ بات زندوں کو نصیحت کرنے کے لیے کہی، مُردوں کو سمجھانے کے لیے نہیں کہی' جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:

السَّلامُ عليكم دارَ قومٍ مؤمنين' أمَّا نِسائُكم فنُكِحَت و أمَّا أموالكم فقُسِمَت و

---

(۱) فتح القدیر ۲: ۱۰۴' کتاب الجنائز

(۲) عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب' قرشی' عدوی' کنیت ابوحفص تھی اور لقب فاروق۔ مکہ معظمہ میں ۴۰ قبل ہجری = ۵۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ خلفائے راشدین میں سے دوسرے نمبر پر ہیں۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ نہایت شجاع' جری اور بہادر تھے۔ نوجوانانِ قریش میں سے تھے۔ ۱۳ھ کو خلیفہ چنے گئے ان کی عدالت ضرب المثل ہے' ان کے دورِ خلافت میں شام' عراق' بیت المقدس' مدائن' مصر اور جزیرہ فتح ہوئے۔ سن ہجری کی ابتدا آپ کے عہد زرین میں ہوئی۔ آپ سے ۵۳۷ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ۲۳ھ = ۶۴۴ء کو اس عالم آب و گل سے رحلت کر گئے۔ نماز جنازہ سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ رومی نے مسجد میں پڑھایا۔ [اسد الغابۃ: ۹۱۴' ترجمہ: ۳۸۳۱' الاعلام ۵: ۴۵]

اَمَّا دُوْرُکُم فقَدْسُکِنَتْ، فھٰذاخبرُکُم عِندَنا فَمَا خَبَرُنا عِندَکُم[1].

''اے مؤمنوں کی بستی والو! تم پر سلامتی ہو۔ تمہاری بیویوں کے ساتھ نکاح کرلیا گیا۔ تمہارے مال تقسیم کر لیے گئے۔ تمہارے گھروں میں کوئی اور آباد ہو گیا۔ ہمارے پاس تو تمہاری خبر یہ ہے۔ تمہارے پاس ہماری کیا خبر ہے؟''

یا یہ ان کے ساتھ خاص ہے تاکہ ان کی حسرت بڑھ جائے۔ یہی بات فتح القدیر باب الجنائز میں بھی ہے۔ اور قتادہ[2] نے کہتے ہیں کہ: أَحْيَاهُم اللهُ حَتّٰى أَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيخًا و تَصْغِيْرًا ونَقِمَةً و حَسْرَةً وَنَدَمًا. [ابن کثیر۳:۴۷۸][2]

''اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُس وقت زندہ کر دیا تھا تاکہ اپنے نبی کی بات اُن کو سنائے۔ یہ سب کچھ اُن کے زجر و توبیخ، ذلت و نامرادی اور حسرت و ندامت کے لیے تھا۔''

علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ:

فَقَدْ أَجَابَ عنهُ الْمَشَايِخُ بأنَّه غيرثابت يعني من جِهَةِ المَعنٰى، وذلك لأنَّ عائشة رضي الله عنها رَدَّتْهُ بقوله تعالى: وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ. إِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى، وَأَنَّه إنَّماقاله على وجه الموعظة[3].

''اس کا جواب مشائخ نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث معنیٰ کے اعتبار سے ثابت ہی نہیں ہے اس لیے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو اِرشادِ ربّانی: وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ اور اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی بنا پر رد کر دیا تھا اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے تو نصیحت کے طور پر ایسا فرمایا تھا۔''

---

(۱) المجالسۃ وجواہر العلم ۱:۱۵۰، روایت: ۴۷۸، تاریخ مدینۃ دمشق ۵۰:۲۵۱؛ یہ نہایت بہترین اور دل کو نرم کرنے والا کلام ہے لیکن اس کی سند رُشید ابوراشد کی وجہ سے شدید ضعیف ہے۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب قتل ابی جہل [۸] بذیل حدیث: ۳۹۷۶، تفسیر ابن کثیر ۳:۴۱۱، بذیل تفسیر سورۃ الروم ۳۰:۵۲

(۳) ردالمحتار علی الدر المختار حاشیہ ابن عابدین المعروف بالشامی ۳:۱۴۳

علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں فرمایا: ثُمَّ التَّوفِيقُ بينَ الخَبَرَينِ أنّ حديث ابن عمر رضي الله عنهما محمُولٌ على أنَّ مخاطبة أهلِ القليب كانت وقت المسئلة وقتها وقتُ إعادةِ الروح إلى الجسد، وإن حديث عائشة رضي الله عنها محمول على غير وقت المسئلة فبهذا يَتَّفِقُ الخَبَران. [عینی شرح البخاری' جلد۴' صفحہ۴۴۴ (۱)]

''دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق وتوفیق اس طرح ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اہل قلیب کو سوال کے وقت خطاب پر محمول ہے اور وہ وقت جسم کی طرف روح کے لوٹائے جانے کا وقت ہے جب کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سوال کے علاوہ دیگر اوقات پر محمول ہے۔ اس طرح دونوں حدیثیں متفق ہو جاتی ہیں [اور ان کے درمیان کوئی تعارض باقی نہیں رہتا]۔''

بہت سے حنفی علماء و مشائخ رحمہم اللہ تعالی نے تصریح کی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔ فتح القدیر' حاشیہ ابن عابدین شامی اور جلال الدین خوارزمی (۲) کی شرح ہدایہ میں بھی اسے معجزہ قرار دیا گیا ہے (۳)۔

اسی طرح العنایہ۔شرح الہدایہ جلد۴ صفحہ ۴۰ ۶ میں ہے کہ اگر یہ سوال اُٹھایا جائے کہ حدیث میں یہ روایت کی گئی ہے کہ ۔ (۴)

---

(۱) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۸ ۲۰۲

(۲) جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی کرلانی۔ عالم و فاضل اور حنفی فقیہ ہیں۔ حسام الدین حسن سغنانی، صاحب نہایہ کے شاگرد اور فتاوی بزازیہ کے مصنف کے والد ماجد کے استاذ رہے ہیں۔ ۷۶۷ھ کو وفات پائی۔ [کشف الظنون ۲ ۲۰۳۴' الفوائد البہیۃ ۱۰۰-۱۰۱' ترجمہ ۱۰۶]

(۳) علامہ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں ثمّ لو صحّ ذلك كان ذلك مُعجزةً لرسول الله ﷺ۔ [الکفایہ من شرح الہدایہ ۲ ۵۹۰' جلال الدین خوارزمی' طبعۃ کلکتہ' ہند' ۱۲۴۷ھ=۱۸۳۱ء]

(۴) امام محمد بن محمود البابرتی کی عبارت یہ ہے فإن قيل قد رُوِيَ أنّ رسول ﷺ الله كلّم أصحاب القليب حيث سمّاهم بأسمائهم فقال هل وجدتم ما وعد ربّكم حقًّا فقد وجدتُ ما

علامہ سعد الدین الحلبی (۱) نے فرمایا ہے کہ: قال العلامة النسفي الحنفي في الكافي شرح الوافي: أنه كان مخصوصاً به ﷺ (۲).

وعدني ربي حقاً؟ أجيب: بأن ذلك كان معجزة له ﷺ . [العنایہ شرح الہدایہ' علی ہامش فتح القدیر ۵: ۱۹۵-۱۹۶' اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی' دار الفکر' بیروت' بدون تاریخ]

''اگر کہا جائے [کہ مردے سنتے ہیں اس لیے] کہ حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل قلیب کے ساتھ اُن کے مرنے کے بعد باتیں کیں اور اُنہیں نام بنام مخاطب کر کے فرمایا کہ ہمارے ساتھ جو وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا وہ پورا ہوا کیا تمہارے ساتھ جو وعدہ ہوا تھا وہ بھی پورا ہوا؟ اس سوال کا یہ جواب دیا جائے گا کہ [مردے سنتے نہیں اور حدیث میں جس واقعے کا ذکر ہے] وہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا [اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا]۔''

(۱) مصنف کا نام مفتی سعد اللہ بن عیسیٰ بن امیر خان المعروف: سعدی چلپی اور سعدی آفندی ہے۔ حنفی قاضی اور علمائے روم میں سے تھے۔ آستانہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۹۴۵ھ کو وفات پا گئے۔ تفسیر بیضاوی اور ہدایہ کے حواشی لکھے۔ فصوص الحکم کے کئی مقامات کے بارے میں فتویٰ بھی لکھا۔
[الکواکب السائرۃ باعیان المائۃ العاشرۃ ۲: ۲۲۳-۲۲۴'' نجم الدین محمد بن محمد الغزی' تحقیق: خلیل المنصور' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء'' الاعلام ۳: ۸۸]

(۲) سعد اللہ بن عیسیٰ المعروف: سعدی چلپی کی اپنی عبارت یہ ہے: أقول: وأجاب العلامة النسفي بأنه غير ثابت فإنه لما بلغ هذا الحديث عائشة رضي الله عنها قالت: كذبتم على رسول الله ﷺ' قال الله تعالى: إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى - وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ - ثم قال: على أنه كان مخصوصاً به ﷺ.
[حاشیہ المحقق سعد اللہ علی ہامش فتح القدیر ۵: ۱۹۶' دار الفکر بیروت' سن طباعت ندارد]

''میں کہتا ہوں: علامہ نسفی نے اس استدلال کا جواب اس طرح دیا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے اس لیے کہ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس روایت کا علم ہوا تو کہنے لگی کہ تم اس خطاب سے سماع اموات کا انتزاع اور اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کر کے غلطی کر رہے ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور یہ کہ تم قبر والوں کو سنانے والے نہیں پھر علامہ نسفی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل قلیب سے بات چیت کی اور انہوں نے اسے سنا، سو یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔''

علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری وہدایہ وکنز الدقائق نے باب الیمین میں کہا ہے:

وَلَئِنْ ثَبَتَ فَهُوَ مُخْتَصٌّ بِالنبي ﷺ......ويجوزُ أن يكون ذلك لِوَعْظِ الأحياء لا على سبيل الخطاب للموتىٰ(۱).

''اور اگر یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔.....اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا اس لیے کیا ہو کہ زندوں کو نصیحت ہو اور اس میں مردوں کو خطاب نہ ہو۔''

علامہ عبدالحکیم دمشقی (۲) نے کشف الحقائق شرح کنز الدقائق میں فرمایا ہے کہ: وأمّا كلام

---

(۱) علامہ محمود بن احمد عینی کی اپنی عبارت یہ ہے: فإن قيل: قد رُوِي أنه ﷺ كَلَّمَ أصحاب القَلِيبِ حَيثُ سَمّاهُم بأسماءِ هم فقال: هَل وجدتُم ما وعدَ ربُّكم حقًّا فقد وَجَدتُ ما وعَدَني ربي حقًّا؟ قلتُ: أجاب الأكمل: بأنّ ذلك كان معجزةً له ﷺ ......على أنه كان مخصوصًا به معجزةً له......كانَ ذلك على سبيل الوعظِ للأحياء لا لِلخطابِ لِلموتى.

[البنایہ شرح الہدایہ، محمود بن احمد بن موسیٰ العینی، تحقیق: ایمن صالح شعبان ۶: ۲۴۳-۲۴۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ=۲۰۰۰ء]

''اگر یہ کہا جائے کہ جب بدر میں مارے گئے مشرک کنویں میں ڈال دیے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے نام لے کر پکارا کہ میرے ساتھ میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا میں نے تو وہ سچا پایا کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا؟ میں [علامہ عینی] کہتا ہوں: علامہ اکمل بابرتی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا جو اُن کے ساتھ خاص تھا اور اس میں زندوں کے لیے ایک وعظ و نصیحت تھی اس خطاب سے مردے مقصود و مراد نہیں تھے۔''

(۲) عبدالحکیم افغانی قندھاری دمشقی۔ حنفی فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ ۱۲۵۱ھ=۱۸۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ حرمین شریفین میں کچھ عرصہ گذارنے کے بعد دمشق میں سکونت اختیار کی اور وہاں دار الحدیث الاشرفیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور تاحیات وہیں رہے۔ امام اور علامہ تھے۔ دمشق میں ۱۳۲۶ھ=۱۹۰۸ء کو وفات پائی۔ [منتخبات التواریخ لدمشق، محمد ادیب آل تقی الدین الحصنی: ۷۵۱-۷۵۲، المطبعۃ الحدیثۃ، دمشق، ۱۳۴۶ھ=۱۹۲۷ء، الاعلام ۳: ۲۸۳]

ﷺ أهل القليب فقد كانت معجزة له ﷺ[١].

''رسول اللہ ﷺ کا قلیب والوں سے کلام کرنا آپ کا معجزہ تھا۔''

علامہ ابوالسعود حنفی[٢] نے حاشیہ ملا مسکین شرح کنزالدقائق میں فرمایا: فإن قلت: قال عليه السلام القتلى بَدرٍ من المُشركين: هل وجدتم ما وعَدَكم ربُّكم؟ قلت: ولإن ثبت فهو مُختصٌّ به عليه السلام. [ملا مسکین، صفحہ: ٣٤٢][٣]

''اگر تو یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مشرکین سے کہا تھا کہ کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا؟ اگر یہ ثابت ہو بھی جائے تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔''

اور صاحب نہر الفائق[٤] لکھتے ہیں کہ:

فأحسَنُ ما أُجيب به بأنه كان معجزة له ﷺ[٥].

''اس کا سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔''

---

(١) کشف الحقائق شرح کنز الدقائق، عبدالحکیم الافغانی، نزیل دمشق الشام: ٢٧٥، المطبعۃ الادبیۃ بسوق الخضار القدیم بمصر، ١٣١٨ھ

(٢) ابوالسعود محمد بن علی بن علی، عمری۔ حنفی فقیہ اور اصول کے ماہر عالم تھے۔ مصری ہیں۔ بارہویں صدی کے علماء میں سے ہیں۔ ١١٧٢ھ = ١٧٥٨ء کو وفات پائی۔ [الاعلام ٦: ٢٩٦]

(٣) علامہ ابوالسعود کی پوری عبارت یہ ہے: فإن قلت: قال عليه السلام لقتلى بَدرٍ من المُشركين: هل وَجَدتُّم ما وعَدَكم ربُّكم؟ قلت: رَدَّتْهُ عائشةُ رضي الله عنها وقالت: قال الله تعالى: إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ، ولإن ثبت فهو مُختصٌّ به عليه السلام. [حاشیۃ العلامۃ السید محمد ابی السعود المصری الحنفی علی شرح الکنز للعلامۃ محمد منلا مسکین ٢: ٣٤٢، مطبعۃ جمعیۃ المعارف المصریۃ، بدون تاریخ]

(٤) علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم حنفی، وفات: ١٠٠٥ھ

(٥) النھر الفائق شرح کنز الدقائق، سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم حنفی، تحقیق: احمد عزو عنایۃ ٣: ١١٦، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ١٤٢٢ھ = ٢٠٠٢ء

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں بھی یہی منقول ہے (۱)۔

مختصر شرح الکنز میں ہے کہ: فإن قیل: قد رُوِيَ أنَّ النبي ﷺ قد كَلَّمَ أصحاب القليب......وإن ثبتَ له فهُوَ معجزةُ الرَّسول ﷺ (۲)۔

"رسول اللہ ﷺ کا قلیب والوں سے کلام اگر ثابت بھی ہو تو یہ آپ کا معجزہ ہے۔"

مراقی الفلاح میں ہے کہ: أمّا قوله ﷺ لأهل القليب: ما أنتم بأسمعَ منهم وأجابوا بأنّه خصوصية له الطّيّلاً (۳)۔

"رسول اللہ ﷺ کا قلیب بدر والوں کے بارے میں مَا أنتُم بِأسْمَعَ مِنْهُم کہنا آپ کی خصوصیت تھی۔"

اور حدیث میں کئی قیود اور الفاظ ہیں جو معجزہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: قال: وَقَفَ النَّبيُّ ﷺ على قليب بدر فقالَ: هل وَجَدتُّم ما وَعَدَ رَبُّكم حَقًّا؟ ثم قال: إنهم الآنَ يَسمَعونَ مَا أقولُ (۴)۔

"فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے قلیب بدر پر کھڑے ہو کر فرمایا کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا اس کے بعد فرمایا یہ اب میری بات کو سنتے ہیں۔"

سید شریف جرجانی نے حاشیہ مطول میں کہا کہ قیود کا زیادہ ہونا خصوصیت کے زیادہ ہونے کا ذریعہ ہے (۵)۔

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، ۲: ۳۸۲، دار الطباعۃ، بولاق، مصر، ۱۲۸۲ھ

(۲) مختصر الحقائق شرح کنز الدقائق: ۳۵۸، ابراہیم بن محمد اللیثی، مطبع الرضوی دہلی، ہند، بدون تاریخ

(۳) مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجاۃ الارواح، حسن بن عمار بن علی شرنبلالی: ۲۰۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۴ء

(۴) صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب قتل ابی جہل [۸] حدیث: ۳۹۸۰

(۵) علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: ﴿وأمّا تقييدُ الفعل﴾ وما يُشبِهُهُ من اسم الفاعل والمفعول وغير ذلك ﴿بمفعولٍ﴾ مطلقٍ أو به أو فيه أو له أو معه ﴿ونحوه﴾ من الحال والتمييز والاستثناء......

اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث میں إنَّھم الآن یَسمَعُون ما أقول کے الفاظ خصوصیت کو ظاہر کرتے ہیں نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یَسمَعون ما أقول جزئیہ کی قوت میں قضیہ مہملہ ہے[(۱)] اسی طرح لفظ الآن بھی اس وقت کے ساتھ خاص ہونے کے لیے ہے ہر وقت کے لیے نہیں نیز اس قرینہ کے ساتھ مضارع کو حال کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور استقبال کے معنی کی نفی کی گئی ہے۔

تنبیہات

[۱] معترضین اپنی ضد و عناد کی وجہ سے ضمیر کو اپنے مرجع کی طرف راجع نہیں کرنا چاہتے۔ کہتے ہیں کہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ نفی سے مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ سماع نافع کی نفی ہے[(۲)]۔

اس سے تو ہماری بات ثابت ہوتی ہے کہ نفع، عدم سماع موتی کی فرع ہے یعنی جیسے مردے نہیں سنتے اسی طرح کافر فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اصل تو مُشَبَّہ بِہ کے سماع کی نفی ہے اور فرع یعنی مُشَبَّہ سے نفع کی نفی ہے۔

[۲] اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ تفسیر مدارک میں ہے کہ کفار کو مردوں کے ساتھ اس لیے تشبیہ

﴿فلتربیۃ الفائدۃ﴾ وتقویتھا، لأنّ ازدیاد التقیید یوجب ازدیاد الخصوص. [المطول للتفتازانی وبھامشہ حاشیۃ السید میر شریف: ١٥١، منشورات مکتبۃ الداوری، قم، ایران، بدون تاریخ]

(۱) یعنی یَسْمَعُونَ قضیہ شخصیہ ہے اور اہلِ منطق کے نزدیک قضیہ شخصیہ انہیں کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے جن پر حکم لگتا ہے۔ دوسرے اس حکم کے تحت نہیں آتے، بلکہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتے ہیں یہاں بھی یہی قاعدہ لاگو ہوگا، یعنی صرف قلیب بدر والے مُردہ مشرکین نے وہ باتیں سن لیں، اس میں دوسرے مُردوں کے متعلق نہ سننے کا اِثبات ہے اور نہ نفی، اس لیے اس حکم کے حاصل کرنے کے لیے کوئی دوسری دلیل تلاش کرنی ہوگی۔

(۲) ملا علی قاری لکھتے ہیں: أقول: والحدیثُ المُتَّفَقُ علیہ لا یَصِحُّ أن یکونَ مردُوداً، لاسیما ولا منافاۃ بینہ وبین القرآن، فإنَّ المرادَ من الموتی: الکفّارُ، والنَّفيُ مُنصَبٌّ علی نفي النفع، لا علی مطلَقِ السَّمعِ. [مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ٧: ٥١٨-٥١٩، بذیل حدیث: ٣٩٦٧]

دی ہے کہ وہ سنی ہوئی باتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے [۱]۔ جمع مذکر کی ضمیر کو موتی کی طرف راجع کرتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یَنْتَفِعُوْنَ کا فاعل کفار ہیں اور ضمیر بھی کفار کی طرف راجع ہے مردوں کی طرف نہیں۔

علامہ خازن نے کہا ہے کہ ﴿اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾ یعني: موتی القلوب وهم الكُفّار، ومعنَى الآية: لِفرطِ إعراضِهم عمّا يُدعَون إليه كَالْمَيّتِ الذي لا سَبيلَ إلى سَماعِهِ [۲]۔

''مردوں سے مراد مردہ دل کفار ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار فرطِ اعراض کی وجہ سے مردے کی طرح ہیں جس کے سننے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔''

[۳] اسی طرح وہ روح البیان کی سورۃ الملائکہ [۳] کی تفسیر کی اس عبارت سے بھی استدلال کرتے ہیں: ﴿وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ شَبَّهَ اللّٰهُ تعالى مَن طُبِعَ على قلبِه بالمَوتىٰ في عَدَمِ القُدرَة عَلَى الإجابة، فَكَمَا لَا يَسْمَعُ أصحابُ القبورِ ولا يُجيبون كذٰلِكَ الكُفّارُ لَا يَسمَعونَ ولَا يَقبلونَ الحَقَّ [۴]۔

''وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، جواب دینے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح قبروں والے نہ سنتے ہیں اور نہ ہی جواب دیتے ہیں اسی طرح کفار بھی نہیں سنتے

---

(۱) علامہ نسفی لکھتے ہیں کہ: شَبَّهَ الْكُفّارَ بِالْمَوْتٰى حيثُ لا يَنْتَفِعُونَ بِمَسْمُوعِهِم۔
[تفسیر النسفی المسمی بمدارک التنزیل وحقائق التاویل، عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی ۳: ۱۴۲۳، بذیل تفسیر سورۃ فاطر ۳۵: ۲۲، دار القلم، بیروت، ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۹ء]

(۲) تفسیر الخازن ۳: ۳۵۲، بذیل تفسیر سورۃ النمل ۲۷: ۸۰

(۳) سورۃ فاطر کو سورۃ الملئکۃ بھی کہتے ہیں۔

(۴) تفسیر روح البیان، اسماعیل حقی بن مصطفیٰ استانبولی ۷: ۳۳۹، بذیل تفسیر سورۃ فاطر ۳۵: ۲۲، مطبع عثمانیہ ترکی ۱۳۳۱ھ

اور نہ ہی حق کو قبول کرتے ہیں۔"

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے اور یہی معنیٰ امام بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں درج کیا ہے کہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ مردوں کی طرف نہیں (۱)۔

[۲] استدلال: ابن سمعان (۲) کی روایت

الصَّارِمُ الْمُنْكِي میں ہے کہ ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ: ثنا محمد بن عون ثنا يحيى بن يمان عن عبد الله بن سمعان عن زيد بن أسلم عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ: مَا مِنْ رَجُلٍ يَزُورُ قَبْرَ أَخِيهِ وَيَجْلِسُ عِنْدَهُ إِلَّا اسْتَأْنَسَ بِهِ وَرَدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى يَقُوْمَ (۳).

---

(۱) امام بیضاوی لکھتے ہیں: إِنَّمَا شُبِّهُوْا بالموتى لعدم انتفاعهم باستماع ما يُتلى عليهم كما شُبِّهُوْا بالصُّمِّ. [تفسیر البیضاوی ۳: ۱۶۷ بذیل تفسیر سورۃ النمل ۲۷: ۸۰]

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ ترشيحٌ لِتَمثيلِ المُصِرِّينَ على الكفر بالأمواتِ ومبالغةٌ في إقناطِهِ عنهم. [تفسیر البیضاوی ۳: ۲۵۷ بذیل تفسیر سورۃ فاطر ۳۵: ۲۲]

(۲) عبداللہ بن زیاد بن سمعان کو اپنے دادا کی نسبت سے عبداللہ بن سمعان بھی کہتے ہیں۔

(۳) الصارم المنکی فی الرد علی السبکی، محمد بن احمد بن عبدالہادی مقدسی حنبلی، تحقیق: ڈاکٹر صفیہ بنت سلیمان تویجری: ۱۲۶، دار الکتب، پشاور، پاکستان، بدون تاریخ۔

امام ابن ابی الدنیا کی کسی کتاب میں یہ روایت نہیں ملتی لیکن علامہ ابن عبدالہادی کے علاوہ کئی لوگوں نے اسے اُن کے حوالے سے لکھا ہے۔ مثلاً:

حافظ ابن رجب حنبلی [وفات: ۷۹۵ھ] لکھتے ہیں: رواهُ عبدالله بن سمعان - وهو متروكٌ - عن زيد ابن أسلم عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ...... أخرجه ابن أبي الدنيا في القبور.

[أهوال القبور وأحوال أهلها إلى النشور، حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن رجب حنبلی: ۲۶۲، تحقیق: محمد نظام الدین الفُتَیِّح، دار الزمان، مدینہ منورہ، ۱۴۳۳ھ = ۲۰۱۲ء]

"اسے عبداللہ بن سمعان نے - جو متروک ہے - زید بن اسلم از سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے......

''جو مسلمان اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے جا کر اس کے پاس بیٹھتا ہے تو مردہ اُس سے اُنس حاصل کرتا ہے اور اسے جواب دیتا ہے جب تک اس کے پاس سے اٹھ نہ جائے۔''

حدیث کی سند کی تحقیق

اس حدیث کا ایک راوی ابن سمعان ہے، جس کے بارے میں امام احمد نے کہا ہے کہ ابراہیم ابن سعد قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ابن سمعان جھوٹ بولا کرتا تھا[1]۔ جوز جانی[2] نے کہا ہے کہ ذاهب الحدیث[3] ہے[4]۔ عبدالرحمٰن بن قاسم نے کہا کہ میں نے امام مالک

......مرفوعاً نقل کیا ہے اور اسے ابن ابی الدنیا نے ''القبور'' میں درج کیا ہے۔''
حافظ ابن حجر کے استاذ محترم حافظ عراقی [وفات: ۸۰۶ھ] لکھتے ہیں: أخرجه ابن أبي الدنيا في القبور، و فيه عبدالله بن سمعان ولم أقف على حاله.
[المغني عن حمل الأسفار في الأسفار في تخريج ما في الإحياء من الأخبار، زين الدين ابو الفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی ۴: ۴۹۱، دار المعرفة، بیروت، بدون تاریخ]
''اسے ابن ابی الدنیا نے ''القبور'' میں عبداللہ بن سمعان کی روایت سے نقل کیا ہے اور مجھے عبداللہ بن سمعان کی حالت معلوم نہیں۔''

(۱) تاریخ بغداد ۹: ۴۵۵ میں بذیل ترجمہ عبداللہ بن زیاد بن سمعان اسے امام احمد کے بجائے اُن کے فرزند عبداللہ بن احمد بن حنبل کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے۔

(۲) ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق السعدی الجوز جانی ابو اسحاق، محدثِ شام۔ حافظِ حدیث تھے۔ بلخ خراسان کے جوز جان کی طرف منسوب ہیں۔ جوز جان میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ، پھر بصرہ اور رملہ تشریف لے گئے وہاں کچھ مدت قیام کیا پھر دمشق میں رہائش اختیار کی اور وہاں ۲۵۹ھ = ۸۷۳ء کو فوت ہوئے۔ [تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ۲: ۳۱، الاعلام ۱: ۸۱]

(۳) متروک الحدیث راوی کو ذاہب الحدیث بھی کہتے ہیں۔

(۴) احوال الرجال، ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوز جانی: ۱۴۲، ترجمہ: ۲۴۵، المکتبۃ الاثریۃ، سانگلہ ہل شیخوپورہ، پاکستان، بدون تاریخ

سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ کذاب ہے (۱)۔ ہشام بن عروۃ نے کہا اس نے مجھ سے ایسی احادیث بیان کی ہیں جو اللہ کی قسم! میں نے بیان نہیں کیں اور اس نے مجھ پر جھوٹ بولا ہے (۲)۔

ابن معین (۳) نے کہا: اس کی حدیث کسی کام کی نہیں (۴)۔

ولید بن مسلم نے کہا کہ میں نے ابن سمعان سے ایک کتاب لکھی اور ایک رات وہ میرے ہاتھ میں تھی کہ میں سو گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ابن سمعان آپ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

قُلْ لِابْنِ سَمْعَانَ: يَتَّقِي اللّٰهَ وَلَا يَكْذِبْ عَلَيَّ (۵).

''ابن سمعان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور مجھ پر جھوٹ نہ بولے۔''

مروزی نے احمد کا قول ذکر کیا کہ متروک الحدیث ہے (۶)۔

---

(۱) تاریخ بغداد ۹: ۴۵۶

(۲) تہذیب التہذیب، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، تحقیق و تعلیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا ۵: ۱۹۶، ترجمہ: ۳۴۳۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۴ء

(۳) یحییٰ بن مَعین [بفتح المیم] بن عون بن زیاد، ابو زکریا، سید الحفاظ، ناقد، مؤرخ اور بہت بڑے محدث ہیں۔ جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ اصلاً سرخس سے تعلق تھا۔ انبار کے قریب ۱۵۸ھ = ۷۷۵ء کو نقیا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے، اُن کے والد محکمہ خراج میں عامل تھے۔ مدینہ منورہ میں ۲۳۳ھ = ۸۴۸ء کو فوت ہوئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: میں نے اپنے ہاتھوں سے لاکھوں احادیث لکھی ہیں۔
[تاریخ بغداد ۱۴: ۱۷۷، تذکرۃ الحفاظ ۲: ۴۲۹، الاعلام ۸: ۱۷۲]

(۴) تاریخ بغداد ۹: ۴۵۶۔ امام یحییٰ بن معین اُسے کذاب بھی کہتے ہیں۔ [تاریخ بغداد ۹: ۴۵۸]

(۵) الضعفاء الکبیر، ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی، تحقیق: ڈاکٹر عبد المعطی امین قلعجی ۲: ۲۵۵، ترجمہ: ۸۰۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، بدون تاریخ

(۶) تہذیب التہذیب ۵: ۱۹۶، ترجمہ: ۳۴۳۷

حافظ ابن عدی (۱) نے کہا: اس کی روایات محفوظ نہیں ہوتیں (۲)۔

[۳] استدلال: امام ترمذی (۳) کی روایت

امام ترمذی فرماتے ہیں: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، حَدَّثَنَا يُونُسُ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ: تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بِحُبْشِيٍّ، قَالَ: فَحُمِلَ إِلَى مَكَّةَ فَدُفِنَ فِيهَا، فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ أَتَتْ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ:

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جُذَيْمَةَ حِقْبَةً ۔۔۔ مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ: لَنْ يَتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّي وَمَالِكًا ۔۔۔ لِطُولِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

ثُمَّ قَالَتْ: وَاللَّهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ إِلَّا حَيْثُ مِتَّ. وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ (۴).

''سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما (۵) حُبشی (۶) میں فوت ہوئے تو اُن کا جسدِ خاکی

---

(۱) عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد ابن مبارک بن قطان جرجانی۔ ۲۷۷ھ = ۸۹۰ء کو پیدا ہوئے۔ علم کے حصول کے لیے دمشق 'صیدا' القدس' کوفہ' بغداد' شام' مصر اور عراقین کا سفر کیا۔ ایک ہزار سے زیادہ اساتذہ سے کسبِ فیض کیا جن میں امام بغوی اور امام ابن صاعد جیسے اساطین علم بھی ہیں۔ اپنے گاؤں میں ابن القطان اور بیرونی دنیا میں ابن عدی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ عربیت میں ذرا کمزور تھے۔ لحن کا شکار ہوا کرتے تھے لیکن حدیث کے معاملے میں نہایت ثقہ مانے گئے ہیں۔ ۳۶۵ھ = ۹۷۶ء کو وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۶: ۱۵۴ 'الاعلام ۴: ۱۰۳]

(۲) الکامل فی ضعفاء الرجال ۵: ۲۰۵ 'ترجمہ: ۱/ ۹۶۸

(۳) محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ 'بوغی' ترمذی' ابو عیسیٰ' علماء و حفاظ حدیث میں تھے۔ دریائے جیحون کے قریب ترمذ میں رہائش پذیر تھے۔ ۲۰۹ھ = ۸۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ خراسان' عراق اور حجاز کے سفر کیے۔ ترمذ میں ۲۷۹ھ = ۸۹۲ء کو وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۲: ۴۳۳ 'الاعلام ۶: ۳۲۲]

(۴) سنن ترمذی' کتاب الجنائز [۸] بابٌ [۶۱] حدیث: ۱۰۵۵

(۵) عبدالرحمٰن بن عبداللہ [ابو بکر الصدیق] بن ابی قحافہ ﷛ قرشی تیمی۔ صحابی ابن صحابی ہیں۔ جاہلیت میں اُن کا نام عبدالکعبۃ تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن سے بدل دیا۔ قریش کے......

مکہ مکرمہ لایا گیا اور جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اُن کے قبر کے پاس گئیں تو کہا کہ:

''ہم ایک طویل عرصہ تک جُذَیمہ(۱) کے دو مصاحبوں کی طرح تھے [کہ کبھی جدا نہ ہوتے تھے] یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ پھر جب ہم ایک طویل عرصہ کے بعد جدا ہو گئے تو ایسے جدا ہو گئے کہ گویا کہ میں نے اور مالک نے ایک رات بھی کبھی ساتھ نہیں گذاری۔''

پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر میں تیری موت کے وقت حاضر ہوتی تو تجھے وہاں ہی دفن کرتی جہاں تیری موت واقع ہوئی ہے اور اگر میں حاضر ہوتی تو تیری قبر کی زیارت کے لیے نہ آتی۔''

-حواشی صفحہ سابقہ-

بہادروں میں سے تھے۔ شاعر اور تیرانداز تھے۔ غزوۂ یمامہ اور فتح افریقہ میں شریک تھے۔ واقعہ جمل میں اپنی بہن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے شرکت کی۔ جاہلیت میں لیلیٰ بنت جودی الغسانیہ سے عشق ہوا جس کا باپ دمشق کا امیر تھا۔ فتح شام کے بعد اُس سے نکاح کیا۔ ۵۳ھ=۶۷۳ء کو حُبشی، مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ مکہ مکرمہ لائے گئے اور دفن ہوئے۔ [الاصابۃ ۲: ۴۰۷، ترجمہ: ۵۱۵۱، الاعلام ۳: ۳۱۱]

(۶) مکہ مکرمہ کے نچلے حصہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ احابیش قریش کی اصطلاح اس پہاڑ کی نسبت سے ہے یعنی حُبشی پہاڑ کے قریش۔

[الصحاح، اسماعیل بن حماد جوہری: ۲۰۶، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء]

امام ابن الاثیر لکھتے ہیں: اَلْحُبْشِيّ: حاء کے پیش، باء کے سکون، شین کے زیر اور یاء کے شد کے ساتھ! مکہ مکرمہ کے قریب ایک موضع کا نام ہے۔ [النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد الجزری ابن الاثیر: ۳۲۴، تحقیق: شیخ خلیل مأمون شیحا، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۳۲ھ=۲۰۱۱ء]

-حواشی صفحہ ہٰذا-

(۱) جُذَیمہ: عراق کے ایک بادشاہ کا نام ہے۔ اس کے دو مصاحب تھے: مالک اور عقیل، جو ایک طویل عرصے تک اُس کے ساتھ رہے۔ دونوں ہمیشہ اکٹھے اور ساتھ ساتھ رہتے تھے یہاں تک کہ پکی دوستی اور طول رفاقت میں ضرب المثل بن گئے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کو ابن جریج عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج اموی، ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام شافعی [1] فرماتے ہیں: ابن جریج نے ستر عورتوں سے متعہ کیا [2]۔ میزان الاعتدال میں ہے کہ وہ متعہ کی رخصت کا قائل تھا۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا کہ میرے والد نے کہا ہے کہ ابن جریج جن احادیث کو مرسلاً بیان کرتے تھے ان میں سے بعض احادیث موضوع ہیں وہ اس بات کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے کہ وہ کہاں سے احادیث لے رہے ہیں [3]۔

[۴] استدلال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

کہتے ہیں کہ کتاب الآثار میں سیدہ عائشہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ مردے سنتے ہیں؟

میں کہتا ہوں کہ کتاب الآثار میں درج ہے کہ: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن ابراهيم أنّ عائشة رضي الله عنها أم المؤمنين رَأَتْ مَيِّتًا يُسَرَّحُ رأسه فقالت: عَلَامَ تَنْصُوْنَ

---

(۱) محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی قرشی ابو عبداللہ ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء کو غزہ [فلسطین] میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں مکہ معظمہ لائے گئے۔ دو دفعہ بغداد گئے۔ ۱۹۹ھ کو مصر تشریف لے گئے اور اپنی وفات ۲۰۴ھ = ۸۲۰ء تک وہیں رہے۔ آپ شعر، لغت، ایام عرب، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ نہایت ذکی، فطین، ذہین اور حاضر جواب تھے۔ پہلا فتویٰ بیس سال کی عمر میں دیا تھا۔ رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔ [تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۶۱، الاعلام ۶: ۲۶]

(۲) تہذیب التہذیب ۶: ۳۵۵، ترجمہ: ۴۳۴۵

(۳) میزان الاعتدال ۲: ۶۵۹، ترجمہ: ۵۲۲۷

پھر یہ بھی ہے کہ یہ روایت مُعنعن ہے اور اس کا ایک راوی ابن جریج: عبد الملک بن عبد العزیز تدلیس قبیح کا شکار تھے اور وہ اس روایت میں تدلیس کرتے ہیں جسے ضعیف اور مجروح راوی سے سنا ہو۔ [تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس، ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی: ۹۵، ترجمہ: ۸۳ [۱۷] تحقیق: ڈاکٹر عبد الغفار سلیمان البنداری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۴ء]

پس یہ روایت بالکل ناقابل استدلال ہے۔

منکم؟ قال: و به نأخذ 'لَا نَرَىٰ أَنْ يُسَرَّحَ رَأْسُ الْمَيِّتِ ' وَ لَا يُؤْخَذُ مِن شَعرِهٖ وَلَا يُقَلَّمُ أَظفَارُهٗ' وهو قَولُ أبي حنيفة (۱).

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ایک میت کے سر پر کنگھی کی جا رہی تھی تو انہوں نے فرمایا تم اپنی میت کے چوٹی کے بالوں کو کیوں نوچ رہے ہو؟ امام محمد (۲) نے فرمایا یہی ہماری دلیل ہے کہ نہ تو میت کے بالوں میں کنگھی کی جائے گی اور نہ ہی اس کے بالوں اور ناخنوں کو کاٹا جائے گا اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔''

اس روایت میں مردوں کے سننے اور نہ سننے کا کوئی ذکر نہیں کہ اس سے استدلال کر سکیں اور تَنصُونَ کا معنیٰ تَسرِحُونَ رَأسَهٗ ہے۔ ابراہیم حلبی (۳) نے منیۃ کی شرح میں اس روایت کے وَلَا یُؤخَذُ شَيْءٌ مِنْ شَعْرِ الْمَيِّتِ وَلَا مِنْ ظُفرِهٖ وَلَا يُختَنُ کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا انکار کر کے فرمایا ہے کہ: عَلَامَ تَنصُونَ مَيِّتَكُمْ؟ یعنی تم کیوں اس کی چوٹی کے بالوں کو کاٹ رہے ہو؟ نَصَوْتُهٗ کا معنیٰ ہے: أَخَذْتُ نَاصِيَتَهٗ

---

(۱) کتاب الآثار ابو عبد اللہ محمد بن حسن الشیبانی' تحقیق: ابو الوفاء الافغانی ۲: ۲۵-۲۶' روایت: ۲۲۷' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۳ء

(۲) محمد بن حسن بن فرقد۔ فرقد بنو شیبان کے موالی میں سے تھے۔ ابو عبد اللہ' فقہ اور اصول کے امام تھے۔ امام ابو حنیفہ کے علم کو آپ نے پھیلایا اُن کی اصل غوطۃ دمشق کے گاؤں حرستۃ سے تھا۔ ۱۳۱ھ=۷۴۸ء کو واسط میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں پلے بڑھے۔ امام ابو حنیفہ کے قریبی ساتھی رہے ہیں' اُن سے حصول علم کے بعد بغداد تشریف لے گئے' وہاں ہارون الرشید نے اُنہیں قضا کی ذمہ داری سونپ دی پھر اُنہیں معزول کیا اور جب خراسان جانے کے لیے نکل پڑے تو اُنہیں اپنے ساتھ لے لیا اور اسی سفر کے دوران ۱۸۹ھ=۸۰۴ء کو آپ نے ''رے'' میں وفات پائی۔

[الفوائد البہیۃ: ۲۶۸' ترجمہ: ۳۴۳' الاعلام ۶: ۸۰]

(۳) ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی' حنفی فقیہ ہیں۔ حلب سے تعلق تھا۔ حلب اور مصر میں حصول علم کیا۔ قسطنطنیہ میں مستقل رہائش اختیار کی اور وہیں ۹۵۶ھ=۱۵۴۹ء کو ۹۰ سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔ [کشف الظنون ۲: ۱۸۱۴' الاعلام ۱: ۶۶]

یعنی میں نے اس کی چوٹی کے بال کاٹے۔ [کبیری صفحہ:۶۲۴ (۱)]

[۵] استدلال: حدیث خفق النعال (۲)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ: وَيُشْكِلُ عليهم ما في صحيح المسلم أنَّ العَبْدَ يَسمَعُ قَرعَ نِعَالِهِم إذا انصرفوا اللّٰهُم إلّا أن يُخصُّوا بأوّلِ الوَضعِ في القبر مُقَدَّمَةً لِلسُّؤالِ جَمْعًا بَينَه و بين الآيتين فإنهما يُفِيدانِ تحقيق عَدَم سَمَاعِهِم فإنّه تعالى شَبَّهَ الكُفَّارَ بالمَوتى لإفادَةِ تَعَذُّرِ سَمَاعِهِم وهو فَرْعُ عدم سَماعِ المَوتى۔
[فتح القدیر ۱:۶۹ (۳)]

''انہیں صحیح مسلم کی اِس روایت سے اِشکال پیش آیا کہ مردہ، زندوں کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے جب وہ واپس لوٹتے ہیں؟ تو انہوں [احناف] نے اس کا حل یہ تلاش کیا کہ اگر اسے قبر میں سوال و جواب کے لیے اول وضع کے ساتھ خاص کر دیں تو اس سے دونوں آیتوں اور اس حدیث میں جمع ممکن ہے کیونکہ دونوں آیتیں عدم سماع کے یقینی ہونے کا فائدہ دیتی ہیں اللہ تعالیٰ نے کفار کو سماع کے متعذر ہونے کی وجہ سے مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو عدم سماع موتیٰ کی فرع ہے۔''

---

(۱) غُنيَةُ المُتَمَلِّي في شرح مُنيَةُ المُصَلِّي' المشتهر بشرح الکبیر' ابراہیم الحلبی: ۵۷۹' سہیل اکیڈمی لاہور' پاکستان' ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء

(۲) اس حدیث کی طرف اشارہ ہے' جس میں مذکور ہے کہ: إنَّ العَبْدَ إذا وُضِعَ في قَبْرِه وَتَوَلّٰى عَنهُ أصْحَابُهُ إنَّهُ لَيَسمَعُ قَرعَ نِعَالِهِم۔ [صحیح مسلم' کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا [۵۱] باب عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار علیہ' و اثبات عذاب القبر' والتعوذ منہ [۱۷] حدیث: ۷۲۱۷]
''بندے کو جب اُس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اُس کے ساتھی اُس کو چھوڑ کر واپس جاتے ہیں تو وہ [بندہ] اُن کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔''

(۳) فتح القدیر ۲:۱۰۴' کتاب الجنائز

علامہ شامی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[جلد۳ صفحہ ۱۸۰][1]

ہمارے شیخ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں فرشتوں کے سوال و جواب کے لیے آنے کی سرعت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے[2]۔

معنیٰ یہ ہے کہ لوگ واپسی کے وقت اتنے ہی دور ہوتے ہیں کہ ان کے جوتوں چاپ سنی جا سکتی ہے کہ میت کے پاس فرشتے آجاتے ہیں اور یہ ان کے جلدی آنے کی مثال پیش کی ہے یعنی اگر قبر کے پاس کوئی ہوتا تو وہ لوگوں کے جوتوں کی چاپ سنتا کہ فرشتے آجاتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ مردہ ان کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے۔ یا یہ فرشتوں کے سوال کے وقت کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے کہا۔

شیخ المشائخ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے فرمایا ہے کہ:

أَنَّ ذٰلِكَ كِنَايَةٌ عن إتيانِ سُرعَةِ الملٰئكة. لَا حَقِيْقَةً. [الکوکب الدری۱: ۳۳۹][3]

''یہ ملائکہ کے فوراً آجانے سے کنایہ ہے۔ وہ حقیقۃً نہیں سنتے۔''

اس سے مردوں کا ہر وقت سننا ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ آیت مطلق ہے اس لیے حدیث میں تأویل مناسب ہے۔ حدیث کے بارے میں سب سے بہتر قول ہمارے شیخ، امام، حجۃ، شیخ التفسیر محیی السنۃ قدس سرہ العزیز کا ہے۔ یا یہ برزخ کے حالات میں سے ہے جس کا اس دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ میت کو وہاں [برزخ میں] ایسی زندگی دی جاتی ہے جس کا اس دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ میت کے سامنے سورج کو

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار۳: ۱۴۳، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک

(۲) شیخ حسین علی رحمہ اللہ کی عبارت کے الفاظ یہ ہیں: قالوا: إنَّ مَعنَى هذا الحديث: أنه يكون في بُعدٍ يُسمَعُ قرعُ النِّعالِ في ذٰلكَ الموضعِ أتاهُ ملكان. والتَّغيُّرُ والاختصارُ من الرُّواة. [تحریرات حدیث علی اصول التحقیق، مولانا حسین علی: ۲۰۷، یونین پرنٹنگ پریس ملتان، ۱۳۶۲ھ = ۱۹۴۳ء]

(۳) الکوکب الدری علی جامع الترمذی۱: ۳۱۹

متمثل کیا جاتا ہے تو میت کہتی ہے کہ: دَعُونِي أُصَلِّي (۱)

''مجھے چھوڑو کہ میں نماز پڑھ لوں۔''

اور اسے کہا جاتا ہے کہ: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ لَا يُوْقِظُهَا إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهَا وَهٰذَا مَضْجَعُكَ (۲)

''تو دلہن کی طرح سو جا۔ جسے اس کے گھر والوں میں سب سے محبوب آدمی [اس کا شوہر] ہی اٹھاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔''

اسی لیے تو ائمہ نے ارشادِ ربانی: رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ [سورۃ حم المؤمن ۴۰:۱۱] کی تفسیر میں کہا۔ ایک بار [موت] تو روح کو قبض کر کے دوسری بار منکر نکیر کے سوال کے بعد ہے جیسا کہ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ صفحہ: ۳۴۰ (۳) میں ہے۔ امام فخر الدین رازی اور امام ابو السعود (۴) وغیرہ مفسرین نے بھی یہی تفسیر کی ہے (۵)۔

---

(۱) سنن ابن ماجۃ، ابواب الزہد [۳۷] باب ذکر القبر والبلی [۳۲] حدیث: ۴۲۷۲

(۲) سنن الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، تحقیق: احمد محمد شاکر، کتاب الجنائز [۸] باب ما جاء فی عذاب القبر [۷۱] حدیث: ۱۰۷۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۷ء

(۳) ﴿وَاَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ﴾ مرتين: مَرَّةً بقبض أرواحنا ومَرَّةً بعد ما سألنا منكرٌ ونكيرٌ في القبور ﴿وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ مرتين: مَرَّةً قبل أن سألنا منكرٌ ونكيرٌ في القبورِ ومَرَّةً للبعث.
[تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، مجد الدین فیروز آبادی: ۴۹۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء]

(۴) محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی، ابو السعود، مفسر اور شاعر تھے۔ ترکی مستعربین میں سے تھے۔ ۸۹۸ھ = ۱۴۹۳ء کو قسطنطنیہ کے قریبی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے متعدد شہروں کے سفر کیے۔ نہایت حاضر دماغ اور ذکی و فطین تھے۔ ۹۸۲ھ = ۱۵۷۴ء کو وفات پائی اور سیدنا ابو ایوب انصاری کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔ [شذرات الذہب ۸: ۳۹۸، الاعلام ۷: ۵۹]

(۵) امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں: احتج أكثر العلماء بهذه الآية في إثبات عذاب القبر، وتقرير الدليل أنهم أثبتوا لأنفسهم موتتين حيث قالوا ﴿رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ﴾ فأحد الموتتين ......

شرح مواقف میں ہے کہ: ثم الإحياءُ في القبر، ثم الإماتةُ فيه أيضا بعدَ مسئلة منكرٍ ونكيرٍ، ثم الإحياءُ في الحشر. هذا هو الشائع المستفيض بين أصحاب التَّفْسِير. [شرح المواقف، جلد۲، صفحہ ۱۵۲] (۱)

"پھر قبر میں [سوال و جواب کے لیے] زندگی اور پھر منکر و نکیر کے سوال کے بعد موت اور اس کے بعد پھر حشر میں زندگی۔ یہی بات اصحابِ تفسیر میں مشہور ہے۔"

اسی طرح شرح عقائد عضدیہ، ص ۱۹۳ میں بھی ہے (۲)۔

[٦] استدلال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایت

مستدرکِ حاکم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَإِنِّيْ وَاضِعٌ ثَوْبِيْ وَأَقُوْلُ: إِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَأَبِيْ، فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِنْ عُمَرَ رضي الله عنه (۳)(۴).

......مُشَاهَدٌ في الدُّنيا فلابُدَّ مِنْ إثباتِ حَياةٍ أُخرى في القبرِ حتى يصيرَ الموتُ الذي يحصُلُ عقيبَها موتًا ثانيًا، وذلك يدُلُّ على حُصُولِ حياةٍ في القبرِ. [التفسير الكبير ۹:۴۹۴]

اور علامہ ابوالسعود لکھتے ہیں کہ: وقيل: أرادوا بالإماتةِ الأولى: مابعدالحياة الدنيا، وبالثانية: ما بعد حياة القبرِ، وبالإحياء ين: ما في القبر وما عندالبعثِ، وهو الأنسبُ بحالِهم.

[ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا القرآن الکریم، ابوالسعود محمد بن محمد العمادی ۷: ۲۶۹، دار إحياء التراث العربي، بیروت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۴ء]

(۱) شرح المواقف ۸: ۳۴۶، المقصد الحادی عشر

(۲) المواقف، ابوالفضل عضدالدین الایجی ۳: ۵۱۹، المقصد الحادی عشر

(۳) المُستدرَك على الصَّحيحين ۳: ۶۱؛ ۴: ۷، مسند احمد ۶: ۲۰۲

(۴) علامہ طیبی لکھتے ہیں: وفي الحديثِ دليلٌ بَيِّنٌ على ماذُكِرَ قَبْلُ مِنْ أنَّهُ يَجِبُ إحترامُ أهلِ القبورِ، وتنزيلُ كُلٍّ منهم منزلةَ ما هو عليهِ في حياتِهِ مِن مُرَاعاةِ الأدبِ معهم على قَدْرِ......

''میں اپنے اس گھر میں جایا کرتی تھی جس میں رسول اللہ ﷺ مدفون ہیں اور کہتی کہ میرا شوہر اور میرا باپ ہے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ دفن کیے گئے تو اللہ کی قسم! میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ سے کپڑے لپیٹ کر جایا کرتی تھی۔''

امام حاکم کی روایت کردہ حدیث استدلال کے لیے ناکافی ہے اس لیے کہ حافظ ذہبی(۱) نے امام حاکم کے بارے میں لکھا ہے کہ: الحاكم أبو عبدُ الله ' الحافظ' صاحب التَّصانيف' إمامٌ' صَدوقٌ' ولكنه يُصَحِّحُ في مُستَدرَكه أحاديثَ ساقِطةً ويُكثرُ من ذٰلكَ ' فما أدرِي هل خَفِيَتْ عليه فما هو مِمَّن يجهل ذٰلكَ' وإن عَلِمَ فهٰذه خيانةٌ عظيمةٌ' ثم هُو شِيْعِيٌّ مشهورٌ بذٰلِكَ مِن دُونِ تَعَرُّضٍ لِلشَّيْخَيْنِ' وقد قالَ ابنُ طاهر: سألت أبا إسمٰعيل الأنصاري فقال: إمام في الحديثِ ' رافِضيٌّ خَبيثٌ ' قلتُ: اللهُ يُحِبُّ الإنصافَ' ما الرَّجُلُ بِرَافِضِيٍّ بَلْ شِيْعِيٌّ فَقَط. [۲:۴۰۳ (۲)]

''حاکم، ابو عبداللہ، حافظ، صاحب تصانیف، امام اور صدوق ہیں لیکن وہ اپنی مستدرک میں

...... مراتبهم. [الکاشف عن حقائق السنن' شہاب الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الطیبی ۴:۱۴۳۷' بذیل حدیث: ۱۷۷۱' التحقیق: ڈاکٹر عبدالحمید ہنداوی' مکتبہ نزار مصطفی الباز' مکۃ المکرمۃ' ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۷ء]

''اس حدیث میں اس بات کی واضح دلیل ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، کہ اہل قبور کا اُن کے درجہ مرتبہ کے مطابق ویسا احترام اور ادب لازم ہے، جیسا کہ موت سے پہلے حیات میں تھا۔''

اور ملا علی قاری نے علامہ طیبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: فيه أنّ إحترامَ المَيّتِ كاحترامه حيًّا.

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ۴:۲۵۷' بذیل حدیث: ۱۷۷۱]

''اس میں یہ مسئلہ ہے کہ میت کا احترام بالکل اُسی طرح کا ہے جیسا کہ کسی زندہ شخص کا احترام!''

(۱) محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز شمس الدین ابو عبداللہ' حافظ' علامہ' محقق اور مؤرخ تھے۔ ترکمانی الاصل ہیں۔ ۶۷۳ھ = ۱۲۷۴ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ حافظ مزی اور امام ابن تیمیہ کے فیض یافتہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ دمشق ہی میں ۷۴۸ھ = ۱۳۴۸ء کو وفات پائی۔

[الدرر الکامنۃ ۳:۴۲۶' الاعلام ۵:۳۲۶]

(۲) میزان الاعتدال ۳:۶۰۸' ترجمہ: ۷۸۰۴

اکثر ساقط الاعتبار اور گری پڑی روایات کو بھی صحیح کہہ دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اُن سے یہ بات مخفی رہی ہو اس لیے کہ وہ حدیث میں لاعلم نہیں اور اگر انہوں نے علم کے باوجود ایسا کیا ہو تو یہ بہت بڑی خیانت ہے، پھر وہ مشہور شیعہ بھی ہیں، صرف شیخین [۱] سے تعرض نہیں کرتے تھے [۲]۔ ابن طاہر [۳] نے کہا کہ میں نے ابو اسماعیل انصاری [۴] سے امام حاکم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: حدیث میں امام ہیں لیکن رافضی خبیث ہیں۔ میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتے ہیں۔ امام حاکم رافضی نہیں، لیکن شیعہ ہیں۔"

حافظ ابن حجر نے کہا: أنَّه حَصَل له تَغيُّرٌ وغفلةٌ في آخر عمره [۵].

---

(۱) "شیخ" کا تثنیہ ہے، بہت بڑے عالم کو کہتے ہیں۔ صحابہ کرام ﷺ میں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو کہتے ہیں۔

(۲) یعنی شیخین کے بارے میں کچھ نہیں کہا کرتے تھے۔

(۳) محمد بن طاہر بن علی بن احمد مقدسی شیبانی ابوالفضل۔ ۴۴۸ھ = ۱۰۵۶ء کو بیت المقدس میں پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث، مؤرخ اور داؤدی المذہب تھے۔ کئی کتابیں لکھیں۔ ۵۰۷ھ = ۱۱۱۳ء کو بغداد میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴: ۲۸۷، الاعلام ۶: ۱۷۱]

(۴) عبداللہ بن محمد بن علی انصاری ہروی ابو اسماعیل ہروی، سیدنا ابوایوب انصاری ﷺ کی نسل سے تھے۔ ۳۹۶ھ = ۱۰۰۶ء کو پیدا ہوئے۔ ماہر لغت، حافظ حدیث اور تاریخ و انساب کے عالم تھے۔ داعی الی السنۃ اور اسے رواج دینے والے تھے۔ ۴۸۱ھ = ۱۰۸۹ء کو وفات پائی۔

[ذیل طبقات الحنابلۃ ۳: ۵۰، ترجمہ: ۲۷، الاعلام ۴: ۱۲۲]

(۵) آگے جا کر حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کتاب الضعفاء میں بعض ضعیف راویوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اُن کی روایتیں ناقابل استدلال ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے المستدرک میں اُن ضعفاء سے روایتیں لی ہیں۔

[لسان المیزان ۵: ۲۳۳، ترجمہ: ۸۱۳]

اس کی مثال "لولاک" والی روایت ہے جو المستدرک ۲: ۶۱۵ میں موجود ہے اور اس کے راوی......

''انہیں آخری عمر میں تغیر اور غفلت نے آگھیرا[(۱)]۔''

خطیب بغدادی [(۲)] لکھتے ہیں: جَمَعَ الحاكم أبو عبد الله أحاديث زعم أنها صحاح على شرط البخاري و مسلم يلزمهما إخراجهما في صحيحيهما فأنكر عليه أصحاب الحديث ذلك ولم يلتفتوا فيه إلى قوله و لا صَوَّبُوهُ في فعله [(۳)]

''ابوعبداللہ حاکم نے احادیث کو جمع کیا اور یہ خیال کیا کہ بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہیں اس لیے انہیں ان کو اپنی اپنی صحیح میں درج کرنا چاہیے تھا مگر اصحاب حدیث نے امام حاکم کی اس بات کا انکار کیا اور ان کی رائے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔''

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی [(۴)] نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ:

ولہذا علماء حدیث قرار دادہ کہ بر مستدرک اعتماد نہ باید کرد مگر بعد از دیدنِ تلخیص ذہبی۔

[بستان المحدثین، صفحہ ۴۳[(۵)]]

...... عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں انہوں نے خود لکھا ہے کہ: رَوَى عن أبيه أحاديث موضوعة. [المدخل إلى الصحيح' ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم' تحقیق: استاذ ڈاکٹر ابراہیم بن علی ۱:۱۷۰' ترجمہ: ۹۸' مکتبۃ العبیکان' ریاض' سعودی عرب' ۱۴۲۳ھ=۲۰۰۲ء]

(۱) اس تکلیف کو محدثین کی اصطلاح میں ''اختلاط'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲) احمد بن علی بن ثابت' بغدادی' ابوبکر' خطیب' حافظ حدیث اور مؤرخ اسلام تھے۔ ۳۹۲ھ=۱۰۰۲ء کو غُزَیہ [بالتصغیر] میں پیدا ہوئے' جو کہ مکہ اور کوفہ کے بالکل درمیان میں مساوی مسافت پر واقع ہے۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے' اور وہیں ۴۶۳ھ=۱۰۷۲ء کو وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۸: ۲۷۰' الاعلام ۱: ۱۷۲]

(۳) خطیب بغدادی نے امام حاکم کے شیعہ ہونے کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ انہوں حدیث الطائر اور مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاہُ جیسی روایتیں نقل کی ہیں۔ [تاریخ بغداد ۵: ۴۷۳' ترجمہ: ۳۰۲۴]

(۴) شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی' ۱۱۵۹ھ=۱۷۴۶ء کو پیدا ہوئے۔ غلام حلیم تاریخی نام ہے۔ ۱۵ سال کی عمر میں اپنے والد محترم سے تمام علوم دینیہ' عقلیہ اور آلیہ حاصل کیے۔ جامع عالم تھے۔ ۱۲۳۹ھ= ۱۸۲۴ء کو فوت ہوئے۔ [تذکرہ علمائے ہند: ۳۰۲' ترجمہ: ۳۱۳]

(۵) بستان المحدثین: ۱۱۳؛ شاہ عبدالعزیز نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ذہبی گفتہ است کہ حلال نیست کسی......

''اس لیے علماءِ حدیث نے لازمی قرار دیا ہے کہ تلخیصِ ذہبی دیکھے بغیر اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔''

حافظ ابن تیمیہ (۱) نے فرمایا: لَيسَ هُوَ مِثلَ تَصحِيحِ الحَاكِمِ فَإِنَّ فِيهِ أَحَادِيثُ كَثِيرَةٌ يَظْهَرُ أَنَّهَا كَذِبٌ موضوعةٌ فلهذا انحطت درجته عن درجة غيره (۲).

''یہ حاکم کی تصحیح کی طرح نہیں اس لیے کہ اس میں تو بہت سی احادیث ہیں جن کا جھوٹ اور موضوع ہونا ظاہر ہے جس کی وجہ سے اس کا درجہ اوروں سے کم ہو گیا ہے۔''

دوسرا جواب

یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سماع موتی کے انکار کی صحیح روایت کے خلاف ہے جسے امام بخاری نے کتاب المغازی میں نقل کیا ہے (۳) نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر

...... را کہ بر تصحیح حاکم غرہ شود تا وقتے کہ تعقبات و تلخیصات مرانہ بیند و نیز گفتہ است احادیث بسیار است در مستدرک کہ بر شرط صحت نیست بلکہ بعضے از احادیثِ موضوعہ نیز ہست کہ تمام مستدرک بآنہا معیوب گشت۔ [بستان المحدثین، شاہ عبدالعزیز دہلوی: ۱۰۹-۱۱۰، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی پاکستان ۱۹۷۶ء]

''اور اسی وجہ سے حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ جب تک میری تعقبات و تلخیصات کو نہ دیکھے اس وقت تک کسی کو جائز نہیں کہ حاکم کی تصحیح پر دھوکہ میں پڑ جائے اور یہ بھی کہا کہ مستدرک میں بہت سی احادیث ایسی بھی ہیں جو شرط صحت پر پوری نہیں اُترتیں بلکہ اس میں بعض موضوع احادیث بھی درج ہیں جن کی وجہ سے تمام مستدرک معیوب ہو گئی۔''

(۱) احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم حرانی، دمشقی، حنبلی، ابو العباس، تقی الدین ابن تیمیہ ۶۶۱ھ = ۱۲۶۳ء کو حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں مصر منتقل ہو گئے۔ ۷۲۸ھ = ۱۳۲۸ء کو قلعہ دمشق میں حالت اسارت میں وفات پائی۔ بڑے فطین اور ذکی عالم دین تھے۔

[المعجم المختص بالمحدثين، ذہبی: ۲۵، البدایہ والنہایہ ۱۴: ۱۴۱، الاعلام ۱: ۱۴۴]

(۲) کتاب الرد علی الاخنائی واستحباب زیارۃ خیر البریۃ الزیارۃ الشرعیۃ، شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ: ۹۲، تحقیق: عبدالرحمن بن یحیٰی المعلمی الیمانی، الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد الریاض، سعودی عرب، بدون تاریخ

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب قتل ابی جہل [۸] حدیث: ۳۹۸۰

قرآن مجید کی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے، وہ روایت صحت کے اعلیٰ درجے کی روایت ہے۔ مستدرک کی یہ روایت اس کا مقابلہ کیسے کرسکتی ہے؟ اس روایت کا ایسا معنیٰ ہونا چاہیے جو صحیح بخاری کی روایت کے خلاف نہ ہو اس لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردہ سے مراد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اَقارب سے اُن کی زیارت کے لیے موجودگی کے وقت پردہ ہے کیوں کہ ان کا بھی وہاں آنے جانے کا حق بنتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زمین کے نیچے سے دیکھ تو رہے ہوں اور باریک کپڑوں سے آپ کی نظر نہ گذر سکے یا اس سے اسی قسم کا پردہ ہے جو عورت کی میت کا ہوتا ہے حالانکہ عورت کی میت پر پردہ فرض نہیں ہوتا۔ پردہ تو زندوں پر فرض ہوتا ہے مگر اس کے باوجود زندے مردہ عورت کے جسم کو چھپاتے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتی تھیں اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اُن کو دیکھتے تھے۔

یا اس پردہ سے مراد یہ تھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ احتراماً زندوں جیسا معاملہ کیا کرتی تھیں۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ، فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ، فقلتُ: لِمَنْ هٰذَا الْقَصْرُ؟ فقالوا: لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ، فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا، فَبَكَىٰ عُمَرُ وَقَالَ: أَعَلَيْكَ أُغَارُ يَا رَسُولَ اللهِ (۱).

"میں نے بحالتِ نیند خود کو جنت میں دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک خاتون محل کے ایک گوشے میں وضو کررہی تھی۔ میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا: یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ مجھے اُن کی غیرت کا خیال آیا تو میں پیچھے کی طرف واپس آگیا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں آپ پر غیرت کرسکتا ہوں؟"

اس کی ایک اور مثال بول و براز کی حالت میں تعظیماً قبلہ کی طرف رخ کرنے کی کراہت ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ قبلہ دیکھتا ہے یا اس سے مراد حَيَاءً مِّنْ أَقَارِبِ عُمَرَ ہے کہ سیدہ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق [۵۹] باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وانہا مخلوقۃ [۸] حدیث: ۳۲۴۲

عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا عمر ﷺ کے رشتہ داروں کی موجودگی کے خدشہ کی بنا پر پردہ کیا کرتی تھیں۔

[۷] استدلال: بَلْ اَحْيَآءٌ

اس فرمانِ الٰہی سے بھی سماع موتیٰ پر استدلال کیا جاتا ہے کہ: بَلْ اَحْيَآءٌ (۱).

میں کہتا ہوں کہ اِحیاء سے مراد تر و تازگی اور سرور ہے (۲)۔ دنیوی حیات نہیں جیسے اللہ تعالیٰ

---

(۱) یہ لفظ قرآن مجید میں دو مقامات پر آیا ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. [سورۃ البقرۃ ۲:۱۵۴]

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم [اُن کی زندگی کی کیفیت کو] نہیں جانتے۔''

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.
[سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹]

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور اُن کو رزق مل رہا ہے۔''

(۲) امام راغب اصفہانی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ: عِبَارَةٌ عن ارتفاع الْغَمِّ وبهذا النظر قال الشاعر:

لَيْسَ مَنْ مَّاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَيْتٍ   إِنَّمَا الْمَيْتُ مَيْتُ الْاَحْيَآءِ

وعلى هذا قوله تعالى: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ أي: هُمْ مُتَلَذِّذُوْنَ لِمَا رُوِيَ في الأخبار الكثيرةِ في أرواح الشهداء. [المفردات: ۱۳۹]

''حیات: غم کے دور ہونے کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے اور اس معنیٰ میں شاعر کا یہ شعر ہے کہ جو شخص مر کر راحت کی نیند سو گیا وہ در حقیقت مردہ نہیں ہے۔ حقیقتاً مردے وہ ہیں جو زندہ ہونے کے باوجود مردے بنے ہوئے ہیں اور یہ لفظ اسی معنیٰ میں اس آیت میں استعمال ہوا ہے کہ: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ. جیسا کہ بہت سی احادیث میں شہداء کی حیات کا ذکر وارد ہوا ہے۔''

کے ارشاد: يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۱) اور: ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (۲) میں حیات سے مراد تر و تازگی ہی ہے اسی طرح شہداء اپنے رب کے پاس نعمتوں میں خوش و خرم ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ: ''اُن کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں ہوتی ہیں جو جنت کے باغوں میں چرتی پھرتی ہیں (۳)۔''

......اس سے معلوم ہوا کہ امام راغب اصفہانی نے اس آیت کریمہ میں حیات کے معنی تلذذ اور ارتفاع غم کے لیے ہیں نہ کہ معنی متعارف اور دلیل میں احادیث کثیرہ کا حوالہ پیش کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام راغب کے نزدیک احادیث کثیرہ میں جو حیات کا ذکر ہے اس حیات سے مراد یہی تلذذ اور ارتفاع غم ہی ہے اور امام راغب کے نزدیک حیات کا یہ معنی نہیں کہ ان شہداء کے اَجسادِ عنصریہ میں روح داخل کر دی جاتی ہے یا ان کا باہم تعلق اِشراف یا اِشراق کا ہوتا ہے۔

(۱) سورۃ الروم ۳۰: ۱۹، سورۃ الحدید ۵۷: ۱۷ (۲) سورۃ الاعلیٰ ۸۷: ۱۳

(۳) یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۹ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: أرواحهم في جوف طير خُضْرٍ لها قناديلُ معلقةٌ بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت، ثم تأوي إلى تلك القناديل، فاطَّلَعَ إليهم ربهم اطِّلَاعَةً فقال: هل تشتهون شيئًا؟ قالوا: أيَّ شيءٍ نشتهي ونحن نسرح من الجنة حيث شئنا، ففعل ذلك بهم ثلاث مرات، فلما رأوا أنهم لن يتركوا من أن يُسألوا قالوا: يارب! نريدُ أن تَرُدَّ أرواحنا في أجسادنا حتى نُقتَلَ في سبيلك مرةً أخرى، فلما رأى أن ليس لهم حاجة تُرِكُوا. [صحیح مسلم ۳: ۱۵۰۲-۱۵۰۳، کتاب الامارۃ [۳۳] باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة وأنهم أحياء عند ربهم يرزقون [۳۳]

حدیث: ۱[۳۸۸۵]

''شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں ہوتی ہیں اور اُن کے لیے عرش کے ساتھ ساتھ کچھ قنادیل لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ روحیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں وہاں سیر کرتی پھرتی ہیں، پھر ان قندیلوں میں واپس آ جاتی ہیں۔ اُن کے پروردگار نے اُن کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ انہوں نے کہا: ہم کس چیز کی خواہش کریں، ہم جہاں چاہیں سیر کرتی پھرتی ہیں۔ اُن کے رب نے اُن سے تین بار یہی سوال کیا، انہوں نے جب دیکھا کہ جواب دیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو ......

[۸] استدلال: سیدنا ابو ہریرۃ ﷺ کی روایت

سماعِ موتی کی ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ امام بیہقی' ابن ابی الدنیا' ابن عساکر اور صابونی (۱) نے سیدنا ابو ہریرۃ ﷺ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ: إذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ أخِيهِ المُسلِمِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وعَرَفَهُ وإذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا يَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (۲)۔

تو کہا اے ہمارے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحیں ہماری جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم تیری راہ میں پھر جہاد کریں اور پھر شہید ہوں۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھے گا کہ اُن کو کوئی دوسری حاجت نہیں تو انہیں اُن کی حال پر چھوڑ دے گا۔''

(۱) اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن احمد بن اسماعیل ابو عثمان الصابونی۔ اپنے زمانے میں خراسان میں حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ ۳۷۳ھ = ۹۸۳ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اہل خراسان میں شیخ الاسلام کے نام سے مشہور ہیں۔ فصیح اللہجہ' واسع العلم اور حدیث وتفسیر کے ماہر عالم تھے۔ فارسی اور عربی زبانوں میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ ۴۴۹ھ = ۱۰۵۷ء کو نیشاپور میں وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۸: ۴۰' ترجمہ: ۱۷' الاعلام ۱: ۳۱۷]

(۲) الفوائد' تمام رازی ۱: ۶۳' حدیث: ۱۳۹' الاستذکار ۱: ۱۸۵' تاریخ بغداد ۶: ۱۳۷' تاریخ دمشق الکبیر ۲۷: ۶۵' ترجمہ: ۳۱۷۴' تہذیب تاریخ دمشق ۷: ۲۹۲' مجموع الفتاوی ۱: ۲۶۰' ۲۴: ۱۳۲' ۱۳۵' ۱۶۰' میزان الاعتدال ۲: ۵۶۵۔

سید آلوسی نے حافظ ابن رجب کے حوالے سے لکھا ہے: یہ روایت ضعیف بلکہ منکر ہے۔

[روح المعانی ۲۱-۲۲: ۸۷ بذیل تفسیر سورۃ الروم ۳۰: ۵۳]

وجہ اس کی یہ ہے کہ:

- امام ابن عبدالبر کے استاذ کا نام ابو عبداللہ عبید بن محمد ہے' جو ایک فاضل شخص' بکثرت نماز پڑھنے والے' قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے اور جہاد کرنے والے تھے۔

[تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس ۱: ۳۸۴' ترجمہ: ۱۰۰۴]

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ تعدیل اور وثاقت کے الفاظ نہیں۔

- پھر امام ابن عبدالبر کے استاذ ابو عبداللہ عبید بن محمد کی استانی فاطمہ بنت ریّان کے بارے میں

''جب کوئی آدمی اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو اسے جب سلام کرتا ہے تو وہ پہچان کر سلام کا جواب دیتا ہے اور جسے نہ پہچانتا ہو تو وہ اسے صرف سلام کا جواب ہی دیتا ہے۔''

جواب: میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث الصارم المنکی میں اس سند کے ساتھ مذکور ہے:

ابن ابی الدنیا' حدثنا معن بن عیسیٰ قزاز' حدثنا محمد بن قدامۃ الجوہری' حدثنا ہشام بن سعد حدثنا زید بن اسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ موقوفاً[(۱)]۔

یہ روایت موقوف ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے اس لیے کہ:

- اس کا راوی محمد بن قدامہ انصاری، جوہری، لؤلؤی ابو جعفر بغدادی حدیث کے معاملے میں ضعیف تھے۔ امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں: لَیْسَ بِشَيْءٍ ہے۔ آجری نے ابوداود سے نقل کیا کہ ضعیف ہے[(۲)]۔

- اس کا ایک راوی ہشام بن سعد ہے، جن سے امام یحییٰ بن سعید حدیث کی روایت نہیں لیا کرتے تھے[(۳)]۔

نہیں معلوم کہ ثقہ تھیں یا نہ۔

- تاریخ بغداد اور ابن عساکر کی روایت میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے، جس کے بارے امام بخاری فرماتے ہیں: شدید ضعیف ہے۔ [التاریخ الکبیر ۶: ۲۸۴]

امام ابن حبان فرماتے ہیں: لاعلمی سے روایات میں ہیر پھیر کیا کرتا تھا اور کثرت سے اس کا شکار ہو گیا اور مرسل کو مرفوع اور موقوف کو مسند کہنے لگا تو چھوڑ دینے کا مستحق ٹھہرا۔ [المجروحین ۲: ۲۲' ترجمہ: ۵۹۳]

امام حاکم لکھتے ہیں: اپنے باپ کی سند سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔

[المدخل إلى الصحيح ۱: ۱۷۰' ترجمہ: ۹۸]

جب کہ یہ روایت بھی اپنے باپ ہی سے نقل کرتا ہے۔

(۱) الصارم المنکی فی الرد علی السبکی: ۳۲۴ - ۳۲۵ (۲) تہذیب الکمال ۲۶: ۳۱۲' ترجمہ: ۵۵۵۵

(۳) تہذیب الکمال ۳۰: ۲۰۶' ترجمہ: ۶۵۷۷

تقریب میں ہے کہ صدوق تھے۔ وہم کا شکار تھے اور ان پر شیعیت کا الزام بھی ہے۔
۔ اس کا ایک راوی زید بن اسلم ہے جو اسے سیدنا ابو ہریرۃ ﷺ سے براہِ راست نقل کرتے ہیں، حالانکہ اُن کی سیدنا ابو ہریرۃ ﷺ سے ملاقات ہی ثابت نہیں (۱)۔ اس طرح یہ روایت منقطع بھی ہوئی جو ضعیف ہوتی ہے۔

[۹] استدلال: ابن ابی الدنیا کی روایت

ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں روایت کی ہے کہ: مَامِنْ رَّجُلٍ یَزُوْرُ قَبْرَ أَخِیْهِ وَیَجْلِسُ عِنْدَهُ إِلَّا اسْتَأْنَسَ وَرَدَّ عَلَیْهِ حَتّٰی یَقُوْمَ (۲)۔
''جب کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کر کے اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اس سے وہ انس حاصل کرتا ہے اور اس کے اٹھنے تک اس کو جواب بھی دیتا ہے۔''
امام عبدالحق اشبیلی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے (۳)۔
اور شفاء السقام میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ:

---

(۱) التاریخ، یحیٰ بن معین، تحقیق: ڈاکٹر احمد محمد نور سیف ۲: ۲۴۴، نص: ۱۱۴۶، مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی، جامعۃ الملک عبدالعزیز، مکۃ المکرمۃ، ۱۳۹۹ھ = ۱۹۷۹ء

(۲) کتاب القبور [الملحق]، ابن ابی الدنیا القرشی، تحقیق: طارق محمود سکلوع العودی: ۱۰۲، حدیث: ۲، مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، المدینۃ المنورۃ، سعودی عرب، ۱۴۲۰ھ = ۲۰۰۰ء
یہی روایت بالکل اُسی سند کے ساتھ ہے جس کا ذکر آٹھویں استدلال کے تحت ہوا ہے۔

(۳) الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ ۲: ۵۴۹، الاحکام الشرعیۃ الصغریٰ ۱: ۳۴۵، الاحکام الوسطیٰ ۲: ۱۵۲، العاقبۃ: ۱۲۰، حدیث: ۱۹۰۔ صرف الاحکام الشرعیۃ الصغریٰ میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔
سید آلوسی نے لکھا ہے کہ: إنّ عبدالحق و إن قال إسناده صحیحٌ إلّا أنّ الحافظ ابنَ رجب تَعقّبَه وقال: إنّهُ ضَعِیفٌ بل مُنْکَرٌ. [روح المعانی ۲۰: ۴۹۰]
''اگرچہ علامہ عبدالحق اشبیلی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے لیکن حافظ ابن رجب نے اُن کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ضعیف بلکہ منکر ہے۔''

مَامِنْ أَحَدٍ يَمُرُّ عَلَى قَبْرِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ إِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (۱)

"جب کوئی شخص اپنے اُس مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جسے دنیا میں پہچانتا تھا تو اسے پہچان کر سلام کا جواب دیتا ہے۔"

[۱۰] استدلال: سیدنا ابورزین العقیلی رضی اللہ عنہ (۲) کی روایت

ایک شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ حافظ سیوطی نے حافظ عقیلی (۳) کے حوالے سے سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سیدنا ابورزین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ:

إِنَّ طَرِيقِي عَلَى الْمَوْتَى فَهَلْ مِنْ كَلَامٍ أَتَكَلَّمُ بِهِ إِذَا مَرَرْتُ عليهم؟ قال: قل السَّلَامُ عليكم أهلَ القبورِ من المسلمينَ والمؤمنينَ، أنتُم سَلَفُنَا ونَحْنُ لكم تَبَعٌ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰه بكم لَاحِقُوْنَ. قال أبورزين: يا رسولَ اللّٰهِ! يَسْمَعُوْنَ؟ قال: يسمعون ولكن لا يستطيعون أن يُجِيبُوْا. قال: يا أبا رزين! أَلَا تَرْضَى أَنْ يَرُدَّ عليك بعدهم من

---

(۱) شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، تقی الدین علی بن عبد الکافی بن علی السبکی الشافعی، تحقیق: حسین محمد علی شکری: ۲۳۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء
یہ بھی وہی آٹھویں استدلال والی روایت ہے۔ امام قرطبی نے اسے امام ابن عبد البر کے حوالے سے لکھ کر امام عبد الحق اشبیلی کی تصحیح کا ذکر کیا ہے۔
[کتاب التذکرۃ فی امور الآخرۃ، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری القرطبی، تحقیق: ڈاکٹر صادق بن محمد بن ابراہیم: ۴۲۹/۱، ۴۱۰، مکتبۃ دار المنہاج، الریاض، سعودی عرب، ۱۴۳۱]

(۲) ابورزین العقیلی، ان کا اسم گرامی لقیط بن عامر بن صبرۃ بن عبد اللہ بن المنتفق بن عامر بن عقیل رضی اللہ عنہ ہے۔ ان کا شمار اہل طائف میں ہوتا ہے۔ [الاستیعاب: ۷۹۸، ترجمہ: ۱۲۳]

(۳) محمد بن عمرو عقیلی کی ابو جعفر، حافظ حدیث تھے۔ کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ حرمین شریفین میں اقامت تھی۔ ۳۲۲ھ = ۹۳۴ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۳: ۸۳۳، الاعلام ۶: ۳۱۹]

الملائکۃ[1]۔[المرقاۃ جلد۲، صفحہ ۴۰۸][2]

''اللہ کے رسول! میرا اگزر اہل قبور پر ہوتا ہے تو کیا کوئی ایسا کلام ہے جسے میں وہاں سے گزرتے ہوئے پڑھ سکوں؟ آپ نے فرمایا: السَّلامُ علیکم أهل القبورِ من المسلمینَ والمؤمنین، أنتم سَلَفُنا و نَحنُ لکم تبعًا وَإنَّا إنْ شاءَ الله بکم لاَحِقُوْنَ' پڑھا کرو۔ ابورزین نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا وہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے اور پھر فرمایا کہ ابورزین! کیا تمہیں اس بات سے خوشی نہیں ہوگی کہ ان کے بجائے ملائکہ تمہیں جواب دیں؟''

جواب: اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک[3] نے فرمایا:

الإسْنَادُ من الدِّیْنِ ولَوْلا الإسْنادُ لَقالَ مَنْ شآءَ ماشآءَ[4]

''اسنادِ حدیث ہی دین ہے، اگر اسناد نہ ہوتی تو پھر ہر کوئی جو چاہتا، وہی کہہ دیتا۔''

---

(۱) امام عقیلی نے اسے محمد بن الاشعث از ابوسلمہ از سیدنا ابی ہریرہ ﷛ کی سند سے درج کر کے لکھا ہے کہ محمد بن الاشعث مجہول النسب اور مجہول الروایۃ ہے اور اس کی حدیث غیر محفوظ ہوتی ہے۔ اہل قبور پر سلام کرنے والے ٹکڑے کے علاوہ باقی ساری حدیث غیر محفوظ ہے۔

[الضعفاء الکبیر۴: ۱۹-۲۰، ترجمہ ۱۵۷۳]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو حافظ عقیلی کے حوالے سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کا راوی محمد بن الاشعث احد المجہولین ہے۔ [الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ۴: ۶۹، بذیل ترجمہ: ۴۰۷]

(۲) شرح الصدور: ۱۸۱، حدیث: ۸۸۹، مرقاۃ المفاتیح ۴: ۲۵۵، کتاب الجنائز، بذیل حدیث: ۱۷۶۷

(۳) عبداللہ بن مبارک بن واضح حنظلی، تمیمی، مروزی، ابوعبدالرحمٰن، خراسان سے تعلق تھا۔ ۱۱۸ھ = ۷۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ دریائے فرات کے ساحلی گاؤں ہیت میں ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء کو وفات پائی۔ حافظ حدیث، شیخ الاسلام اور تاجر و مجاہد تھے۔ علم حدیث، فقہ، عربیت، تاریخ اور شجاعت و سخاوت میں اپنی مثال آپ تھے۔ [وفیات الاعیان۳: ۳۲، تاریخ بغداد۱۰: ۱۵۲، تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۷۴، الاعلام۴: ۱۱۵]

(۴) صحیح مسلم، مقدمہ: ۶۷، باب: الاسناد من الدین [۵] روایت: ۳۲

[۱۱] استدلال: مردوں سے خطاب کیا جاتا ہے!

ایک شبہ یہ بھی ہے کہ سلام میں مردوں کو خطاب ہوتا ہے جو اُن کے سننے کی دلیل ہے۔ سلام تو صرف زندوں کو ہی ہوسکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں خطاب سننے والے، حاضر، زندہ اور عاقل ہی کو متوجہ کرنے کے لیے وضع نہیں کیا گیا کہ نہ سننے والا، غائب، مردہ اور غیر عاقل و جمادات اور پتھر وغیرہ اس سے خارج ہوں بلکہ خطاب تو سننے والے، نہ سننے والے، قریب و بعید، زندہ و مردہ، عاقل و عالم اور غیر عاقل نہ سمجھنے والے جمادات وغیرہ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس پر عقلاء کے شعری و نثری کلام اور نصوص دین میں اتنے دلائل ہیں جن کا جمع کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ان کے افراد کا کوئی احاطہ کرسکتا ہے۔ کسی زائر کا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ [(۱)] کہنا بالکل ایسا ہے جس طرح نمازی تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ پڑھتا ہے۔ یہ دعائیہ جملہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی نمازوں میں پڑھا جاتا ہے اس کا یہ مقصد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ دور سے یہ دعائیہ جملہ سنتے ہیں۔ سیدنا صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے موت کے بعد خطاب: يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي [(۲)] اور سیدنا شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب: يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ [(۳)] اسی قبیل سے ہے۔ اسی طرح شاعر کا یہ شعر بھی اسی قبیل سے ہے کہ:

---

(۱) ''اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو! تم پر سلامتی ہو۔ عن قریب ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں۔''

(۲) سورۃ الاعراف ۷: ۷۹

(۳) سورۃ الاعراف ۷: ۹۳

بِاللّٰهِ یَا ظَبْیَاتِ الْقَاعِ قُلْنَ لَنَا
لَیْلَایَ مِنْکُنَّ أَمْ لَیْلٰی مِنَ الْبَشَرِ (۱)

"اے جنگل کی ہرنیو! اللہ کے لیے مجھے بتاؤ کہ میری لیلیٰ تمہاری جنس سے ہے یا انسانوں کی جنس سے؟"

بنی نوع انسان کی تمام اصناف نے شہروں، آثار، ہواؤں، ستاروں، سورج اور چاند کو خطاب کیا اور اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے متعلق ان سے پوچھا اور رات، دن، خیال، وسوسہ، قافلوں، مختلف قسم کے وحشی جانوروں، درندوں اور پرندوں سے خطاب کیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ نہ سنتے ہیں اور نہ ہی ان کے حالات کو کچھ جانتے ہیں بلکہ یہ خطاب یا تو دل میں آنے والے خیال کو مخاطب کے قائم مقام بنا کر کیا، یا دعاء کے معنی میں کیا ہے۔ زائر کا سلام بھی میت کے لیے دعا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات میں سلام "رحمت" کے معنی میں ہے۔ سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ. [سورۃ الصافات ۳۷:۷۹]

- سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ. [سورۃ الصافات ۳۷:۱۰۹]

- سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ. [سورۃ الصافات ۳۷:۱۲۰]

اور زائر کا سلام دعاء رحمت ہی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۲) لکھتے ہیں:

---

(۱) اوضح المسالک الی الفیۃ ابن مالک کے شارح علامہ محمد محی الدین عبد الحمید لکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اس شعر کو عبد اللہ بن عمرو العرجی کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ کچھ لوگوں نے اس میں لیلیٰ کے نام کی مناسبت اسے مجنوں کی طرف منسوب کیا جب کہ ہماری تحقیق کے مطابق یہ ایک بدوی شاعر کا کلام ہے جس کا نام کامل الثقفی ہے جس کا ترجمہ الباخرزی نے الدمیۃ میں لکھا ہے۔

[الشرح الکبیر، محمد محی الدین بن عبد الحمید، ۲: ۳۰۳، منشورات المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت، بدون تاریخ]

(۲) ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم، عمری، حنفی، نقشبندی، محدث دہلوی۔ ۱۱۱۴ھ = ۱۷۰۳ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ سولہ سال کے تھے کہ درس و تدریس کی اجازت مل

سلامِ زائر موتیٰ را دعاء است (۱)۔

''زیارت کرنے والے کا مردوں کو سلام دعاء کے معنیٰ میں ہے۔''

سلام کی دو قسمیں ہیں سلام تحیہ اور سلام دعاء اور یہ سلام جواب کا متقاضی نہیں بلکہ ایک مؤمن کی طرف سے دوسرے مؤمن کے لیے دعا اور استغفار کی حیثیت رکھتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر وثواب ملتا ہے اور جس کے لیے مانگا جائے اُس کے لیے اس جیسی کوئی اور مفید اور مقبول دعاء بھی نہیں ہے اس لیے کہ اخلاص پر مبنی اور بے ریا ہوتا ہے جب کہ سلامِ تحیہ بھی نص اور اجماع سے ہر مسلمان کے حق میں ثابت ہے اور جس کو سلام کیا جائے اس پر اس کے لیے اس کا جواب دینا بھی ضروری ہے اگر میت سلام کا جواب دیتا تو وہ بھی اجر وثواب کا مستحق ہوتا لیکن وہ جواب نہیں دے سکتا اس لیے کہ اس کا عمل منقطع ہو چکا ہے۔ میت کو سلام اس کے لیے استغفار ہے جس طرح فرشتے مؤمنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ.

[سورۃ المؤمن ۴۰:۷]

''اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والوں کے۔ اے ہمارے رب! ہر چیز سمائی ہے تیری مہر میں اور خبر میں سو معاف کر اُن کو جو توبہ کریں اور چلیں تیری راہ اور بچا اُن کو آگ کی مار سے۔''

اور حدیث میں ہے کہ: اَلْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَادَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ صَلّٰى

.....گئی۔ ہند میں تفسیر وحدیث کو مشتہر کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دہلی میں ۱۱۷۶ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ [نزہۃ الخواطر ۶:۴۱۰' تذکرہ علمائے ہند: ۵۴۲]

(۱) البلاغ المبین:

فِيْهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ [1]: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ [2].

"جب تک تم اپنے مصلّی پر رہو جہاں تم نے نماز پڑھی تھی اور ریاح بھی خارج نہ کرو تو ملائکہ تمہارے لیے دعاء کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما دے۔ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔"

اس کے باوجود کسی کے لیے جائز نہیں کہ فرشتوں کو پکارے اور ان سے مدد مانگے۔

علامہ شامی نے باب صلاۃ الجنائز میں فتاویٰ قاضی خان [3]، فتاویٰ ظہیریہ [4] اور جوہرۃ النیرۃ [5] کے حوالے سے لکھا ہے: اَنَّهٗ لَا يَنْوِي الْمَيِّتَ قَالَ فِي الْبَحْرِ وَهُوَ لِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ الْمَيِّتَ لَا يُخَاطَبُ بِالسَّلَامِ حَتّٰى يَنْوِيَ بِهٖ اِذْ لَيْسَ اَهْلًا لَهٗ، وَ اَقَرَّهٗ فِي النَّهْرِ وَ خُلَاصَةِ الْفَتَاوٰى [6].

"سلام کے وقت میت کی نیت نہ کرے اور بحر [7] میں ہے ظاہر یہی ہے کہ میت کو سلام کا

---

(۱) امام مالک کہتے ہیں کہ: لَا اَرٰى قَوْلَهٗ "مَا لَمْ يُحْدِثْ" اِلَّا الْاِحْدَاثَ الَّذِيْ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ.
[موطأ امام مالک ۱: ۱۶۱]

"میرے نزدیک "مَا لَمْ يُحْدِثْ" سے مراد "وضو ٹوٹنا" ہے۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ [۸] باب الحدث فی المسجد [۶۱] حدیث: ۴۴۵

(۳) حسن بن منصور بن ابی القاسم محمود بن عبد العزیز فخر الدین المعروف بقاضی خان اوزجندی فرغانی۔ بہت بڑے حنفی فقیہ تھے۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ اوزجند، اصبہان کے نواحی میں فرغانہ کے قریب ایک گاؤں ہے، جس کی طرف ان کی نسبت ہے۔ ۵۹۲ھ = ۱۱۹۶ء کو وفات پائی۔
[الفوائد البہیۃ: ۱۱۱، ترجمہ: ۱۲۳، الاعلام ۲: ۲۲۴]

(۴) علامہ ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی، وفات: ۶۰۰ھ = ۱۲۰۳ء کی تصنیف ہے۔ علامہ بدر الدین عینی نے المَسَائِلُ الْبَدْرِيَّةُ الْمُنْتَخَبَةُ مِنَ الْفَتَاوَى الظَّهِيرِيَّةِ کے نام سے اس کا انتخاب بھی کیا ہے۔

(۵) مختصر القدوری کی شرح ہے جو ابو بکر بن علی بن محمد حدادی، عبادی، زبیدی، یمنی حنفی، وفات ۸۰۰ھ کی تصنیف ہے۔

(۶) رد المحتار ۱: ۲۴۴

(۷) البحر الرائق شرح کنز الدقائق

خطاب نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی نیت کی جائے کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں۔ نہر[1] اور خلاصہ الفتاویٰ[2] میں اس کی تصویب کی گئی ہے۔"

الجواھر المُنیفة[3] میں ہے کہ: وَلَایَنْوِي الْمَیِّتَ لِأَنَّهُ لَیْسَ أَهْلًا لِذٰلِكَ.

"سلام کے وقت میت کی نیت نہ کرے کیوں کہ وہ اس کا اہل نہیں۔"

اسی طرح ابنُ نُجَیم[4] نے بحرالرائق میں کہا ہے[5]۔ حنفیہ کا ظاہر مذہب یہی ہے اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے: لَایَنْوِي الْمَیِّتَ فِي التَّسْلِیْمَتَیْنِ، بَلْ یَنْوِيْ بِالْأُوْلٰی مَنْ عَنْ یَمِیْنِه وَبِالثَّانِیَةِ مَنْ عَنْ شِمَالِه، کَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ، وَهٰکَذَا فِيْ فَتَاوٰی قَاضِيْ خَان[6].

"دونوں سلاموں میں میت کی نیت نہ کرے بلکہ پہلے سلام میں دائیں طرف والوں کی اور دوسرے میں بائیں طرف والوں کی نیت کرے یہی بات السراج الوہاج[7] اور فتاویٰ قاضی خان میں بھی ہے۔"

---

(۱) النَّهرُ الفائق شرح کنز الدّقائق، سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نُجَیم حنفی، تحقیق: احمد عزو عنایة ۱: ۲۹۴، دار الکتب العلمیة، بیروت ۱۴۲۲ھ=۲۰۰۲ء

(۲) علامہ طاہر بن احمد بن عبدالرشید بن حسن سرخسی افتخار الدین [۴۸۲-۵۴۲ھ] کی تصنیف ہے۔

(۳) اس نام کی کوئی کتاب مجھے نہ مل سکی!!

(۴) زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد، مصری، حنفی عالم اور فقیہ ہیں۔ ابن نُجَیم سے مشہور ہیں۔ مصر سے تعلق تھا۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ علامہ قاسم بن قُطلو بغا اور علامہ برہان کرکی کے شاگرد رہے ہیں۔ اپنے زمانہ میں احناف کے سرخیل تھے۔ ۹۷۰ھ=۱۵۶۳ء کو وفات پائی۔

[شذرات الذہب ۱۰: ۵۲۳، معجم المؤلفین ۴: ۱۹۲، الاعلام ۳: ۶۴]

(۵) البحر الرائق شرح کنز الدقائق زین الدین ابن نجیم الحنفی ۲: ۱۸۳، سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی

(۶) الفتاوی العالمگیریة المعروف بالفتاوی الہندیة، شیخ نظام و جماعة من علماء الہند الاعلام ۱: ۱۶۴، مکتبہ علوم اسلامیہ، چمن، بلوچستان، پاکستان، بدون تاریخ

(۷) اس کا پورا نام السِّرَاجُ الوَهَّاج الْمُوْضِحُ لِکُلِّ طَالِبٍ مُحْتَاجٍ ہے۔ مختصر القدوری کی شرح ہے اور ابو بکر بن علی بن محمد حدادی، عبادی، زبیدی، یمنی حنفی، وفات: ۸۰۰ھ کی تصنیف ہے۔ مصنف......

البحر الرائق اور ظہیریہ میں ہے: لَا یَنْوِي الْمَیِّتَ فِي التَّسْلِیْمَتَیْنِ، بَلْ یَنْوِي بِالْأُوْلٰی مَنْ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَبِالثَّانِیَةِ مَنْ عَنْ شِمَالِهٖ، وَهُوَ الظَّاهِرُ لِأَنَّ الْمَیِّتَ لَا یُخَاطَبُ بِالسَّلَامِ عَلَیْهِ حَتّٰی یَنْوِيَ إِذْ هُوَ لَیْسَ أَهْلًا لَهٗ[1].

''امام جنازہ کی نماز میں دونوں سلاموں میں میت کی نیت نہ کرے بلکہ پہلے سلام میں دائیں طرف والوں اور دوسرے میں بائیں طرف والوں کی نیت کرے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ میت کو سلام میں خطاب نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی نیت کی جائے کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔''

علامہ طحطاوی[2] نے بھی حاشیہ مراقی الفلاح میں یہی کہا ہے[3]۔

اور مجمع الانہر میں ہے کہ: وَالْمُرَادُ مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَیْهِ زِیَارَتُهٗ، وَبَعْدَ الْمَوْتِ یُزَارُ قَبْرُهٗ لَا هُوَ[4].

نے الجوہرۃ النیرۃ کے نام سے اس کی تلخیص بھی لکھی ہے۔[کشف الظنون ۲:۱۶۳۱]

(۱) البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۲:۱۸۳

(۲) احمد بن محمد بن اسماعیل الدوقاطی طہطاوی حنفی۔ رومی الاصل ہیں۔ مصر کے شہر اسیوط کے قریب ''طہطا'' نامی مقام کی طرف اس لیے منسوب ہیں کہ وہاں پیدا ہوئے۔ سن ولادت معلوم نہیں۔ ازہر میں تعلیم حاصل کی، انہیں طحطاوی اور طہطاوی بھی کہا جاتا ہے۔ حنفی فقیہ ہیں۔ مراقی الفلاح اور حاشیۃ الدر المختار جیسی علمی کتابیں لکھیں۔ ۱۲۳۱ھ = ۱۸۱۶ء کو وفات پا گئے۔ [معجم المؤلفین ۲:۸۱، الاعلام ۱:۲۴۵]

(۳) انہوں نے اس پر اپنے تحفظ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: قال بعض الفضلاء: وفیه نظر، لأنه وَرَدَ: أنه ﷺ كان يُسَلِّمُ على القبورِ، على أنَّ المقصودَ منه الدُّعاءُ لا الخِطابُ. [حاشیۃ الطحطاوی ۲:۲۲۸]

''یہ بات اس لیے محلِ نظر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اہلِ قبور کو سلام کیا کرتے تھے، جس کا مقصد اُن کے حق میں دعا کرنا تھا۔ انہیں خطاب کرنا نہیں تھا۔''

(۴) مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان المدعو شیخی زادہ معروف بداماد افندی ۱:۵۸۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، بدون تاریخ

''دُخُولٌ عَلَى الْمَيِّتِ سے مراد اُس کی ملاقات ہے۔ مرنے کے بعد اس کی قبر کی زیارت کی جاتی ہے، میت کی نہیں۔''

شرح المواقف میں ہے کہ: الصَّالحيةُ: أصحابُ الصَّالح، ومن مذهبهم أنهم جَوَّزُوا القيام والعلم والقُدرة والإرادة والسَّمع والبَصَر بِالمَيِّتِ (۱)۔

''صالحیۃ: صالح کا گروپ ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ مردہ اُٹھ سکتا ہے۔ وہ صاحب علم، قدرت اور صاحب ارادہ ہوتا ہے اور وہ سن بھی سکتا ہے اور دیکھ بھی سکتا ہے۔''

اور شرح المقاصد میں ہے کہ: قَدِ اتَّفَقُوْا عَلَى أَنَّ اللهَ لَمْ يَخْلُقْ فِي الْمَيِّتِ الْقُدْرَةَ وَالْأَفْعَالَ الْإِخْتِيَارِيَّةَ (۲)۔

''اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میت میں قدرت اور اختیاری افعال پیدا نہیں کیے ہیں۔''

اور اسی صفحہ میں ہے: لَا نِزَاعَ فِي أَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ (۳)۔

''مردہ کے نہ سننے میں کوئی اختلاف نہیں۔''

خطاب میں اِفہام اور سماع کی شرط لگانے والوں نے عقل اور نص صریح کی مخالفت کی ہے

---

(۱) امام جرجانی کی عبارت یہ ہے: الصَّالحيةُ: فرقةٌ من المعتزلة، أصحابُ الصَّالح، وهم جَوَّزُوا قيام العلم والقُدرة والسَّمع والإرادة والبَصَر بالمَيِّتِ۔ [التعریفات، علی بن محمد بن علی جرجانی: ۱۷۳، باب الصاد، تحقیق: ابراہیم ابیاری، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۲ء]

یہ عبارت اصل میں علامہ ایجی [وفات: ۷۵۶ھ] کی ہے۔ دیکھئے اُن کی کتاب: المواقف، عضد الدین عبدالرحمن ابن احمد الایجی ۳: ۶۵۵، تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمن عمیرۃ، دار الجیل، بیروت، ۱۹۹۷ء۔

اس کتاب کی شرح علامہ جرجانی نے ''شرح المواقف'' کے نام سے لکھی ہے جس میں یہ عبارت موجود ہے۔ [شرح المواقف، سید شریف علی بن محمد جرجانی ۸: ۴۱۳، تحقیق: محمود عمر دمیاطی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۸ء]

(۲) شرح المقاصد ۳: ۳۶۶، المقصد السادس فی السمعیات، فصل فی المعاد

(۳) شرح المقاصد ۳: ۳۶۵، المقصد السادس فی السمعیات، فصل فی المعاد

اس لیے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تو بتوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

اَلَا تَاْكُلُوْنَ○ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ. [سورۃ الصافات ۳۷: ۹۱-۹۲]

"تم کیوں نہیں کھاتے؟ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بات نہیں کرتے؟"

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے مخاطب کیا تھا کہ:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ.(۱)

"میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا تیرے بس میں نہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔"

[۱۲] استدلال: شیخ عبدالحق محدث دہلوی(۲) کی عبارت

یہ لوگ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قول سے استدلال کرتے ہیں جب کہ شیخ نے أشِعَّةُ اللَّمْعَات میں فرمایا ہے کہ: واگر ہمیں قدر بداند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتے پیدا کند کہ بدان چیزے از الم وراحت دریابد در اعتقادِ صحیح کفایہ است(۳)۔

"اگر اسی قدر جان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ مردہ میں ایسی حالت پیدا کرتا ہے جس سے وہ راحت اور درد کا کچھ احساس کر لیتا ہے تو صحیح عقیدہ میں یہ بھی کافی ہے۔"

اور شیخ نے تکمیل الایمان میں لکھا ہے کہ: آیات واحادیث بحقیقتِ اینہا ناطق است

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الحج [۲۵] باب ماذکر فی الحجر الاسود [۵۰] حدیث: ۱۵۹۷

(۲) عبدالحق بن سیف الدین دہلوی۔ شیر شاہ سوری کے عہد ۹۵۸ھ = ۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں دینی علوم کے حصول سے فارغ ہوئے۔ مکۃ المکرمۃ میں شیخ عبدالوہاب متقی سے بھی پڑھتے رہے ہیں۔ خواجہ باقی باللہ سے بیعت کی۔ ۲۲ سال کی عمر میں مسند درس پر بیٹھ گئے۔ ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو وفات پائی۔ [ابجد العلوم ۳: ۲۲۸، مقدمہ اخبار الاخیار: ۱۳-۱۴]

(۳) أشِعَّةُ اللَّمْعَات، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱: ۶۲، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، پاکستان، بدون تاریخ

بایمان بداں باید آورد و کیفیت آں مفوض بعلم الٰہی جل شانہ باید داشت' خواہی باعادۂ حیات با مقابلہ روح یا بغیر آں بوجہی از وجوہ کہ قادر مطلق داند وخواہد وحقیقت نزد اہل سنت جماعت بُنیہ شرطِ ادراک نیست[1]۔

''آیاتِ قرآن مجید اور احادیث نبویہ عذاب وثواب قبر کی حقیقت پر ناطق ہیں۔ اس پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن اس کی کیفیت خواہ اعادۂ روح کے ساتھ ہو یا مقابلۂ روح یا اس کے بغیر کسی وجہ سے ہو قادرِ مطلق کو اس کی حقیقت معلوم ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اِدراک کے لیے ڈھانچہ شرط نہیں ہے۔''

[۱۳] استدلال: مولانا عبدالحی لکھنوی[2] کی عبارت

کہتے ہیں کہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے مجموعۃ الفتاویٰ میں سماعِ موتی کا ذکر کیا ہے[3]۔

جواب: مولانا صاحب موصوف نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ بعد عالم مثال کے کہ ان سے دعاء کرانے یا واسطے حاجت روائی اپنے کے کس طرح ان کو تکلیف دینے یہ دستور قرون مشہود بالخیر میں اور زمانہ مجتہدین میں پایا نہیں گیا بناء علیہ ہمارے فقہاء حنفیہ اس میں مختلف ہیں۔

---

(۱) تکمیل الایمان' شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۷' الرحیم اکیڈمی' کراچی' پاکستان' بدون تاریخ

(۲) عبدالحی بن عبدالحلیم بن امین اللہ' ابوالحسنات' فرنگی محلی' موضع باندہ میں ۱۲۶۴ھ = ۱۸۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں علوم دینیہ کے حصول سے فارغ ہو گئے۔ حدیث اور فقہ حنفی کے جید عالم تھے۔ اصول وفروع میں حنفی ہونے کے باوجود مذہب کے معاملہ میں غیر متعصب اور دلیل کے پیچھے پیچھے چلنے والے تھے۔ ۱۳۰۴ھ = ۱۸۸۶ء کو وفات پائی۔ [نزہۃ الخواطر ۸: ۲۵۲' تذکرہ علمائے ہند: ۲۸۶]

(۳) شاید ان کا اشارہ مولانا لکھنوی کی اس عبارت کی طرف ہو: شرعاً ثابت نیست کہ اولیاء را قدرتے حاصل است کہ از امکنہ بعیدہ ندا را بشنوند البتہ سماع اَموات سلام زائر قبر را ثابت است۔
[مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محل ۲: ۲۷' مطبع یوسفی فرنگی محل' لکھنؤ' ۱۹۲۶ء]
''یہ بات شرعاً ثابت نہیں کہ مردوں کو دور سے سننے کی قدرت حاصل ہو البتہ اموات کا زائر قبر کے سلام کا سننا ثابت ہے۔''

اکثر عدم جواز کے قائل ہیں بنا بریں کہ سماع موتی ثابت نہیں جیسا کہ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ منخلص شرح کنز، کفایہ شرح ہدایہ، درمختار اور دیگر فتاویٰ میں صراحۃ اور اشارۃً لکھا ہے[۱]۔

[۱۴] استدلال: قرآن مجید سے میت کا انس

کہا جاتا ہے کہ مردے قرآن مجید کی قراءت سے انس حاصل کرتے ہیں اور وہ سنتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے فقہاء نے استیناس کے لیے قرآن مجید کی قراءت کا ذکر کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

عالمگیریہ کے حاشیہ پر فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ: وَإنْ قرأالقُرآنَ عِندَ القبور،إنْ نَوَى بذلك أن يُونِسَهُم صَوتَ القرآن فإنه يقرأ، فإن لم يقصد ذلك فالله تعالٰى يسمع قراءة القرآن حيث كانت[۲]۔

"اگر قبروں کے پاس قرآنی آواز کے ساتھ مانوس[۳] کرنے کی خاطر قراءت کرے تو ٹھیک ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید کی قراءت کو۔کہیں سے بھی ہو تو۔ سنتا ہے۔"

عالمگیریہ میں بھی اسی طرح ہے[۴]۔

اس عبارت کا مقصد قاری کا اپنے استیناس کے لیے پڑھنا ہے، میت کا اِستیناس مراد نہیں ہے، اس کے باوجود مشائخ کا مقابر میں قرآن مجید پڑھنے میں اختلاف ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ: قال أبو حنيفة: يُكرَهُ، وقال محمد: لايُكرَهُ ومشايخنا أخذوا بقول محمد[۵]۔

---

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ، ص۴۷۲

(۲) فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاوی العالمگیریۃ المعروفۃ بالفتاوی الہندیۃ ۳:۴۲۲

(۳) قراءت قرآن سے استیناسِ میت کے سلسلے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں!!

(۴) فتاویٰ عالمگیریہ المعروف بالفتاوی الہندیۃ ۵:۳۵۰؛ کتاب الکراہیۃ، باب۱۶: زیارۃ القبور وقراءۃ القرآن فی المقابر، علامہ نظام و جماعۃ من علماء الہند الاعلام، مکتبہ علوم اسلامیہ، چمن، بلوچستان، پاکستان

(۵) حاشیۃ الشیخ الشلبی علی تبیین الحقائق کنز الدقائق ۱:۲۴۶، مطبعہ امدادیہ، ملتان، پاکستان، بدون تاریخ

''امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور امام محمد نے کہا ہے کہ مکروہ نہیں ہمارے مشائخ نے امام محمد ہی کا قول لیا ہے (۱)۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ مقابر میں قرآن مجید کی قراءت جائز ہے، خواہ وہ انس کی غرض سے ہو

---

(۱) امام ابن ابی العز حنفی، وفات: ۷۹۲ھ لکھتے ہیں: واختلف العلماء في قراءة القرآن عند القبور على ثلاثة أقوال: هل تُكره؟ أم لابأس به؟ أم لابأس به وقت الدفن، وتكره بعده؟ فمن قال بكراهتها كأبي حنيفة ومالك وأحمد في رواية، قالوا: لأنه محدثٌ لم ترد به السنة، والقراءة تشبه الصلاة، والصلاة عند القبور منهيٌّ عنها فكذلك القراءة، ومَن قال لا بأس بها كمحمد ابن الحسن وأحمد في رواية استدلوا بما نُقل عن ابن عمر ؓ أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها، ونُقل أيضاً عن بعض المهاجرين قراءة سورة البقرة. ومَن قال: لا بأس بها وقت الدفن فقط -وهو رواية عن أحمد- أخذ بما نُقل عن ابن عمر ؓ وبعض المهاجرين. وأما بعد ذلك كالذين يتناوبون القبر للقراءة عنده، فهذا مكروهٌ فإنه لم تأتِ به السنة، ولم يُنقل عن أحد من السلف مثل ذلك أصلاً، وهذا القول لعله أقوى من غيره لما فيه من التوفيق بين الدليلين. [شرح العقيدة الطحاويہ: ۲: ۶۷۵-۶۷۶]

''قبروں کے پاس تلاوت قرآن کے سلسلے میں علماء کے تین قول ہیں: [۱] کیا یہ مکروہ ہے؟ [۲] مکروہ نہیں [۳] دفن کے وقت مکروہ نہیں، اور اس کے بعد مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد [ایک روایت کے مطابق] اسے مکروہ کہتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ ایک نئی چیز ہے اور سنت سے ثابت نہیں، جب کہ قراءت نماز کی مانند ہے حالانکہ قبروں کے پاس نماز مکروہ ہے، پس وہاں تلاوت بھی مکروہ ہے۔ امام محمد بن حسن اور امام احمد [ایک روایت کے مطابق] کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں، وہ اس بارے میں سیدنا ابن عمر ؓ کی وصیت سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کی قبر کے پاس دفن کے وقت سورۃ البقرہ کی ابتدائی اور آخری آیتیں تلاوت کی جائیں اسی طرح بعض مہاجرین صحابہ سے دفن کے وقت سورۃ البقرۃ کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق دفن کے وقت ایسا کیا جائے تو کوئی پرواہ نہیں، لیکن دفن کے بعد ایسا کرنا مکروہ ہے، جیسا کہ لوگ باری باری جا کر قبر کے پاس تلاوت کرتے ہیں، اس لیے کہ نہ تو یہ سنت سے ثابت ہے اور نہ سلف میں سے اس کی کوئی اصل منقول ہے۔ یہ آخری قول سابقہ دو اقوال کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، اس لیے کہ اس سے دلائل کے مابین تطبیق ہو جاتی ہے۔''

یاسین، آیۃ الکرسی، سورۃ الاخلاص، سورۃ الفاتحہ اور دیگر سورتیں مردوں کو مانوس کرنے کی امید سے بھی پڑھنی جائز ہیں۔

نورالانوار اور حسامی میں ہے کہ فقہاء نے کہا کہ احتیاطاً نماز کا فدیہ دیا جائے اور اللہ سے بطورِ فضل قبول کرنے کی امید ہے اسی طرح انس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ، میت کو قراءت کا ثواب دے دیں گے (۱)۔

شامی میں ہے کہ: أنَّ مَحلَّ القِراءَةِ تنزل الرحمة والبركة، والدُّعاءُ بعدها أرجى للقبولِ (۲).

''جہاں قراءت ہوتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہے۔''

فقہاء نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: يُكرَه أيضًا قطع النَّبات والحشيش من المقبرة دون اليابس كما في البحر والدر وشرح المُنية (۳).

''قبرستان میں سے سبزہ اور سبز گھاس کاٹنا مکروہ ہے۔ خشک گھاس کاٹنا مکروہ نہیں، جیسا کہ بحرالرائق، درمختار اور شرح منیۃ المصلی میں مذکور ہے۔''

اس کی علت امداد میں یہ بیان کی ہے کہ: مادام رطبًا يُسَبِّحُ اللّٰهَ تعالى فيؤنس به الميت وتنزل بذكر الله تعالى الرحمة (۴).

---

(۱) حسامی: ۸۷ نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی، نورالانوار: ۳۹-۴۰، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی، پاکستان

(۲) ردالمحتار علی درالمختار ۱: ۶۶۲، کتاب الجنائز، مطلب فی القراءۃ للمیت واہداء ثوابہا لہ

(۳) علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں: وفي الخلاصة: ويُكرَهُ قطع الحطب والحشيش من المقبرة إلّا إذا كان يابسًا، ولا يُستَحَبُّ قطع الحشيش الرطب.

[بحرالرائق شرح کنزالدقائق ۲: ۱۹۶، کتاب الجنائز]

(۴) امدادالفتاح شرح نورالایضاح: ۶۴۵، ابوالاخلاص حسن بن عمار الشرنبلالی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۱ء، مراقی الفلاح بامدادالفتاح شرح نورالایضاح ونجاۃ الارواح: ۲۲۵

''جب تک یہ گھاس سبز رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے جس سے میت کو انس حاصل ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے رحمت نازل ہوتی ہے۔''

یہ عبارت مراقی الفلاح کے حاشیہ طحطاوی میں بھی مذکور ہے (۱)۔

استیناس میت [میت کا انس] رحمت کی وجہ سے ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ مردہ قراءت سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰـكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ. [سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۴۴]

''اور کوئی ایسی چیز نہیں مگر وہ تسبیح کرتی ہے اُس کی حمد کے ساتھ لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔''

علامہ حلبی نے کہا ہے کہ: فإنَّ المَيِّت يستأنس بالذِكر (۲).

اس کا معنی یہ ہے کہ ذکر کی وجہ سے اس پر رحمت نازل ہوتی ہے۔

[۱۵] استدلال: میت کے پاؤں کی جانب سے زیارت کرنا

اعتراض کیا جاتا ہے کہ ملا علی قاری اور علامہ ابن عابدین شامی نے شرح تنویر میں زیارت کے آداب ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ زائر کو چاہیے کہ قبر کے پاؤں کی جانب سے آئے۔ سر کی طرف سے نہ آئے کیونکہ یہ اس کی آنکھ کے لیے تھکاوٹ کا باعث ہوتا ہے پاؤں کی طرف سے آنے سے آنکھ سامنے ہوتی ہے یعنی دیکھنے میں تکلیف نہیں ہوتی (۳)۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے جسم کا سماع ثابت ہوتا ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ علامہ ابن

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۲:۲۷۹

(۲) غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الجنائز، بحث التلقین بعد الدفن: ۶۲۱

(۳) علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: وفي شرح اللباب للملاعلي القاري: ثم من آداب الزيارة ما قالوا من أنه يأتي الزائر من قبل رجلي المتوفى لا من قبل رأسه لأنه أتعب لبصر الميت بخلاف الأول لأنه يكون مقابل بصره. [رد المحتار علی در المختار ۱:۶۶۵]

عابدین نے در مختار کے حاشیہ میں کہا ہے کہ مردہ نہیں سنتا۔ [حاشیہ درالمختار۳: ۲۰۱ (۱)]
اسی طرح ملا علی قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں کہا کہ: إنَّ المَيِّتَ لَا يَسْمَعُ بِنَفْسِهِ (۲).
''مردہ، خود نہیں سنتا۔''

یہ روایات ان کی کتابوں میں داخل کی گئی ہیں کیوں کہ یہ طریقہ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام ﷺ اور ائمہ سے منقول نہیں ہے نیز صاحب ہدایہ (۳) نے لکھا ہے کہ:

والمرادُ من الدُّخولِ عليه زِيَارته ؛ وبعدَ الموتِ يُزَارُ قبرُهُ ؛ لَا هُوَ (۴).

''دُخول عَلَى المَيِّتِ سے مراد اس کی زیارت کرنا ہوتا ہے اور موت کے بعد میت کی نہیں بلکہ اس کی قبر کی زیارت کی جاتی ہے۔''

اور اسی طرح فتح القدیر میں بھی ہے کہ: والزيارةُ للمَيت ليست حقيقة بل إنما المزور قبره، ولهذا قال رسول الله ﷺ: كنتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ أَلَا فَزُوْرُوْهَا (۵)، ولم يَقُلْ: عن زيارة الموتٰى (۶).

---

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار ۳: ۱۴۳

(۲) شرح الفقہ الاکبر، ملا علی قاری: ۱۳۰

(۳) علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی ابوالحسن برہان الدین۔ فقہائے احناف کے اکابر میں سے تھے۔ ۵۳۰ھ = ۱۱۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ فرغانہ کے نواحی علاقے مرغینان کی طرف نسبت ہے۔ حافظ، مفسر، محقق اور ادیب تھے۔ ۵۹۳ھ = ۱۱۹۷ء کو وفات پائی۔
[الجواہر المضیۃ: ۲۴۸، ترجمہ: ۹۷۹، الاعلام ۴: ۲۶۶]

(۴) الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی ۴: ۶۲، کتاب الایمان، باب الیمین فی القتل والضرب، برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر، مرغینانی، مکتبۃ البشریٰ، کراچی، پاکستان، ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء، البحر الرائق ۴: ۳۶۳

(۵) صحیح مسلم، کتاب الجنائز [۱۱] باب استیذان النبی ﷺ ربہ فی زیارۃ قبر امہ [۳۶] حدیث: ۲۲۶۰
صحیح مسلم کی روایت میں ''کُنْتُ'' کا لفظ نہیں۔

(۶) فتح القدیر ۵: ۱۹۵

''حقیقت میں میت کی زیارت نہیں کی جاتی بلکہ زیارت تو قبر کی جاتی ہے اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ خبردار! اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے عَنْ زِيَارَةِ الْمَوْتَى نہیں فرمایا۔''

تمام فقہاء نے قبر کی زیارت کا کہا ہے۔ میت کی زیارت کا نہیں کہا۔ سوال یہ ہے کہ مردہ کیسے تھکتا ہے؟ بلکہ لوگ تو اس سے مردے کے لیے علم اور سماع ثابت کرتے ہیں تا کہ ان سے مانگنے کی راہ ہموار ہو جائے۔ سماع اور علم کے ثبوت سے ان کا مقصد یہی ہے۔

[۱۶] استدلال: فیوض الحرمین کی عبارت

ان لوگوں کا ایک قول یہ بھی ہے کہ شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین میں ذکر کیا جب وہ برزخ کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو یہ سب وضعیں، عادتیں اور علوم ان کے ساتھ ہی ہوتے ہیں ان سے جدا نہیں ہوتے [۱]۔

اور شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ: چوں آدمی میرد روح را اصلاً تغیرے نمی شود چنانچہ حامل قوئی بود حالاً ہم ہست شعورے وادراکے کہ داشت حالاً ہم دارد بلکہ صاف تر وروشن تر [۲]۔

''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی روح میں کسی قسم کا تغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا اور جن قوتِ اِدراک اور شعور کی پہلے حامل ہوتی ہے، مرنے کے بعد بھی ان کی حامل ہوتی ہے بلکہ پہلے سے بڑھ کر صاف اور روشن تر ہوتی ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ روح کے ادراک وشعور اور تنعیم اور تعذیب کا منکر کون ہے؟ اس کا انکار تو عذابِ قبر کا انکار ہے اور یہ ادراک تو عالم برزخ والوں کے لیے ہے، دنیا والوں کے لیے نہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے فتاویٰ میں فرمایا ہے:

---

(۱) فیوض الحرمین مع ترجمہ سعادت کونین: ۱۳، مطبع احمدی متعلق مدرسہ عزیزی دہلی، ہند، بدون تاریخ
(۲) تفسیر فتح العزیز، شاہ عبدالعزیز دہلوی: ۵۵۹، افغانی دارالکتب لال کنواں دہلی، ہند، بدون تاریخ

سوال: اگر ادراک وشعور میماند بقدر حیات میماند یا زیادہ وکم میشود؟

جواب: ادراک وشعور اہل قبور بعد موت در بعض امور زیادہ می شود ودر بعضے کم آنچہ تعلق در امور غیب دارد اِدراک آن زیادہ است، وآنچہ در امور دنیویہ باشد اِدراک آنہا کم، وسبش آنست کہ التفات وتوجہ ایشاں در امور غیبیہ زیادہ است ودر امور دنیویہ کم بایں جہت تفاوت واقع میشود والاصل اِدراک وشعور یکساں است بلکہ اگر تأمل کردہ شود در دنیا نیز بسبب توجہ التفات زیادتی وکمی واقع میشود (۱)۔

سوال: حیات کے مطابق ہی اِدراک وشعور ہوتا ہے یا کم وزیادہ ہوتا رہتا ہے؟

جواب: اہل قبور میں موت کے بعد ادراک وشعور بعض امور میں زیادہ اور بعض امور میں کم ہوتا ہے جن امور کا تعلق غیب سے ہے اُن کا اِدراک زیادہ ہوتا ہے اور جن امور کا تعلق دنیا سے ہو ان کا اِدراک بھی کم ہوتا ہے کیوں کہ امور غیبیہ میں ان کا التفات اور توجہ زیادہ ہوتی ہے اور امور دنیویہ میں کم ہوتی ہے اسی وجہ سے فرق ہوتا ہے ورنہ اصل اِدراک وشعور تو یکساں ہوتا ہے اگر سوچا جائے تو دنیا میں بھی توجہ اور التفات کی وجہ سے زیادتی اور کمی واقع ہوتی رہتی ہے۔"

میں کہتا ہوں اسی وجہ سے وہ اپنے رشتہ داروں کے حالات کے بارے میں پوچھتے ہیں کیونکہ ان کے حال کا علم نہیں ہوتا۔ مشکوٰۃ المصابیح باب مَا یُقَالُ عندمَنْ حَضَرَہُ الْموت میں امام احمد اور نسائی (۲) کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں ہے کہ: فیاتون بہ أرواح

---

(۱) فتاویٰ عزیزی، شاہ عبدالعزیز: ۸۸، المکتبۃ الحقانیۃ، محلہ جنگی، پشاور، پاکستان، بدون تاریخ

(۲) احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار، ابوعبدالرحمن نسائی، قاضی اور حافظ حدیث تھے۔ خراسان کے نساء نامی گاؤں میں ۲۱۵ھ = ۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے لمبے سفر کیے۔ مصر میں رہائش پذیر ہوئے، وہاں کے مشائخ نے ان سے حسد کرنا شروع کیا اور انہیں رملہ، فلسطین جانے پر مجبور کیا۔ ۳۰۳ھ = ۹۱۵ء کو وفات پائی۔ بیت المقدس میں دفن کیے گئے۔
[وفیات الاعیان: ۱: ۷۷-۷۸، تذکرۃ الحفاظ: ۲: ۲۶۸، الاعلام: ۱: ۱۷۱]

المؤمنين فلهم أشد فرحاً به من أحدكم بغائبة يقدم عليه فيسألونه: ما ذا فعل فلان ماذا فعل فلان......[1]

''فرشتے اس کی روح کو مؤمنوں کی ارواح کے مقر کی طرف لاتے ہیں جہاں وہ تمہارے کسی گمشدہ کے لوٹنے کے وقت کی خوشی سے بڑھ کر اس آنے والے کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں فلاں کا کیا حال ہے یعنی نیک ہے یا برا؟''

یہ حدیث مردوں کے زندوں کے حال سے بے خبر ہونے پر نص ہے اسی وجہ سے تو اپنے پاس آنے والی روح سے پوچھتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ وہ وہاں غیب کے مشاہدہ تنعیم، سرور اور مشاہدۂ حق تعالیٰ شانہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ دنیا میں بھی بہت سے نقاد علماء کو ایسے واقعات سے پالا پڑا۔ تہذیب اکمال میں سفیان ثوری[2] کے ذکر میں ہے کہ:

قال علي بن فضيل: رأيتُ سفيان الثوري ساجداً حول البيتِ فطُفتُ سبعةَ أسابيع قبل أن يرفع رأسه[3].

---

(۱) سنن نسائی، کتاب الجنائز [۲۱] باب ما یلقی بہ المؤمن من الکرامۃ عند خروج نفسہ [۹] حدیث: ۱۸۳۳، مشکاۃ المصابیح، کتاب الجنائز [۵] باب ما یقال عند من حضرہ الموت [۳] الفصل الثالث، حدیث: ۱۶۲۹-۱۴

(۲) سفیان بن سعید بن مسروق ثوری، ابوعبداللہ۔ کوفہ میں ۹۷ھ = ۷۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ بصرہ میں ۱۶۱ھ = ۷۷۸ء کو وفات پائی۔ مضر کے مشہور قبیلہ عبد مناۃ کی شاخ بنی ثور سے تعلق تھا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔ علوم دینیہ اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ منصور نے انہیں قضاء کا عہدہ پیش کیا تھا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔

[وفیات الاعیان ۲: ۳۸۶، تاریخ بغداد ۹: ۱۵۱، الاعلام ۳: ۱۰۴]

(۳) حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی ۷: ۵۷، دار الفکر بیروت، بدون تاریخ؛ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، صفی الدین احمد بن عبداللہ خزرجی: ۱۴۵، المطبعۃ الکبریٰ، بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ

''علی بن فضیل (۱) کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو بیت اللہ کے پاس سجدہ میں دیکھا۔ میں سات طواف [یعنی ۴۹ چکر] کاٹے لیکن وہ ابھی تک سر بسجود تھے۔''

یہی معنی قاضی ثناء اللہ (۲) کے تذکرۃ الموتیٰ میں اس کلام کا ہے کہ:

ارواح ایشاں کار اجساد مے کنند (۳)۔

'' ان کی ارواح [نعمتوں اور لذت کے حصول میں] اجسام ہی کا کام کرتی ہیں [یعنی فعال ہوتی ہیں]۔''

اہل زیغ ان کے کلام کو غلط مقصد پر محمول کر کے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔

[۱۷] استدلال: قبر میں جزا اور سزا کس کو ملتی ہے؟

کہتے ہیں کہ اگر مردہ سنتا اور جانتا نہیں تو قبر میں کس کو جزا و سزا ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ

---

(۱) علی بن فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر تمیمی یربوعی۔ علم، زہد، عبادت، خوف الٰہی اور ورع و تقویٰ میں اپنے والد فضیل بن عیاض سے آگے مانے جاتے ہیں۔ اپنے والد سے پہلے وفات پا گئے۔
[تہذیب الکمال ۲۱:۹۶، ترجمہ: ۴۱۲۱]

(۲) قاضی محمد ثناء اللہ حنفی مجددی، از اولاد جلال الدین چشتی صابری پانی پتی پانی پت، مشرقی پنجاب میں ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اس سلسلے میں دہلی گئے، جہاں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حدیث سنی پھر صغر سنی ہی میں حافظ محمد عابد لاہوری سُنامی احمدی نقش بندی سے علم طریقت [نقش بندیہ] اخذ کیا۔ اُن کی وفات کے بعد [اور ایک روایت کے مطابق حافظ محمد عابد کی ہدایت پر] مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی [وفات: ۱۱۹۵ھ=۱۷۸۱ء] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے علم طریقت [احمدیہ] حاصل کیا۔ یکم رجب ۱۲۲۵ھ = ۲- اگست ۱۸۱۰ء کو وفات پائی۔
[مقامات مظہری: ۳۵۹، نزہۃ الخواطر ۷: ۱۲۸، ترجمہ: ۱۹۱، حدائق الحنفیہ: ۴۸۳، تذکرہ علمائے ہند: ۱۳۲، ترجمہ ۱۰۰، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۶: ۱۰۳۲]

(۳) حق تعالیٰ ارواح شان راقوتِ اجسادمی دہد ہر جا کہ خواہند سیر کنند۔
[تذکرۃ الموتیٰ والقبور، باب مقر ارواح: ۳۶، قریشی کتب خانہ محلہ جنگی، پشاور، بدون تاریخ]

ہے کہ ردالمحتار باب الیمین میں ہے: ولا یرد تعذیب المیت في قبره لأنه توضع فیه الحیاة عند العامة بقدر ما یحس بالألم والبِنیَةُ لیست بشرط عند أهل السنة(۱)

''قبر میں میت کو عذاب دیا جانا رد نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ عام علماء کے نزدیک اس میں درد کے احساس کے اندازے سے حیات ڈالی جاتی ہے۔ اہل سنت کے نزدیک [اس کے لیے] ڈھانچہ شرط نہیں ہے۔''

اور جامع الرموز میں ہے: وَالمُعذبُ في القبر کحيّ بقدر ما یتألَّمُ به وهو أقرب إلی الحق (۲).

''قبر میں جس کو عذاب دیا جاتا ہے، وہ اس قدر زندہ کی طرح ہے، کہ وہ اس [حیات] سے تکلیف اور درد کو محسوس کرتا ہے اور یہی حق کے زیادہ قریب ہے۔''

اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: والإیلامُ لایُتحقَّقُ في المیت والمُعذَّبُ في القبرِ یُحيٰ بِقَدرِ مَا یَتألَّمُ وهو أقرب إلی الحق (۳).

---

(۱) ردالمحتار علی درالمختار ۳: ۱۴۳، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل

علامہ شہاب الدین احمد المعروف ابن الشِّلْبِي [وفات: ۹۴۷ھ = ۱۵۴۰ء] لکھتے ہیں: الحقُّ أنَّ المیتَ المعذَّبَ في قبره توضع فیه الحیاةُ بقدرِ ما یُحِسُّ بالألم والبِنیَةُ لیست بشرطٍ عند أهل السُّنَّة حتی لو کان متفرق الأجزاء بل هي مختلطة بالتراب فعُذِّبَت جُعِلَتِ الحیاةُ في تلك الأجزاء التي لایأخذها البصر وإنَّ الله علی ذلك لقدیرٌ. [حاشیۃ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۳: ۵۲۳، شہاب الدین احمد المعروف ابن الشِّلْبِي، امیر حمزہ کتب خانہ، کوئٹہ، پاکستان، ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء]

''حق یہ ہے کہ جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، اُس میں اتنی حیات ڈال دی جاتی ہے جس سے الم اور درد کا احساس کر سکے۔ اہل سنت کے نزدیک اس کے لیے جسم کا صحیح وسالم ہونا شرط نہیں، یہاں تک کہ اگر اس کے اجزاء متفرق ہوں بلکہ مٹی میں بھی ملے ہوئے ہوں اور اُسے عذاب دینا ہو تو آنکھ سے نظر نہ آنے والے اجزاء میں بھی اس قدر حیات ڈال دی جاتی ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔''

(۲) جامع الرموز شرح مختصر الوقایہ: ۳۵۹، شمس الدین محمد خراسانی، مظہر العجائب، کلکتہ، ہند، ۱۸۵۸ء

(۳) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ۲: ۳۲۵، فقیہ عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان المدعو شیخی زادہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء

''میت میں ایلام متحقق نہیں اور جس مردے کو عذاب دیا جاتا ہے اُسے اس قدر حیات بخشی جاتی ہے جس سے اسے درد والم کا احساس ہو اور یہی حق ہے۔''

شرح المقاصد میں ہے: إتَّفَقَ أهلُ الحق على أن اللہ تعالی یُعِید إلی المیت في القبر نوعَ حیاۃٍ قدرَ مَا یَتَألَّمُ و یتلذذ و یشھد بذلك الکتاب و الأخبار و الآثار (۱)۔

''اہلِ حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں اس قدر ایک قسم کی حیات پیدا کرتا ہے جس سے اس کو درد اور لذت کا احساس ہوتا ہے۔ اس پر قرآن مجید، احادیث اور آثار شاہد ہیں۔''

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے فرمایا: إتَّفَقَ أهلُ الحق على أنَّ اللہ تعالی یُعِید إلی المیت في القبر نوع حیات قدر ما یتألم و یتلذذ (۲)۔

''اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں اس قدر ایک نوع حیات پیدا کرتے ہیں جس سے اُس کو درد اور لذت کا احساس ہوتا ہے۔''

علامہ سید شریف جرجانی نے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ: فإنَّ ذلك أي: التَّمسك بها مبني على اشتراط البِنْیَةِ في الحیاۃ و ھو ممنوع عندنا کما مرَّ، فلا بُعد في أن تعاد الحیوۃ إلی الأجزاء المتفرقة أو بعضها و إن کان خلاف العادۃ فإن خوارق العادۃ غیر ممتنعة في مقدور اللہ تعالی کما سلف تقریرہ (۳)۔

''یہ استدلال حیات میں ڈھانچہ کے شرط ہونے پر مبنی ہے جو ہمارے نزدیک ممنوع ہے۔ متفرق اجزاء یا بعض اجزاء میں حیات کا لوٹایا جانا کوئی بعید نہیں ہے اگرچہ خلاف عادت ہے

---

(۱) شرح المقاصد ۳:۲۶۶، المقصد السادس فی السمعیات، فصل فی المعاد

(۲) حاشیۃ السیالکوٹی علی شرح المواقف ۸:۳۴۵، المرصد الثانی فی المعاد، مقصد ۱۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸

(۳) شرح المواقف ۸:۳۴۸، المرصد الثانی فی المعاد، مقصد ۱۱

عادت کے خلاف کام اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ممتنع نہیں اس کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔"

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ :أن هذه الآية دَلَّتْ على عذاب الأرواح في البرزخ، ولا يلزم من ذلك أن يتصل في الأجساد في قبورها[1]۔

"یہ آیت برزخ میں روحوں کے عذاب پر دلیل ہے اس سے قبروں میں جسموں کے ساتھ متصل ہونا لازم نہیں آتا۔"

پھر امام ابن ابی حاتم[2] کی سند سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ[3] کی حدیث روایت کی ہے کہ :أنّ أرواحَ الشُّهداء في أجواف طيور خضر تسرح بهم في الجنة حيث شاءوا وأن أرواح ولدان المؤمنين في أجواف عصافير تسرح في الجنة حيث شاءت فتأوي إلى قناديل معلقة في العرش وأن أرواح آل فرعون في أجواف طيور سود تغدوا على جهنم وتروح عليها فذلك عرضها[4]۔

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم ۱۲: ۱۹۵؛ بذیل تفسیر سورۃ المؤمن ۴۰: ۴۶

(۲) عبدالرحمن بن محمد ابو حاتم بن ادریس بن منذر، تمیمی، حنظلی، رازی، ابو محمد۔ "رے" میں ۲۴۰ھ = ۸۵۴ء کو پیدا ہوئے۔ کبار حفاظ حدیث میں سے تھے۔ رجال حدیث کے ماہر عالم تھے۔ ۳۲۷ھ = ۹۳۸ء کو وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۳: ۸۲۹؛ الاعلام ۳: ۳۲۴]

(۳) عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذلی ابو عبدالرحمن رضی اللہ عنہ، اکابر صحابہ میں سے تھے۔ فاضل اور عاقل تھے اور رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ قریب۔ سابقون اولون میں سے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے حرم مکہ میں جہر سے قرآن سنایا۔ رسول امین ﷺ کے خادمِ خاص تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد کوفہ تشریف لے گئے جہاں سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں واپس آگئے۔ مدینہ منورہ میں ۳۲ھ = ۶۵۳ء کو تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

[اسد الغابۃ ۳: ۲۷۶، ترجمہ: ۳۱۸۳؛ الاعلام ۴: ۱۳۷]

(۱) تفسیر القرآن العظیم، ابن ابی حاتم ۱۰: ۳۲۶۷، نص: ۱۸۴۳۵، تحقیق: اسعد محمد الطیب المکتبۃ العصریۃ، بیروت ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۹ء؛ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۱۲: ۱۹۶۔

اس کی سند لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن اس کے کئی شاہد اور تابع موجود ہیں اس لیے یہ......

''شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں ہوتی ہیں، جو جنت میں جہاں چاہیں چرتی پھرتی ہیں اور مؤمنوں کے بچوں کی روحیں چڑیوں کے قالبوں میں ہوتی ہیں جو جنت میں جہاں چاہیں چرتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آکر ٹھہرتی ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں اور آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے قالبوں میں ہیں جو صبح اور شام جہنم پر پیش ہوتی ہیں اسی کو عرض کہتے ہیں۔''

اس سے زیارت کرنے والوں کی باتیں سننا ثابت نہیں ہوتا اور ہمارے مشائخ حنفیہ نے تو اس کا انکار کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی طرف منسوب تمام باتیں یا تو جھوٹ پر مبنی ہیں ان کی کتابوں میں ان کا ذکر تک نہیں مثلاً یہ لوگ کہتے ہیں کہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

إن الزائر متى جاءَ عَلِمَ به المزور و سمع كلامه [1].

''زیارت کرنے والا جب آتا ہے تو مزور [جس کی زیارت کی جاتی ہے] اس کو جانتا ہے اور اس کا کلام سنتا ہے۔''

یہ قول امام جلال الدین سیوطی کی شرح الصدور اور متعصب تقی الدین سبکی شافعی [2] کی شفاء السقام میں ہے اور یا تو وہ ائمہ ثلاثہ امام مالک' امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کی کتابوں

...... روایت صحیح ٹھہرتی ہے' ملاحظہ ہو تفسیر عبدالرزاق ۳:۱۸۲' مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰:۲۵۰' حدیث: ۱۹۶۲۸ ؛ ۱۰:۲۷۶' حدیث ۱۹۷۳۱' تفسیر ابن جریر ۳:۵۱۴-۵۱۵' نص: ۸۲۱۸' بذیل تفسیر سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹۔

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۲:۳۷۳' فصل فی زیارۃ القبور

(۲) علی بن عبدالکافی بن علی بن تمام سبکی انصاری خزرجی ابوالحسن تقی الدین' شیخ الاسلام' مفسر اور مناظر تھے۔ ۶۸۳ھ=۱۲۸۴ء کو ''سبک'' میں پیدا ہوئے جو مصر کے علاقے منوفیہ میں واقع ہے۔ پہلے قاہرہ اور پھر شام کو نقل مکانی کی۔ ۷۳۹ھ کو شام کے قاضی بھی رہے ہیں۔ بیمار ہوئے اور قاہرہ واپس لوٹ آئے جہاں ۷۵۶ھ=۱۳۵۵ء کو وفات پائی۔ [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱۰:۱۳۹' الاعلام ۴:۳۰۲]

سے نقل کرتے ہیں مثلاً شرح مواہب زرقانی (۱)، یافعی (۲)، سیوطی، محب الدین طبری (۳)، نووی (۴) اور قاضی عیاض (۵) وغیرہ۔

یہ سب ہمارے حنفی مشائخ میں سے نہیں کہ ان کا قول ہمارے لیے دلیل بن سکے۔ انہوں نے بھی یا تو کشف کا اور یا خوابوں کا سہارا لیا ہے جیسے یافعی نے ایسا کیا ہے۔

نیز امام عزالدین شافعی (۶) کا قول پیش کیا جاتا ہے کہ: والظَّاهرُ أنَّ الميت يعرف

---

(۱) محمد عبدالعظیم الزرقانی، جامعہ ازہر مصر کے علماء میں سے تھے۔ کلیۃ اصول الدین کے فاضل تھے اور وہیں علوم قرآن مجید اور حدیث کے مدرس مقرر ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ ۱۳۶۷ھ = ۱۹۴۸ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [الاعلام ۶: ۲۱۰]

(۲) عبداللہ بن اسعد بن علی یافعی عفیف الدین، مؤرخ، باحث، صوفی اور شافعی تھے۔ یافع بن حمیر کی نسبت سے یافعی کہلاتے ہیں۔ ۶۹۸ھ = ۱۲۹۸ء کو عدن میں پیدا ہوئے۔ ۷۱۲ھ میں حج کر کے یمن واپس آئے۔ ۷۱۸ھ کو مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں اپنی وفات ۷۶۸ھ = ۱۳۶۷ء تک رہے۔

[الدرر الکامنۃ ۲: ۲۴۷، الاعلام ۴: ۷۲]

(۳) احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری، ابوالعباس، محب الدین۔ حافظ، شافعی فقیہ اور متفنن تھے۔ ۶۱۵ھ = ۱۲۱۸ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت میں شیخ الحرم تھے۔ ۶۹۴ھ = ۱۲۹۵ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ [النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ ۸: ۶۲-۶۳، الاعلام ۱: ۱۵۹]

(۴) یحیٰی بن شرف بن مری بن حسن، نووی، شافعی، ابوزکریا، سوریا کے علاقے حوران کے گاؤں [نوا] میں ۶۳۱ھ = ۱۲۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے دمشق گئے اور طویل مدت تک وہاں اقامت پذیر رہے۔ اپنے ہی گاؤں میں ۶۷۶ھ = ۱۲۷۷ء کو وفات پائی۔

[تذکرۃ الحفاظ ۴: ۲۵۹، الاعلام ۸: ۱۴۹]

(۵) عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو یحصبی، سبتی، ابوالفضل، سبتہ [مغرب] میں ۴۷۶ھ = ۱۰۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں علمائے حدیث کے سرخیل تھے۔ سبتہ کے قاضی [judge] رہے ہیں۔ ۵۴۴ھ = ۱۱۴۹ء کو مراکش میں زہر دے کر قتل کر دیے گئے۔

[وفیات الاعیان ۳: ۴۸۳، الاعلام ۵: ۹۹]

(۶) عبدالعزیز بن عبدالسلام بن ابی القاسم بن الحسن السلمی الدمشقی عزالدین، ان کا لقب سلطان العلماء تھا۔ ۵۷۷ھ = ۱۱۸۱ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ وہاں پلے، بڑھے۔ اجتہاد کے درجہ تک پہنچے ہوئے......

الزائر لأنّا أمرنا بالسّلام عليهم، والشرعُ لا يأمر بخطاب من لاَّ يسمعُ (۲).

"ظاہر یہ ہے کہ میت اپنے زائر کو پہچان لیتا ہے، اس لیے کہ ہمیں قبروں پر سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شریعت اُن لوگوں سے خطاب کا حکم نہیں دیتا جو سنتے نہ ہوں۔"

اب یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ اس قول کا قائل کون ہے؟ حالانکہ امام عز بن عبد السلام شافعی فقیہ ہیں، نیز ہمارے ہاں یہاں سلام سے مراد دعاء اور رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

-سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ . [سورۃ الصافات ۳۷:۷۹]

-سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ . [سورۃ الصافات ۳۷:۱۰۹]

-سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ . [سورۃ الصافات ۳۷:۱۲۰]

-سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلْ یَاسِیْنَ . [سورۃ الصافات ۳۷:۱۳۰]

ان سارے مقامات میں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت مراد ہے اور جب بندوں کی طرف نسبت ہو تو دعاء مراد ہوتی ہے (۱)۔

حافظ ابن قیم نے بہت سے اقوال ذکر کیے ہیں کہ مردے زائرین کے حال کو جانتے ہیں اور یہ تمام اقوال امام ابن ابی الدنیا کی طرف منسوب ہیں یا کشف اور خوابوں پر مبنی ہیں جیسے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی نیند کی حالت، مسلمہ کا عمر بن عبد العزیز، مالک بن دینار، صالح، سہیل اور رجاء بن حیوۃ کو دیکھنا۔ ابن سیرین کو مرنے کے بعد دیکھنا۔ سفیان ثوری، حسن بن صالح،

......شافعی فقیہ تھے۔ دمشق کے زاویہ الغزالی میں تدریس اور جامع اموی میں خطابت کے فرائض دیتے رہے ہیں۔ ۶۶۰ھ=۱۲۶۲ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔

[فوات الوفیات ۱:۶۸۲، ترجمہ: ۲۸۷، الاعلام ۴:۲۱]

(۱) ملا علی قاری لکھتے ہیں: وأمّا في حق الميت فإن الغرض من التسليم عليه أن تشمله بركة السلام والجواب غير منتظر هناك. [مرقاۃ المفاتیح ۴:۴۱۱، تحت حدیث رقم: ۱۹۱۸]

"میت کے حق میں سلام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے بھی سلام کی برکت شامل ہو اور [میت سے] جواب کا انتظار نہیں کیا جاتا۔"

عطاء السلمی، عبدالعزیز بن سلیمان عابدٗ صالح بن بشرٗ عاصم مجددی، فضیل بن عیاض اویس قرنی، مسعر، سلمہ بن کہیل، وفاء بن بشر، عامر بن عبدالقیس، ایوب بن مسکین اور معاذ بن جبل وغیرہ عباد وزہاد علماء کے دیکھنے یا دیکھے جانے کی تمام روایتیں کشف اور خواب ہیں۔ دین کے احکام میں ان کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

[۱۸] حدیث: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ سے استدلال

علامہ طحطاوی نے لکھا ہے: قال في المفتاح: التَّلقينُ على ثلاثةِ أوجهٍ: ففي المحتضر لا خِلاف في حسنه؛ ومابعد انقضاء الدفن لا خلاف في عدم حسنه. والثالث: اختلفوا؛ وهو ما إذا لم يتم دفنه [۱].

''مفتاح میں ہے: تلقین تین طرح کا ہے: پہلی: مُحْتَضَر [۲] کو تلقین کرنے کے حسن ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ دوسری: دفن کے بعد تلقین کے حسن نہ ہونے میں بھی کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور تیسری دفن کی تکمیل سے پہلے کی تلقین کے بارے میں اختلاف ہے۔''

علامہ ابراہیم حلبی نے منیۃ المصلی کی شرح میں لکھا ہے کہ:

والَّذي عليه الجمهور انَّ المرادَ مِنَ الْحديث مَجازُه [۳].

''جمہور کے نزدیک حدیث [میں مَوْتَاكم سے] مجاز مراد ہے [یعنی: قریب الموت]۔''

اسی طرح حاشیۃ الطحطاوی: ۳۲۵ میں بھی ہے [۴]۔

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۲: ۱۹۲، باب احکام الجنائز

(۲) مُحْتَضَر: قریب الموت شخص کو کہتے ہیں۔

(۳) غنیۃ المتملی فی شرح منیۃ المصلی: ۵۷۶، فصل فی الجنائز

(۴) امام طحاوی نے امام زیلعی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: إذِ المرادُ بموتاكم في الحديث مَن قرُبَ مِنَ الْموتِ. [حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۲: ۱۹۲]

''حدیث میں مَوْتَاكُم سے مراد قریب الموت ہیں [نہ کہ مرے ہوئے لوگ]۔''

مجمع الانہر میں موت کے بعد تلقین کی ایک قسم کی نسبت امام شافعی کی طرف کی گئی ہے[1] اور:

وقال أكثر الأئمة والمشايخ: لا يجوز[2].

''اور اکثر ائمہ اور مشائخ نے کہا ہے: جائز نہیں ہے۔''

مراقی الفلاح، فتح القدیر ص ۶۸، ہدایہ ص ۶۸، باب الجنائز میں بھی یہی بیان ہے[3]۔

العنایہ میں ہے: وَالمرادُ: الذي قَرُبَ مِنَ المَوْتِ، دفع لِوَهْم مَنْ يَتَوَهَّمُ أنَّ المراد به قراء ة التلقين على القبر، كماذهب إليه بعضٌ فيكون من باب قوله تعالى: إِنَّكَ مَيِّتٌ، ومَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ[4].

''اس سے مراد قریب الموت شخص ہے، اس میں اُن بعض لوگوں کے وہم کو دور کیا ہے جو اس سے قبر پر تلقین کرنا مراد لیتے ہیں، یہ اِنَّكَ مَيِّتٌ اور مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ کی طرح ہے۔''

الکفایہ میں ہے: هو تسميةُ الشيء باسم مايَؤُولُ إليه كقوله تعالى: إِنِّيْ أَرَانِيْ أَعْصِرُ خَمْرًا أي: عِنَبًا، وقوله عليه السلام: عِشْ ماشِئْتَ فإنَّكَ مَيِّتٌ، وقوله: مَن قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ، وقيل: هو يجري على حقيقته، وهو قول الشافعي رحمة الله عليه لأنه تعالى يُحْيِيهِ، وقد رُوِيَ أنه عليه السلام أمر بتلقين الميت بعد دفنه، وزعموا أنه مذهب أهل السنة، والأول مذهب المعتزلة، إلا أنا نقول: لا فائدة في التلقين بعد الموت، لأنه إن مات مؤمناً فلا حاجة إليه وإن مات كافراً فلا يفيده التلقين[5].

''یہ کسی چیز کا مَا يَؤُولُ إِلَيْهِ کے مطابق نام رکھنے کی طرح ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

---

(۱) علامہ شیخ زادہ لکھتے ہیں: واختلفوا في تلقينه بعد الموت عند الوضع في القبر، فقيل: يُلَقَّنُ، لأنه يُعادُ روحُه وعقله، ويَفهم ما يُلَقَّنُ، وبه قال الشافعي. [مجمع الانہر ا:۲۶۳]

(۲) مجمع الانہر ا:۲۶۳

(۳) الہدایہ ا:۲۰۸، فتح القدیر ۲:۱۰۴، مراقی الفلاح:۲۰۶-۲۰۷

(۴) شرح العنایہ علی الہدایہ، بعلیٰ ہامش فتح القدیر ۲:۱۰۴

(۵) الکفایہ من شرح الہدایہ: ۹۹، مخطوط

اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا۔ [سورۃ یوسف ۱۲:۳۶]

"میں دیکھ رہا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں۔"

یہاں خمر سے انگور مراد ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

عِشْ مَا شِئْتَ فَاِنَّكَ مَیِّتٌ (۱).

"جتنی زندگی گذارنا چاہو، گذارو، تم میت ہو۔"

مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ (۲).

"جس نے کسی مقتول کو مارا تو اُسے اس کا سامان ملے گا۔"

یعنی قرآن مجید کی آیت کریمہ اور حدیث نبوی میں خمر، میت اور قتیل باعتبار مَا یَؤُلُ اِلَیْهِ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حقیقت پر مبنی ہے۔ امام شافعی کا یہی قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میت کو زندہ کرتے ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میت کو دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا ہے۔ جس سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اہل سنت کا مذہب یہی ہے اور پہلا مذہب معتزلہ کا ہے ہم کہتے ہیں کہ موت کے بعد تلقین کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اگر ایمان کی حالت میں مرا ہے تو اس کو اس کی ضرورت ہی نہیں اور اگر کافر مرا ہے تو اس کو تلقین فائدہ ہی نہیں دیتی۔"

[۱۹] عدم سماع موتیٰ اور باب الیمین

ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ مردوں کے سننے کی نفی فقہاء کی کتابوں میں باب الیمین میں مذکور ہے اور قسموں کی بنیاد عرف پر ہے مردوں کے نہ سننے پر نہیں۔

جواب: میں کہتا ہوں کی یہ اُن کے تفقہ کی خرابی اور دین کی کتابوں سے بے خبری کا نتیجہ

---

(۱) المعجم الأوسط ۳:۱۸۸، حدیث: ۴۲۷۸، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب اللخمی الطبرانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ = ۱۹۹۹ء

(۲) اس حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں: مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا لَهٗ عَلَیْهِ بَیِّنَةٌ فَلَهٗ سَلَبُهٗ.
[صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس [۵۷] باب من لم یخمس الاسلاب [۱۸] حدیث: ۳۱۴۲]

ہے۔ اس لیے کہ:
۔ مفسرین اس کو آیت کی تفسیر کے تحت ذکر کرتے ہیں جیسے جامع التفاسیر میں ہے (۱)۔
فقہاء کرام نے اس کو کئی جگہوں میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً:
۔ باب التلقین میں؛ جیسا کہ فتح القدیر باب الجنائز میں ہے۔
۔ میت پر صلوٰۃ الجنازہ کے وقت مثلاً: أن لا ينوي الميت في السّلام لأنّه ليس أهلاً لذلك.

''سلام میں میت کی نیت نہ کرے کیونکہ اس میں اس کی اہلیت نہیں ہے۔''

جیسا کہ علامہ شامی نے باب الجنائز میں فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ ظہیریہ اور جوہرۃ النیرۃ کے حوالے سے لکھا ہے (۲)۔

۔ فقہاء قسم کے باب میں علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مردہ نہیں سنتا یہ نہیں کہتے کہ قسم منعقد نہیں ہوتی اور مردہ کے سننے کی وجہ سے حانث نہیں ہوتا عرف تو یہی ہے کہ مردہ نہیں سنتا۔

یہ لوگ اسے کیسے دلیل بناتے ہیں؟ عدم سماع موتی کا ذکر تو علم کلام میں عذاب قبر کے ثبوت میں بھی ہے اور وہاں سماع موتی کا جواب بھی دیا ہے۔

علامہ تفتازانی نے شرح المقاصد میں فرمایا: وَلَا نَزَاعَ فِيْ أَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ (۳).

''اور مُردوں کے نہ سننے میں کوئی اختلاف نہیں۔''

اسی طرح دیگر علماء نے بھی کہا ہے اور وہاں تو قسم کے باب کا بھی ذکر نہیں ہے۔

---

(۱) جامع التفاسیر: ۱۱۰، مطبوعہ نظامی پریس دہلی، ہند
(۲) رد المحتار علی در المختار، ۳: ۱۴۳، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک
(۳) شرح المقاصد ۳: ۳۶۵

فصل چہارم

سماع موتیٰ کے بارے میں فقہائے احناف کے ارشادات

امام ابن ہمام فرماتے ہیں: إذا حلف لا یکلمه اقتصر علی الحیاۃ فلو کلمه بعد الموت لا یحنث لأن المقصود منه الإفهام، و الموت ینافیه، لأنه لا یسمع فلا یفهم (۱)۔

"اگر کوئی قسم کھائے کہ اس کے ساتھ بات نہیں کروں گا تو یہ [اس شخص کی] زندگی تک محدود رہے گا اگر اُس کے مرنے کے بعد اُس سے بات کی تو اس سے حانث نہیں ہوگا کیونکہ کلام کا مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس کے منافی ہے۔ مردہ سنتا نہیں اس لیے سمجھتا بھی نہیں۔"

اور امام موصوف نے باب الجنائز میں لکھا ہے کہ: عندَ أکثر مشایخنا هو أن المیّت لا یسمَع عندهم علی ما صرّحوا في کتاب الأیمان (۲)۔

"ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک مردہ نہیں سنتا جیسا کہ انہوں نے کِتابُ الأیمان میں تصریح کی ہے۔"

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ:

وأمّا الکلامُ فإن المقصود منه الإفهامُ والمَوتُ یُنافیه (۳)۔

"کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس کے منافی ہے۔"

قبر میں معذب شخص کے بارے میں علامہ شامی لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) فتح القدیر ۵: ۱۹۵، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل

(۲) فتح القدیر ۲: ۱۰۴، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز

(۳) ردالمحتار علی درالمختار ۳: ۱۴۳، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک

تُوضَع فیه الحَیَات عندَ العامة بقدر مایُحِسُّ بالألم[1].

”عام علماء کے نزدیک اس [میت] میں اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے، جس سے وہ درد والم محسوس کرتا ہے۔“

امام مرغینانی: صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ: ومَن یُعَذَّبُ في القبرِ تُوضَع فیه الحَیاۃ في قول العامة[2].

”عام علماء کے قول کے مطابق جس کو عذاب دی جاتی ہے، اُس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔“

اور فتح القدیر میں ہے کہ: ولِذا کان الحق أنّ المیتَ المُعَذَّبَ في قبره توضَع فیه الحیاۃ بقدر ما یُحِسُّ بالألم، و البِنْیَةُ لیست بشرط عند أهل السنة حتی لو کان متفرق الأجزاء بحیث لا تتمیز الأجزاء، بل هی مختلطة با لتُّراب فعُذِّبَ جعلت الحیاۃُ في تلك الأجزاء التي لا یأخذها البصر، و إن الله علی ذلك لَقَدِیْرٌ[3].

”حق یہ ہے کہ جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، اُس میں اتنی حیات ڈال دی جاتی ہے جس سے وہ الم اور درد کا احساس کر سکے۔ اہل سنت کے نزدیک اس کے لیے جسم کا صحیح وسالم ہونا شرط نہیں، یہاں تک کہ اگر اُس کے اجزاء متفرق ہوں بلکہ مٹی میں بھی ملے ہوئے ہوں اور اُسے عذاب دینا ہو تو آنکھ سے نظر نہ آنے والے اجزاء میں بھی اس قدر حیات ڈال دی جاتی ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔“

اور الکفایہ میں ہے کہ: إنّ المقصودَ من الکلام: الإفهامُ، و ذا بالإستماع، و ذا لا یتحقّقُ بعد المَوت[4].

---

(۱) رد المحتار علی در المختار ۳: ۱۴۳، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک
(۲) الہدایہ شرح بدایۃ المبتدی ۴: ۶۲، کتاب الایمان، باب الیمین فی القتل والضرب
(۳) فتح القدیر ۵: ۱۹۳-۱۹۴، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیرہ
(۴) الکفایہ من شرح الہدایہ ۲: ۵۶۰

''کلام کا مقصد سمجھانا ہے، جو سننے سے ہوتا ہے اور موت کے بعد یہ [سننا] متحقق نہیں ہوتا۔''

پھر قلیب بدر کی حدیث سے بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ: کان ذلك معجزة لرسول الله ﷺ وقیل: المقصودُ: الوعظُ للأحیاءِ، لا إفهامُ الموتی؛ ونظیره ما روي أنّ علیاً رضی اللہ عنہ کان إذا أتی المقابر قال: علیکم السلام دِیارَ قومٍ مُؤمنینَ؛ أمّا نساؤ کم فقد نُکِحَتْ وأمّا أموالکم فقد قُسِمَتْ؛ وأمّا دُوْرُکُمْ فقد سُکِنَتْ؛ فهذا خبر کم عندنا، فما خبرنا عندکم؟ ...... وکان ذلك علی سبیل الوعظ للأحیاءِ، لا علی سبیل الخطاب للجمادات و الموتی...... وبعدالموت یُزارُ قبره، لا هو، لأنّ من طاف ببیتِ رجلٍ لم یعد زائراً له (۱).

''یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مقصود زندہ لوگوں کو نصیحت کرنا تھا اس کا مقصد مردوں کو سمجھانا نہیں تھا۔ اس کی مثال اور نظیر یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب مقبرہ تشریف لے جاتے تو سلام کرنے کے بعد فرماتے کہ تمہاری عورتیں دوسروں کی نکاح میں آئیں۔ تمہارے مال تقسیم کیے گئے اور تمہارے گھروں میں دوسرے لوگوں نے رہائش اختیار کی۔ ہمارے پاس تو تمہاری یہی خبر ہے، تمہارے پاس ہماری کیا خبر ہے؟...... یہ زندہ لوگوں کے لیے وعظ ونصیحت کے طور پر تھا۔ جمادات اور مردوں کو خطاب کرنے کے طور پر نہیں تھا...... اور مرنے کے بعد قبر کی زیارت کی جاتی ہے مردے کی نہیں، اس لیے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر کے باہر چکر کاٹے تو کوئی بھی اُسے گھر والے کی زیارت کرنے والا نہیں کہے گا۔''

اور العنایۃ میں ہے کہ: لأن المقصودَ من الکلام: الإفهامُ، والموتُ یُنافِیه، والمرادُ بالدخول علیه زیارته، وبعدالموت یُزارُ قبره لا هو (۲).

---

(۱) الکفایۃ من شرح الهدایۃ ۲: ۵۶۰-۵۶۱

(۲) شرح العنایۃ علی الهدایۃ، علیٰ ہامش فتح القدیر ۵: ۱۹۵

''کلام سے مقصد کسی کا سمجھانا ہوتا ہے اور موت اس [افہام یعنی سمجھانے] کے منافی ہے۔
میت کے پاس جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی زیارت کی جائے اور موت کے بعد قبر کی زیارت کی جاتی ہے مردے کی نہیں کی جاتی۔''

الہدایۃ اور عینی شرح صحیح بخاری کی عبارتیں پہلے گذر چکی ہیں۔

محقق دوانی [۱]، سید شریف جرجانی، امام رازی، علامہ ابوسعود حنفی اور سعد تفتازانی کا شرح القاصد میں یہی قول ہے۔ علامہ چلپی نے حاشیۃ الہدایۃ میں علامہ نسفی [۲] کے الوافی کی شرح الکافی کے حوالے سے لکھا ہے کہ: أنها كان مخصوصاً به ﷺ [۳].

''یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی۔''

شیخ المشائخ مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی [۴] نے فرمایا ہے کہ:

نزد اکثر حنفیہ سماعتِ اموات ثابت نیست [۵]۔

''اکثر حنفیہ کے نزدیک مردوں کا سننا ثابت نہیں ہے۔''

اور مراقی الفلاح میں ہے کہ: وحمل أكثر مشايخنا إيَّاهُ عَلَى المجاز أي: مَنْ قَرُبَ

---

(۱) محمد بن اسعد الصدیق الدوانی، جلال الدین، قاضی، باحث اور فلسفی تھے۔ گازرون کے دوان نامی گاؤں میں ۸۳۰ھ = ۱۴۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ شیراز میں رہائش اختیار کی۔ فارس میں قاضی رہے ہیں اور فارس ہی میں ۹۱۸ھ = ۱۵۱۲ء کو وفات پائی۔ [البدر الطالع ۲: ۱۳۰، الاعلام ۶: ۳۲]

(۲) عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی، ابوالبرکات، حنفی فقیہ اور مفسر قرآن تھے۔ ان کی نسبت نَسَف کی طرف ہے، جو دریائے جیحون اور سمرقند کے درمیان واقع ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل، کنز الدقائق، المنار، کشف الاسرار، الوافی اور الکافی جیسی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۷۱۰ھ = ۱۳۱۰ء کو وفات پائی۔
[تاج التراجم: ۱۷۴-۱۷۵، ترجمہ: ۱۲۲، الجواہر المضیۃ ۱: ۲۷۰، الاعلام ۴: ۶۷]

(۳) حاشیۃ المحقق سعد اللہ بن عیسیٰ چلپی، ہامش فتح القدیر ۵: ۱۹۶

(۴) محمد اسحاق بن محمد افضل، عمری: شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور خلیفہ تھے۔ ۱۱۹۷ھ = ۱۷۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ اور مکہ مکرمہ میں ۱۲۶۲ھ = ۱۸۴۶ء میں فوت ہوئے۔ [نزہۃ الخواطر ۷: ۵۹-۶۰]

(۵) مأۃ مسائل: ۵۱، سوال: ۲۶، شاہ محمد اسحاق، مطبع نامی منشی نول کشور، ہند، بدون تاریخ

مِنَ الْمَوتِ،مبناه على أنّ الميّتَ لايَسمَع عندهم[1].

''ہمارے اکثر مشائخ نے اسے مجاز پر حمل کیا ہے،یعنی وہ شخص جو قریب الموت ہو۔اس کی بنیاد اُن کے نزدیک اس پر ہے کہ مردے نہیں سنتے۔''

امام طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں فرمایا ہے کہ: لأنّ الميتَ لَا يَسمعُ و لَايَفهَم[2].

''اس لیے کہ مردہ نہ سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔''

شرح الفقہ الاکبر میں بحث ایصال ثواب میں ہے کہ: لأنّ المَيّتَ لَايسمَعُ بنفسه[3].

''میت خود نہیں سنتا۔''

علامہ طحطاوی نے حاشیہ نور الایضاح میں لکھا ہے: قوله: مبناه على أن الميت لا يسمع عندهم، على ما صرَّحوا به في كتاب الأيمان: لو حلف لَا يُكَلِّمُهُ فَكَلَّمَهُ ميتاً، لا يحنث لأنها تنعقد على من يفهم، والميت ليس كذلك لعدم السماع، قال الله تعالى: ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾[4] وقال: ﴿إِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾[5]، وهذا تشبيه لحال الكفار في عدم إذعانهم للحق بحال الموتى، وهو يفيد تحقيق عدم سماع الموتى إذ هو فرعه[6].

''اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ احناف کے نزدیک مردے نہیں سنتے جیسا کہ انہوں نے کتاب الایمان میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی قسم اُٹھائے کہ فلاں شخص سے بات نہیں کروں گا اور اُس کے مرجانے کے بعد اُس سے بات کی تو حانث نہ ہوگا اس لیے کہ حانث تب ہوگا

---

(۱) مراقی الفلاح: ۲۰۷، باب احکام الجنائز

(۲) طحطاوی حاشیہ الدر المختار ۲: ۳۸۳

(۳) شرح الفقہ الاکبر: ۱۳۰

(۴) سورۃ فاطر ۳۵: ۲۲

(۵) سورۃ النمل ۲۷: ۸۰

(۶) حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۲: ۱۹۴

جب اُسے فہم اور سمجھ ہو لیکن مردہ نہیں سنتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔" اور "تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔" ان آیتوں میں کفار کے حال کی تشبیہ حق پر یقین وقبول نہ کرنے کی بنا پر مردوں کے ساتھ دی ہے جو اس کی فرع عدم سماع موتی کے یقینی ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔"

اس کے بعد حدیث قلیب بدر سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: إن السماع يستلزم الحياة وهي مفقودة، وإنما تجيء عند السوال وتمامه في الشرح [1].

"سماع، حیات کو مستلزم ہے جو یہاں مفقود ہے۔ وہ [حیات] تو سوال کے وقت آتی ہے، اس کی پوری تفصیل شرح میں موجود ہے۔"

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: المقصودُ في الكلام: الإفهامُ والموت يُنَافِيهِ [2].

"کلام کا مقصد سمجھانا ہے اور موت اس کے منافی ہے۔"

مأۃ مسائل میں ہے کہ: نزد اکثر حنفیہ سماعت موتی ثابت نیست، چنانچہ از کتاب کافی شرح وافی وفتح القدیر حاشیہ ہدایہ صراحۃ واشارۃ کہ قریب بتصریح است واز مستخلص شرح کنز وعینی شرح کنز وکفایہ شرح ہدایہ معلوم میشود چنانچہ عبارات آنہا مرقوم میشود ودر دیگر کتب ہم موجود بنا بر طول عبارت بر نقل عبارت ایں پنج کتاب اکتفا نمودہ شد [3]۔

"اکثر حنفیہ کے نزدیک سماع موتی ثابت نہیں ہے چنانچہ کافی شرحِ وافی اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں صراحۃً اور اشارۃً مذکور ہے جو کہ تصریح کے قریب ہے۔ مستخلص شرح کنز اور کفایہ شرح ہدایہ سے یہی معلوم ہوتا ہے جن کی عبارتیں لکھی جا چکی ہیں اسی طرح دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے۔ طوالتِ عبارت کی وجہ سے ان ہی پانچ کتابوں کی عبارت کی نقل پر اکتفا کیا

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۲: ۱۹۳
(۲) مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ۲: ۳۲۵، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک
(۳) مأۃ مسائل: ۵۱، سوال: ۲۶

جاتا ہے۔"

علامہ زیلعی (۱) لکھتے ہیں کہ: رجلٌ قال: إن ضَرَبْتُك و كَسَوتُك و كَلَّمْتُك و دَخلتُ عليك فعبدي حُرٌّ، يَتَقَيَّدُ بالحياة حتى لو فعل هذه الأشياءَ بعد موت المخاطَبِ لم يحنث لأنَّ هذه الأشياءَ لا تَتَحَقَّقُ في الميت، لأنَّ الضرب اسمٌ لفعلٍ مؤلِمٍ يتصلُ بالبدنِ، وبعدالموت لا يُتصوَّرُ ذلك، ومَن يعذَّبُ في القبر توضَعُ فيه الحياةُ في الصَّحيحِ، وإن اختلفوا في كيفية تلك الحياة (۲).

"اگر کسی نے کہا اگر میں تجھے ماروں۔ تجھے کپڑے پہناؤں۔ تیرے ساتھ بات کروں یا تیرے پاس آؤں تو یہ سب کام مخاطب کی زندگی کے ساتھ مقید ہوں گے۔ اگر یہ کام اُس کی موت کے بعد کر لیے تو حانث نہیں ہوگا کیوں کہ یہ چیزیں میت میں متحقق نہیں اس لیے کہ ضرب [زدوکوب کرنا] اُس تکلیف دہ فعل کا نام ہے جو بدن سے متصل ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کا کوئی تصور نہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ معذب شخص میں روح ڈال دی جاتی ہے اگرچہ اس حیات کی کیفیت میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔"

ہم اصل عذاب کو مانتے ہیں اور اس کی کیفیت میں سکوت کرتے ہیں اس لیے کہ ہم پر تو احادیث میں وارِد موت اور اُس کے بعد تنعیم وتعذیب کی تصدیق واجب ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں اگرچہ عام علماء کے نزدیک اس میں کن وجہ حیات ڈالی جاتی ہے۔

---

(۱) عثمان بن علی بن محجن، فخر الدین زیلعی، حنفی فقیہ ہیں۔ ۷۰۵ھ کو قاہرہ آ گئے جہاں فتویٰ اور تدریس کے فرائض عرصہ تک انجام دیتے رہے۔ ۷۴۳ھ=۱۳۴۳ء کو قاہرہ ہی میں فوت ہوئے۔

[تاج التراجم: ۲۰۴، ترجمہ: ۱۶۰، الاعلام ۴: ۲۱۰]

(۲) تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۳: ۱۵۲۳، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک

علامہ اکمل الدین بابرتی (۱) لکھتے ہیں کہ: إن قال: إن كسوتُكَ فعبدي حُرٌّ فكساهُ بعد الموتِ لا يحنث، لأنه يرادُ به أي: بالكسوةِ على تأويل الإكساءِ، ومنه الكسوة في الكفارةِ، وهو من الميتِ لا يتحقّقُ، إلّا أن ينوي به أي بالكسوةِ السَّتْرَ فحينئذٍ يحنث (۲).

"اگر کوئی قسم اُٹھا کر کہے کہ اگر میں نے تمہیں کپڑا پہنایا تو میرا غلام آزاد ہوگا اور اُسے مرنے کے بعد کپڑا پہنایا تو حانث نہیں ہوگا اس لیے کہ کسوۃ سے مراد یہاں اِکساءٌ ہے جیسا کہ کفارۂ یمین میں ہے اور وہ میت میں متحقق نہیں، البتہ اگر اس کا ارادہ ''ستر'' کا ہو تو پھر حانث ہوگا۔"

مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی نے فتح القدیر، الکفایۃ شرح الہدایۃ اور مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق کی عبارات نقل کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے حنفی فقہاء نے عدم سماعِ موتی کی تصریح کی ہے اور کوئی بھی سماعِ موتی کا قائل نہیں ہے۔ سماعِ موتی ثابت کرنے والے دیگر مذاہب کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی مواضعِ مخصوصہ میں ہی قائل ہیں اور اس کے قائلین بھی بہت تھوڑے ہیں۔

مردوں کے سننے سے مبتدعین جو استشفاع ثابت کرنا چاہتے، اس کا قائل ائمہ اسلام میں سے کوئی ایک بھی نہیں بلکہ یہ امورِ محدثہ میں سے ہے۔ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی کسی بھی مردہ کے پاس سفارش اور وسیلہ بنانے کی غرض سے پکارنے، نقصان کو دور کرنے اور فائدہ حاصل کرنے کے لیے نہیں گیا۔ اور وہ جاتے بھی کیسے؟ جب

---

(۱) محمد بن محمد بن محمود، علامۃ المتاخرین، خاتمۃ المحققین، اکمل الدین بابرتی۔ بڑے نیک کار اور صالح تھے۔ کئی مفید اور قیمتی کتابیں لکھیں۔ ۱۹ رمضان ۷۸۶ھ کو جمعہ کی رات وفات پائی۔
[تاج التراجم: ۲۷۶، ترجمہ: ۲۵۸]

(۲) شرح العنایۃ علی الہدایۃ، ہامش فتح القدیر ۵: ۱۹۴-۱۹۵، اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی، دار الفکر، بیروت، بدون تاریخ

کہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے احوال و اقوال اور صحابہ کرام ﷺ کے دقیق و جلیل اقوال و فرامین یاد تھے۔ کسی بھی صحیح بلکہ ضعیف حدیث میں صحابہ کرام ﷺ کا مردوں سے استشفاع ثابت نہیں بلکہ انہوں نے تو اس سے بچنے کا کہا ہے۔ اگر کوئی شخص اسلامی کتابوں کا ورق ورق الٹ کر اور سطر سطر ملاحظہ کرے، تب بھی اُسے اِس بارے میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔

سیدنا عمر ﷺ کے دور خلافت میں مسلمانوں نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب ﷺ کے دعاء کے وسیلہ سے بارش مانگی اور سیدنا عمر ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا(۱)

''اے اللہ! بے شک پہلے ہم اپنے نبی ﷺ سے دعائے استسقاء کی اپیل کیا کرتے تھے تو [اُن کی دعاء کے نتیجے میں] تو ہم پر بارش برسا دیتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی کے ﷺ کے چچا [کی دعاء] کے ذریعے سے بارش کی التجا کرتے ہیں سو تو ہم پر بارش برسا دے۔''

مگر وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس استشفاع کے لیے نہیں گئے حالانکہ آپ ساری مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی پسندیدہ تھے اور صحابہ کرام ﷺ رسول اللہ ﷺ کی محبت سے سرشار تھے۔ اسی طرح سیدنا معاویہ ﷺ(۲) اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعاء مانگی(۳) اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام اذا قحطوا [۳] حدیث: ۱۰۱۰، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب ذکر العباس بن عبدالمطلب ﷺ [۱۱] حدیث: ۳۷۱۰

(۲) معاویہ بن ابی سفیان: صخر بن حرب رضی اللہ عنہما ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف القرشی الاموی۔ ۲۰ قبل ہجری = ۶۰۳ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، شام میں دولتِ اموی کے بانی مبانی ہیں۔ فتح مکہ سے قبل صلح حدیبیہ کے سال اسلام قبول کیا۔ وحی کے کاتب رہے ہیں۔ ۶۰ھ = ۶۸۰ء کو وفات پائی۔
[اسد الغابۃ: ۱۱۴۵، ترجمہ: ۴۹۸۶، الاعلام ۷: ۲۶۱]

(۱) سیدنا معاویہ ﷺ کے عہد میں: إن السماء قحطت فخرج معاوية بن أبي سفيان ﷺ وأهل دمشق يستسقون فلما قعد معاوية ﷺ على المنبر قال: أين يزيد بن الأسود الجُرَشي؟ فناداه......

ہی سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔

نیز مردوں کے نہ سننے پر نصوص قرآنیہ براہینِ قاطعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ○ [سورۃ النحل ۱۶: ۲۰-۲۱]

''اور وہ جن لوگوں کو اللہ کے بغیر پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ مردے ہیں، زندے نہیں اور انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ

...... الناس فأقبل يتخطى الناس، فأمره معاوية رضي الله عنه فصعد على المنبر فقعد عند رجليه فقال معاوية رضي الله عنه: أللهم إنا نستشفع اليك اليوم بخيرنا وأفضلنا، أللهم إنا نستشفع اليك اليوم بيزيد بن الأسود الجرشي. يا يزيد! إرفع يديك إلى الله، فرفع يديه، و رفع الناس أيديهم فما كان أوشك أن ثارت سحابة في الغرب كأنها ترس، و هَبَّتْ لها رِيح، فسُقِيْنَا حتى كاد الناس أن لا يبلغوا منازلهم. [المعرفة والتاريخ ۲: ۲۲۱، اقتضاء الصراط المستقیم ۲: ۲۹۱-۲۹۲]

''خشک سالی شروع ہوئی، قحط کا سماں ہونے لگا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل دمشق استسقاء کے لیے باہر نکلے۔ آپ منبر پر بیٹھ گئے اور پوچھا کہ یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں آواز دی، وہ آگئے اور منبر پر چڑھ کر ان کے پاؤں میں بیٹھ گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعاء کی: یا اللہ! آج ہم تجھ سے اپنے میں سے بہتر شخص یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ کی دعاء کے وسیلے سے سوال کرتے ہیں۔ یزید! اللہ کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھائیے یزید نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے بھی ساتھ ہاتھ اٹھا لیے۔ راوی کہتا ہے کہ مغرب میں ایک ڈھال کے برابر بادل نمودار ہوا، آندھی چلی اور اتنی تیز بارش ہوئی کہ لوگوں کو اپنے گھروں کو جانے میں دقتیں اور مشکلات پیش آئیں۔''

حافظ ابوزرعہ دمشقی نے اس واقعہ کو باسند مختصر نقل کیا ہے۔ [تاریخ ابوزرعۃ الدمشقی: ۶۰۲، نص: ۱۷۰۳]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ [الاصابہ ۳: ۶۷۳، بذیل ترجمہ: ۹۳۹۳]

كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ [سورۃ الاعراف ۷:۹۵-۹۶]

''بے شک جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں ان کو پکارو، انہیں چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کو قبول کر لیں اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے ساتھ وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتے ہیں یا آنکھیں ہیں جن کے ساتھ وہ دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن کے ساتھ وہ سنتے ہیں کہو کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ پھر سب مل کر میرے [مقابلے] کے لیے کوئی تدبیر کرو اور مجھے مہلت نہ دو۔''

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ: وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ [سورۃ فاطر ۳۵:۱۲]

''زندے اور مردے برابر نہیں۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے سنا دیتا ہے، اور تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔''

اور فرمایا کہ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○ [سورۃ المؤمن ۴۰:۶۰]

''اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ تم مجھے ہی پکارو، میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

یہ بھی فرمایا کہ: هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ [سورۃ المؤمن ۴۰:۶۵]

''وہ اللہ [ہمیشہ] زندہ ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی کو پکارو، اُس کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے۔''

یہ بھی فرمایا کہ: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ [سورۃ الاحقاف ۴۶:۵]

''اور اُس سے بڑا گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا اُن کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کو جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔''

قسم دوم

فصل اول: شرک کے اسباب
فصل دوم: معترضین کے اعتراضات
فصل سوم: مسئلہ وسیلہ
فصل چہارم: اَلْبَیِّنَاتُ فِيْ قَطْعِ الشُّبُهَاتِ لِمَنْ يَّدْعُو الْأَمْوَاتَ
فصل پنجم: فضائل اعمال، اماکن اور قبور کے بارے میں جھوٹی باتیں

فصل اول

شرک کی حقیقت اور اسباب

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اُس کی توفیق سے ہم نے اپنا مقصد ایسے قطعی دلائل سے ثابت کردیا ہے جن پر یقین کرنا ضروری ہے۔ اب ہم اُن دلائل سے بحث کرتے ہیں جن کی بنا پر یہ لوگ سماعِ موتی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس مسئلہ سماعِ موتی کی بنیاد پر یہ لوگ اپنی ضروریات کے پورا کرنے اور تکالیف کو دور کرنے کے لیے اموات سے مخاطب ہوکر ان سے وہی کچھ مانگتے ہیں جو بتوں اور مورتیوں کے پجاری اپنے بتوں اور مورتیوں سے مانگا کرتے تھے اور ان کے قبروں کے پاس اعتکاف کی نیت سے مجاور بنتے ہیں۔ اُن کی قبروں پر پردے لٹکاتے اور حجر اسود کی طرح ان کو بوسہ دیتے ہیں۔ ان کی مجاوری کو مساجد میں اعتکاف کے مقابلے میں افضل سمجھتے ہیں اور ان پر مشاہد کی تعمیر اور عرس کو افضل ترین ثواب کا ذریعہ سمجھتے ہیں حتی کہ انہوں نے اہل کتاب سے بھی بڑھ کر غلو کیا اور مجوس[1] مانوی[2] اور دیصانی[3] فرقوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو معبود بنا کر اُس کے

---

(١) مجوس فارسی نام ہے' ان سے مراد زردشتی ہیں جو آتش پرست تھے۔ [المعرب والدخیل: ٢٠٢]

(٢) مشہور تعقل پسند مانی بن فاتک کے پیروکار "مانوی" کہلاتے ہیں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد شاپور ابن اردشیر کے زمانہ میں ظاہر تھا۔ اسے بہرام بن ہرمز نے قتل کیا تھا۔ اس نے مجوسیت اور نصرانیت کو ملا کر ایک نیا دین بنایا تھا۔ یہ شخص سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا قائل اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا قائل نہیں تھا۔ [الملل والنحل: ١٩٨، فصل دوم]

(٣) دیصان کے پیروکار، جو دو اصول: روشنی اور اندھیرے کے قائل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ خیر کا خالق، نور اور شر کا خالق اندھیرا ہے۔ [الملل والنحل: ٢٠٢، فصل دوم]

ساتھ ان کو شریک ٹھہرایا جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے تو شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑنے اور اس کے مادہ ہی کو ختم کرنے کے لیے رسولوں کو بھیجا۔ اسی فساد کو ختم کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مقبرہ میں نماز پڑھنے سے مطلقاً روکا ہے اگر چہ نمازی اس زمین کی برکت کا قصد نہ کرے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے بت پرستوں سے مشابہت کی بنا پر تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح قبروں پر مسجدیں بنانے ان پر چراغاں کرنے، اہل قبور کو پکارنے، قبروں پر عمارات اور گنبد بنانے اور ان کی طرف سامانِ سفر باندھ کر جانے سے روکا ہے۔ ان لوگوں نے ان سب چیزوں کو بالکل بھلا دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ترک کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اتباع رسول کو چھوڑ دیا اور اپنے پاس سے ایسی شریعت بنا ڈالی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا حالانکہ عبادات کی بنیاد اتباع سنت پر ہے خواہشات اور اتباع بدعت پر نہیں۔

آپ آج کل اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت میں قبروں کے پاس نماز پڑھنا، قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، ان پر چراغ، قندیلیں اور شمعیں جلانا اور گنبد بنانا دیکھ رہے ہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو ان چیزوں کے مٹانے کے لیے بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ: وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ (۱).

---

(۱) ابو الہیاج اسدی [ایک فوجی آفیسر] کہتے ہیں: مجھے سیدنا علی بن ابی طالب ؓ نے فرمایا کہ: أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ. [صحیح مسلم، کتاب الجنائز [۱۱] باب النہی عن تجصیص القبر والبناء علیہ [۳۲] حدیث: ۹۳-[۹۶۹] سنن ترمذی، کتاب الجنائز [۸] باب ما جاء فی تسویۃ القبور [۵٦] حدیث: ۱۰۴۹.

''کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا کہ کوئی بت مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑنا مگر یہ کہ اس کو برابر کر دینا۔''

امام ترمذی اس حدیث کے بعد امام شافعی کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں: أكرهُ أن يُرفع القبرُ إلَّا بقدر ما يُعرفُ أنه قبرٌ لكيلا يُوطأ ولا يُجلس عليه. [سنن ترمذی ۳: ۳٦۷] ......

''جو بھی اونچی قبر نظر آئے اس کو [دوسری قبروں کے] برابر کردو۔''

ان لوگوں پر تعجب ہے جو درباروں پر حدیث کا درس دیتے ہیں اور ان منکرات کو دیکھ کر بھی خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی کو لینے اور دین کو چند گنے چنے درہموں کا ذریعہ بنانے کی وجہ سے ہے۔

فضیل بن عیاض (۱) نے فرمایا ہے کہ: لأنْ أطلب الدنیا بطبل و مزمار أحبُّ إليَّ من أن أطلبها بالعبادة (۲).

''مجھے طبلہ اور سارنگی سے دنیا طلب کرنا عبادت کو ذریعۂ دنیا بنانے سے زیادہ محبوب ہے۔''

اور علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کنتم مَعشَرَ العلماء سُرُج البلاد یُستَضاء بکم فصرتم ظُلمَۃً و کنتم نحومًا یُهتَدَی بکم فصِرتم حیرۃً ثم لایستحیی أحد کم أن یأخذ مال هو لاء الظَّلَمَۃ ثم یسند ظهره یقول: حدثنا فلان عن فلان فقال سفیان: لئن کنا لسنا بصالحین فإنا نُحِبُّهُم (۳).

......''میں اتنی مقدار میں قبر کو اونچا بنانا جائز سمجھتا ہوں، جس سے اس کا قبر ہونا معلوم ہو، تاکہ اسے پامال نہ کیا جائے اور کوئی اس پر نہ بیٹھے اور اتنی مقدار سے زیادہ مکروہ سمجھتا ہوں۔''

اور امام علاء الدین ماردینی حنفی لکھتے ہیں: إلاّ سوّیته أي: بالقبور المُعتَادۃ.

[الجوہر النقی علی سنن الکبریٰ ۴:۳]

''برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ان عام قبروں کے ساتھ برابر کردیا جائے، جن کا شریعت سے ثبوت ہو چکا ہے۔''

(۱) فضیل بن عیاض بن مسعود تمیمی یربوعی ابو علی شیخ الحرم۔ عابد اور صالح تھے۔ حدیث میں ثقہ تھے۔ امام شافعی کے استاذ رہے ہیں۔ ۱۰۵ھ = ۷۲۳ء کو سمرقند میں پیدا ہوئے۔ ابیورد میں پلے بڑھے۔ جب بڑے ہوئے تو کوفہ چلے گئے۔ بنیادی طور پر تعلق کوفہ ہی سے تھا۔ مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی اور وہاں ۱۸۷ھ = ۸۰۳ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴: ۴۷-۵۰، ترجمہ: ۵۳۱، الاعلام ۵: ۱۵۳]

(۲-۳) صفۃ الصفوۃ: ۳۸۸، ترجمہ: ۲۱۸، جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی، تحقیق: خالد طرسوی، دار الکتاب العربی ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء

”اے علماء کی جماعت! تم شہروں کے لیے چراغوں کی مانند تھے جن سے روشنی حاصل کی جاتی تھی تو تم نے تاریکی کی صورت اختیار کرلی۔ تم خود ہدایت کے ستاروں کی طرح تھے مگر تم بے نور ہوگئے پھر بھی تم میں سے کوئی نہیں شرماتا کہ ان ظالموں کا مال لے کر تکیہ کے ساتھ ٹیک لگا کر حَدَّثَنَا فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ کہتا ہے۔ سفیان نے کہا: ہم اگرچہ خود صالحین میں سے نہیں ہیں مگر ہم ان سے محبت تو کرتے ہیں۔“

اس خسیس اور بے وقعت دنیا کی وجہ سے انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا۔ عمری (۱) نے کہا ہے کہ:

مَن ترك الأمرَ بالمعروفِ والنَّهيَ عن المنكرِ مِن مَخافةِ المخلوقين نُزِعَت منهُ هيبةُ اللّٰه تعالى، فلو أمرَ بعضَ ولده أو بعضَ مواليه لاستَخَفَّ به (۲).

”جس نے مخلوق کے ڈر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دیا تو اس سے [اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا] رعب سلب کرلیا جاتا ہے اور اگر وہ اپنے بیٹے یا کسی نوکر چاکر کو کسی کام کا امر دے، وہ بھی اس کا مذاق اڑائے گا۔“

یہ بات بالکل سچ اور درست ہے جس کا ہم مدارس کے طلبہ میں مشاہدہ کرتے ہیں۔

سعید بن مسیب نے فرمایا ہے کہ: مَنِ استغنَى باللّٰهِ افتَقَرَ إليهِ النَّاسُ (۳).

”جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستغنی کیا، لوگ اُس کے محتاج ہوگئے۔“

قبروں سے مدد مانگنے والے اپنی حاجات ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کے نام کے وظیفے پڑھتے ہیں، اُنہیں مشکلات میں پکارتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ. [سورۃ النمل ۲۷:۶۲]

---

(۱) عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن صاحب رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن عمر بن خطاب، قرشی، عدوی، عمری، مدنی۔ امام، قدوۃ، زاہد اور عابد تھے۔ قلیل الحدیث ہیں۔ امام بخاری نے اُن کی احادیث نقل کی ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۸۴ھ کو ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ [صفۃ الصفوۃ: ۲:۳۶۲-۳۶۳]

(۲) صفۃ الصفوۃ: ۲:۳۶۲، ترجمہ: ۱۹۰، سیر اعلام النبلاء ۸:۳۷۵-۳۷۶

(۳) صفۃ الصفوۃ: ۲:۳۱۷، ترجمہ: ۱۵۹

"یا کون ہے جو پریشان حال ولاچار کی پکار کو سنتا ہے اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے؟"

اور طاوس یمانی [۱] نے فرمایا ہے کہ: لَا تُنْزِلَنَّ حاجتك بمن أغلق دونك أبوابه و جعل عليها حُجَّابُه و لكن أنزِلها بمن بابه مفتوح لك إلى يوم القيامة، أَمَرَكَ أن تدعوه وضَمِنَ لك أن يستجيب لك [۲].

"اپنی حاجتیں اُن کے سامنے پیش نہ کرو جنہوں نے اپنے دروازے بند کر کے ان پر دربان بٹھائے ہوئے ہیں۔ اپنی حاجتیں اُس کے سامنے پیش کر جس نے قیامت تک اپنا دروازہ کھول رکھا ہے، جس نے تجھے پکارنے اور مانگنے کا حکم دے کر قبولیت کی ضمانت دی ہے۔"

لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر نصرت و مدد کے عقیدہ کے ساتھ غیر اللہ کو پکارنا شروع کیا اور یہ چیز گویا کہ اُنہیں وراثت میں ملی: اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ.

[سورۃ الذاریات ۵۱:۵۳]

"کیا وہ ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے آئے ہیں؟ نہیں! بلکہ وہ لوگ ہیں ہی سرکش۔"

مجالس الابرار میں ہے: وما ذلك إلا لاندراس العلماء الراسخين و الأئمة الهادين و كثرة الضالين المضلين من الدَّجَاجِلَة الذين ينتمون إلى التصوف لقطع طرق الدين على المسلمين بِنَصْبِ حبائل الشياطين لما رُوِيَ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أنه عليه السلام قال: يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آبائكم و إياكم و إياهم لا يضلونكم و لا يفتنونكم [۳]. فإنه عليه السلام بَيَّنَ في هذا الحديث أن جماعة من أهل المكر و التلبيس يخرجون في آخر الزمان

---

(۱) طاوس بن کیسان یمانی۔ ۳۳ھ = ۶۵۳ء کو پیدا ہوئے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کیے۔ ۱۰۶ھ = ۷۶۵ء کو دوران حج وفات پائی۔
[البدایہ والنہایہ ۹:۲۲۴، الاعلام ۳:۲۲۴]

(۲) صفۃ الصفوۃ ۲:۲۰۸، ترجمہ: ۲۴۳

(۳) صحیح مسلم، مقدمۃ، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملہا [۴] حدیث: ۱۶

بزي العلماء و المشايخ و يقولون : نحن علماء و مشايخ ' نعلمكم دينكم و نرشدكم إلى الحق و هم كذابون يحدثونكم بالأحاديث الكاذبة ويعلمونكم اعتقادات فاسدة ويبتدعون لكم أحكاماباطلة'فاحذرواعنهم ' ولا تقربوا منهم كي لايضلونكم ولا يوقعونكم في الفتنة ' فعلى هذا كل من لم يجاهد نفسه في هذا الزمان لتعلم علم الإيمان يموت على أنواع البدع والكفريات وهولا يشعر بها(۱).

"یہ خرابی صرف اس لیے ہے کہ علماءِ راسخین کم ہو گئے اور دجّال صفت گم کردۂ راہ اور گمراہ کرنے والے کثرت سے ہو گئے جو مسلمانوں کے دین میں رہ زنی کرنے کے لیے شیطانی جال بچھا کر صوفی بن بیٹھے ہیں' چنانچہ سیدنا ابو ہریرۃ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں بہتیرے جھوٹے دجال پیدا ہوں گے' وہ تمہیں ایسی حدیثیں بیان کریں گے کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بھی نہ سنی ہوں گی۔ اُن سے بچو کہ تم کو گمراہ اور فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمادیا ہے کہ آخر زمانہ میں مکاروں اور دغابازوں کی ایک جماعت علماء کی صورت میں پیدا ہو گی۔ لوگوں سے کہیں گے کہ ہم علماء و مشائخ ہیں۔ تم کو دین سکھلاتے اور راہِ حق دکھاتے ہیں حالانکہ وہ جھوٹے ہوں گے اور جھوٹی حدیثیں بیان کریں گے اور فاسد عقیدے سکھلائیں گے اور تمہارے لیے نئے نئے باطل اُحکام گڑھ دیں گے، ان سے بچو اور اُن کے پاس نہ پھٹکو' ایسا نہ ہو کہ تم کو گمراہ کر دیں اور فتنہ میں مبتلا کر دیں۔ اس ارشادِ نبوی کی رو سے جو شخص اس زمانہ میں علمِ دین سیکھنے کے لیے کوشش نہ کرے گا تو وہ کئی کئی بدعات اور کفریات پر مرے گا اور اسے خبر بھی نہیں ہو گی۔"

---

(۱) مجالس الابرار مع اردو ترجمہ مطارح الانظار: ۳۶۲' مجلس:۶۰' شیخ احمد بن محمد الرومی الحنفی' المطبعۃ المجیدیۃ' کانپور' ہند' بدون تاریخ؛ مجالس الابرار و مسالک الاخیار عربی: ۵۶' مجلس:۶' سہیل اکیڈمی لاہور' پاکستان' ۱۴۳۰ھ = ۲۰۰۹ء

پہلا سبب: قبروں کی تعظیم میں غلو اور ان سے تبرک کا حصول

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا. [سورۃ نوح ۷۱: ۲۳]

''اور انہوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ہی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑو۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا کہ امام ابن ابی حاتم نے عروۃ بن زبیر[1] سے روایت کی ہے کہ: إشتكى آدم عليه السلام وعنده بنوهُ: ود ويغوث ويعوق وسواع ونسر قال: وكان وَدٌّ أكبرهم وأبرَّهُم به[2].

''سیدنا آدم علیہ السلام بیمار ہوئے اور آپ کے پاس آپ کے بیٹے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر [تشریف فرما] تھے۔ ود اِن میں سب سے بڑا اور سب سے بڑھ کر آپ کے ساتھ نیکی کرنے والا تھا۔''

اور مفسر ابن جریر کے حوالے سے لکھا کہ: كانوا قوما صالحين من بني آدم، وكان لهم أتباعٌ يقتدون بهم، فلمّا ماتوا قال أصحابهم الذين كانوا يقتدون بهم: لو صَوَّرناهم كان أشوق لنا إلى العبادةِ إذا ذكرناهم، فَصَوَّرُوْهُمْ، فلمّا ماتوا وجاء آخرون دَبَّ

(۱) عروۃ بن زبیر بن عوّام اسدی قرشی ابو عبد اللہ، ۲۲ھ = ۶۴۳ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، ان کا شمار امت کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔ صالح اور کریم النفس تھے۔ فتن سے اپنے آپ کو بچائے رکھا، بصرہ منتقل ہوئے، وہاں سے مصر آئے، جہاں شادی کی اور سات سال تک وہیں رہے، پھر مدینہ منورہ واپس آئے اور وہیں ۹۳ھ = ۷۱۲ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۳: ۲۵۵، الاعلام ۴: ۲۲۶]

(۲) تفسیر القرآن العظیم، ابن ابی حاتم ۱۰: ۳۳۷۵، نص: ۱۸۹۹۶، تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۱۴: ۱۴۳

إليهم إبليس فقال: إنما كانوا يعبدونهم، وبهم يُسقون المَطَرَ فعبَدُوهُم.(۱)

''یہ اولادِ آدم میں نیک اور صالح لوگ تھے اور اُن کے پیروکار بھی تھے جو ان کی اتباع کرتے تھے، جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے پیروکاروں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنا کر انہیں اپنے پاس رکھیں اور انہیں یاد کریں گے تو اس سے ہمارے جذبہ عبادت میں اضافہ ہوگا، چنانچہ انہوں نے اُن کی تصاویر بنا ڈالیں۔ جب یہ بڑے بوڑھے دنیا سے چل بسے تو ابلیس نے ان کو وسوسہ ڈال دیا کہ تمہارے آباء واَجداد ان بزرگوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کے وسیلے ان پر بارشیں ہوا کرتی تھیں، اس کے بعد انہوں نے ان کی عبادت شروع کی۔''

اور حافظ ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے سیدنا شیث علیہ السلام کے ترجمہ(۲) میں لکھا ہے کہ: كان ود يُقال له شيث، ويقال له هبة الله، وكان إخوته قد سَوَّدُوْهُ وولد له سواع ويغوث ويعوق ونسر.(۳)

''ود کو شیث اور ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا تھا۔ اُن کے بھائیوں نے اُنہیں اپنا سردار مقرر کیا تھا۔ سواع، یغوث، یعوق اور نسر اُن کے فرزند تھے۔''

اور امام ابن ابی حاتم کے حوالے سے ابوالمطہر سے روایت بیان کی کہ:

ذكروا عند أبي جعفر -وهو قائم يصلي- يزيد بن المهلب، قال: فلما انفتل من صلاته قال: ذكرتم يزيد بن المهلب، أما إنه قتل في أول أرض عُبِد فيها غير الله، قال: ثم ذكروا رجلاً مُسلِمًا، وكان مُحَبَّبًا في قومه، فلما مات عَسْكَرُوْا حول قبره

---

(۱) تفسیر ابن جریر ۱۲: ۲۵۴، نص: ۳۵۰۲۷، تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۱۴: ۱۴۳
(۲) یعنی حالاتِ زندگی
(۳) تاریخ مدینۃ دمشق ۲۳: ۲۷۳، ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ، دار الفکر بیروت، ۱۴۳۵ھ=۲۰۱۴ء؛ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۱۴: ۱۴۳

في أرض بابل وجزعوا عليه فلما رأى إبليس جزعهم عليه تشبه في صورة إنسان ثم قال: إني أرى جزعكم على هذا الرجل فهل لكم أن أصور لكم مثله فيكون في ناديكم فتذكرونه؟ قالوا: نعم فصوّر لهم مثله قال: ووضعوه في ناديهم وجعلوا يذكرونه فلما رأى ما بهم من ذكره قال: هل لكم أن أجعل في منزل كل رجل منكم تمثالاً مثله فيكون لكم في بيته فتذكرونه؟ قالوا: نعم قال: فمثل لكل أهل بيت تمثالاً مثله فأقبلوا فجعلوا يذكرونه به قال: وأدرك أبنائهم فجعلوا يرون ما يصنعون به قال: وتناسلوا ودرس أمر ذكرهم إياه حتى اتخذوه إلها يعبدونه من دون الله أولاد أولادهم فكان أول ما عبد من دون الله الصنم الذي سموه ودا[1]

''ابو جعفر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس یزید بن مہلب[2] کا ذکر ہوا انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر کہا: تم یزید بن مہلب کا ذکر کر رہے تھے؟ وہ ایسے شخص ہیں جو اس سرزمین میں مارے گئے جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کی گئی، پھر انہوں نے ود کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ اپنی قوم میں بڑا محبوب تھا جب وہ مر گیا تو بابل کی سرزمین میں لوگ اس کی قبر کے پاس جمع ہو گئے اور آہ وفغاں کرنے لگے۔ ابلیس نے جب اُن کی پریشانی دیکھی

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم، ابن ابی حاتم ۱۰: ۳۳۷۵-۳۳۷۶، نص: ۱۸۹۹۷، تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۱۴: ۱۴۳-۱۴۴

(۲) یزید بن مہلب بن ابی صفرۃ ازدی ابو خالد امیر، قائد اور شجاع تھے۔ ۵۳ھ = ۶۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۸۳ھ کو اپنے والد کی وفات کے بعد خراسان کے والی مقرر ہوئے۔ چھ سال تک اپنی ذمہ داریاں پوری کیں پھر عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کے کہنے پر معزول کر کے پابند سلاسل کیا۔ یہ شام چلے گئے اور سلیمان بن عبدالملک کی خلافت میں واپس آ گئے۔ انہوں نے اسے عراق اور خراسان کا والی مقرر کیا اور جرجان وطبرستان فتح کیے۔ ۱۰۲ھ = ۷۲۰ء کو عقر میں مسلمۃ بن عبدالملک کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے۔ عقر، واسط اور بغداد کے درمیان واقع تھا۔

[وفیات الاعیان ۶: ۲۷۸، ترجمہ: ۸۱۶، الاعلام ۸: ۱۹۰]

تو ان کے پاس انسان کی صورت میں آیا اور انہیں کہا کہ میں اس شخص کے لیے تمہاری بے صبری کو دیکھ رہا ہوں اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے اس کی صورت بنادوں، تم اسے اپنی مجالس میں رکھو اور اس کو دیکھ کر تم اس کو یاد کیا کرو، انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے ان کے لیے اس کی تصویر بنادی، انہوں نے اس کو اپنی مجلس میں رکھا اور اس کو یاد کرتے رہے۔ ان کی حالت کو دیکھ کر اس کے بعد اس نے پوچھا اگر تم چاہو تو میں تم میں سے ہر ایک کے لیے اس کے گھر میں ایک مورتی بنادوں تاکہ اسے گھر ہی میں یاد کرتے رہو؟ انہوں نے پھر اثبات میں جواب دیا تو ابلیس نے ہر گھر کے لیے ایک ایک مورتی بنا ڈالی وہ اس کی طرف توجہ کر کے ان کو یاد کرتے رہے۔ وقت گذرتا رہا۔ ان کی اولاد ان کے اس فعل کو دیکھتی رہی اور نسل بڑھتی رہی بالآخر ان کی اولاد نے ان کو معبود بنا کر ان کی عبادت شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے پہلے جس کی عبادت کی گئی وہ وہی بت تھا جس کا نام انہوں نے ود رکھا ہوا تھا۔"

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ: والشرك في بني آدم أكثره من أصلين: أولهما تعظيم قبور الصالحين وتصوير تماثيلهم للتبرك بها؛ وهذا أول الأسباب التي بها ابتدع الآدميون الشرك وهو شرك قوم نوح. قال ابن عباس: كان بين آدم ونوح عشرة قرون، كلهم على الإسلام، وقد ثبت عن النبي ﷺ أن نوحا أول رسول بعث إلى أهل الأرض ولهذا لم يذكر الله في القرآن قبله رسولاً ظهر في زمانه وقد ذكر البخاري في صحيحه عن ابن عباس وذكره أهل التفسير والسّير من غير واحد من السّلف في قوله تعالى: وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا[1] إن هؤلاء كانوا قومًا صالحين في قوم نوح فلما ماتوا عكفوا على قبورهم ثم صوّروا تماثيلهم وإن هذه الأصنام صارت إلى العرب و

---

(۱) سورۃ نوح ۷۱: ۲۳

ذكر ابن عباس قبائل التي كانت فيهم هذه الأصنام[1].

''انسانوں میں شرک دو چیزوں سے پھیلا۔ نیکوں کی قبروں کی تعظیم میں غلو اور تبرک کی خاطر ان کی مورتیاں بنانا۔ یہ انسانوں میں پیدا ہونے والے شرک کا پہلا سبب ہے۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کا شرک یہی تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سیدنا آدم اور سیدنا نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن گذرے ہیں سب کے سب اسلام پر قائم تھے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام اہل زمین کی طرف بھیجے جانے والے پہلے رسول تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے کسی رسول کا ذکر نہیں کیا۔ شرک آپ ہی کی قوم میں ظاہر ہوا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے جس کا ذکر اہل تفسیر اور اہل سیرت نے بہت سے سلف سے ارشادِ ربانی:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا.

[سورۃ نوح ۷۱:۲۳]

کے تحت کیا ہے کہ یہ سیدنا نوح علیہ السلام کے زمانے کے نیک لوگ تھے جب یہ مر گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر اعتکاف کیا پھر ان کی مورتیاں بنائیں یہی بت عرب کی طرف منتقل ہوئے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان قبائل کا بھی ذکر کیا جن کے یہ بت تھے۔''

دوسرا سبب: ستارہ پرستی

حافظ ابن تیمیہ مزید لکھتے ہیں: والسبب الثاني: عبادة الكواكب فكانوا يصنعون للأصنام طلاسم الكواكب يتحرّون الوقت المناسب لصنعة ذلك الطلسم و يصنعونه من مادة تناسب ما يرون من طبيعة ذلك و يتكلمون عليها بالشرك و الكفر فتأتي الشياطين فتكلمهم و تقضي بعض حوائجهم و يسمونها روحانية

---

(۱) کتاب الرد علی المنطقیین: ۲۸۵، تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ، المکتبۃ الامدادیۃ، مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۲ھ=۱۹۸۲ء۔

الکوکب و هي الشيطان أو شيطانة التي تضلهم (۱).

”شرک کا دوسرا سبب ستارہ پرستی ہے۔ وہ ان بتوں کے لیے مناسب اوقات میں ستاروں کے طلسم بنایا کرتے تھے اور اس ستارے کی طبیعت کے مطابق مناسب مادہ سے طلسم بنا کر ان پر شرک اور کفر کی باتیں کرتے جس سے شیطان آ کر ان سے کلام کرتے اور ان کی تھوڑی بہت ضروریات پوری کر دیتے اس کا نام انہوں نے ستارے کی روحانیت رکھا جب کہ وہ شیطان یا شیطانہ ہوتی جو ان کو گمراہ کرتی تھی۔“

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ: والأصنام التي كانوا يعبدونها كانت صور أو تماثيل للكواكب و كانوا يتخذون لها هياكل، و هي بيوت العبادات، لكل كوكب هيكل فيه أصنام تناسبه، فكانت عبادتهم للأصنام و تعظيمهم لها تعظيماً منهم للكواكب التي وضعوا الأصنام عليها و عبادة لها، و هذا أقوى السببين في الشرك الواقع في العالم، و هو الشرك بالنجوم و تعظيمها، و اعتقاد أنها أحياء ناطقة، و لها روحانيات تتنزل على عابديها و مخاطبيها، فصوروا لها الصور الأرضية، ثم جعلوا عبادتها و تعظيمها ذريعة إلى عبادة تلك الكوكب و استنزال روحانياتها، و كانت الشياطين تتنزل عليهم و تخاطبهم و تكلمهم و تراهم من العجائب ما يدعوهم إلى بذل نفوسهم و أولادهم و أموالهم لتلك الأصنام و التقرب إليها و كان مبدأ هذا الشرك تعظيم الكواكب و ظن السعود و النحوس و حصول الخير و الشر في العالم منها، و هذا هو شرك خواص المشركين و أرباب النظر منهم و هو شرك قوم إبراهيم عليه السلام (۲).

---

(۱) کتاب الرد علی المنطقیین: ۲۸۶

(۲) مفتاح دار السعادۃ و منشور ولایۃ العلم والارادۃ: ۶۲۱، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الدمشقی، دار نجد، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۰۲ھ=۱۹۸۲ء

''مشرکین جن بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے وہ ستاروں کی صورتیں اور مورتیاں تھیں جن کے لیے انہوں نے ہیاکل[1] بنا رکھے تھے۔ ہر ستارے کا ایک ہیکل ہوتا جہاں اس کے مناسب بت ہوتے۔ بتوں کی عبادت اور تعظیم ان ستاروں کی تعظیم اور عبادت سمجھی جاتی تھی جن کے نام پر وہ بت بنائے گئے تھے۔ عالم میں واقع ہونے والے شرک کا قوی ترین سبب یہی ستاروں اور ان کی تعظیم کا شرک اور یہ عقیدہ ہے کہ ستارے زندہ اور ناطق ہیں اور ان کی روحانیت ہے جو ان کی عبادت کرنے والوں اور ان کو پکارنے والوں پر نازل ہوتی ہے پھر انہوں نے ان کی اَرضی صورتیں بنائیں اور ان کی عبادت اور تعظیم کو ان ستاروں کی عبادت اور روحانیت کے نازل ہونے کا ذریعہ قرار دیا حالانکہ شیاطین ان پر نازل ہو کر ان سے مخاطب ہو کر باتیں کرتے تھے۔ آپ ان بتوں اور ان کے تقرب کی خاطر اپنی جان اور مال و اولاد کو قربان کرنے کی دعوت میں عجیب باتیں دیکھیں گے۔ اس شرک کا مبدأ ستاروں کی تعظیم، ان سے سعادت اور نحوست کے حصول کا گمان اور عالم میں خیر و شر کا حصول ہے۔ مشرکین کے خواص اور اہل نظر لوگوں کا یہی شرک ہے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا شرک بھی یہی تھا۔''

تیسرا سبب: قبروں کی عبادت اور مُردوں کو اللہ کا شریک بنانا

حافظ ابن قیم مزید لکھتے ہیں: عبادةُ القبور و الإشراك بالأموات، و هو شرك قوم نوح عليه السلام و هو أول شرك طرق العالَم، و فتنته أعم، و أهل الإبتلاء به أكثر، و هم جمهور أهل الإشراك و كثيراً ما يجمع الشيطان في حق المشرك يكون: مقابريًا نُجُوميًا! قال الله تعالى عن قوم نوح عليه السلام: وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا[2]. قال البخاري في صحيحه عن ابن عباس رضي الله عنهما: كان

(۱) مزین بڑا گھر، جو عبادت کے لیے مختص کیا گیا ہو۔
(۲) سورۃ نوح ۷۱: ۲۳

هؤلاء رجالاً صالحين من قوم نوح، فلما هلكوا أوحى الشيطان إلى قومهم أن انصبوا على مجالسهم التي يجلسون بها أنصابا و سمّوها بأسمائهم ففعلوا فلم تعبد حتى إذا هلك أولئك ونسخ العلم عبدت و لهذا لعن رسول الله ﷺ الذين اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد ونهى عن الصّلاة إلى القبور وقال :اللهم لا تجعل قبري وثناً يُعبد وقال:إشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبياء هم مساجد فلاتتخذوا القبور مساجد فإني أنهاكم عن ذلك وأخبر أن هؤلاء أشرار الخلق عند الله يوم القيامة، وهؤلاءِ هُم أعداءُ نوح، كما أن المشركين بالنجوم أعداءُ إبراهيم فنوح عاداه المشركون بالقبور وإبراهيم عاداه المشركون بالنجوم، والطائفتان صوروا الأصنام على صور معبوديهم ثم عبدوها، و إنما بُعِثَت الرسل بمحق الشرك من الأرض ومحق أهله وقطع أسبابه وهدم بيوته ومحاربة أهله. (۱)

''عالم میں پھیلنے والا پہلا شرک اور عام فتنہ قبروں کی عبادت اور مُردوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے کی صورت میں قوم نوح میں ظہور پذیر ہوا۔ لوگوں کی اکثریت بلکہ جمہور مشرکین اس شرک میں مبتلا ہیں۔ مشرکین اکثر دو ہی قسم کے ہوتے ہیں یا تو وہ قبوری ہوں گے اور یا ستارہ پرست! اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بارے میں فرمایا:

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا.

[سورۃ نوح ۷۱:۲۳]

''اور کہنے لگے تم اپنے معبودوں [کی عبادت] کو نہ چھوڑو اور نہ ہی ودّ سواع یغوث یعوق اور نسر [کی عبادت] کو چھوڑو۔''

'امام بخاری نے صحیح میں سیدنا میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ یہ قوم نوح میں نیک لوگ تھے جب اُن کی وفات ہوئی تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ ان کی بیٹھکوں میں ان کے نام بت بنا کر رکھ دو تو انہوں نے ایسا ہی کیا مگر اُن کی پوجا

---

(۱) مفتاح دار السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والارادۃ: ۶۲۱-۶۲۲

ابھی شروع نہیں ہوئی جب اس زمانے کے عمر رسیدہ لوگ مر گئے اور علم ختم ہو گیا تو ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا اور رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی طرف نماز سے روکا اور فرمایا: اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی عبادت کی جائے اور فرمایا ان لوگوں پر اللہ کا سخت غضب ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا لہٰذا تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے روکتا ہوں اور یہ خبر دی کی ایسے لوگ قیامت کے دن ساری مخلوق میں بدترین ہوں گے۔ یہ قبر پرست لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کے دشمن تھے جیسے ستارہ پرست سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دشمن تھے۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی مخالفت قبوری مشرکین نے کی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت ستارہ پرست مشرکین نے کی۔ دونوں جماعتوں نے اپنے معبودوں کی صورت پر بت بنا کر ان کی پوجا کی۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو زمین سے شرک، اس کے اسباب اور مشرکوں کو ختم کرنے، شرک کے اڈوں کو گرانے اور مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا گیا۔''

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: ولهذا يرى هؤلاء دعاء الموتى عند القبور ويتوجهون إليهم ويستغيثون بهم و يقولون : إن أرواحنا إذا توجهت إلى روح المقبور في القبور اتصلت به ففاضت عليها المقاصد من جهته و كثير منهم و من غيرهم من الجهال يرون الصّلاة و الدعاء عند قبور الأنبياء و الصالحين من أهل البيت و غيرهم أفضل من الصّلاة الخمس و الدعاء في المساجد و أفضل من حج البيت العتيق (۱)۔

''اسی وجہ سے یہ لوگ قبروں کے پاس مُردوں کو پکارنے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کی طرف توجہ کر کے اور ان سے مدد مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہماری روحیں اس مقبور کی طرف

(۱) کتاب الرد علی المنطقیین: ۱۰۴

متوجہ ہوتی ہیں تو اس کی روح کا ان کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے جس سے مقاصد پورے ہو جاتے ہیں اور بہت سے جاہل لوگ انبیاء اور صالحین اہل بیت وغیرہ کی قبروں کے پاس نماز اور دعاء کو پانچ وقت کی نماز اور مساجد میں دعاء اور حج بیت اللہ سے افضل سمجھتے ہیں۔''

حافظ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ومعلومٌ أن المشركين من عباد الأصنام وغيرهم كانت الشياطين تضلهم فتكلمهم وتقضي بعض حوائجهم وتخبرهم بأمور غائبة عنهم وكانت للكهان شياطين تخبرهم وتأمرهم وإن كان الكذب فيما يقولون أكثر من الصدق وهكذا المشركون في زماننا الذين يدعون غير الله كالشيوخ الغائبين والموتى تتصور لهم الشياطين في صور الشيوخ حتى يظنوا أن الشيخ حضر' أو أن الله صَوَّرَ على صورته ملكا' وأن ذلك من بركة دعائه' وإنما يكون الذي تصوَّر لهم شيطان من الشياطين وهذا مما نعرف أنه ابتلي في زماننا وغير زماننا خلق كثير' أعرف منهم عددا' وأعرف من ذلك وقائع متعددة. والشياطين أيضاً تضل عُبَّاد القبور كما تضل المشركين من العرب وغيرهم' وكانت اليونان من المشركين' يعبدون الأوثان' ويعاونون السحر' كما ذكروا ذلك عن أرسطو وغيره. وكانت الشياطين تضلهم' وبِهِم يَتِمُّ سحرهم' وقد لا يعرفون هم أن ذلك من الشياطين' وقد لا يقرون بالشياطين' بل يظنون ذلك كله من قوة النفس أو من أمور طبيعية' أو من قُوَى فلكية' فإن هذه الثلاثة هي أسباب عجائب العالم عند ابن سينا وموافقيه[1].

''یہ بات تو معلوم ہے کہ بتوں وغیرہ کے پجاری مشرکین کو شیطان گمراہ کیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ باتیں کرتے' ان کی کچھ حاجتیں پوری کرتے اور انہیں کچھ امور غیب کی خبر دیتے تھے۔ اسی طرح کاہنوں کو شیطان خبر دیا کرتے تھے اگر چہ ان کی باتوں میں سچ کے مقابلے

(۱) کتاب الرد علی المنطقیین: ۱۰۵-۱۰۶

میں جھوٹ زیادہ ہوتا تھا اسی طرح ہمارے زمانے کے مشرک جو اللہ تعالیٰ کے سوا غائب شیوخ اور مُردوں کو پکارتے ہیں اور شیطان ان شیوخ کی صورت میں آتے ہیں جس سے اُن کا خیال ہوتا ہے کہ ان کا شیخ حاضر ہوا یا اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کو ان کے شیخ کی صورت میں متمثل کیا ہے جو اِن پکارنے والوں کی پکار کی برکت کا نتیجہ ہے حالانکہ وہ شیطانوں میں سے کوئی شیطان ہوتا ہے جو متمثل ہو کر آتا ہے۔ ہمارے زمانے اور دیگر زمانوں میں بہت سے لوگ اس آزمائش میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے کہ شیطان اُن کے پاس اُن کے شیخ کی شکل وصورت میں آتا ہے۔ اس قسم کے واقعات کی بڑی تعداد اور بہت سے مشہور واقعات مجھے معلوم ہیں۔ عرب اور دیگر مشرکوں کی طرح بہت سے قبروں کے پجاریوں کو بھی شیطان گمراہ کرتے ہیں۔ یونان کے لوگ مشرک تھے جو مورتیوں کی پوجا کیا کرتے اور جادو سے معاونت حاصل کرتے تھے ارسطو (۱) وغیرہ کے بارے میں یہی مذکور ہے۔ شیاطین آکر ان کو گمراہ کرتے جس سے ان کا سحر مکمل ہو جاتا اور انہیں پتہ بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ شیطان کر رہا ہے۔ کبھی تو وہ شیاطین کے وجود ہی کو نہیں مانتے تھے بلکہ وہ ان سب امور کو نفس کی قوت یا طبعی امور یا فلکی قوت کا نتیجہ سمجھتے تھے ابن سینا (۲) اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ تینوں عجائبات عالم میں سے ہیں۔''

حافظ ابن تیمیہ نے کِتَابُ الرَّدِّ عَلَی الْمَنْطِقِیِّیْن میں بہت سے مقامات میں اس پر تفصیلی

---

(۱) ارسطو طالیس: ارسطو [Aristote] کے نام سے مشہور یونانی فلسفی گزرے ہیں۔ اسکندر کے اتالیق رہے ہیں۔ منطق طبعیات الٰہیات اور اخلاق سے متعلق متعدد کتابیں لکھیں۔ اُن کا زمانہ ۳۸۴-۳۲۲ قبل مسیح رہا ہے۔ [المنجد فی الادب والعلوم ۲: ۱۳ فردینان توتل المطبعۃ الکاثولیکیۃ بیروت ۱۹۵۶ء]

(۲) حسین بن عبداللہ بن سینا ابو علی شرف الملک۔ فلسفی تھے۔ علم الطب منطق طبعیات اور الٰہیات میں کئی کتابیں لکھیں۔ بلخ سے تعلق تھا۔ ۳۷۰ھ = ۹۸۰ء کو بخارا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بخارا میں پلے بڑھے اور وہیں علم حاصل کیا۔ کئی ممالک کے سفر کیے۔ ان پر قرمطی اور باطنی ہونے کا الزام ہے۔ ۴۲۸ھ = ۱۰۳۷ء کو ہمدان میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۲: ۱۵۷ ترجمہ: ۱۹۰ الاعلام ۲: ۲۴۱]

کلام کیا ہے اور مجموعۃ الرسائل میں لکھا ہے کہ:

وهذه الخلوات قد يقصد أصحابها الأماكن التي ليس فيها أذان ولا إقامة ولا مسجد يُصَلّى فيها الصلوات الخمس، إمامسجد مهجورة وإماغير مساجد مثل الكهوف والغيران التي في الجبال ومثل المقابر لاسيما قبر من يحسن به الظن ومثل المقابر التي يقال أن بها أثرنبي أو رجل صالح، ولهذا يحصل لهم في هذه الموضع أحوال شيطانية يظنون أنها كرامات رحمانية، فمنهم مَن يرَى أن صاحب القبر قدجاء إليه وقد مات من سنين كثيرة ويقول أنا فلان، وربماقال له: نحن إذاوُضِعْنافي القبرخَرَجْنا، كما للتونسي مع نعمان السلامي، والشياطين كثيراماتيصورون بصورة الإنس في اليقظة والمنام، وقد تأتي لمن لايعرف فتقول أنا الشيخ فلان والعالم فلان، وربماقالت: أنا أبوبكروعمر، وربما قال: أنا المسيح وأناموسى، أنامحمد، وقدجرى مثل ذلك أنواع أعرفها، وثَمّ مَن يُصَدِّقُ بأن الأنبياء يأتون في اليقظة في صورهم، وثَمّ شيوخ لهم زهد، وعلم دين يصدقون بمثل هذه ومِنْ هؤلاء مَن يظن أنه حين يأتي إلى قبر نبي أن النبي يخرج من قبره في صورته فيكلمه، ومِن هؤلاء مَن رأى في دائرة الكعبه صورة الشيخ قال: أنه إبراهيم الخليل، ومنهم من يظن أن النبي ﷺ خرج من الحجرة وكلّمه وجعلوا هذامِن كراماته، ومنهم من يعتقدأنه إذا سئل المقبورأجابه، وبعضهم كان يحكي أن ابن مندة كان إذا أشكل عليه حديث جاء إلى الحجرة النبوية ودخل فسأل النبي ﷺ عن ذلك فأجابه، واخر في أهل الغرب حصل له مثل ذلك وجعل ذلك من كراماته حتى قال ابن عبد البر لمن قال ذلك: ويحك أترى هذا أفضل من السابقين الأولين من المهاجرين والأنصار، فهل في هؤلاء مَن سئل النبي ﷺ بعد الموت وأجابه، وقد تنازع الصحابة في أشياء فهلا سألوا النبي ﷺ وهذه ابنته

فاطمة تنازع في ميراثها فهلا سألته فأجابها (۱).

''یہ چلے کاٹنے والے ایسے مقامات کی طرف جاتے ہیں جہاں اذان واقامت اور ایسی مسجد نہیں ہوتی جہاں پانچ وقت کی نماز ہوتی ہو نیز غیر آباد مسجد' پہاڑوں کے غار' قبرستان خصوصاً ایسے قبرستان جہاں نیک لوگوں یا نبی کے آثار ہوں یا ایسی قبریں ہوں جن پر حسن ظن ہو' کا قصد کرتے ہیں ایسے مقامات پر انہیں شیطانی احوال پیش آتے ہیں جن کو وہ رحمانی کرامتیں سمجھ لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ صاحب قبر اُس کے پاس آیا حالانکہ وہ کئی سال پہلے مر چکا ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فلاں مردہ شخص نے ہم سے کہا ہے کہ جب ہمیں قبر میں ڈالا گیا تو ہم قبر سے باہر نکلے جیسے تونسوی اور نعمان سلامی (۲) کے ساتھ پیش آیا۔ شیطان اکثر نیند یا بیداری میں انسانی صورت میں متشکل ہو کر ان کے پاس آتے ہیں جو انہیں نہیں پہچانتے تو آکر کہتے ہیں کہ میں فلاں شیخ اور فلاں عالم ہوں کبھی تو کہتے ہیں کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ (۳) یا عمر رضی اللہ عنہ ہوں یا میں مسیح علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام یا محمد ﷺ ہوں اسی طرح کی دیگر قسمیں بھی ہوتی ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بیداری کی حالت میں اپنی صورتوں میں آتے ہیں پھر وہاں کچھ شیوخ جو صاحب زہد اور صاحب علم ہوتے ہیں اس

---

(۱) مجموعۃ الرسائل والمسائل ۵: ۹۳-۹۴' حافظ ابن تیمیہ' تحقیق: سید رشید رضا' لجنۃ التراث العربی' مصر' بدون تاریخ؛ مجموع الفتاویٰ ۱۰: ۲۰۹-۲۱۰' ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام ابن تیمیہ' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء

(۲) تلاش بسیار کے باوجود معلوم نہ ہو سکا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ اشارہ کن کی طرف ہے!!

(۳) ابوبکر صدیق [عبداللہ] بن ابی قحافہ [عثمان] رضی اللہ عنہما بن عامر تیمی' قرشی' بالغ مردوں میں سب سے اول اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ پہلے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ کے والد' والدہ' بیوی اور اولاد سب صحابہ ہیں۔ یہ فضیلت آپ کے علاوہ کسی اور صحابی کو حاصل نہیں ہے۔ ۵۱ قبل ہجری = ۵۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ بت پرستی کی اور نہ شراب کو منہ لگایا۔ ۱۱ھ کو خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۱۳ھ = ۶۳۴ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئے' ان کی مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ اور ۱۵ دن ہے۔ آپ کی مرویات ۱۴۲ ہیں۔ [اسد الغابہ: ۷۰۰' ترجمہ: ۳۰۶۷' الاعلام ۴: ۱۰۲]

قبر کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایسے کئی لوگ موجود ہیں جنہیں میں جانتا ہوں اور اُن کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا ہے۔ کچھ تو ایسے بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ جب وہ نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس جاتے ہیں تو آپ اپنی اصلی شکل وصورت میں قبر سے نکل کر ان ہم کلام ہوتے ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جس نے کعبہ کے دائرے میں اپنے شیخ کی صورت دیکھی تو کہا کہ یہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ ایک نے تو یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجرہ سے نکل کر اس کے ساتھ بات کی جسے اس کی کرامت قرار دیا گیا۔ بعض کا عقیدہ ہے کہ جب وہ قبر والے سے کچھ سوال کریں تو انہیں جواب ملتا ہے بعض تو یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ابن مندۃ کو جب بھی کسی حدیث میں کوئی مشکل پیش آتی تو حجرہ کی طرف جاتے اور حجرہ میں داخل ہو کر نبی ﷺ سے پوچھتے تو انہیں جواب مل جاتا تھا[1]۔ اہل مغرب میں

---

(۱) حافظ ذہبی لکھتے ہیں: وهذه حكاية نكتبها للتعجب: قال الحسين بنُ عبدالملك، حُكي لي عن أبي جعفر الهمداني رئيس حجاج خراسان قال: سألتُ بعضَ خَدَمِ تُربةِ رسول الله ﷺ وكان من أبناءِ مئةٍ وعشرين سنةً، قال: رأيتُ يوماً رجلاً عليه ثيابٌ بيضٌ دَخلَ الحَرَمَ وقتَ الظُّهرِ، فانشقَّ حائط التربةِ، فدخلَ فيها وبيده محبرةٌ وكاغدٌ وقلمٌ، فمكث ماشاء الله، ثم انشق فخرجَ، فأخذتُ بيده، فقلتُ: بحق معبودكَ مَن أنتَ؟ قال: أنا أبو عبدالله بن مندة، أشكلَ عليَّ حديثٌ فسألتُ رسولَ الله ﷺ فأجابني، وأرجعُ. إسنادها منقطعٌ.

[سیر اعلام النبلاء ۱۷: ۳۷-۳۸، ترجمہ: ۱۳]

"اس حکایت کو ہم ازراہِ تعجب نقل کرتے ہیں۔ حسین بن عبدالملک کہتے ہیں: مجھے ابوجعفر ہمدانی رئیس حجاج خراسان کی سند سے یہ حکایت بیان کی گئی کہ میں [ابوجعفر ہمدانی] نے روضہ رسول اللہ ﷺ کے ایک خادم سے، جس کی عمر ۱۲۰ برس تھی، پوچھا تو اُس نے مجھے کہا کہ ایک روز میں نے ایک شخص کو دیکھا، جس نے سفید کپڑے پہنے تھے، ظہر کے وقت حرم نبوی میں داخل ہوا۔ روضہ اقدس کی دیوار اُس کے لیے شق ہوگئی، وہ اس میں داخل ہوا اور اُس کے ہاتھ میں دوات، قلم اور کاغذ تھے۔ وہ کچھ دیر وہاں رہا، پھر دیوار شق ہوگئی اور وہ اس سے نکل آیا۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا: تجھے تیرے معبود کا واسطہ! تو کون ہے؟ اُس نے کہا: میں عبداللہ بن مندۃ ہوں۔ مجھے ایک حدیث میں اشکال پیش آیا تھا جس کے بارے میں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو انہوں نے مجھے اُس کا جواب دیا۔ اب میں واپس لوٹ رہا ہوں۔ اس کی سند منقطع ہے۔"

سے ایک شخص کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو اسے اُس کی کرامت قرار دی گئی۔ امام ابن
عبدالبر نے ایسا کہنے والے کو کہا کہ تو ہلاک ہو گیا تو اس کو سابقین اولین مہاجرین اور انصار
سے افضل سمجھتا ہے ان میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے موت کے بعد کچھ پوچھا؟ اور کیا
اسے کوئی جواب ملا؟ آپ کے بعد صحابہ کرام ؓ کا آپس میں کئی امور کے متعلق اختلاف ہوا
تو انہوں نے آپ سے کیوں نہیں پوچھا کہ ان کو جواب ملتا؟ آپ کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ
عنہا(1) کا میراث کے بارے میں اختلاف ہوا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیوں نہیں

حافظ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ: وطائفةٌ ممن تدعي السُّنة والحديث
يحتجون فيها بأحاديث موضوعةٍ و حكاياتٍ مصنوعةٍ يعلم أنها كذب وقد
يحتجون بالضَّعيف في مقابلة القوي و كثير من المتصوفة والفقراء يبني على
منامات و أذواقٍ و خيالات يعتقدها كشفاً، وهي خيالات غير مطابقة و أوهام
غير صادقة ﴿إِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾(2) (3)

''سنت و حدیث کا دعویٰ کرنے والے کچھ لوگ موضوع احادیث اور من گھڑت حکایات کو
دلیل بناتے ہیں حالانکہ اُنہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایتیں جھوٹی ہیں اور کبھی قوی روایت
کے مقابلہ میں ضعیف روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ بہت سے صوفیاء اور فقراء نے تو

پوچھا کہ انہیں جواب ملتا؟

بنیاد ہی خوابوں، اَذواق اور خیالات پر رکھی ہے جن کو وہ کشف سمجھتے ہیں حالانکہ وہ غیر مطابق

---

(1) فاطمہ بنت سید البشر محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ ہاشمیہ قرشیہ، سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ نہایت قابل، لائق اور فصیح و بلیغ تھیں۔ ۱۸ سال کی عمر میں سیدنا علی ؓ سے اُن کی شادی ہوئی۔ سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زینب ؓ کی والدہ محترمہ ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ۶ ماہ تک زندہ رہیں۔ ۱۱ھ=۶۳۲ء کو وفات پا گئیں۔
[اسد الغابۃ: ۱۵۶۳، ترجمہ: ۱۸۶، الاعلام ۵: ۱۳۲]

(2) سورۃ النجم ۵۳: ۲۸ (3) مجموعۃ الرسائل والمسائل ۵: ۱۹، مجموع الفتاویٰ ۱۱: ۱۶۰

خیالات اور غیر یقینی اوہام ہوتے ہیں وہ تو صرف ظن ہی کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔"

محقق شاطبی کہتے ہیں کہ: وأضعف هؤلاءِ احتجاجاً: قومٌ استَنَدُوا في أخذ الأعمال إلى المنامات، وأقبلوا وأعرضوا بسببها، فيقولون: رأينا فلاناً الرَّجلَ الصَّالحَ في النوم فقال لنا: اتركوا كذا واعمَلُوا كذا، ويتفق مثل هذا كثيراً للمُتَرَسِّمِيْنَ بِرَسْمِ التَّصَوُّفِ وربما قال بعضُهُم: رأيتُ النبي ﷺ في النَّوم فقال لي كذا، وأمرني بكذا، فيعمل بها ويترك بها مُعرِضاً عن الحدودِ الموضوعةِ في الشريعةِ وهو خطأٌ، لأنَّ الرؤيا من غير الأنبياء لا يُحْكَمُ بها شرعاً على حالٍ، إلَّا أن نعرضها على ما في أيدينا من الأحكام الشرعية، فإنْ سَوَّغَتْهَا عُمِلَ بمقتضاها، وإلَّا وجب تركها والإعراضُ عنها[1].

"سب سے زیادہ کمزور استدلال اُن لوگوں کا ہے جو اپنے اعمال کے لیے خوابوں کو دلیل ٹھہراتے ہیں اور اس کے سبب خوابوں کی طرف متوجہ ہوئے اور شریعت سے منہ موڑا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں نیک شخص کو خواب میں دیکھا جس نے ہمیں کہا فلاں عمل کو چھوڑو اور فلاں کام شروع کرو ایسا اکثر صوفیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن میں سے اکثر تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ نے مجھے فلاں کام اختیار کرنے اور فلاں کام چھوڑنے کا حکم دیا اور شریعت کے مقرر کردہ حدود سے منہ موڑ کر ان باتوں پر عمل کرتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اس لیے کہ کسی بھی حال میں انبیاء علیہم السلام کے خوابوں کے علاوہ کسی اور کا خواب قابل عمل نہیں ہوتا، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں اُن شرعی احکام پر پیش کریں جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ اگر شریعت اُن کی اجازت دے تو اُن پر عمل کیا جائے گا ورنہ اُنہیں چھوڑنا اور اُن سے اِعراض کرنا ضروری ہے۔"

پھر فرمایا کہ: نعم لا يُحْكَمُ بمجرد الرؤيا حتى يعرضها على العلم[2].

---

(۱) الاعتصام ۲: ۹۳

(۲) الاعتصام ۲: ۹۸

''ہاں! محض خواب کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا جب تک اسے علم [قرآن وسنت] پر پیش نہ کیا جائے۔''

اور مجالس الابرار میں ہے: وقد صرح العلماء بأن الإلهام و كذلك الرؤيا في المنام ليس شيء منهما مِن أسباب المعرفة بالأحكام خصوصًا إذا خالَف كُلٌّ منهما كتاب الله وسنة رسول الله ﷺ فإن عمر بن الخطاب مع كونه سيد الملهمين و المحدثين كان إذا وقع في قلبه الخواطر لا يلتفت إليها ولا يحكم بها ولا يعمل بها حتى يعرضها على الكتاب والسُّنَّة فهؤلاء الجهلة قد يرى أحدهما أدنى شيء فيحكم فيها خواطره وعلى الكتاب والسُّنَّة ولا يُلتفت إليهما(1).

''علماء اس امر کی تصریح کر چکے ہیں کہ الہام یا خواب کوئی بھی احکام کی معرفت کا ذریعہ نہیں خصوصاً ایسی حالات میں جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ہوں۔ سیدنا عمر بن خطاب ؓ باوجود اس کے کہ وہ اہل الہام اور محدثین کے پیشوا تھے اپنے دل میں آنے والی بات کی طرف التفات نہیں کیا کرتے تھے اور نہ ہی اس کے مطابق کوئی فیصلہ اور عمل کرتے جب تک اسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر پیش نہ کر لیتے یہ جاہل لوگ جب معمولی سی چیز دیکھ لیتے ہیں تو اسی پر اپنے دل کے خطرات کو پکا کر دیتے ہیں اور کتاب وسنت کی طرف التفات نہیں کرتے۔''

---

(۱) مجالس الابرار مع اردو ترجمہ مطارح الانظار: ۱۳-۱۴، مجلس: ۶، مجالس الابرار ومسالک الاخیار عربی: ۴۰، مجلس: ۶، سہیل اکیڈمی لاہور

صنم اور وثن کا معنیٰ

امام راغب[1] فرماتے ہیں: الصَّنَمُ جُثَّةٌ مُتَّخَذَةٌ مِن فِضَّةٍ أو نُحاسٍ أو خَشَب كانوا يعبدونها متقربين به إلى الله تعالى[2].

''صنم، چاندی، تانبے یا لکڑی سے بنے ہوئے جسم کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہ پوجا کرتے تھے۔''

یہ بھی لکھتے ہیں کہ: والوَثَن واحدُ الأوثان، وهو حجارة كانت تُعْبَد[3].

''وثن، اوثان کا واحد ہے، یہ ایسا پتھر ہے جس کی پوجا کی جائے۔''

منتہی الارب میں ہے کہ: صَنَّمَ تَصْنِيمًا: تصویر کردہ نقش بست[4]۔

''صنم [باب سمع سے ہے] صَنَّمَ تَصْنِيمًا: جس کی تصویر بنائی گئی ہو یا نقش و نگاری کی گئی ہو۔''

یہ بھی لکھتے ہیں کہ: وَثَنٌ محرکہ: بت، کَکُتُبٍ[5]۔

''وَثَنٌ: حرکت کے ساتھ بروزن کُتُبٌ، بت کو کہتے ہیں۔''

مجمع البحار میں ہے: الصَّنَم هو ما اتُّخِذَ إلهًا من دونه وقيل هو ما كان له جسمٌ أو صورةٌ وإلا فهو وَثَنٌ[6].

---

(۱) حسین بن محمد بن مفضل ابوالقاسم اِصبہانی [اِصفہانی] ادیب، حکیم اور عالم تھے۔ اِصبہان سے تعلق تھا۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بغداد میں رہائش پذیر تھے۔ اپنے زمانے میں امام غزالی کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ ۵۰۲ھ = ۱۱۰۸ء کو وفات پائی۔ [روضات الجنات: ۲۴۹، الاعلام ۲: ۲۵۵]

(۲) المفردات فی غریب القرآن: ۲۸۷

(۳) المفردات فی غریب القرآن: ۵۱۲

(۴) منتہی الارب فی لغۃ الارب ۲: ۷۰۷، عبدالرحیم بن عبدالکریم، کتابخانہ سنائی، ایران، بدون تاریخ

(۵) منتہی الارب فی لغۃ الارب ۴: ۱۲۹۸

(۶) النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ۳: ۵۵، مجمع بحار الانوار ۳: ۳۵۹

’’ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اِلٰہ بنالیا گیا ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے جس کا جسم اور صورت ہو وہ صنم ہے ورنہ وثن۔‘‘

انہوں نے یہ بھی کہا کہ: والوَثَنُ: هو كل ما له جُثَّةٌ معمولة من جواهر الأرض أو من الخشب والحجارة كصورة الآدمي، والصَّنَم: الصُّورَةُ بِلاَ جُثَّةٍ؛ وقيل هما سواء وقد يطلق الوثن على غير الصورة (۱).

’’ہر وہ چیز جس کا جسم جواہرِ ارضیہ، لکڑی یا پتھر سے بنا ہو، وثن کہلاتا ہے جیسے انسان کی صورت اور صنم، جسم کے بغیر صورت کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صنم اور وثن ایک ہی چیز ہیں اور کبھی کبھار وثن کا اطلاق شکل وصورت کے بغیر والی اشیاء پر بھی ہوتا ہے۔‘‘

مجالس الابرار میں ہے: فالأنصابُ جمع نُصُبٍ بضمتين أو جمع نَصْب بالفتح و السكون: وهو كل ما نُصِبَ وعُبِدَ من دون الله تعالى مِن شَجَرٍ أو حَجَرٍ أو قَبْرٍ أو غير ذلك، والواجب هدم ذلك كله و محو أثره (۲).

’’اَنْصَابٌ، نُصُبٌ۔ دوضموں کے ساتھ۔ کی جمع ہے یا نَصْب۔ نون کے فتحہ اور صاد کے جزم۔ کی جمع ہے: ہر وہ چیز جس کو کھڑا کر کے اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کی عبادت کی جائے خواہ وہ پتھر، درخت اور قبر وغیرہ ہی کیوں نہ ہو، ان تمام کو ختم کرنا اور ان کا اثر مٹانا ضروری ہے۔‘‘

---

(۱) النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ۲: ۸۲۳، مجمع بحار الانوار ۵: ۱۲

(۲) مجالس الابرار مع اردو ترجمہ مطارح الانظار: ۱۲۱، مجلس: ۷؛ مجالس الابرار و مسالک الاخیار عربی: ۱۴۳، مجلس: ۱۷

عربوں کے بت

مجمع البحار میں ہے: نسر وأخواته: أسماء رجال كانوا بنين لآدم عباداً فماتوا فحزن لهم أهل عصرهم فصَوَّرَ لهم إبليس فجعلوها في مؤخرة المسجد للإستيناس فلمّا هلك ذلك العصر قال اللعين : هذه آلِهَة آبائكم فعبدوها ' ثم إن الطوفان دفنها فأخرجها اللعين للعرب (۱) .

"نسر وغیرہ سیدنا آدم علیہ السلام کے عبادت گزار بیٹوں کے نام ہیں' جب وہ مر گئے تو ان کے اہل زمانہ کو دکھ ہوا تو ابلیس نے ان کی مورتیاں بنا کر اُن کو دیں جو انہوں نے استیناس کے لیے مسجد کے ایک کونے میں رکھ دیں جب اس زمانہ کے لوگ فوت ہو گئے تو ابلیس لعین نے کہا کہ یہ تمہارے باپ دادا کے معبود ہیں تو انہوں نے ان کو پوجنا شروع کر دیا پھر طوفان نوح میں وہ مٹی میں دب گئے تو ملعون شیطان نے دوبارہ عرب کے لیے نکال لایا۔"

بالجملہ بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ بت انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی صورتوں پر تھے جیسا کہ امام فخر الدین رازی اور حافظ ابن کثیر اور دوسرے مفسرین نے ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی ہے' جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں ہے: الأصنام التي كانت أسماء لأناس ود وسواع ويغوث ويعوق ونسر وهي أصنام قوم نوح' واللات والعزى ومنات وهي أصنام قريش (۲) .

"بت، اصل میں کچھ لوگوں کے نام تھے: ود، سواع ، یغوث ، یعوق اور نسر قوم نوح کے اور لات عزی اور منات قریش کے بت تھے۔"

---

(۱) مجمع بحار الانوار ۴: ۶۹۴

(۲) الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۱۳ : نوع: ۶۹' جلال الدین عبد الرحمن سیوطی' تحقیق: عبد الرحمن فہمی' دار الغد الجدید القاہرۃ' مصر ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء

اس کے بعد حافظ سیوطی نے صحیح بخاری کی سیدنا ابن عباس سے مروی روایت نقل کی ہے کہ

ود وسواع ویغوث ویعوق ونسر أسماء رجال صالحين من قوم نوح فلما هلكوا أوحى الشيطان إلى قومهم أن انصبوا إلى مجالسهم التي كانوا يجلسون أنصاباً وسموها بأسمائهم ففعلوا فلم تُعبد حتى إذا هلك أولئك ونسخ العلم عبدت (۱).

"ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ ان کی بیٹھکوں پر ان کے نام کے بت نصب کر دو تو انہوں نے ایسا ہی کیا مگر ان کی عبادت نہیں کی جب ان لوگوں کی وفات ہوگئی اور علم ختم ہوگیا تو ان کی عبادت شروع ہوگئی۔"

حافظ سیوطی نے یہ بھی لکھا ہے: أخرج ابن أبي حاتم عن عروة أنهم أولاد آدم لصلبه، وأخرج البخاري عن ابن عباس قال: كان اللاتُ رجلاً يَلُتُّ السَّوِيقَ لِلْحاجِّ (۲)

"امام ابن ابی حاتم نے عروہ سے روایت کی ہے کہ یہ سیدنا آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے۔ امام بخاری نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ لات ایک مرد تھا جو حاجیوں کے لیے ستو بنایا کرتا تھا۔"

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: وهؤلاء يزورون القبور الزيارة المنهي عنها بهذا القصد؛ فإن الزيارة الشرعية مقصودها مثل مقصود الصلاة على الجنازة يُقصَدُ بها السلام على الميت والدعاء له بالمغفرة والرحمة، وأما الزيارة المبتدعة التي هي من جنس زيارة المشركين فمقصودهم بها طلب الحوائج عن الميت أو الغائب، إما أن يطلب الحاجة منه أو يطلب منه أن يطلبها من الله وإما أن يُقسم على الله به. ثم

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۶۳-۶۴؛ نوح: ۶۹

(۲) الاتقان فی علوم القرآن ۴: ۶۴؛ نوح: ۶۹

كثير من هؤلاء يقول : أن ذلك المدعو يطلب تلك الحاجة من الله أو أن الله يقضيها بمشيئته واختياره للإقسام على الله بهذا المخلوق، وأما أولئك الفلاسفة فيقولون : بل نفس التوجه إلى هذه الروح يوجب أن يفيض منها على المتوجه كما يفيض الشعاع من الشمس من غير أن تقصُدَ هي قضاء حاجة أحد، ومن غير أن يكون الله يعلم بشيء من ذلك على أصلهم الفاسد. فتبيّنَ أنَّ شرك هؤلاء وكفرهم أعظم من شرك مشركي العرب وكفرهم، وأن اتخاذ هؤلاء الشفعاء الذين يشركون بهم من دون الله أعظم كفراً من اتخاذ أولئك (۱).

''یہ لوگ قبروں کی زیارت غیر شرعی مقاصد کے لیے کرتے ہیں اس لیے کہ شرعی زیارت کا مقصد اہل قبور پر سلام اُن کے لیے دعاءِ بخشش اور رحمت ہے۔ بدعی زیارت مشرکین ہی کی زیارت کی طرح ہے جو میت یا غائب سے حاجتیں مانگنے کے لیے ہے یا اس لیے کہ میت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے یا اللہ تعالیٰ کو ان اموات کے نام کی قسم دینا ہے، پھر ان میں سے بہت سے لوگ اس عقیدہ سے یہ کام کرتے ہیں کہ یہ مدعو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کر کے ہماری ضرورت پوری کرواتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس قسم کی وجہ سے اپنی مشیت اور اختیار سے مخلوق پر رحمت کرتا ہے۔ فلاسفہ تو اپنے فاسد اصول کی بنا پر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے بغیر ہی اس سے کسی کی حاجات پوری کرنے کا قصد نہ بھی ہو تب بھی اس روح کی طرف نفسِ توجہ ہی سورج کی شعاع کی طرح فیض کے حصول کا ذریعہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا شرک مشرکینِ عرب کے شرک اور کفر سے بڑا ہے اور ان کا اللہ تعالیٰ کے لیے شفعاء بنانے کا کفراُن کے کفر سے بڑھ کر ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُم مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

(۱) کتاب الرد علی المنطقیین: ۵۳۶

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝

[سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۵۶-۵۷]

''کہو: اُن لوگوں کو پکارو جنہیں تم اس کے سوا معبود سمجھتے ہو وہ تم سے تکلیف کو دور کرنے اور بدلنے کا اختیار نہیں رکھتے اور یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''

قرآن مجید کی اس آیت کو حافظ ابن تیمیہ نے درج کر کے لکھا ہے کہ:

والآيةُ تتناوَلُ مَن دُعي غيرَالله وذلك المدعو يبتغي إلى الله الوسيلة-أي:القربى والزُّلفى -ويرجو رحمة الله ويخاف عذاب ربه'وهذا يدخلُ فيه الملائكة والأنبياء والصّالحون : الإنس والجن. وقد قرأ طائفةٌ: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ'فتبيّن أنّ الذين يدعونهم المشركون هم يتقربون إلى الله و يرجونه و يخافونه فكيف يجوز دعائهم؟و هذا كقوله:اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ' وقال الله تعالى : قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ'فذكر سبحانه الأقسام الممكنة'فإنّ المشرك الذي يدعو غير الله ويرجوه ويخافه إمّا أن يجعله مالكاً' أو شريكاً'أو ظهيراً'أو شفيعاً'و هكذا كل من طُلِبَ منهُ أمرٌ مِن الأمورِ ' إمّا أن يكون مالكاً مستقلاً به ' وإمّا أن يكون شريكاً فيه ' و إمّا أن يكون عوناً وظهيراً لرب الأمر'وإمّا أن يكون سائلاً محضاً وشافعاً إلى رب الأمر'فإذاانتفت هذه الوجوه امتنعتِ الإستغاثةُ به'ولهذا كان النّاسُ بعضهم من بعضٍ من الملوك وغيرهم فيما يتساءَ لونه لايخرجون من هذه الأقسام:إمّا أن يكونَ لكل منهما مُلكٌ متميز عن الآخر فيطلب من هذا،

ما في ملكه، و إمّا أن يكون أحدهما شريكاً للآخر فيطلبُ منه ما يطلبُ من الشريك، وإمّا أن يكون أحدهما من أعوان الآخر وأنصاره و ظُهرانه[۱].

"یہ آیت ہر اُس شخص کو شامل ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے۔ وہ مدعو تو اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتا ہے اور اُس کی رحمت کی امید رکھتا ہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہے اس میں ملائکہ، انبیاء، صالحین، جنات اور انسان سب داخل ہیں، ایک جماعت نے اُولئِكَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ پڑھا ہے[۲]۔ سو بیان فرمایا کہ جن لوگوں کو مشرک پکارتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے، اُس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس سے ڈرتے ہیں تو ان کو پکارنا کیسے جائز ہوا؟ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ. [سورۃ الکہف ۱۸:۱۰۲]

"کیا کافر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بندوں کو ہمارے سوا [اپنا] کارساز بنائیں گے۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ. [سورۃ سبأ ۳۴:۲۲-۲۳]

"کہہ دو کہ جن کو تم اللہ کے سوا [معبود] خیال کرتے ہو، اُن کو بلاؤ۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ اِن میں اُن کی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے اور اللہ کے ہاں [کسی کے لیے] سفارش کا فائدہ نہ دے گی مگر اُس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔"

اللہ تعالیٰ نے ممکنہ اقسام کا ذکر کیا، مشرک جو اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتا ہے اس سے امید رکھتا

---

(۱) کتاب الرد علی المنطقیین: ۵۲۹

(۲) یہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔ [اعراب القرآن: ۴۵۹، ابو جعفر احمد بن محمد بن اسماعیل ابن النحاس، تحقیق: ڈاکٹر زہیر غازی زاہد، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء]

ہے اور اس سے ڈرتا ہے یا تو وہ اسے مالک شریک اور مددگار یا سفارشی سمجھتا ہے اسی طرح ہر وہ فرد جس سے کوئی چیز مانگی جاتی ہے یا تو وہ مستقل مالک ہوگا یا وہ اس کا شریک یا مالک کا معاون و مددگار ہوگا یا مالک کے سامنے محض سائل اور سفارشی ہوگا ان سب وجوہات کی نفی سے استغاثہ بھی ممنوع ٹھہرا۔ بادشاہ اور دیگر سب لوگ ایک دوسرے سے مانگنے میں ان ہی اقسام میں کسی نہ کسی ایک کے تحت داخل ہیں یا تو ہر ایک مالک ہونے کی وجہ سے دوسرے سے جدا ہونے کی وجہ اس کی ملکیت کی چیز مانگتے ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ شرکت یا مددگار ہونے کی وجہ سے شریک یا مددگار سے مانگتے ہیں۔"

اس لیے شریعت میں اہل قبور سے یا ان کے وسیلہ سے مدد مانگنے اور سوال کرنے کی غرض سے کی جانے والی زیارت قبور سے روکا گیا ہے۔ مجمع البحار میں ہے:

فإن منهم مَن قصد بزيارة قبور الأنبياء والصلحاء أن يصلي عند قبورهم ويدعو عندها ويسألهم الحوائج وهذا لا يجوز عند أحد من علماء المسلمين فإن العبادة وطلب الحوائج والإستعانة حق لِلّٰهِ وحده(1).

"ان میں سے کچھ لوگ انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کی قبروں کے پاس نماز پڑھنے اُن کو پکارنے اور اُن سے حاجتیں مانگنے کا قصد کر کے جاتے ہیں جو کسی بھی مسلمان عالم کے نزدیک جائز نہیں ہے اس لیے کہ عبادات حاجتیں طلب کرنا اور مدد مانگنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔"

اور مجالس الابرار میں ہے: فإن مبتدأ عبادة الأصنام كان في قوم نوح النبي عليه السلام من جهة عُكوفهم على القبور كما أخبر الله سبحانه وتعالى في كتابه بقوله: وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝

---

(1) مجمع بحار الانوار ۲: ۴۴۴

وقال ابن عباس وغيره من السَّلَف: كانوا هؤلاء قوماصالحين في قوم نوح النبي الطَيْلا فلما ماتوا عكف النَّاس على قبورهم ثم صَوَّرُوا تماثيلهم ثم طال عليهم الأمد فعبدوهم وهذا هو مبتدأعبادة الأصنام' قال ابن القيم في اغاثته نقلا عن شيخه:النَّاس إمَّافي الشرك الأكبرأوفيما دونه من الشرك فإن الشرك بقبر رجل صالح يعتقد صلاحه أقرب إلى النفوس من الشرك بشجر أو حجر ولهذا تجد كثيراًمن الناس عند القبوريتضرعون و يخشعون ويخضعون ويعبدون بقلوبهم عبادة لا يفعلون مثلها في بيوت اللّٰه تعالىٰ'ولافي وقت السحر ويرجون من بركة الصَّلاة عندهاوالدِّماء لديهامالايرجون في المساجدفلِحَسْم مادة هذه المفسدة نهى النبي ﷺ عن الصَّلاة في المقبرة مطلقاً'(1).

''سیدنا نوح الطَيْلا کی قوم میں قبروں پر مجاوری ہی کی وجہ سے بتوں کی عبادت شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ:﴿قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا۝ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا۝﴾ [سورۃ نوح ۷۱:۲۱-۲۳]

''نوح [الطَيْلا] نے کہا: اے میرے رب! یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے ہیں جن کو مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا اور وہ بڑی چالیں چلے اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا''

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف نے کہا کہ یہ سیدنا نوح الطَيْلا کی قوم میں نیک لوگ تھے جب وہ وفات پا گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں کے پاس مجاوری اختیار کی پھر ان

---

(۱) مجالس الابرار مع اردو ترجمہ مطارح الانظار:۱۱۶-۱۱۷'مجلس:۱۷؛ مجالس الابرار وسالک الاخیار عربی:۱۳۸-۱۳۹'مجلس:۱۷

کی تصویریں بنا ڈالیں پھر بڑا عرصہ گزرنے کے بعد اُن کی عبادت شروع کردی۔ بتوں کی عبادت کی بنیاد یہی ہے۔ حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب اغاثہ میں اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اس علت کی بنا پر شارع ﷺ نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے روکا ہے کہ اسی نے بہت سے لوگوں کو یا تو شرک اکبر یا اس سے کم شرک میں مبتلا کیا ہے۔ کسی نیک بندہ کی قبر کا شرک لوگوں کی نظر میں درخت اور پتھر کے شرک سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ قبروں کے پاس عاجزی کرتے ہیں اور دل سے ایسی عبادت کرتے ہیں جو کبھی اللہ تعالیٰ کے گھر اور سحری کے وقت نہیں کی ہوتی اور قبروں کے پاس نماز پڑھنے اور جانور کی قربانی کرنے میں برکت کے حصول کی ایسی امید رکھتے ہیں جو مساجد میں عبادت کے وقت نہیں رکھتے۔ فساد کے اسی مادہ کو ختم کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مقبرہ میں مطلقاً نماز پڑھنے سے روکا ہے (۱)۔''

اکثر مشرکین توحید ربوبیت کا اقرار کیا کرتے تھے جیسے قرآن مجید کی کئی آیات میں اس کی تصریح موجود ہے۔ وہ توحیدِ الوہیت میں شرک کیا کرتے تھے اور انہوں نے انبیاء اور ملائکہ کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنالیا تھا۔ وہ انہیں اس نیت کے ساتھ پکارتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اُن کے لیے سفارش کریں گے' چنانچہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے: انا نعبد هذه الأصنام فإنها شفعاء نا عند الله فهي تشفع لنا عنده فنتخلص من هذا العذاب المحكوم به بسبب شفاعة هذه الأصنام' فأجاب الله عن هذه الشبهة بقوله ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ فنزّه نفسه عن شركة الشركاء والأضداد والأنداد وأن يكون لأحد من الأرواح والأجسام أن يشفع عنده إلّا باذنه (۲).

---

(۱) اغاثۃ اللہفان من مصائد الشیطان ۱:۱۸۴-۱۸۵' ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم' تحقیق: محمد حامد الفقی' دار المعرفۃ بیروت' بدون تاریخ

(۲) التفسیر الکبیر ۷:۱۶۸' بذیل تفسیر سورۃ النحل ۱:۱۶

''ہم ان بتوں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے اور ہمیں ان ہی بتوں کی سفارش کے سبب سے اُس کے مقرر کردہ عذاب سے چھٹکارا ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ کہہ کر دیا ہے اس نے اپنی ذات کو شریکوں کے شرک اور اَضداد و اَنداد سے منزہ اور پاک وصاف رکھا ہے اور اس بات کی تردید کی کہ اجسام اور ارواح میں سے کوئی ایک بھی اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کسی کی بھی سفارش نہیں کر سکتا۔''

امام رازی نے مشرکین کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ: إله العالم أجل وأعظم من أن يقدر الواحد مِنّا على اظهار عبوديته وخدمته، فليس لنا هذا القدر والدرجة ولكن غاية قدرنا أن نشتغل بعبودية بعض المقربين من عباد الله تعالى مثل أن نشتغل بعبادة كوكب أو عبادة ملك من الملئكة ثم إن الملك والكوكب يشتغلون بعبادة الله تعالى فهؤلاء يتقربون إلى الله تعالى بهذا الطريق إلا أنه لما كان فاسدًا في نفسه لاجرم لم يحصل الإنتفاع به. والتأويل الثاني لهم: أنهم قالوا: نحن اتخذنا هذه التماثيل على صور الأنبياء والأولياء شفعاء لنا عند الله وهذا الطريق أيضاً فاسد (۱).

''عالم کا إلٰہ اس سے عظیم اور برتر ہے کہ کوئی اس دنیا میں اس کی عبودیت اور خدمت کر سکے ہمارا وہ درجہ اور قدر اتنا نہیں ہم تو صرف یہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعض مقرب بندوں مثلاً ستاروں اور فرشتوں کی عبادت میں مشغول ہو جائیں اور وہ فرشتے یا ستارے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں۔ یہ مشرکین اس طریقے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے تھے جب یہ طریقہ ہی فاسد تھا اس سے فائدہ کا حصول بھی نہیں ہو سکتا۔ ان کی دوسری تاویل یہ تھی کہ ہم نے یہ مورتیاں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی شکل وصورت میں بنائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہماری سفارش کرتے ہیں یہ طریقہ بھی فاسد ہی تھا۔''

---

(۱) التفسیر الکبیر ۷: ۳۱۷ بذیل تفسیر سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۱۹

امام رازی نے آیت کریمہ: وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ [سورۃ یونس۱۰:۱۸] (۱) کی تفسیر میں فرمایا کہ: ليست لنا أهلية أن نشتغل بعبادة الله تعالى بل نحن نشتغل بعبادة هذه الأصنام وإنها تكون شفعاء لنا عند الله تعالى ثم اختلفوا في أنهم كيف قالوا في الأصنام أنهم شفعاؤنا عند الله؟ وذكروا فيه أقوالاً كثيرة: فأحدها: أنهم اعتقدوا أن المتولي لكل إقليم من أقاليم العالم روح معيّن من أرواح عالم الأفلاك فعيّنوا لذلك الروح صنماً معيناً واشتغلوا بعبادة ذلك الصنم ومقصودهم عبادة ذلك الروح ثم اعتقدوا أن ذلك الروح يكون عبداً للإله الأعظم ومشتغلاً بعبوديته. وثانيها: أنهم كانوا يعبدون الكواكب هي التي لها أهلية عبودية الله تعالى ثم لمّا رأوا أن الكواكب تطلع و تغرب وضعوا لها أصناماً معيّنة واشتغلوا بعبادتها ومقصودهم توجيه العبادة إلى الكواكب. وثالثها: أنهم وضعوا طلسمات معيّنة على تلك الأصنام والأوثان ثم تقرّبوا إليها كما يفعله أصحاب الطلسمات. ورابعها: أنهم وضعوا هذه الأصنام و الأوثان على صور أنبيائهم و أكابرهم و زعموا أنهم متى اشتغلوا بعبادة هذه التماثيل فإن أولئك الأكابر تكون شفعاء لهم عند الله تعالى و نظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الأكابر على اعتقاد أنهم إذا عظّموا قبورهم فإنهم يكونون شفعاء لهم عند الله تعالى (۲).

''ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں اس لیے ہم اِن بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش کریں گے' پھر ان کا آپس میں اختلاف ہے کہ کس

---

(۱) ''اور یہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلائی کر سکتی ہیں اور کہتے ہیں: یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔''

(۲) التفسیر الکبیر۶: ۲۲۷' بذیل تفسیر سورۃ یونس۱۰:۱۸

طرح بت، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کے سفارشی ہیں؟ اس سلسلے میں ان کے کئی اقوال ہیں:

پہلا: ان کا عقیدہ تھا کہ اِس عالم کے ہر ایک اقلیم کے لیے عالم اَفلاک کی ارواح میں سے ایک معین روح متولی ہے جس کے لیے انہوں نے ایک خاص بت بنا رکھا تھا جس کی عبادت میں مشغول رہتے اور اس بت کی عبادت سے ان کا مقصد اس فلکی روح کی عبادت کرنا ہوتا تھا پھر ان کا یہ عقیدہ بھی تھا یہ روح الٰہ اعظم کی بندگی میں مشغول رہتی ہے۔

دوسرا: وہ ستاروں کی پوجا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ ستارے جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی اہلیت ہے اور جب انہوں نے دیکھا کہ ستارے نکلتے اور غروب ہوتے رہتے ہیں تو انہوں نے ان کے معین بت بنا ڈالے اور ان کی عبادت میں مشغول ہو گئے جس سے ان کا مقصود ان ستاروں کی عبادت کرنا تھا۔

تیسرا: انہوں نے ان بتوں اور مورتیوں کے لیے خاص طلسم وضع کیے پھر اصحابِ طلسمات کی طرح ان کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرتے رہے۔

چوتھا: انہوں نے ان بتوں اور مورتیوں کو اپنے انبیاء کرام اور اکابر کی صورت میں بنایا تھا اور ان کا عقیدہ تھا کہ جب وہ ان مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ اکابر اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کی سفارش کرتے ہیں۔ اس کی مثال اس دور میں بہت سے لوگوں کا اکابر کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہونا ہے جن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جب وہ ان کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ بڑے لوگ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کی سفارش کرتی ہیں۔"

امام ابن العربی [1] فرماتے ہیں: وذلك أنهم كانوا يعتقدون أنّ الله تعالى هو الإله

---

(۱) محمد بن عبداللہ بن محمد معافری اشبیلی مالکی ابوبکر ابن العربی۔ قاضی اور حافظ حدیث تھے۔ ۴۶۸ھ = ۱۰۷۶ء کو اشبیلیہ میں پیدا ہوئے۔ علوم کے لیے مشرق کا سفر کیا۔ ادب میں نام پیدا کیا۔ حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور ادب و تاریخ میں کتابیں لکھیں۔ اشبیلیہ کے قاضی رہے ہیں۔ ۵۴۳ھ = ۱۱۴۸ء کو فاس میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴:۲۹۶، الاعلام ۶:۲۳۰]

الأعظم و أن هذه الآلهة إنما يعبدونها ظنًّا منهم أنها تُقرِّبُهم إلى اللهِ زُلفىٰ (۱)

''ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ الٰہِ اعظم ہے اور ان دیگر آلہہ کی اس خیال سے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب لے جاتے ہیں۔''

سارے مشرک ایک ہی خالق کا اقرار کیا کرتے تھے جس کا ذکر قرآن مجید نے کئی آیات میں کیا ہے۔ اُن کا شرک آج کل کے قبر پرستوں کے شرک کے مقابلے میں بہت کم تھا اس لیے کہ وہ سخت ترین مصائب اور بڑے خطرات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّ ظَنُّوْا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔ [سورۃ یونس ۱۰:۲۲]

''وہی [اللہ] تو ہے جو تمہیں خشکی اور دریا میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ سازگار ہوا میں چلتی ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ [اچانک ہی] تیز ہوا آجائے اور ہر جانب سے موج آجائے اور انہیں یقین ہو جائے کہ وہ گھیر لیے گئے تو [اس وقت] وہ اللہ کو [ایسے حال میں کہ] دعا کو [اللہ کے لیے] خالص کر کے پکارنے والے ہوتے ہیں۔''

اور فرمایا کہ: فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِکُوْنَ۔ [سورۃ الروم ۳۰:۶۵]

''پھر جب وہ [مشرکین] کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو [معبودانِ باطلہ کی پکار کو چھوڑ کر] اپنی عبادت [دعاء] کو خالص کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں پھر جب وہ [اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے کر] خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو [وہ اس وقت] اچانک ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔''

امام ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغۃ میں بابُ أقسامُ الشِّرْكِ کے تحت فرمایا ہے کہ:

---

(۱) احکام القرآن ۲:۲۴۴ ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف با بن العربی المالکی دار الجیل بیروت ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۷ء، احکام القرآن ۷:۵۷ بذیل تفسیر سورۃ الانعام ۶:۱۰۹

حقيقةُ الشِّرْكِ أن يعتقد إنسان في بعض المُعَظَّمِين من الناس أن الآثار العجيبة الصّادرة منه إنما صدرت لكونه مُتَّصِفًا بصفة من صفات الكمال مما لم يعهد في جنس الإنسان بل يختص بالواجب جل مجده لا يوجد في غيره إلا أن يخلع هو خلعة الألوهية على غيره أو يفني غيره في ذاته أو يبقَى بذاته أو نحو ذلك مما يظنه هذا المعتقد من أنواع الخرافات(۱).

''شرک کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان کسی بڑی شخصیت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ جو عجیب آثار اُن سے صادِر ہوتے ہیں، وہ اس لیے صادر ہو رہے ہیں کہ اس میں وہ صفاتِ کمال موجود ہیں جن کا کسی انسان میں پایا جانا ممکن نہیں بلکہ وہ اللہ جل مجدہ کے لیے لازم ہیں یا پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو الوہیت کا جامہ پہنا دے یا کسی اور کو اپنی ذات میں فنا کر دے یا وہ بذاتہ بقا کا حامل ہو یا دیگر خرافات جن کا یہ معتقد گمان کرتا ہے۔''

اس کے بعد مشرکین کی تلبیہ کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک لوگوں کو اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا: و كثيرا أمّا يَطّلعُ الإنسا ن على أثر صادر من بعض أفراد الإنسان أو الملئكة أو غيرهما يستبعده من أبناء جنسه ' فيشتبه عليه الأمر فيثبت له شرفا مقدسا و تسخيرا الهيا(۲).

''بسا اوقات کسی انسان کو کسی انسانی فرد یا فرشتوں وغیرہ کا کوئی ایسا اثر و فعل معلوم ہوتا ہے جو اس جیسے دیگر افراد سے صادر نہیں ہو سکتا تو اس پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے جس سے وہ اس کے لیے الوہیت کا شرف' تقدس اور تسخیر ثابت کرنے لگ جاتا ہے۔''

اس کے بعد فرمایا: و المَرضَى بهذا المرض على أصناف منهم من نسي جلال الله

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ ۱:۶۱

(۲) حجۃ اللہ البالغۃ ۱:۶۰

بالكلية فجعل لا يعبد إلا الشُّركاء ولا يرفع حاجتة إلا إليهم، لا يلتفت إلى الله أصلاً، وإن كان يعلم بالنظر البرهاني أن سلسلة الوجوه تنصرم إلى الله، ومنهم من اعتقد أن الله هو السيد وهو المدبر لكنه قد يخلع على بعض عبيده لباس الشرف والتأله ويجعله متصرفاً في بعض الأمور الخاصة ويقبل شفاعته في عباده بمنزلة ملك الملوك يبعث على كل قطر ملكا ويقلده تدبير تلك المملكة فيما عدا الأمور العظام فيتلجلج لسانه أن يسميهم عباد الله فيسويهم وغيرهم فعدل عن ذلك إلى تسميتهم أبناء الله ومحبوبي الله وسَمّى نفسه عبداً لأولئك (۱).

''اس مرض میں مبتلا لوگوں کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض نے تو اللہ تعالیٰ کا جاہ وجلال بالکل ہی بھلا دیا ہے اور صرف شرکاء ہی کی عبادت میں لگ گئے اور ان ہی کے سامنے اپنی حاجات پیش کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل ہی توجہ نہیں کرتے حالانکہ برہانی نظر سے وہ جانتے ہیں کہ اس سلسلۂ وجود کا انجام کار آخر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ بعض کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سید و مدبر ہے لیکن وہ اپنے کسی بندے کو الوہیت اور شرافت کا جامہ پہنا کر اسے بعض خاص کاموں کا اختیار دے دیتا ہے۔ شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے بندوں کے حق میں اس کی سفارش قبول کرتا ہے۔ وہ ہر خطے کو ایک گورنر کے حوالے کرتا ہے اور اسے اس علاقے میں بڑے کاموں کے علاوہ باقی کاموں کی تدبیر بھی سپرد کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ان مشرکین کا رویہ یہ ہے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے بندے نہیں کہتے بلکہ انہیں عباد کہنے سے ان کی زبان اٹک جاتی ہے اور وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے برابر تسلیم کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے ابناء اور محبوبین کہہ کر خود کو ان کے بندے کہتے ہیں۔''

شاہ صاحب نے یہی بات الفوز الکبیر میں بھی لکھی ہے (۲)۔

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ ۱: ۶۱

(۲) الفوز الکبیر: ۳، شاہ ولی اللہ دہلوی، نور محمد اصح المطابع، آرام باغ، کراچی، پاکستان، بدون تاریخ

شاہ صاحب کی یہ بات سچ ہے اس لیے کہ ہمارے اس دور میں ایک ایسا فرقہ وجود میں آگیا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو عبد اور بشر کہنے سے انکار کر دیا اور کہتے ہیں کہ آپ نور ہیں حالانکہ نور رسول اللہ ﷺ کی صفات میں سے ہے اور آپ سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کر کے بشر بنایا اور رسول اللہ ﷺ کو کو حکم دیا کہ:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ [1]. [سورۃ الکہف ۱۸: ۱۱۰]

"کہو: میں تمہاری ہی طرح کا بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔"

---

(۱) امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: فيه تنبيهٌ أنَّ النَّاس يتساوَوْنَ في البشرية، وإنما يتفاضلون بما يختصون به من المعارف الجليلة والأعمال الجميلة فلذلك قال بعده: يُوْحٰى إِلَيَّ تنبيهاً أني بذلك تَمَيَّزْتُ عنكم. [المفردات: ۴۷]

"اس میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ بلاشبہ بشری تقاضوں میں سب انسان برابر ہیں مگر معارفِ جلیلہ اور اعمالِ جمیلہ کے لحاظ سے ان میں تفاوت رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ان معارف و اعمال کے ساتھ مخصوص فرما کر سرفراز کر دیتا ہے چنانچہ جملہ: یُوْحٰی اِلَیَّ میں اس حقیقت پر تنبیہ کی گئی ہے کہ میں تم سے صرف وحی الٰہی کے ساتھ ممتاز ہوں۔"

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے شیخ ولی الدین عراقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اُن سے پوچھا گیا:

هل العلم بكونه ﷺ بشراً ومن العرب شرطٌ في صحة الإيمان أو من فروض الكفاية؟ فأجاب بأنه شرطٌ في صحة الإيمان ثم قال: فلو قال شخصٌ: أُومِنُ برسالة محمد ﷺ إلى جميع الخلق لكن لا أدري هل هو من البشر أو منَ الملئكة أو من الجن أو لا أدري هل هو من العرب أو العجم؟ فلا شكَّ في كفره لتكذيبه القرآن وجَحْدِهِ ما تَلَقَّتْهُ قرون الإسلام خلفاً عن سلف وصار معلوماً بالضرورة عند الخاص والعام - ولا أعلمُ في ذلك خلافاً - فلو كان غبيًّا لا يعرف ذلك وجب تعليمه إياه فإن جحده بعد ذلك حكمنا بكفره.

[روح المعانی ۵: ۱۱۱ بذیل تفسیر سورۃ آل عمران ۳: ۱۶۴]

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو توحید کامل کے ساتھ بھیجا۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں رسول اللہ ﷺ کی بشریت کا ذکر ہے۔ قبر پرستوں نے ہر ملک، ہر خطہ اور ہر علاقے کے لیے قطب اور غوث بنا رکھے ہیں۔ آپ کو بہت کم ہی کوئی بستی ایسی ملے گی جس میں کئی کئی معبود نہ ہوں جن کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ متصرف ہیں۔ حاجات براری میں ان سے مدد مانگتے ہیں اور مصائب میں ان کو پکارتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ: إنهم كانوا يستعينون بغير الله تعالى في حوائجهم من شفاء المريض و غناء الفقير و ينذرون لهم و يتوقعون انجاح مقاصدهم بتلك النذور و يتلون أسمائهم رجاء بركتها فأوجب الله عليهم أن يقولوا في صلاتهم إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ؛ وقال تعالى: فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا، وليس المراد من الدُّعاء العبادة كما قال المفسرون بل هو الإستغاثة لقوله تعالى:

...... ''کیا رسول اللہ ﷺ کی بشریت پر ایمان لانا ایمان کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے یا یہ فرض کفایہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: یہ ایمان کے صحیح ہونے کا [بنیادی] شرط ہے۔ پھر فرمایا: اگر کوئی شخص کہے: میرا تو یہ ایمان ہے کہ رسول اکرم ﷺ سارے انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ بشر تھے یا فرشتہ اور جن یا یہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ عربی تھے یا عجمی، سو ایسے شخص کے کفر میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں اس لیے کہ وہ قرآن مجید کی تکذیب کرتا ہے اور امت کا اس بارے میں جو متواتر اجماعی عقیدہ رہا ہے اور ہر خاص و عام کے نزدیک یہ ضروریات دین میں سے ہے، اس کی مخالفت کرتا ہے، سو اگر یہ شخص لاعلم ہے اور اسے اس کی معرفت حاصل نہیں تو اسے اس کی تعلیم دینا ناگزیر ہے۔ اگر علم رکھنے کے باوجود [آپ ﷺ کی] کا انکار کرے تو ہم اُس کے کافر ہونے کا فیصلہ کریں گے۔''

اور قصیدہ بردہ میں ہے:

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيهِ أَنَّهُ بَشَرٌ ۔۔۔ وَأَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ كُلِّهِمِ

[قصيدة البردة مع الشرح: ۹۸]

''آپ [رسول اللہ ﷺ] کے بارے میں علم و معرفت کی بات یہ ہے کہ آپ بشر تھے اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے بہتر تھے۔''

بل اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ (۱)۔

"وہ اپنی ضروریات مثلاً مریض کی شفایابی اور فقیر کو غنی کرنے میں غیر اللہ سے مدد مانگتے' ان کے نام کی نذر مانتے اور ان نذروں سے اپنے مقاصد پورے ہونے کی امید رکھتے تھے اور برکت کی امید کے ساتھ ان کے ناموں کا ورد کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر لازم کر دیا کہ وہ اپنی نمازوں میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھا کریں اور فرمایا کہ:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا. [سورۃ الجن ۷۲:۱۸]

''پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی نہ پکارو۔''

دعاء سے یہاں مراد عبادت نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ. [سورۃ الانعام ۶:۴۱]

کے مطابق دعاء سے استغاثہ ہی مراد ہے۔"

اسی طرح ہمارے زمانے میں مسلمانوں کے روپ میں شرک کا ارتکاب کرنے والے اپنی حاجات وضروریات میں مافوق الاسباب، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں' مردوں اور غائبوں کو پکارتے ہیں اور اس کا نام پسندیدہ وسیلہ اور اچھی عبادت رکھتے ہیں جس کے لیے انہوں نے جھوٹی احادیث اور جھوٹے قصے گھڑ رکھے ہیں جن سے عن قریب ہم ان شاء اللہ بحث کریں گے' ان میں سے کچھ لوگ ان کے آثار ومشاہد کا قصد کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں ان کے پاس دعاء قبول ہوتی ہے۔ قبروں اور مجاوروں کے پاس ایسی عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے گھر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں کرتے اور ان کے نام کی نذریں اور منتیں مانتے ہیں ان کے کتبوں کو ہاتھ سے چھوتے اور منہ سے چومتے ہیں اور ان کی مٹی لے کر اپنے چہروں پر ملتے ہیں۔ ان سے مدد' اولاد' غنا' مریض کی شفایابی' مصائب سے خلاصی اور حاجات وضروریات کو پورا کرنے کا سوال کرتے ہیں یہ وہی کام ہیں جو بتوں

---

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ ۱:۶۲

اور مورتیوں کے پجاری بتوں اور مورتیوں کے پاس کیا کرتے تھے اور ان مشاہد کی طرف جانے اور سفر کرنے میں حج و عمرہ کی طرح ثواب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: ومنها: الحج لغیر اللّٰہ تعالیٰ، وذلك أن یقصد مواضع متبركة مختصة بشركائهم یكون الحلول بها تقربًا مِن هؤلاء فنهى الشَّرْعُ عن ذلك، وقال النبي ﷺ: لا تُشَدُّ الرِّحَالُ إلَّا إلى ثلاثة مساجد(۱)(۲)۔

''شرک کی اقسام میں سے ایک غیر اللہ کے لیے حج ہے کہ ان کے شریکوں کے ساتھ خاص متبرک مقامات کا قصد کیا جائے اور وہاں جانا ان لوگوں کا تقرب سمجھا جائے تو شریعت نے اس سے روک دیا اور نبی ﷺ نے فرمایا: تین مساجد کے سوا کسی جگہ کی طرف رختِ سفر باندھ کر نہ جاؤ۔''

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: كُلُّ مَنْ ذَهَبَ إلى بَلْدَةِ أُجْمِيْرَ أَوْ إلى قَبْرِ سالار مسعودٍ أَوْ مَا ضَاهَاهَا لأَجْلِ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَإنَّهُ أَثِمَ إثماً أَكْبَرَ مِنَ الْقَتْلِ وَالزِّنَا، أَلَيْسَ مِثله إلَّا مِثْلَ مَنْ كانَ يَعْبُدُ المصنوعات، أو مثل مَن كان يَدعُوا اللّاتَ والعُزّىٰ إلَّا أنّا لا نُصَرِّحُ بالتكفيرِ لعدمِ النَّصِّ من الشارعِ علیه السلام في هذا الأمرِ (۳)۔

''جو کوئی اجمیر یا سالار مسعود کی قبر پر حاجت طلب کرنے گیا تو بے شک اُس نے قتل اور زنا سے بڑا جرم کیا ایسا شخص بالکل اُس شخص کی طرح ہے جو بتوں کی عبادت کرتا ہے، یا اُس شخص کی طرح ہے جو لات و عزّیٰ کو پکارتا ہے، لیکن ہم ایسے فعل کے مرتکب کو صراحۃً کافر نہیں

---

(۱) لا تُشَدُّ الرِّحَالُ إلَّا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجد الرسول ﷺ، ومسجد الأقصى. [صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مکۃ والمدینۃ [۲۰] باب فضل الصلاۃ فی مکۃ والمدینۃ [۱] حدیث: ۱۱۸۹]

(۲) حجۃ اللہ البالغۃ ۱: ۶۳

(۳) تفہیمات الالٰہیۃ ۲: ۴۹-۵۰ تفہیم: ۴۳، شاہ ولی اللہ دہلوی، تصحیح و تحشیہ: استاذ غلام مصطفیٰ قاسمی، المطبع الحیدری، پاکستان ۱۳۸۷ = ۱۹۶۷ء

کہتے اس لیے کہ شارع علیہ السلام سے اس باب میں بالخصوص کوئی نص ثابت نہیں۔"

اور فرمایا: ثم إنّ الشرك بالله سبحانه و تعالى في العبادة حَدُّهُ تعظيم لغير الله تعالى يُقْصَدُ به الزُّلْفى من الله تعالى أو النجاة في الدار الآخرة، ومن أعظم الأمراض في زماننا هذا عبادة شيوخهم أحياء أو لقبورهم أمواتا، وَالْجَهَلَةُ يقتدون بِكَفَرَةِ الهند في عبادة أصنامهم في أفعالهم، وأما الإشراك بالله تعالى استعانةً فَحَدُّهُ أن يطلب من أحد حاجته عالمًا بأن فيه قدرة إنجاحها مِن صَرف الإرادة النّافذة كالشفاء في المرض والأمانة والرزق وخلق الولد مما يَتَضَمَّنُهُ أسماء الله تعالى، والإشراك بالله دُعاءً فَحَدُّهُ أن يذكر غير الله سبحانه عالمًا بأن فعله ذلك نافعٌ له في معاده أو قربه إلى الله كما يذكرون شيوخهم إذا أصبحوا (۱)

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں شریک ٹھہرانے کی تعریف یہ ہے کہ غیر اللہ کی اس قدر تعظیم کی جائے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ میں قربت اور آخرت کے عذاب سے نجات کا ذریعہ سمجھا جائے۔ ہمارے اس دور میں شیوخ کی زندگی میں ان کی اور ان کی موت کے بعد ان کی قبروں کی عبادت کرنا بہت بڑی بیماری ہے۔ جاہل لوگ ہندوستان کے بت پرستوں کے افعال کی پیروی کرتے ہیں۔ استعانت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو ارادۂ نافذہ اور اللہ تعالیٰ کے نام کے متعلقات جیسے مریض کی شفاء موت، رزق، اولاد دینے اور کامیابی دینے پر قادر جان کر اس سے مدد مانگی جائے اور پکار میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا یہ ہے کہ غیر اللہ کو یہ جان کر یاد کیا جائے کہ اس کا یہ فعل آخرت میں اس کو فائدہ دے گا اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہوگا جیسے یہ لوگ اپنے شیوخ کو صبح کے وقت پکارتے ہیں۔"

اور فرمایا: ومن أعظم البدع ما اخترعوه في أمر القبور واتخذوها عبدًا وفي

---

(۱) التفہیمات الإلہیۃ ۲: ۲۴۳، تفہیم: ۵۳

العبادات المؤقتة التي حواه أوراد المشايخ (۱).

''قبروں کے معاملے میں سب سے بڑی بدعت قبروں پر جشن منانا ہے اور عبادت مؤقتہ میں مشائخ کے [نام کے] اوراد ہیں۔''

اور الخیرُ الکثیر میں ہے: إنّ طلبَ الحوائج مِنَ المَوتٰی عالمًا بأنه سبب لإنجاحها کفرٌ یجب الإحترازُ عنه تحرمه هذه الکلمة و الناس الیوم فیها منهمکون (۲).

''مردوں کو کامیابی کا سبب سمجھ کر ان سے حاجات مانگنا کفر ہے اس کلمہ کی حرمت کی وجہ سے اس سے احتراز ضروری ہے۔ آج کل لوگ اس میں بہت پھنسے ہوئے ہیں۔''

البُدُورُ البازِغَة میں فرمایا: و منهم من اعتقد أن اللّٰه هو الشریف و السید و منه التأثیر في العالم لکنه قد یخلع علی بعض العباد لباس الشرف و التأله و یجعله مؤثرا متصرفا في قسط من العالم کما أن ملك الملوك قد یخلع علی بعض عبیده خلعة الملك و یملکه علی ناحیة من ممالکه فهو ملك الملوك و هم ملوك إنما ملکهم هو و کذلك اللّٰه إله الآلهة ؛ و هُم الِهَةٌ لهم قدرٌ عظیمٌ عند اللّٰه تعالی و تصرف في مملکته و شفاعته الیه فتلجلج لسانهم أن یسموهم عباداللّٰه فَیُسَوُّوْهُمْ و غیرهم فعدلوا عن ذلك و سموهم أبناء اللّٰه و محبوبي اللّٰه و معشوقي اللّٰه و سموا سائر الناس عبادًا لأولئك فسموا أنفسهم عبد المسیح و غلامُ فلان و غلامُ فلان و اسفندیار و غیر ذلك و علی هذا المذهبِ الیهودُ و النصارٰی و المشرکون و الغلاة من منافقي دین محمد ﷺ في یومنا هذا (۳).

---

(۱) التفهیماتُ الإلهیۃ ۲: ۴۷، تفہیم: ۵۳

(۲) الخیرالکثیر: ۱۰۵، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مجلس علمی، ڈابھیل، ہند بدون تاریخ

(۳) البُدُورُ البازغة: ۱۲۵، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، تحقیق: ڈاکٹر صغیر حسن معصومی، المطبع الحیدری، پاکستان، ۱۳۸۹ھ = ۱۹۷۰ء

''ان مشرکین میں سے کچھ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سید و مدبر عالم ہے اور عالم میں اسی کا تصرف ہے لیکن کبھی کبھی اپنے بعض خاص بندوں کو شرف اور الوہیت کا لباس پہنا کر انہیں عالم کے کسی کام میں مؤثر اور متصرف بنا دیتا ہے جیسے بادشاہ اپنے کسی غلام کو بادشاہت کا لباس پہنا کر اسے ملک کے کسی حصے پر حکمران بنا دیتا ہے بایں طور کہ وہ خود بادشاہوں کا بادشاہ ہوتا ہے اور وہ خاص بندے لوگوں کے بادشاہ ہوتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ بھی الہ الآلہۃ اور دیگر محبوب افراد آلہہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا مقام اور اس کی مملکت میں ان کا تصرف ہے اور اس کے دربار میں ان کی سفارش قبول ہوتی ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے بندے کہہ کر اوروں کے ساتھ برابر کرنے سے ان کی زبان ڈگمگا جاتی ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب و معشوق کا نام دے کر باقی تمام لوگوں کو ان کے بندے قرار دیا اور اپنے نام بھی عبدالمسیح، غلام فلاں وفلاں اور اسفندیار وغیرہ رکھے۔ یہود نصاریٰ، مشرکین اور ہمارے زمانے کے غالی قسم کے منافقوں کا بھی یہی مذہب ہے۔''

اور فرمایا: ألاترى أنّ مشركي مكة كانوا يذعنون بانصرام سلسلة الوجود إلى الله تعالى كما قال: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ..... فلست أرى إلّا وفيه الإشراكُ كما قال الله: وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ و كفّر الله تعالى مشركي مكة بقولهم لرجل سخي كان يَلُتُّ السّويق للحجاج أنه نصب منصب الألوهية فجعلوا يستعينون به عند الشدائد (1).

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ مشرکینِ مکہ سلسلۂ وجود وانصرام [خلق وانتظام اور فنا] کا مالک اللہ تعالیٰ ہی کے ہونے پر یقین رکھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. [سورة لقمان ۳۱: ۲۵]

---

(1) البُدُورُ البَازِغة: ۱۶۸-۱۶۹

''اگر تم اُن سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا کون ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ!''

اور میں جس کو بھی دیکھتا ہوں اس میں شرک پاتا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ. [سورۃ یوسف ۱۲: ۱۰۶]

''اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہی ہوتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو ان کے اس قول کی بنا پر کافر قرار دیا کہ انہوں نے ایک سخی آدمی کو جو حاجیوں کے لیے ستو پیسا کرتا تھا الوہیت کے منصب پر فائز کر دیا تھا اور اس سے تکالیف میں مدد مانگا کرتے تھے۔''

یہ بھی فرمایا کہ: فلاترى صنفٌ من مشركي العالم إلا وقد جعلوا وسائط بينهم وبين اللہ تعالى في انجاح الحاجات و إلَّا فَكُلُّهُم مُقِرُّوْنَ بالخالق الواحد، فالمجوس جعلوا العقول الكلية وسائط بين اللہ تعالى و خليقته و عقول جزئية مدبرة في نوع نوع (۲).

''ساری دنیا کے مشرکین کی ہمہ اقسام نے اللہ تعالیٰ کے اکیلے خالق ہونے کے اقرار کے باوجود مصائب کے حل میں اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلے بنا رکھے تھے۔ مجوس نے عقول کلیہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان وسیلہ بنایا اور عقول جزئیہ کو بھی بعض انواع میں مدبر مانا۔''

اور الخَيرُ الكثير میں فرمایا: واعلم أن الكفار الذين خاصمهم اللہ في كتابه صنفان: الأول: المشركون؛ وكانوا يشركون الأصنام في العبادة وطلب الحوائج والذبح

---

(۱) البُدُورُ البَازِغَة: ۱۶۸-۱۶۹

(۲) البُدُورُ البَازِغَة: ۱۸۸ [یہ حوالہ مجھے نہ مل سکا۔ س ج حنیف]

والدعاء أي الذكر والنذر والإيمان' وأصل ضلالهم هذا أن آباء هم لحقوا ببعض المقربين من الناس و الملئكة و رأوا منهم التاثير و علموا أنهم أحياء واجب تعظيمهم وأن الله سبحانه لا يُتَقَرَّبُ منه إلّا بواسطتهم فلهذا عظموهم وطلبوا منهم الحوائج وشاع ذلك حتى نشأ هؤلاء المشركون فأشركوا بالله من كل وجه وكاد قلبهم أن يحكم بالألوهية والخالقيه وأذعَجهم أمرما حسي و هوأن الملك العظيم لايستطاع قربه إلّا بواسطة ملوكٍ هُمْ خلفاء ه في أطراف الممالك فهم ملوك وهو ملك الملوك (۱).

"جان لیجئے کہ جن کفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مخاصمہ کیا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: اول: مشرکین جو عبادت' طلب حاجات' ذبح' دعاء' ذکر' نذر اور قسموں میں بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے اور ان کی گمراہی کی بنیاد یہ تھی کہ ان کے خیال میں ان کے آباء و اجداد نے بعض مقرب لوگوں اور فرشتوں کے ساتھ ملاقات کی اور ان کی کچھ تاثیر دیکھی اور جان لیا کہ وہ زندہ ہیں جن کی تعظیم واجب ہے اور ان ہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے لہٰذا انہوں نے ان کی تعظیم کی اور ان سے حاجتیں مانگنا شروع کیا۔ یہ بات پھیل گئی اور یہ مشرک پیدا ہوئے تو انہوں نے ان کو ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا اور ان کے دل ان کو اِلٰہ اور خالق قرار دینے لگے اور ایک حسی کام نے ان کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ایک عظیم بادشاہ ہے اس کا قرب اس کے ماتحت ملوک ہی کے ذریعے سے ہو سکتا ہے۔ ہر علاقے میں اس کے خلیفہ ہیں جو بادشاہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کا بادشاہ ہے۔"

اور حُجَّۃُ اللّٰہِ البَالِغَۃُ میں ہے: والإشراكُ بالنُّجوم وبصالحي العباد الذين ظهر خرق العوائد كالكشف واستجابة الدُّعاء متوارثًا فيهم (۲).

---

(۱) الخير الكثير: ۱۲۶-۱۲۷؛ الخزانة العاشرة

(۲) حجۃ اللہ البالغۃ ۱: ۶۰

''ستاروں اور اُن نیک بندوں کو جن سے کشف اور قبولیتِ دعاء جیسا کوئی خرق عادت کام ظاہر ہوا ہو، اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا تو اُن میں آباء واجداد سے متوارث چلا آرہا ہے۔''

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے: مَن ظَنَّ أن له ولداً أو شريكاً أو أنّ أحداً يشفع عنده بدون إذنه أو أنّ بينه و بين خلقه وَسَائِط يرفعون حوائجهم إليه ' أو أنه نَصَبَ لعباده أولياء من دونه يتقربون بهم إليه ' و يجعلونهم وسائط بينهم و بينه فيدعونهم و يخافونهم و يرجونهم فقد ظن به أقبح الظن و أسوأه (۱)۔

''جو شخص یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا یا کوئی شریک ہے یا کوئی اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر ہی سفارش کرسکتا ہے یا اس کے اور مخلوق کے درمیان واسطے اور ذریعے ہیں جو ان کی حاجات کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں یا اُس نے اپنے بندوں کے لیے اولیاء مقرر کر رکھے ہیں جن کے ذریعہ سے بندے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں یا ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ان کو وسیلہ بنا کر ان کو پکارتے ہیں اور ان سے خوف اور امید رکھتے ہیں تو اس شخص کا یہ گمان اللہ تعالیٰ پر انتہائی قبیح اور برا گمان ہے۔''

قاضی شوکانی (۲) نے لکھا ہے کہ: إعلم ان الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ و البَلِيَّةَ كُلَّ البَلِيَّةِ ......ما صار يعتقده كثيرٌ من النَّاس مِن العوام و بعض الخواص في أهل القبور من أنهم يقدرون على مالا يقدر عليه إلاّ اللّٰه عزوجل و يفعلون مالا يفعل :لا اللّٰه عزوجل حتى نطقت ألسنتهم بما انطوت عليه قلوبهم فصاروا يدعونهم تارة مع اللّٰه و

---

(۱) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۳: ۲۳۳' ابن القیم الجوزیہ' تحقیق: شعیب ارنووط' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء

(۲) محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ شوکانی' فقیہ و مجتہد تھے' اُن کا شمار یمن کے کبار علماء میں ہوتا ہے۔ صنعاء یمن سے تعلق ہے۔ ۱۱۷۳ھ=۱۷۶۰ء کو یمن کے علاقے خولان کے گاؤں شوکان میں پیدا ہوئے۔ صنعاء میں پلے بڑھے۔ بے شمار علمی کتابیں لکھی ہیں۔ ۱۲۵۰ھ=۱۸۳۴ء کو وفات پائی۔ [البدر الطالع ۲: ۲۱۴' الاعلام ۶: ۲۹۸]

تارة استقلالا ويصرخون بأسمائهم ويعظمونهم تعظيم من يملك الضر والنفع ويخضعون لهم خضوعاً زائداً على خضوعهم عند وقوفهم بين يدي ربهم في الصلاة والدعاء، وهذا إذا لم يكن شركا فلا ندري ماهو الشرك، وإذالم يكن كفراً فليس في الدنيا كفرٌ، ولا شكَّ أن ما يفعله القبوريون من الإستغاثة بالأموات و مناداتهم لقضاء الحاجات كفر صُرَاحٌ وشِرْكٌ وَضَّاحٌ (۱).

"انتہائی مصیبت تو یہ ہے کہ بہت سے عوام الناس اور کچھ خواص مردوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کاموں پر قادر ہیں جن پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور وہ بھی وہی کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے ان کے دلوں کی باتیں ان کی زبانوں پر آگئی ہیں کبھی تو وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا کر اور کبھی مستقل طور پر پکارتے ہیں اور ان کے نام کے نعرے لگاتے ہیں اور ان کو نفع اور نقصان کے مالک سمجھ کر ان کی تعظیم کرتے ہیں اگر یہ شرک نہیں تو تم نہیں جانتے کہ شرک اور کیا ہوتا ہے؟ اور اگر یہ کفر نہیں تو دنیا میں کفر کا کہیں وجود ہی نہیں ہوسکتا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قبوری لوگ جو مُردوں سے مدد مانگتے ہیں اور ان کو حاجات پورا کرنے کے لیے پکارتے ہیں صریح کفر اور واضح شرک ہے۔"

اور مجالس الابرار میں ہے: وأماالزيارة البدعية وهي زيارةالقبور لأجل الصّلاة عندهاوالطواف بهاو تقبيلهاو استلامهاو تعفير الخدود عليها و أخذ ترابها و دعاء أصحابها والإستغاثة بهم و سوالهم النصروالرزق و الولد والعافية وقضاء الدَّين وتفريج الكربات و إغاثة اللهفان وغيرذلك من الحاجات التي كان عُبَّادُالأصنام يتسألون من أصنامهم فإن أصل هذه الزيارة الشركية مأخوذ منهم إذ ليس بشيء منهامشروعاًباتفاق علماء المسلمين إذلم يفعله رسول رب العالمين ﷺ

(۱) الدُّرُّالنَّضِيدُ في إخلاصِ كلمَةِ التَّوحيد: ۲۸، محمد بن علی شوکانی، تحقیق: ابوعبداللہ حلبی، دار ابن خزیمۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ

ولا أحد من الصّحابة والتابعين [1].

”قبروں کے پاس نماز‘ طواف‘ قبر کی مٹی لے کر اپنے گالوں پر ملنے‘ ہاتھ لگا کر بوسہ دینے اور قبر والوں کی پکار‘ اُن سے استعانت‘ سوالِ مدد‘ رزق‘ اولاد‘ عافیت‘ قرض کی ادائیگی‘ تکالیف ہٹانے‘ پریشان حال کی فریادرسی وغیرہ کی خاطر قبروں کی زیارت کرنا بدعی زیارت ہے اور یہی وہ حاجتیں ہیں جو بتوں کے پجاری اپنے بتوں سے مانگا کرتے تھے‘ اس شرکی زیارت کی بنیاد ان ہی سے لی گئی ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی کام بھی شروع نہیں ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ اور کسی بھی صحابی اور تابعی نے ایسا نہیں کیا۔“

حافظ ابن قیم نے اغاثۃ اللہفان میں فرمایا ہے کہ: مَن جمع بين سنة رسول الله ﷺ في القبور‘ وما أمر به ونهى عنه وما كان عليه أصحابه‘ وبين ما كان عليه أكثر النّاس اليوم رأى أحدهما مضادًّا للآخر‘ مُنَاقِضًا له‘ بحيث لا يجتمعان أبدًا [2].

”جو شخص قبروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سنت‘ آپ کے اوامر و نواہی‘ صحابہ کرام ؓ کے طرزِ عمل اور آج کل کے لوگوں کے طرزِ عمل کو دیکھے تو وہ ان کو ایک دوسرے کے متضاد پائے گا جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔“

حافظ ابن قیم اپنے شیخ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: وهذه الأمور المبتدعة عند القبور مراتبَ‘ أبعدها عن الشرعِ: أن يسأل الميت حاجته‘ ويستغيثُ به فيها‘ كما يفعله كثيرٌ من النّاس‘ ولا شك أن هؤلاء من جنس عُبّادِ الأصنام...... وكذلك السُّحود للقبر‘ والتَّمَسُّح به وتقبيله [3].

---

(۱) مجالس الابرار مع اردو ترجمہ مطارح الانظار: ۳۲۸‘ مجلس: ۵۷‘ مجالس الابرار و مسالک الاخیار عربی: ۴۵۷‘ مجلس: ۵۷‘ سہیل اکیڈمی لاہور‘ پاکستان‘ ۱۴۳۰ھ = ۲۰۰۹ء

(۲) اغاثۃ اللہفان: ۱: ۱۹۵

(۳) اغاثۃ اللہفان: ۱: ۲۱۷

"قبروں کے پاس ان بدعی امور کے کئی مراتب ہیں جن سب میں سے شریعت سے انتہائی دور کام میت سے اپنی حاجت مانگنا اور اُس سے مدد طلب کرنا ہے جیسا کہ بہت سے لوگ کر رہے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ بتوں کے پجاریوں کی جنس سے ہیں۔ قبر کو سجدہ کرنا اور اسے بوسہ دینا بھی اسی حکم میں ہے۔"

مسند امام احمد میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ: إِنَّ مِن شِرَارِ النَّاسِ مَن تُدرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُم أَحيَاءٌ وَمَن يَتَّخِذُ القُبُورَ مَسَاجِدَ (۱).

"لوگوں میں سے بدترین وہ ہوں گے جو زندہ ہوں اور اُن پر قیامت برپا ہوگی اور وہ لوگ بھی جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔"

اسی وجہ سے ہم انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبروں کے مجاوروں کو ان کی سیرت اور متابعت سے بہت دور پاتے ہیں ان میں سے اکثر کا مقصد اپنا پیٹ پالنا اور اقتدار و ریاست کا حصول ہوتا ہے وہ اُن کے فضائل اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے ریاست اور کھانے حاصل کر سکیں تا کہ ان کے ساتھ محبت اور مال بڑھ جائے اور جو لوگ مُردوں کو پکارتے ہیں تو کبھی کبھار ان کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو وہ اس کی نسبت ان مدعوین کی طرف کر دیتے ہیں اور بسا اوقات شیطان اس غائب کی صورت میں متمثل ہو جاتا ہے جس طرح شیطان متمثل ہو کر بتوں کے پجاریوں کے ساتھ کچھ غیبی امور کے متعلق باتیں کرتے اور ان کی بعض ضروریات کو پورا کر دیتے تھے۔ لیکن یہ سب کام بدعت ہیں جو اسلام میں خیر القرون کے تین اَدوار کے بعد ایجاد کیے گئے اسی طرح قبروں پر مشاہد کے نام پر بنی ہوئی مسجدیں بھی محدث ہیں۔ صحابہ کرام جب بیت المقدس گئے تو ان میں سے کوئی بھی حضرت خلیل علیہ السلام کی قبر پر نہیں گیا اور نہ ہی ان سے مشاہد کی فضیلت اور ان کی طرف جانے کے بارے میں کچھ مروی ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد ۶: ۳۹۴، حدیث: ۳۸۴۴، تحقیق: شعیب ارنووط، دار الرسالۃ العالمیۃ، بیروت، ۱۴۳۶ھ = ۲۰۱۵ء

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے: وأمّا باب فضائل الأعمال والأشخاص والأماكن والزمان والقبور فبابٌ اِتّسَعَ فيه الكذبُ والبهتانُ (۱).

''اعمال' اشخاص' اماکن' زمانوں اور قبروں کے فضائل ایک ایسا باب ہے' جس میں بکثرت جھوٹ اور بہتان کہا گیا ہے۔''

امام ابوداؤد طیالسی (۲) نے روایت کی ہے کہ: إنّ أبابصرة لقي أباهريرة وهو جاء فقال: من أين أقبلتَ؟ قال: أقبلتُ من الطُّورِ صَلَّيْتُ فيه قال: أما إني لو أدركتك لم تذهب إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تُشَدُّ الرحال إلّا إلى ثلاثة مساجد: مسجدي هذا ومسجد الحرام والمسجد الأقصى (۳).

''سیدنا ابوبصرہ غفاری رضی اللہ عنہ (۴) کی ملاقات سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ پوچھا کہاں سے آ رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا میں کوہِ طور پر نماز پڑھ کر واپس آ رہا ہوں فرمایا اگر میری تجھ سے پہلے ملاقات ہو جاتی تو میں تجھے کبھی بھی کوہ طور پر جانے نہ دیتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین مساجد: میری اس مسجد' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف سامانِ سفر نہیں باندھا جائے گا۔''

زیارتِ قبور کی دو قسمیں ہیں: شرعی اور بدعی۔ صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) الرد علی البکری ا:۲۷' احمد بن عبدالحلیم بن تیمیۃ الحرانی' مکتبۃ الغرباء الاثریۃ' مدینہ منورہ ۱۴۱۷ھ

(۲) سلیمان بن داود بن الجارود مولیٰ قریش ابوداود طیالسی' ۱۳۳ھ = ۷۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ فارسی الاصل تھا۔ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ بصرہ میں سکونت تھی اور وہیں ۲۰۴ھ = ۸۱۹ء کو وفات پائی۔ کہا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل سے میں تیس ہزار احادیث زبانی سنا سکتا ہوں۔

[تاریخ بغداد ۹:۲۴' الاعلام ۳:۱۲۵]

(۳) مسند ابی داود طیالسی:۱۹۲' حدیث:۱۳۴۸' مکتبۃ المعارف' ریاض' سعودی عرب' بدون تاریخ

(۴) حمیل/جمیل بن بصرۃ بن وقاص بن حبیب بن غفار ابوبصرۃ غفاری رضی اللہ عنہ۔ حجاز مقدس میں رہائش تھی پھر مصر منتقل ہو گئے۔ [اسد الغابۃ:۱۲۸۸' ترجمہ:۵۷۳۵]

وأمّا الزيارة البدعية وهي زيارة القبور لأجل الصّلاة عندها و الطواف بها و تقبيلها واستلامها و تعفير الخدود عليها و أخذ ترابها و دعاء أصحابها و الإستغاثة بهم وسؤالهم النصر والرزق والولد والعافية و قضاء الدَّيْن و تفريج الكربات وإغاثة اللهفان و غير ذلك من الحاجات التي كان عُبّادُ الأصنام يتسآء لون من أصنامهم فإنّ أصل هذه الزيارة الشركية مأخوذ منهم إذ ليس بشيء منها مشروعا بإتفاق علماء المسلمين إذ لم يفعله رسول رب العالمين ﷺ ولا أحد من الصحابة ﷺ والتابعين وسائر أئمة الدِّين بل قد أنكر الصحابة ماهو دون ذلك بكثير كما روي عن المعذور بن سويد أنّ عمر ﷺ صلّى صلاة الصبح في طريق مكة ثم رأى الناس يذهبون مذهبا فقال: أين يذهب هؤلاءِ ؟ فقيل : مسجد صَلّى فيه رسول الله ﷺ نهم يصلون فيه ' فقال : إنّمَا أُهْلِكَ مَن كان قبلكم بمثل هذا ' كانوا يتبعون اثار أنبيائهم و يتخذونها كنائس و بِيَعًا ' فمن أدركته الصّلاة في هذه المواضع فليصلها فيها و مَنْ لا فَلْيَمض ولا يتعمدها و كذلك لمّا بلغه أنّ الناس يتناولون الشجرة التي بويع تحتها النبيّ ﷺ أرسل إليها فقطعها. فإذا كان عمر ﷺ فعل هذا بالشجرة التي بايَعَ الصّحابة تحتها رسولَ الله ﷺ و ذكرها الله تعالى في القرآن حيث قال: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ' فماذا يكون حكم ماعداها و لقد جرد السّلف الصّالح التوحيد ' و حموا جانبه حتى كانت الصحابة و التابعون حيث كانت الحجرة النبويه منفصلة عن المسجد إلى زمن الوليد بن عبد الملك لا يدخل فيها أحد ' لَا لِصَلَاةٍ ' و لَا لِدُعَآءٍ ' وَ لَا لِشَيْءٍ اخر مما هو من جنس العبادة بل كانوا يفعلون جميع ذلك في المسجد ' لو كان أحدهم إذا سَلَّمَ على النبي ﷺ و أراد الدعاء استقبل القبلة و جعل ظهره إلى جدار القبر ثم دعا و هذا مما لا نزاع فيه بين العلماء وإنما نزاعهم في وقت السلام عليه. قال أبو حنيفة يستقبل القبلة

عندالسلام أيضاًو لايستقبل القبرعندالدعاء‘وقال غيره:لايستقبل القبرعندالدعاء بل قالوا إنه يستقبل القبلة وقتَ الدُّعاء ولا يستقبل القبرحتى لايكون الدعاء عند القبرفإنَّ الدعاء عبادة كماثبت بالحديث المرفوع:أن الدعاء هو العبادة والسَّلَفُ الصَّالح مِن الصَّحابة و التابعين جعلوا العبادة خالصةً لِلّٰهِ ولم يفعلوا عند القبور شيئًامنهاإلَّاماأذن فيه النبي ﷺمِنَ السَّلَام على أصحابهاو سؤال الرحمةو المغفرة والعافيةمن اللّٰهِلهم وذلك أن الميت قد انقطع عمله وهو يحتاج إلى مَن يدعوا له ويشفع لأجله‘ و لهذا شرع في الصلاة عليه من الدعاء له وُجُوباً أو ندباً ما لم يشرع مثله في الدُّعاء للحي فإنالمَّا كنا إذا قمنا إلى جنازة ندعو له ونشفع لأجله فبعد الدفن أولى أن ندعو له و نشفع لأنه في قبره بعد الدفن أَشَدُّ إحتياجًا إلى الدعاء له منه على نعشه لأنه حينئذٍ معرض للسؤال“(۱).

”قبروں کے پاس نماز پڑھنے‘ وہاں طواف کرنے‘ بوسہ دینے‘ ہاتھ لگانے‘ وہاں سے مٹی لے کر گالوں پر ملنے‘ قبروالوں کو پکارنے‘ ان سے مدد طلب کرنے اور ان سے رزق‘ نصرت‘ عافیت‘ اولاد‘ ادائیگی قرض‘ مصائب کو دور کرنے اور پریشان حال کی فریادرسی جیسی ضرورتوں کی غرض سے زیارت کرنا بدعی زیارت کے زمرہ میں آتا ہے یہ وہ ضروریات ہیں جو بت پرست اپنے بتوں سے مانگا کرتے تھے یہ بدعی اور شرکی زیارت ان ہی سے مأخوذ ہے۔

مسلمان علماء کا اتفاق ہے کہ ان کاموں میں سے کوئی کام مشروع نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور تمام ائمہ دین نے یہ کام نہیں کیا بلکہ صحابۂ کرام ؓ تو اس سے کم قسم کے کاموں پر نکیر کیا کرتے تھے۔ معذور بن سوید (۲) سے روایت ہے کہ سیدنا عمر ؓ نے مکہ کے راستے میں صبح

---

(۱) مجالس الابرار مع اردو ترجمہ مطارح الانظار: ۳۳۸...۳۳۹‘ مجلس: ۵۷؛ مجالس الابرار ومسالک الاخیار عربی: ۴۵۷-۴۵۸‘ مجلس: ۵۷

(۲) معذور بن سوید ثقہ تابعی ہیں۔ طویل عمر پائی تھی۔ ۱۲۰ سال کی عمر پائی۔ [الکاشف ۳:۱۶۲]

کی نماز پڑھی پھر دیکھا کہ لوگ ایک طرف جا رہے ہیں۔ پوچھا: یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ اُس جگہ نماز پڑھنے جا رہے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی قسم کے کاموں کی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو تلاش کر کے انہیں کنیسے اور گرجے بنائے جو کوئی نماز کے وقت ان مسجدوں کو پہنچ جائے تو نماز پڑھ لے ورنہ آگے گذر جائے اور ان کا قصد کر کے نہ آئے [۱]۔ اسی طرح جب انہیں خبر ملی کہ لوگ اس درخت کی طرف جاتے ہیں جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے بیعت کی تھی تو آپ نے ایک شخص بھیج کر وہ درخت کٹوا دیا [۲]۔

---

(۱) شرح مشکل الآثار ۱۲: ۵۴۴-۵۴۵ بذیل حدیث: ۵۰۱۴ ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی، تحقیق: شعیب ارنووط، موسسۃ الرسالۃ، حجاز ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء

(۲) امام ابن سعد لکھتے ہیں: أخبرنا عبدالوهاب بن عطاء أخبرنا عبد الله بن عون عن نافع قال: كان الناس يأتون الشجرةَ التي يقال لها شجرة الرضوان فيُصَلُّون عندها؛ قال: فبلغ ذلك عمر ابن الخطّاب فأوعدهم فيها وأمر بها فقُطِعَتْ. [طبقات ابن سعد ۲: ۱۰۰]

اس کی سند میں نافع اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔ نافع کی ایک صحیح حدیث میں ہے جسے وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ: رَجَعْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَمَا اجْتَمَعَ اثْنَانِ عَلَى الشَّجَرَةِ الَّتِي بَايَعْنَا تَحْتَهَا كَانَتْ رَحْمَةً مِنَ اللَّهِ.

[صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر [۵۶] باب البیعۃ فی الحرب [۱۱۰] حدیث: ۲۹۵۸]

"[صلح حدیبیہ کے بعد] جب ہم دوسرے سال دوبارہ آئے تو ہم میں سے دو شخص بھی اُس درخت کی نشان دہی پر متفق نہ ہو سکے جس کے نیچے ہم نے بیعت کی تھی۔ اس [درخت] کا چھپ جانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت تھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اُس درخت کا صحیح مقام اور اُس کی صحیح جگہ کسی بھی صحابی کو یاد نہیں رہا اور یہی بات درخت کو کاٹنے والی روایت کو ضعیف قرار دیتی ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے سعید بن مسیب اپنے والد محترم سیدنا مسیب بن حزن مخزومی قریشی رضی اللہ عنہ کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ:

لَقَدْ رَأَيْتُ الشَّجَرَةَ ثُمَّ أَتَيْتُهَا بَعْدُ فَلَمْ أَعْرِفْهَا.

[صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب غزوۃ الحدیبیۃ [۳۶] حدیث: ۴۱۶۳] ......

جب سیدنا عمر ﷛ نے اس درخت کے ساتھ ایسا کیا جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ﷡ سے بیعت لی تھی اور قرآن مجید نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فرمایا تو اس کے علاوہ دوسرے درختوں کا کیا حکم ہوگا؟ سلف صالحین نے توحید کو خالص رکھا اور اس کے تمام اطراف اور پہلوؤں کی حفاظت کی یہاں تک کہ ولید بن عبدالملک (۱) کے زمانہ تک جب حجرہ نبوی مسجد سے علیحدہ تھا اور صحابہ کرام ﷡ اور تابعین نماز، دعاء اور عبادت کی جنس کے دیگر کام ادا کرنے کے لیے حجرہ

...... "میں نے وہ درخت دیکھا تھا [جس کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی تھی لیکن] بعد میں جب آیا تو میں اسے پہچان نہ سکا۔"

اس سے آگے والی روایت سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے۔ طارق بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: انطَلَقْتُ حَاجًّا فَمَرَرْتُ بِقَوْمٍ يُصَلُّوْنَ قُلْتُ: ما هذا المسجدُ؟ قالوا: هذه الشجرةُ حيثُ بايَعَ رسولُ اللهِ ﷺ بيعةَ الرِّضوان فأتيتُ سعيدَ بنَ المُسَيَّبِ فأخبرتُهُ فقال سعيد: حدَّثني أبي أنَّهُ كانَ فِيمَنْ بايَعَ رسولَ اللهِ ﷺ تحتَ الشَّجرةِ قال: فلمّا خرجْنا مِنَ العامِ المُقْبِلِ نَسِيْنَاها فلم نَقْدِرْ عليها فقال سعيدٌ: إنَّ أصحابَ محمّدٍ لم يعلموها وعَلِمْتُموها أنتم فأنتم أعلمُ.

[صحیح بخاری، کتاب المغازی [۶۴] باب غزوۃ الحدیبیۃ [۳۶] حدیث: ۴۱۶۳]

"میں حج کے لیے نکلا تو چند ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون سی مسجد ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیعتِ رضوان لی تھی۔ میں سعید بن مسیب کے پاس آیا اور انہیں اس کی خبر دی تو اُنہوں نے فرمایا: مجھے میرے والد نے بتایا اور وہ اُن لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی، اُنہوں نے فرمایا: جب ہم اگلے سال حج کے لیے نکلے تو اُس کی جگہ بھول گئے اور اُس کے معلوم کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ سعید بن مسیب نے فرمایا: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے اَصحابِ کرام ﷡ تو اُس درخت کو پہچان نہ سکے اور تم لوگوں نے اُسے پہچان لیا! تم لوگ اُن سے زیادہ جانتے ہو؟"

(۱) ولید بن عبدالملک بن مروان ابوالعباس۔ شام میں دولتِ اموی کے سلطان تھے۔ ۴۸ھ = ۶۶۸ء کو پیدا ہوئے۔ ۸۶ھ کو اپنے والد کی وفات کے بعد امارت سنبھالی۔ اُن کے زمانے میں اسلامی حکومت ہند تک پہنچ گئی۔ ۹۶ھ = ۷۱۵ء کو دمشق میں وفات پائی۔ [مروج الذہب ۳: ۱۵۸، الاعلام ۸: ۱۲۱]

داخل نہیں ہوتے تھے یہ سب کام وہ مسجد میں ہی سرانجام دیا کرتے تھے جب نبی اکرم ﷺ کو سلام پیش کرنے کا ارادہ ہوتا تو قبر کی دیوار کی طرف پیٹھ پھیر کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعاء کیا کرتے تھے۔ علماء کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف تو سلام کے وقت کے بارے میں ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ سلام کے وقت بھی قبر کی طرف رخ نہ کرے، قبلہ ہی کی طرف رخ کرے اور دیگر علماء نے کہا: دعاء کے وقت قبر کی طرف رخ کرے، بلکہ ان کا قول یہ ہے کہ دعاء کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرے اور قبر کی طرف رخ نہ کرے تاکہ دعا عند القبر نہ ہو اس لیے کہ دعا عبادت ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ:

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (1).

''دعاء عبادت ہی ہے۔''

اور سلف صالحین صحابہ وتابعین نے عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کی اہل قبور کو سلام، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت، مغفرت اور عافیت کا سوال اور دعاء جس کی نبی کریم ﷺ نے اجازت دی ہے، کے علاوہ کسی قسم کی عبادت قبروں کے پاس نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کا عمل منقطع ہو چکا ہے اور وہ دعاء اور سفارش کرنے والے کا محتاج ہے اسی وجہ سے نماز جنازہ میں میت کے لیے وجوباً یا ندباً دعاء ہی مشروع کی گئی ہے جب کہ اس قسم کی دعاء زندہ کے لیے مقرر نہیں کی گئی جب ہم جنازہ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو میت کے لیے دعاء اور سفارش کرتے ہیں تو دفن کے بعد بھی قبر والے کے لیے دعاء اور سفارش ہی اولیٰ ہے دفن کے بعد سوال کی پیشی کی وجہ سے دعاء کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔''

اس کے بعد فرمایا: فَبَدَّل أهل البدع والضلال قولاً غير الذي قيل لهم فإنهم قصدوا بالزيارة التي شرعها رسول الله ﷺ إحسانا إلى الميت وإلى الزائر سؤالهم بالميت

---

(1) سنن ابی داود، کتاب الوتر [۸] باب الدعاء [۲۳] حدیث: ۱۴۷۹، سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن [۴۸] باب: ومن تفسیر سورۃ المؤمن [۴۱] حدیث: ۳۲۴۷]

والاستعانة به ولبئس هذا إلا الفتنة التي قال فيها عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ: كيف إذا ألبستكم الفتنة يهرم فيها الكبير وينشأ فيها الصغير يجري على الناس يتخذونها سنة إذا غُيِّرَتْ قِيلَ غُيِّرَتِ السُّنَّةُ (۱)(۲).

''مبتدعین اور گمراہوں نے [رسول اللہ ﷺ کی] بات بدل دی اور وہ بات لے لی جو اس کے سوا تھی، جو اُن کو کہی گئی تھی۔ جس زیارت کو میت پر احسان قرار دیا تھا اس کو میت سے مانگنے اور مدد طلب کرنے کا مقصد بنا دیا۔ یہ وہی فتنہ ہے جس کے بارے میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اس وقت کیا حال ہوگا جب تمہیں فتنہ گھیر لے گا جس میں بڑا آدمی بوڑھا ہو جائے گا اور چھوٹا اس فتنہ میں ہی پرورش پائے گا۔ لوگ اس فتنہ کو سنت سمجھ بیٹھیں گے جب تم اس کو بدل دینا چاہو گے تو لوگ کہیں گے کہ تم نے سنت کو بدل ڈالا۔''

جنازہ کا مقصد میت کے لیے دعاء کرنا ہے باقی لوگ اس میں تبعاً میں داخل ہوتے ہیں۔ زیارت قبور کا مقصد بھی میت کے لیے دعاء ہی ہے اور باقی لوگ یہاں بھی تبعاً داخل ہوتے ہیں بخلاف اس شخص کے کہ اس کا مقصد ہی میت کے وسیلہ سے یا میت کے پاس مانگنا ہو اور یہ سب قبروں کے پاس دعاء کرنے کے حکم میں ہے اگر یہ جائز ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہوتا اور اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو ظاہر کر دیتا۔

حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ (۳): لمّا فتح المسلمون تُسْتُر وجدوا فيه قبر دانيال عليه السلام وكان أهل البلد يَسْتَسْقُوْنَ به فكتب في ذلك أبو موسى رضی اللہ عنہ إلى عمر بن

---

(۱) مستدرک حاکم ۴: ۵۱۴؛ سنن الدارمی 'مقدمہ' باب تغیر الزمان وما یحدث فیہ [۲۲] روایت: ۱۸۵

(۲) مجالس الابرار مع اردو ترجمہ مطارح الانظار: ۳۳۹' مجلس: ۵۷؛ مجالس الابرار ومسالک الاخیار عربی ۴۵۹' مجلس: ۵۷

(۳) المُصنَّف ابن ابی شیبۃ: ابوبکر عبداللہ بن محمد ۱۸: ۳۰۷' روایت: ۳۴۵۱۱' تحقیق: محمد عوامۃ' المجلس العلمی' جوہانسبرگ' ساؤتھ افریقہ' ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء

الخطاب ﷺ فكتب إليه أن احفر بالنهار ثلاثة عشر قبراً وادفنه في الليل في واحد منها لئلا يفتتن به الناس فيستسقون به فهذه كانت سنة الصحابة ﷺ و لهذا لم يكن في زمن الصَّحابة ﷺ و التابعين لهم بإحسان على وجه الأرض في ديار المسلمين مسجد بُنِيَ على قبر ولا مشهد يزار'لا بالحجاز ولا باليمن ولا الشام ولا مصر ولا العراق ولا خراسان وقد ذكر مالك:أن وقوف الناس للدعاء عند قبر النبي ﷺ بدعة لم يفعلها الصحابة ولا التابعون 'ولن يصلح اخر هذه الأمة إلاّ ما صلح أوّلها[1].

''جب مسلمانوں نے تستر [2] کو فتح کیا تو وہاں سیدنا دانیال ؑ کی قبر پائی وہاں کے لوگ ان کے وسیلے سے بارش مانگا کرتے تھے تو سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ [3] نے سیدنا عمر ؓ کو اس سلسلے میں خط لکھا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ دن کے وقت تیرہ قبریں کھودو اور انہیں رات کے وقت کسی ایک میں دفن کر دو تا کہ لوگ بارش مانگتے وقت فتنہ میں نہ پڑیں۔ صحابہ کرام ؓ کا یہ طریقہ تھا اسی وجہ سے اسلامی دنیا میں صحابہ کرام ؓ اور نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں کے دور میں روئے زمین پر ایک بھی مسجد ایسی نہیں تھی جو کسی قبر کے پاس بنی ہو اور نہ ہی کوئی ایسا مشہد تھا جس کی زیارت کی جاتی ہو' نہ حجاز و یمن میں اور نہ ہی

---

(۱) الرد علی البکری ۲: ۵۲۸-۵۲۹' مجموع الفتاوی ۱۵: ۷۲

(۲) تُستَر: شُوش تَر [خوش تر] کا معرب ہے' جو اَنزَہ' اَطیَب اور اَحسَن کے معنیٰ میں ہے۔ خوزستان کا ایک بڑا شہر تھا جو سیدنا عمر ؓ کی خلافت میں فتح ہوا۔ [معجم البلدان ۲: ۲۹]

(۳) عبداللہ بن قیس بن سُلَیم بن حضّار' قحطان قبیلہ کی شاخ بنو اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۰' ۲۱ قبل ہجری کو زبید [یمن] میں پیدا ہوئے۔ ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ حبشہ ہجرت کی۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں زبید' عدن اور ساحل یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ سیدنا عمر ؓ نے اُنہیں ۱۷ ہجری کو کوفہ و بصرہ کا والی مقرر کیا۔ اصبہان اور اہواز آپ نے فتح کیے ہیں۔ ۴۴ھ = ۶۶۵ء کو مکہ میں وفات پائی۔ آپ سے ۳۵۵' احادیث روایت کی گئی ہیں۔ [الاصابہ ۲: ۳۵۹' الاعلام ۴: ۱۱۴]

شام، مصر، عراق اور خراسان میں۔ امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ دعاء کے وقت نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس کھڑا ہونا بدعت ہے۔ صحابہ وتابعین نے ایسا نہیں کیا اور اس امت کے آخری اُفراد کی اصلاح بھی اس طریقے سے ہوگی جس پر پہلے اُفراد کی اصلاح ہوئی تھی۔"

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ: إنَّ مِن أنواع الشرك طلب الحوائج من المَوتَى و الإستعانة بهم، وهذا أصل شرك في العالم، فإنَّ الميت قد انقطع عمله وهو لا يملك لنفسه نفعًا ولا ضرًّا، فضلاً عمن استغاث به، أو سأل قضاء حاجته، أو سأله أن يشفع له إلى الله فيها (۱).

"مردوں سے حاجات اور مدد مانگنا بھی شرک ہی کی ایک قسم ہے اور عالَم میں پھیلنے والے شرک کی بنیاد یہی ہے۔ میت کا عمل ختم ہو چکا ہے اور وہ اپنے لیے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے تو کسی مدد مانگنے والے، حاجات طلب کرنے والے اور سفارش کی دعاء کرنے والے کے لیے اُس کے پاس کیا اختیار ہے؟"

اس قسم کے لوگ جہالت ونادانی کی وجہ سے گمراہی، تباہی اور عذاب میں پڑ جاتے ہیں اور یہ ہر زمانے اور ہر جگہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہیں اور مؤمن موّحد جب بھی کچھ مانگنے کا ارادہ کریں یا کوئی مدد مانگیں تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں اور جب عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اور اسی کی توفیق سے کرتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ: إذا سألتَ فاسألِ الله و إذا استعنتَ فاستعِن بالله (۲).

"جب تو مانگنا چاہے تو اللہ ہی سے مانگ لو اور جب مدد کی ضرورت پڑے تو اللہ ہی سے طلب کرو۔"

(۱) مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین ۱: ۳۴۶، ابن قیم الجوزیہ، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، بدون تاریخ

(۲) سنن ترمذی، کتاب صفة القیامة [۳۸] باب [۵۹] حدیث: ۲۵۱۶

اور مفید میں کہا کہ: نحن نعلم بالضرورة: أن النبي ﷺ لم يشرع لأحد أن يدعو أحداً من الأموات' لا الأنبياء' ولا الصالحين' ولا غيرهم' بلفظ الإستغاثة' ولا بغيرها' كما أنه لم يشرع لأمته السجود لميت' ولا إلى ميت' ونحو ذلك' بل نعلم أنه نهى عن هذه الأمور كلها' وأن ذلك من الشرك الذي حرمه الله تعالى ورسوله ﷺ (۱).

''ہمیں خوب معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کے لیے بھی انبیاء صالحین وغیرہ مردوں کو بطور استغاثہ وغیرہ پکارنا مشروع قرار نہیں دیا جس طرح اپنی امت کے لیے میت کو اور نہ ہی میت کی طرف سجدہ کرنا وغیرہ مشروع کیا ہے بلکہ ہمیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ آپ نے ان سب کاموں سے روکا ہے اور یہ سب کام اس شرک کی جنس سے ہیں جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔''

اور الجواب الکافی میں کہا: حَقِيقَةُ الشرك هو التشبه بالخالق والتشبيه للمخلوق به في خصائص الألوهية' فمِن خصائصِ الألوهيةِ: التَّفردُ بملك الضر والنفع والعطاء والمنع' وذلك يوجب تعليق الدعاء والخوف والرجاء والتوكل به وحده' فمن علق ذلك بمخلوق فقد شبه الخالق (۲).

''شرک کی حقیقت یہ ہے کہ الوہیت کی خصوصیات میں سے کسی بھی خصوصیت میں مخلوق کو خالق اور خالق کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ ضرر' نفع' عطا اور منع کا اکیلا مالک ہونا الوہیت کی خصوصیات میں سے ہے اسی وجہ سے دعا' خوف' امید اور توکل اکیلے اللہ کے لیے ہوگا اور ان اشیاء کو مخلوق کے ساتھ متعلق کرنے والا خالق کے ساتھ تشبیہ دے رہا ہے۔''

---

(۱) المختصر المفید فی عقائد ائمۃ التوحید: ۲۸۳' ابو یوسف مدحت' موسسۃ الریان' بیروت' ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء

(۲) الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی / الداء والدواء: ۱۹۴' فصل فی حقیقۃ الشرک: ۲۳' ابن قیم الجوزیۃ' تحقیق: علی بن حسن' دار ابن الجوزی' الدمام' سعودی عرب' ۱۴۳۰ھ

تطہیر الاعتقاد میں لکھا ہے: وقد عرفت من هذا كله أنّ من اعتقد في شجر أو حجر أو قبر أو مَلَكٍ أو جِنّيٍ أو حَيٍّ أو مَيّتٍ أنه ينفع أو يضر أو أنه يُقَرِّبُ إلى الله، أو يشفع عنده في حاجةٍ من حوائج الدنيا...... أو نحو ذلك فإنه قد أشرك مع الله غيرَه و اعتقَد ما لا يَحِلُّ اعتقاده (۱).

''جب تو نے ان سب سے یہ جان لیا کہ جس نے پتھر، درخت، قبر، فرشتہ، جن اور کسی زندہ یا مردہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا کہ وہ نفع یا نقصان دے سکتا ہے یا وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتا ہے یا اس کی کسی دنیوی حاجت وغیرہ میں اس کی سفارش کرتا ہے تو اس نے اللہ کے ساتھ ایسا شرک کیا جس کا اعتقاد جائز نہیں۔''

الفَوَاكِهُ الْعِذَابِ میں ہے کہ: الذي نعتقده و ندين الله به أنّ مَن دَعَا نَبِيًّا أو وَلِيًّا أو غيرهما و سأل منهم قضاء الحاجات، و تفريج الكربات، أنّ هذا مِن أعظم الشركِ الذي كَفَّرَ اللّٰهُ به المشركين (۲).

''ہمارا یہ عقیدہ ہے اور ہم اس پر اللہ تعالیٰ سے جزا کی امید رکھتے ہیں کہ جس شخص نے کسی نبی یا ولی یا ان کے علاوہ کسی اور کو پکارا اور ان سے حاجت پورا کرنے اور مشکلات کو دور کرنے کا سوال اور مطالبہ کیا تو یہ عظیم ترین شرک ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو کافر قرار دیا ہے۔''

---

(۱) تطہیر الاعتقاد عن أدران الالحاد: ۵۰-۵۲، محمد بن اسماعیل بن صلاح بن الامیر الصنعانی، مکتبۃ الامام الوادعی، یمن، ۱۴۳۰ھ = ۲۰۰۹ء

(۲) الفَوَاكِهُ العِذَاب في الرَّدِّ على مَن لم يُحَكِّم السُّنَّةَ و الكتاب: ۳۱، حمد بن ناصر بن عثمان آل معمر تمیمی حنبلی، دار العاصمۃ، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۰۷ھ

فصل دوم

معترضین کے اعتراضات

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: وأما أولئك الضلال أشباه المشركين النصارى نعمدتهم إما أحاديث ضعيفة أو موضوعة أو منقولات عمن لايُحتَجُّ بقوله، إمّا أن يكون كذبا عليه وإما أن يكون غلطاً منه إذ هي نقل غير مصدق عن قائل غير معصوم وإن اعتصموا بشيء مماثبت عن الرسول حرفوا الكلم عن مواضعه و تمسكوا بمتشابهه وتركوا محكمه كما يفعل النصارى و كما هذا الضال، أخذ لفظ الإستغاثة وهي تنقسم إلى الإستغاثة بالحي والميت، والإستغاثة بالحي في ما يقدر عليه وما لا يقدر عليه فجعل حكم ذلك كله واحداً (۱).

''مشرک اور نصاریٰ جیسے ان گمراہوں کا مستدل ومعتمد یا تو ضعیف اور موضوع احادیث ہوتی ہیں اور یا ان لوگوں کے منقولات پر مبنی ہوتی ہے جن کے قول قابل استدلال نہیں ہوتا اس لیے کہ یا تو وہ اس شخص کی طرف اس کی نسبت جھوٹی ہوتی ہے یا اُس کا قول اُس کی غلطی پر مبنی ہوگا' نیز وہ قول غیر تصدیق شدہ ہوتا ہے اور اس کا قائل کوئی غیر معصوم ہوتا ہے اور اگر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے ثابت کسی بات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں' تب بھی اُس میں گمراہی کا اس لیے شکار ہوتے ہیں کہ اُس کے مفہوم میں تحریف کرتے ہیں اسی طرح اس گمراہ نے بھی استغاثہ کے لفظ سے استدلال کیا ہے جب کہ استغاثہ دو قسم کا ہے: ایک إستغاثة بالحي اور دوسرا إستغاثه بالمیت' نیز إستغاثة بالحي بھی دو طرح کا ہے: ایک

(۱) کتاب الرد علی البکری ۲: ۶۸۰

ان امور میں جو بندے کے اختیار میں ہوں دوسرا ان امور میں جو اس کے اختیار میں نہ ہوں اس گمراہ نے سب کا ایک ہی حکم سمجھا ہے۔"

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ سب گمراہوں اور مبتدعین کا یہی طریقہ ہے۔ کبھی تو وہ علماء راسخین پر جھوٹ باندھ کر ان کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور کبھی ان کی کتابوں میں ملاوٹ کر کے ان سے بے سند و بے سروپا روایات ذکر کرتے ہیں۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ:

الإسنادُ مِنَ الدِّينِ ولَو لا الإسنادُ لقَالَ مَن شآء مَا شآء [1].

"اسناد، دین سے ہے اور اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی جو کچھ کہنا چاہتا کہہ دیتا۔"

صحابہ کرام ؓ دین کے معاملے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ کسی صحابی کی بات کو بھی شاہد کے بغیر قبول نہیں کرتے تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ: كان أول مَن احتَاطَ في قبول الأخبار [2].

"قبولِ روایت میں احتیاط کرنے والے پہلے شخص تھے۔"

پھر اس کے بعد انہوں نے ذکر کیا کہ آپ نے سیدنا مغیرۃ بن شعبۃ ؓ [3] کی جدہ کے میراث کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے روایت قبول نہیں کی اور ان سے پوچھا:

هَل مَعَكَ أحَدٌ؟

"تیرے ساتھ اس پر کوئی اور گواہ بھی ہے؟"

---

(۱) صحیح مسلم، مقدمہ ۱: ۱۵، باب: الاسناد من الدین [۵] روایت: ۳۲ (۲) تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲

(۳) مغیرہ بن شعبۃ ؓ بن ابی عامر بن مسعود ثقفی، ابوعبداللہ، طائف میں ۲۰ قبل ہجری مطابق ۶۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۵ ہجری کو مشرف باسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ، جنگ یمامہ اور فتوحات شام میں شریک رہے۔ جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ جنگ قادسیہ، نہاوند اور ہمدان میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کی مرویات ۱۳۶ ہیں۔ ۵۰ھ = ۶۷۰ء کو کوفہ میں وفات پائی۔

[الاصابۃ ۳: ۴۵۲-۴۵۳، الاعلام ۷: ۲۷۷]

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ [1] کے گواہی دینے پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جدہ کے حصہ کے نفاذ کا فیصلہ کیا [2]۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایتِ حدیث کی جانچ وپڑتال اور دین کے بارے میں احتیاط تھا تاکہ کوئی بھی شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت نہ کر سکے۔

حافظ ذہبی نے آپ کے احادیث کو جلانے کا قصہ بھی اپنے تبصرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: خَشِيتُ أن أموت وهي عندي فيكون فيها أحاديث عن رجل قد ائتمنته ووثقت ولم يكن كما حدثني فأكون قد نقلت ذلك، فهذا لا يصح [3]۔

''مجھے ڈر ہے کہ میں مرجاؤں اور میرے پاس ایک ایسے شخص کی احادیث ہوں جس پر میں نے اعتماد اور بھروسہ کیا ہو اور وہ احادیث حقیقت میں ایسی نہ ہوں جس طرح اس نے میرے سامنے بیان کیں اور میں انہیں نقل کردوں۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے [4]۔''

---

(۱) محمد بن مَسلمہ اوسی انصاری حارثی' ابوعبدالرحمن رضی اللہ عنہ۔ مدینہ منورہ میں ۳۵ ق ھ = ۵۸۹ء کو پیدا ہوئے جلیل القدر صحابی تھے۔ بدر اور اس کے بعد ماسوائے تبوک کے سارے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں بعض غزوات میں مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شرکت نہیں کی۔ مدینہ منورہ میں ۴۳ھ = ۶۶۳ء کو وفات پائی۔

[الاستیعاب: ۶۵۸' ترجمہ: ۱۳۱۶' الاعلام ۷: ۹۷]

(۲) تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲ (۳) تذکرۃ الحفاظ ۱: ۵

(۴) حافظ ذہبی کا اس روایت کو لا یصح کہنا صد فی صد درست ہے اس لیے کہ اس کی سند میں علی بن صالح مدنی راوی ہے جو گیارہویں طبقہ کا مستور راوی ہے۔ [تقریب التہذیب: ۵۷۹' ترجمہ: ۴۷۸۹] نیز اس کا ایک راوی موسیٰ بن عبداللہ بن حسن علوی ہے اگرچہ بعض محدثین اُس کی توثیق کرتے ہیں۔

[التاریخ' یحییٰ بن معین ۲: ۵۹۳' نص: ۱۱۵۲]

مگر امام بخاری فرماتے ہیں: فِيهِ نَظَرٌ۔ [الضعفاء الکبیر' عقیلی ۴: ۱۵۹' ترجمہ: ۱۷۳۰]

اور قاعدہ ہے کہ: إن البخاري إذا قال في الرجل: سكتوا عنه أو فيه نظر فإنه يكون في أدنى المنازل وأردئها۔ [الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث: ۱۰۷]

اسی طرح خلیفہ ثانی ابو حفص سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی بات قبول نہیں کی اور فرمایا کہ:

لتأتيني على ذلك ببينة أو لأفعلن بك فجاءنا أبو موسى منتقعا لونه (۱).

''تم اس پر کوئی دلیل لاؤ گے ورنہ میں تیرے ساتھ ایسا ایسا کروں گا تو سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے تو ان کا رنگ فق ہو چکا تھا۔''

صوفیاء کے اقوال سے استدلال

ان لوگوں کا اکثر استدلال صوفیاء کے اقوال سے ہوتا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے خطبہ میں لکھا ہے: لم تر أهل الخير في شيء أكذب منهم في الحديث؛ قال مسلم: يجري الكذب على لسانهم ولا يتعمدون الكذب (۲).

''تم اہل خیر سے بڑھ کر کسی کو حدیث میں جھوٹا نہ پائے گا۔ مسلم نے کہا کہ ان کی زبان پر جھوٹ جاری ہوتا ہے اور وہ قصداً جھوٹ نہیں بولتے۔''

امام مسلم نے آگے جا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایک پیروکار کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ:

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَيَّ عِلْمٍ أَفْسَدُوا (۳).

''اللہ ان کو غارت کرے انہوں نے کس قدر عظیم علم کو خراب کر دیا۔''

اور صحیح مسلم کے خطبہ میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ:

...... ''جس راوی کے بارے میں امام بخاری سکتوا عنہ یا فیہ نظر کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں اس کی روایت موضوع اور منکر ہوتی ہے اور ان کے نزدیک یہ بدترین قسم کی جرح ہے۔''

(۱) شرح السنۃ ۱۲: ۲۸۰، حدیث: ۳۳۱۸، امام بغوی، تحقیق: زہیر الشاویش و شعیب الارناؤط، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ = ۱۹۸۳ء

(۲) صحیح مسلم: ۶۸، المقدمۃ، باب بیان ان الاسناد من الدین [۵] روایت: ۴۰

(۳) صحیح مسلم ۱: ۶۶، المقدمۃ، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء [۴] روایت: ۴۳

سيكون في آخر أمتي أناس يتحدثونكم ما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم وإياهم (۱).

"میری امت کے آخری دور میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی احادیث بیان کریں گے جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے نہیں سنی ہوں گی تم اُن سے بچتے رہنا۔"

معترضین کا شیوہ ہے کہ کسی متہم (۲) راوی کی روایت یا کسی منکر (۳) روایت سے استدلال کر کے اُس کی سند کو اس لیے حذف کریں گے تا کہ اُس روایت پر جرح وتنقید نہ ہو سکے۔

فتح المُلہم میں ہے کہ: وقد أطبقَ العُلماءُ على وُجوب بيان أحوال الكذّابين من الرُّواةِ وإقامة النَّكيرِ عليهِم صيانةً لِلدِّينِ. قال بعضُ علماءِ الأصول: مِن الواجب الكلامُ في الجرح والتعديل لِيتَمَيَّزَ الصَّحيحُ من الآثارمن السَّقيم وقد دلَّتْ قواعد الشَّرع على أن حفظها فرض كفايةٍ فيما زاد على قدر المتعين، ولا يتأتَّى حفظ الشريعة إلَّا بذلك (۴).

"علماء نے دین کی حفاظت کے لیے راویوں میں سے کذابین کے حالات کے بیان اور ان پر ردونکیر کو لازمی قرار دیا ہے۔ بعض علماء اصول نے کہا ہے کہ جرح اور تعدیل میں کلام کرنا

---

(۱) صحیح مسلم: ۶۵، المقدمۃ، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء [۴] حدیث: ۱۵

(۲) وہ راوی ہے جس کا عام گفتگو میں جھوٹ بولنا ثابت ہو مگر حدیث میں اُس کا جھوٹا ہونا ثابت نہ ہو۔

(۳) مُنکَر [میم کے پیش اور کاف کے زبر کے ساتھ] انکار سے اسم مفعول ہے جو اقرار کا ضد ہے اور اصطلاح میں مُنکَر [اَن جانی] کی دو تعریفیں کی گئی ہیں۔

[۱] مُنکَر وہ روایت ہے جس کی سند میں ایسا راوی ہو جو فسق یا فحش غلط یا کثرت غفلت کا شکار ہو۔ [شرح نخبۃ الفکر: ۸۲]

[۲] اگر ضعیف راوی کا بیان ثقہ راوی کے خلاف ہو تو ضعیف راوی کے بیان کو مُنکَر اور ثقہ کے بیان کو مَعروف کہیں گے۔ [شرح نخبۃ الفکر: ۵۲]

(۴) فتح الملہم شرح صحیح مسلم ۱: ۶۷، موسوعۃ فتح الملہم ۱: ۱۷۸

واجب ہے تا کہ صحیح اور سقیم میں فرق ہو سکے۔قواعد شرع اس بات کا تعین کرتی ہیں کہ اس علم کی حفاظت فرض کفایہ سے بڑھ کر فرض ہے اور شریعت کی حفاظت اس علم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔"

خوابوں سے استدلال

امام شاطبی نے اعتصام میں کہا ہے:

وأضعف هؤلآء احتجاجاً:قوم استندوا في أخذ الأعمال إلى المنامات وأقبلوا وأعرضوا بسببها ، فيقولون : رأينا فلان الرجل الصالح في النوم فقال لنا: أتركوا كذا وكذا واعملوا كذا وكذا،ويتفق مثل هذا كثيرا للمُترَسِّمين برسم التصوف وربما قال بعضهم : رأيت النبي ﷺ فقال لي كذاو أمرني بكذا ،فيعمل بها ويترك بها،معرضاعن الحدود الموضوعةفي الشريعة،وهو خطأ،لأنّ الرؤيا من غير الأنبياء لايُحكم بها شرعاً على حال إلاّ أن نعرضها على ما في أيدينا من الأحكام الشرعية فإنْ سَوَّغتها عُمِل بمقتضاها وإلاّ وَجَب تركها والإعراض عنها (1).

"سب سے زیادہ کمزور استدلال اُن لوگوں کا ہے جو اپنے اعمال کے لیے خوابوں کو دلیل ٹھہراتے ہیں اور اس کے سبب خوابوں کی طرف متوجہ ہوئے اور شریعت سے منہ موڑا۔وہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں نیک شخص کو خواب میں دیکھا جس نے ہمیں کہا فلاں عمل کو چھوڑ دو اور فلاں کام شروع کرو ایسا اکثر صوفیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔اُن میں سے اکثر تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ نے مجھے فلاں کام اختیار کرنے اور فلاں کام چھوڑنے کا حکم دیا اور شریعت کے مقرر کردہ حدود سے منہ موڑ کر ان باتوں پر عمل کرتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اس لیے کہ کسی بھی حال میں انبیاء علیہم السلام کے خوابوں کے علاوہ کسی اور کا خواب قابل عمل نہیں ہوتے۔"

---

(1) الاعتصام ۲:۹۳

بالجملہ مبتدعین کے تمام استدلالات انتہائی ضعیف و کمزور ہیں جو کسی بھی شرعی اصل پر پورے نہیں اترتے وہ ہر کسی کی رائے کو قبول کرتے ہوئے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور قرآنی آیات کی ایسی تعبیر و تفسیر کرتے ہیں جو سلف صالحین میں سے کسی نے بھی نہیں کی ہوگی۔ یہ لوگ ضعیف اور موضوع روایات کو دلیل بناتے ہیں اس لیے ان کی باتیں ناقابل التفات ہیں۔"

امام ابن سیرین [۱] کہتے ہیں: إنَّ هذا العلمَ دِينٌ فانظروا عَمَّنْ تأخذونَ دينكم [۲].

"یہ علم، دین ہے پس تم دیکھا کرو کہ تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو۔"

امام شاطبی نے لکھا ہے: ولذلك تَجِدُ المُبتَدِعَ يَنتَصِرُ لبدعته بأمورٍ تُخَيِّلُ التَّشريعَ ولو بدعوى الاقتداء بفُلانٍ المعروفِ منصِبُه في أهلِ الخَير [۳].

"اس لیے تم دیکھو گے کہ بدعتی شخص اپنی بدعت کے جواز کے لیے ایسے اُمور کا سہارا لیتا ہے جو اس کے خیال میں شریعت کا تقاضا ہوتے ہیں اگرچہ وہ اہل خیر و منصب میں سے کسی معروف شخصیت کی اقتدا کا دعویٰ کرے۔"

امام شاطبی نے اس کے بعد دورِ جاہلیت کے عربوں کا ذکر کیا ہے کہ اُنہوں نے کس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت حنیف کا حلیہ بگاڑ دیا اور کس طرح اُنہوں نے اُن کے دین توحید کو آباء و اجداد کی اقتدا کے دعویٰ کے ساتھ بدلنے کا ذکر کیا ہے [۴]۔

---

(۱) محمد بن سیرین بصری اَنصاری بالولاء، ابو بکر، جلیل القدر تابعی ہیں۔ اپنے زمانہ میں بصرہ کے امام تھے۔ ۳۳ھ = ۶۵۳ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۱۰ھ = ۷۲۹ء کو وفات پائی۔ بزاز تھے۔
[تاریخ بغداد ۵: ۳۳۱، الاعلام ۶: ۱۵۴]

(۲) صحیح مسلم: ۶۶، المقدمۃ، باب بیان ان الاسناد من الدین [۵] روایت: ۲۶ (۳) الاعتصام ۱: ۵۱

(۴) امام شاطبی کی عبارت یہ ہے: فأنتَ ترى العرب الجاهلية في تغيير ملة إبراهيم عليه السلام كيف تأوّلوا فيما أحدثوهُ احتجاجاً منهم له، كقولهم في أصل الإشراك ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ [سورۃ الزمر ۳۹: ۳] وكترك الحمس الوقوف بعرفة لقولهم: لانخرجُ من ......

اسی طرح ہر مشرک اور بدعتی اُن کی پیروی کرتے ہوئے غیر معصوم اشخاص کے غیر معصوم اقوال کی پیروی کرتے ہوئے اور دینی امور میں نص کے مقابلے میں قیاس کرتے ہوئے دین میں فتنہ پھیلاتے ہیں، یہی لوگ سب سے بڑے دینی فتنہ گر ہیں۔

دینی امور میں قیاس

امام شاطبی لکھتے ہیں کہ مبتدعین کے دلائل میں سے دینی امور میں قیاس کرنا بھی ہے اور:

أعظمُهَا فتنةً قومٌ يقيسون الدين برأيهم يحرمون به ما أحَلَّ اللهُ ويُحلُّون به ما حَرَّمَ اللهُ (۱).

"ان فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ وہ قوم ہے جو دینی امور میں اپنی رائے اور قیاس کو داخل کر کے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ چیزوں اور اُس کے حرام کردہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں۔"

امام شاطبی نے اس کے بعد بتایا کہ عقل تو اس چیز کو حسن یا قبیح کہہ دیتی ہے جسے شریعت حسن یا قبیح نہیں کہتی (۲)۔

...... الحرم اعتداداً بحرمته، وطواف من طاف منهم بالبيت عرياناً قائلين: لانطوف بثياب عصينا الله فيها وما أشبه ذلك مما وجُهوهُ ليصَيّروهُ بالتوجيه كالمشروع، فما ظَنُّكَ بمن عَدَّ أو عَدَّ نفسه من خواصّ أهلِ المدينة. [الاعتصام ۱: ۵۱-۵۲]

(۱) الاعتصام ۱: ۱۷۴، ۳: ۱۲۳، ۱۳۷، ۲۲۱

(۲) امام شاطبی لکھتے ہیں: فجعلَ أعظمَ تلك الفرق فتنة على الأمة أهل القياس، ولا كل قياس بل القياس على غير أصل، فإنَّ أهل القياس متفقون على أنه على غير أصل لايصحُّ، وإنّما يكون على أصلٍ من كتاب أو سُنَّةٍ صحيحةٍ أو إجماعٍ معتبرٍ، فإذا لم يكن للقياس أصلٌ -وهو القياسُ الفاسدُ- فهو الذي لايصحُّ أن يوضعَ في الدين، فإنه يؤدّي إلى مخالفة الشرعِ، وأن يصير الحلال بالشرع حرامًا بذلك القياس، والحرام حلالاً، فإنَّ الرأيَ من حيث هو رأيٌ لا ينضبطُ إلى قانونٍ شرعيٍّ إذا لم يكن له أصلٌ شرعيٌّ، فإنَّ العقولَ تستحسنُ ما لا يستحسنُ شرعًا وتستقبحُ ما لا يستقبحُ شرعًا، وإذا كان كذلك صار القياسَ على غير أصلٍ فتنة على الناس. [الاعتصام ۳: ۲۲۱-۲۲۲]

اس کے بعد بتایا کہ اس حدیث کا یہی معنیٰ ہے کہ: إنَّ اللّٰهَ لَا يَقبضُ العلمَ انتزاعًا ينتزعه من الناس، و لكن يقبضُ العلم بقبض العلماءِ حتّٰى إذا لم يبقَ عالِمٌ اتخذَ النّاسُ رؤسًا جُهّالاً فسُئِلُوا فأفتوا بغير علمٍ فَضَلُّوْا و أضَلُّوا[1](۲)

''اللہ تعالیٰ دین کے علم کو ایسے نہیں اُٹھائے گا کہ بندوں کے سینوں سے نکال لے بلکہ اہل علم کو موت دے کر علم کو اُٹھائے گا اور جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے۔ اُن سے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں گے۔''

اکثر باطل پرست اور مبتدعین کے مستدلات یہ چیزیں ہوتی ہیں:

۔۱: ضعیف وموضوع اقوال؛ جن کا حجت اور استدلال سے کوئی دور کا واسطہ نہیں۔

۔۲: صوفیاء کے غیر معتمد اور نا قابل استدلال اقوال۔

۔۳: عجائب وغرائب پر مشتمل؛ جن کا کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے کوئی مأ خذ نہیں ہوتا۔

۔۴: غریب تفاسیر؛ جیسے تفسیر عبدالرحمٰن سلمی، تفسیر مجمع البیان اور اہل تشیع کی تفاسیر

۔۵: ایسی کتابوں سے استدلال واستناد، جن کے مصنفین نے صحت کا اہتمام نہیں کیا۔

ان میں سے بعض بڑے امام تو کبھی ضعیف وموضوع روایات بھی نقل کر دیتے ہیں۔ امام احمد بن محمد بن حنبل۔ جو علم وفضل اور اپنے فن کے امام تھے۔ کی مسند میں ضعیف، معلول اور شاذ روایات موجود ہیں[1]۔ بعض محدثین نے ان کی مسند میں بہت سی احادیث کو باطل کہا

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم [۳] باب کیف یقبض العلم [۳۴] حدیث: ۱۰۰، صحیح مسلم، کتاب العلم [۴۷] باب رفع العلم وقبضہ [۵] حدیث: ۶۷۸۶

(۲) الاعتصام ۱: ۱۱۷: ۳: ۲۴۲

(۱) حافظ عراقی لکھتے ہیں: وأما وجودُ الضعيفِ فهو مُحقَّقٌ بل فيه أحاديثُ موضوعةٌ، وقد جمعتُها في جزءٍ. [التقیید والایضاح: ۵۷، حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی، المکتبۃ......

ہے بلکہ کچھ محدثین نے تو یہ بھی کہا ہے کہ مسند احمد میں موضوع احادیث بھی ہیں (۱)۔

بڑے بڑے محدثین اور اعلام علماء جیسے امام طبرانی' امام ابو یعلیٰ (۲) امام ابن السنی' امام حاکم' امام دار قطنی (۳) اور خطیب بغدادی کی کتابوں میں بھی ضعیف اور موضوع روایات پائی جاتی

..... السلفیہ' مدینہ منورہ' ۱۳۸۹ھ = ۱۹۶۹ء]

''اس میں ضعیف احادیث کا وجود محقق ہے' بلکہ اس میں موضوع روایات بھی ہیں۔ میں نے ان روایات کو ایک جزء میں جمع کیا ہے۔''

اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ: فیہ جملة من الأحادیث الضعیفة ممّا یسوغ نقلها ولا یجب الاحتجاج بها' وفیه أحادیث معدودة شبه موضوع' ولکنها قطرة في بحر.

[سیر اعلام النبلاء ۱۱: ۳۲۹]

''اس میں کئی ایسی ضعیف احادیث پائی جاتی ہیں جن کی نقل و روایت مناسب ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اُن سے احتجاج و استدلال کیا جا سکے اور اس میں چند معدود احادیث ہیں جو موضوع کی طرح ہیں لیکن ان کی نسبت ایسی ہے جیسے ایک قطرہ کی دریا سے نسبت!''

(۱) مسند احمد میں جعفر بن سلیمان ضبعی کی سند سے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ: إنّ علیًّا منّي وأنا منه' وهو وليّ کلّ مؤمنٍ بعدي. [مسند احمد ۴: ۴۳۸]

''بے شک علی [رضی اللہ عنہ] مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں اور میرے بعد وہ ہر مومن کے ولی ہیں۔''

جعفر بن سلیمان کے بارے میں حافظ ابن عدی لکھتے ہیں کہ اس میں تشیع ہے اور جو روایتیں انہوں نے نقل کی ہیں اُن سے ان کے شیعہ ہونے کا استدلال کیا جا سکتا ہے۔ [الکامل فی ضعفاء الرجال ۲: ۳۸۹]

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

هو وليّ کلّ مؤمنٍ بعدي' کذبٌ علی رسول الله ﷺ. [منہاج السنۃ النبویۃ ۴: ۲۹۹]

(۲) احمد بن علی بن المثنی التمیمی الموصلی' ابو یعلیٰ' علماء حدیث میں سے تھے۔ حافظ تھے۔ حافظ ذہبی نے انہیں محدث موصل کہا ہے۔ ثقہ اور مشہور تھے۔ ۹۷ سال کی طویل عمر پائی۔ اُن کے پاس ہر وقت مستفیدین کا تانتا بندھا رہتا۔ ۳۰۷ھ = ۹۱۹ء کو موصل میں وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۴: ۱۷۴ ترجمہ: ۱۰۰' دول الاسلام ۱: ۱۷۷' الاعلام ۱: ۱۷۱]

(۳) علی بن عمر بن احمد بن مہدی' ابو الحسن' دار قطنی' شافعی' اپنے دور کے إمام في الحدیث والعلل ـ

ہیں۔ اگر صرف حدیث بیان کر دینا ہی اُس کی صحت کی دلیل بن سکتا تو محدثین کو جرح ونقد اور قبول وردّ کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور کسی محدث کی کسی راوی کی تضعیف اور جرح جہالت اور حماقت قرار پاتی!

علماء کے اقوال سے استدلال کا جواب

جان لینا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ سارے انسانوں کی کچھ کمزوریاں اور غلطیاں ہوتی ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی انسان معصوم نہیں۔ انسان پر کبھی اُس کی غلطیاں غالب آتی ہیں اور کبھی اس کی نیکیاں اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کا موازنہ شریعت سے کریں۔ انسانوں کی نیکیوں کی اتباع کریں اور اس کی برائیوں سے خود کو بچائیں۔ علماء نے کہا ہے کہ: مَنْ تَتَبَّعَ رُخَصَ الْعُلَمَاءِ فَقَدْ تَزَنْدَقَ (۱)۔

''جو شخص علماء کی رخصتوں کی پیروی کرتا ہے تو وہ زندیق ہو جاتا ہے۔''

...... تھے۔ آپ نے قراءت پر کتاب لکھی اور اس کے ابواب مقرر کیے۔ دار قطن [جو بغداد کا ایک قصبہ ہے] میں ۳۰۶ھ = ۹۱۹ء کو پیدا ہوئے اور بغداد میں ۳۸۵ھ = ۹۹۵ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۳: ۲۹۷، تاریخ بغداد ۱۲: ۳۴، سیر اعلام النبلاء ۱۶: ۴۴۹]

(۱) اس سے شرعی رخصتیں مراد نہیں بلکہ علماء کی شذوذات اور غیر مرجوح رخصتیں مراد ہیں۔

اسے ان ہی الفاظ میں قَالَ الْعُلَمَاءُ کہہ کر نقل کیا جاتا ہے جب کہ ان الفاظ میں اس کا قائل غیر معلوم ہے۔ اس جیسی عبارت کئی علماء کی طرف منسوب ہے۔ مثلاً:

۔امام احمد کہتے ہیں: سمعتُ محمد بن يحيى القطان يقول: لو أنَّ رجلاً عمل بكل رخصة: بقول أهل الكوفة في النبيذ، وأهل المدينة في السماع يعني: الغناء، وأهل مكة في المتعة لكان فاسقًا. [الامر بالمعروف والنہی عن المنکر من مسائل عبداللہ بن احمد بن حنبل: ۱۰۳، رقم: ۱۶۷، ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون البغدادی الخلال، تحقیق: عمرو عبدالمنعم سلیم، مکتبۃ الصحابۃ، الامارات، الشارقۃ ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء]

۔امام ابن عبدالبر لکھتے ہیں: ذكر الطبري عن أحمد بن إبراهيم عن غسّان بن المفضّل قال:......

اور کلمات طیبات میں ہمارے مشائخ کا قول ہے کہ:

وہم چنیں در کلام اولیاء متشابہات اند کہ عقل از ادراک آں قاصر است (۱)

''اولیاء کے کلام میں متشابہات ہوتے ہیں جس کے اِدراک سے عقل قاصر ہوتی ہے۔''

اپنے مذہب کی بنیاد علماء کی غلطیوں پر رکھنے والا شر' نقصان اور جہالت کو جمع کر کے کھلم کھلا شریعت کی مخالفت ہے' اسی طرح علماء اور فقہاء کی کتابوں میں کچھ غلطیاں اور خطائیں پائی جاتی ہیں جو اُن کی کتابوں میں مدسوس ہوتی ہیں جیسا کہ شیخ عبدالوہاب شعرانی (۲) نے کہا ہے اور یا ان پر افتراء ہے۔ آپ یہ بھی لکھتے ہیں: وَاعْمَلْ بِالرُّخَصِ بِشَرْطِهَا (۳)

...... أخبرني خالد بن الحارث قال: قال لي سليمان التيمي: إن أخذت برخصة كل عالم اجتمع فيك الشر كله. قال أبو عمر [أي: ابن عبدالبر] هذا إجماعٌ لا أعلمُ فيه خلافاً.

[جامع بیان العلم وفضلہ ۲: ۱۱۹' رقم: ۱۷۶۷' ابو عمر یوسف بن عبدالبر' تحقیق: ابوالاشبال الزہری' دار ابن الجوزی' الدمام' سعودی عرب' ۱۴۲۷ھ' الموافقات فی اصول الشریعۃ ۴: ۱۴۲]

- امام بیہقی نے امام اوزاعی کے حوالے سے لکھا ہے: مَنْ أَخَذَ بِنَوادِرِ العلماءِ فَفِيْهِ الْخَمَر.

[شعب الایمان ۴: ۳۱۵' برقم: ۱۹۲۳]

اور یہ بھی لکھا ہے: مَنْ أَخَذَ بِنَوادِرِ العلماءِ خرج من الإسلام. [السنن الکبریٰ ۱۰: ۲۱۱]

(۱) کلمات طیبات: ۱۳۲' محمد علی مراد آبادی' مطلع العلوم مراد آباد ہند' بدون تاریخ

(۲) ابو محمد عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانی' حنفی' محمد بن حنفیہ کی طرف منسوب ہونے سے حنفی کہلائے۔ ۸۹۸ھ = ۱۴۹۳ء کو مصر کے قلقشندہ قصبے میں پیدا ہوئے۔ منوفیہ کے قصبہ ساقیۃ أبی شعرۃ میں پلے بڑھنے کی وجہ سے شعرانی کہلاتے ہیں۔ صوفی اور عالم دین ہیں۔ اَن گنت کتابیں لکھیں۔ ۹۷۳ھ = ۱۵۶۵ء کو وفات پائی۔ [الکواکب السائرۃ ۳: ۱۵۷-۱۵۸' ترجمہ: ۱۴۷۳' الاعلام ۴: ۱۸۰]

(۳) امام شعرانی لکھتے ہیں: ثم لا يخفى عليك يا أخي أنّ كلَّ من فعلَ الرُّخصةَ بشرطها والمفضولَ بشرطه فهو على هدى من ربه في ذلك و لولم يقل به إمامه.

[کتاب المیزان ۱: ۹۹' عبدالوہاب شعرانی' تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرۃ' عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۹ھ = ۱۹۸۹ء]

"اور رخصتوں پر اُن کی شرط کے مطابق عمل کرو۔"

روافض نے شیخ عبدالقادر جیلانی (۱) کی کتاب الغُنیۃُ لِطالِبِي طریقِ الحق میں اپنی طرف سے ملاوٹ کی۔ بَرْهُوتِي نے کتابُ الشَّجَرۃ میں کہا ہے کہ الغنیۃ میں غیر ناجیہ فرقوں میں احناف کا ذکر دین کے دشمنوں کی دسیسہ کاری ہے (۲)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے امام ابوبکر باقلانی (۳) کی کتاب الإنتصار للقرآن کے حوالے سے لکھا ہے کہ: إنَّ وجود مسألةٍ في كتاب أوفي ألفِ كتابٍ منسوبةٍ إلى إمام: لا يَدُلُّ على أنه قالها حتى يُنْقَل ذلك نقلاً متواترًا يستوي فيه الطرفان والواسطة و هذا عزيزُالوجود (۴).

---

(۱) عبدالقادِر بن موسیٰ بن عبداللہ بن جنگی دوست، حسینی، ابو محمد۔ ۴۷۱ھ = ۱۰۷۸ء کو گیلان میں پیدا ہوئے۔ عالم دین اور ولی اللہ تھے۔ ۴۸۸ھ کو بغداد منتقل ہوئے اور وہیں ۵۶۱ھ = ۱۱۶۶ء کو وفات پائی۔
[الطبقات الکبریٰ شعرانی: ۱۸۱، الاعلام ۴: ۴۷]

(۲) یہ پوری عبارت مولانا عبدالحی لکھنوی کی ہے لیکن مولانا محمود حسن ٹونکی لکھتے ہیں کہ: ومع ذلك فلا ينبغي أن يعول على البرهوتي و كتاب الشجرة فإنهما مجهولانِ حالةً في ذاتهما وصفاتهما وكذا لاتعويل على نقل الشيخ عنهما.
[معجم المصنفین ۲: ۱۵۸-۱۵۹، محمود حسن ٹونکی، مطبعۃ وزنکوغراف طبارۃ، بیروت، ۱۳۴۴ھ]
"اس کے باوجود [کہ اس سے الزام کا جواب ہوسکتا ہے] یہ مناسب نہیں کہ برہوتی اور کتاب الشجرۃ کا حوالہ دیا جائے اس لیے کہ برہوتی بھی مجہول ہے اور کتاب الشجرۃ بھی اور یہ دونوں ذاتی اور وصفی دونوں لحاظوں سے مجہول ہیں اسی شیخ عبدالحی لکھنوی کا اُن پر حوالہ دینا چنداں مفید نہیں۔"

(۳) محمد بن طیب بن محمد بن جعفر، ابوبکر، قاضی۔ کبار علماء کلام میں سے تھے۔ اشاعرہ کے سرخیل تھے۔ ۳۳۸ھ = ۹۵۰ء کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔ سکونت بغداد میں تھی۔ صحیح استنباط مسائل اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے۔ عضد الدولہ کی طرف سے روم کی سفارت پر چلے گئے۔ قسطنطنیہ میں نصرانیوں سے کئی کامیاب مناظرے کیے۔ ۴۰۳ھ = ۱۰۱۳ء کو بغداد میں وفات پائی۔
[وفیات الاعیان ۴: ۲۶۹، الاعلام ۶: ۱۷۶]

(۴) الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل: ۳۸۱، ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی، تحقیق: استاذ عبدالفتاح ابوغدۃ، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۷ء

''کسی امام کی طرف منسوب کسی مسئلے کا کسی ایک کتاب یا ہزار کتابوں میں موجود ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس امام نے وہی کچھ کہا ہو گا جب تک وہ ایسی متواتر نقل کے ساتھ نہ پہنچے جس میں دونوں طرف اور واسطہ برابر ہو اور یہ بہت کم ملنے والی چیز ہے۔''

امام غزالی کی إحیاء علوم الدین میں ملاوٹ کی گئی جو قاضی عیاض کے ہاتھ لگ گئی تو انہوں نے اس نسخہ کے جلانے کا حکم دیا[1]۔

اسی طرح ابن عربی کی کتابوں میں دسیسہ کاری کی گئی جیسا کہ رد المحتار میں ہے[2]۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے: دَسُّوا عليَّ أنا في كتابي المُسَمَّى بالبحر المورود جملة من العقائد الزائغة وأشاعوا تلك العقائد في مصر و مكة نحو ثلاث سنين وأنا بريء منها[3]۔

''لوگوں نے میری کتاب البحر المورود میں اپنی طرف سے کئی باطل عقائد کا اضافہ کیا اور تین سال تک مصر اور مکہ مکرمہ میں ان کی اشاعت کرتے رہے حالانکہ میں اس سے بری ہوں۔''

انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: قد دَسَّ الزنادقة تحت وِسادة الإمام أحمد بن حنبل في مرض موته عقائد زائغة ، و لولا أنَّ أصحابه يعلمون منه صحة الإعتقاد منه لافتتنوا بما وجدوه تحت وسادته، و كذلك دَسُّوا على شيخ الإسلام مجد الدين الفيروزآبادي صاحب القاموس كتاباً في الرد على أبي حنيفة و تكفيره ، و دفعوه الى أبي بكر الخياط اليمني البغوي فأرسل بلوم الشيخ مجد الدين على ذلك فكتب إليه: إن كان بِكَفِّك هذا الكتب فأحرقه فإنه افتراءٌ من الأعداء[4]۔

---

(۱) الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر ۱: ۲۳ عبدالوہاب شعرانی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء

(۲) رد المحتار علی در المختار ۳: ۳۲۲: باب المرتد

(۳-۴) الیواقیت والجواہر ۱: ۲۳ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل: ۳۸۳

''زنادقہ نے امام احمد بن محمد بن حنبل کی مرضِ موت کے دوران ان کے تکیہ کے نیچے باطل عقائد رکھ دیے اگر ان کے ساتھی اُن کے صحیح عقائد کو نہ جانتے ہوتے تو تکیہ کے نیچے سے پائے جانے والے باطل عقائد سے فتنہ میں پڑ کر گمراہ ہو جاتے' اسی طرح کچھ لوگوں نے مجدالدین فیروز آبادی [1] صاحب قاموس کی طرف منسوب کر کے امام ابوحنیفہ کی تردید وتکفیر پر مشتمل کتاب لکھ کر ابوبکر خیاط یمنی بغوی [2] کے حوالے کی تو انہوں نے ان کو ملامت کرتے ہوئے خط بھیجا تو انہوں ان کی طرف خط لکھا کہ اگر وہ کتاب تیرے پاس ہو تو اس کو جلا دینا کیونکہ یہ دشمنوں کا اِفترا ہے۔''

اور مجالس الابرار میں ہے کہ: والمحققون من علماء الطريقة قد تمسكوا بالكتاب والسنة و وزنوا بهما أفعالهم ومُجَاهَداتهم ومُكَاشَفَاتهم فما وجدوه غير موزونٍ بهذين الميزانين وغير ثابت بهذين الشاهدين لم يعتبروه و لم يلتفتوا اليه . قال أبو سليمان الداراني: ربمايقع في قلبي نكتةمن نكت القوم فلا أقبلهاإلّا بشاهدين عادلَين من الكتاب و السنة . قال أبو حفص الكبير : مَن لم يزن أقواله و أفعاله

---

(۱) ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم' مجد الدین' شیرازی' شافعی' عربی لغت نویس ۷۲۹ھ = ۱۳۲۹ء کو گازرون [شیراز] میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شیراز میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے واسط اور بغداد تشریف لے گئے۔ دمشق' مصر اور شام کی سیاحت بھی کی۔ ۷۹۶ھ کو زبید چلے گئے اور وہیں ۸۱۷ھ = ۱۴۱۵ء کو وفات پائی۔ [البدر الطالع ۲: ۲۸۰' الاعلام ۷: ۱۴۶]

(۲) محمد بن ابی بکر بن محمد بن خیاط' جمال الدین' یمنی ابن الامام رضی الدین۔ حافظ حدیث تھے۔ یمن کے مفتی رہے ہیں۔ ۷۸۴ھ کو ''جبلۃ'' یمن میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ بڑے بڑے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ مجدالدین فیروز آبادی کے شاگرد رہے ہیں۔ یمن میں اپنے زمانے میں علم حدیث کے چوٹی کے عالم مانے جاتے ہیں۔ ۸۳۹ھ کو یمن میں طاعون سے وفات پائی۔
[انباء الغمر بانباء العمر فی التاریخ ۸: ۴۰۷' ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء؛ الضوء اللامع لاہل القرن التاسع ۷: ۱۷۱' ترجمہ: ۴۲۶' شمس الدین محمد بن عبدالرحمن بن محمد السخاوی' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۳ء]

بميزاني الكتاب والسُّنة لم يتهم خواطره فلا تعدوه في ديوان الرجال، وقال أبو يزيد البسطامي ولو نظرتم إلى رجل أعطي نوعاً من الكرامات حتى تربَّع في الهواء ومشى على الماء فلا تغتروا به حتى تنظروا كيف تجدونه عند الأمر والنهي وحفظ الحدود وأداء أحكام الشريعة، وقال الجنيد البغدادي: الطرق إلى الله بعدد أنفاس الخلائق وكلها مَسْدُودَةٌ على الخلق إلا على مَن اقتفى أثر الرسول ﷺ(۱)

''اور اہل طریقت کے محقق علماء نے کتاب اور سنت کو مضبوطی سے پکڑا ہے اور اپنے اقوال، افعال، مجاہدوں اور مشاہدوں کا موازنہ قرآن وسنت کے ساتھ کیا جو کچھ ان دونوں میزانوں کے ساتھ مطابق نہ ہوا، اور ان دونوں گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ ہوا ہوا تو انہوں اس کو کچھ اہمیت نہیں دی اور نہ ہی اس کی طرف توجہ کی۔ ابو سلیمان دارانی (۲) نے کہا ہے: کبھی کبھار میرے دل میں ان لوگوں کے نکات میں سے کوئی نکتہ آجاتا ہے جسے میں اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک دو عادل گواہوں کتاب اور سنت کے موافق نہ پاؤں (۳)۔

اور ابو حفص کبیر (۴) نے کہا کہ جو کوئی اپنے اقوال اور افعال کو دو میزانوں کتاب اور سنت کے ساتھ تو لتا نہیں اور اپنے خیالات اور دل میں آنے والے خطرات کو بے جا نہ سمجھے تو اسے مردوں [یعنی: رجالِ دین] کی فہرست میں ہی شمار نہ کرو (۵)۔

---

(۱) مجالس الابرار مع اردو ترجمہ مطارح الانظار: ۱۴، مجلس: ۱؛ مجالس الابرار و مسالک الاخیار عربی: ۱۹-۲۱، مجلس: ۱

(۲) عبدالرحمٰن بن عطیہ، داران دمشق کا ایک گاؤں کا نام ہے۔ انہوں نے ۲۱۵ھ کو وفات پائی۔ [رسالہ قشیریہ: ۳۰]

(۳) رسالہ قشیریہ: ۳۲، الاعتصام ۱: ۹۳

(۴) ابو حفص عمر بن مسلمۃ الحداد کورداباذ کے باشندے تھے، جو نیسابور کے قریب بخاری کے راستہ میں ہے۔ ائمہ اور سادات میں سے تھے۔ ۲۶۰ھ کے لگ بھگ وفات پاگئے۔ [رسالہ قشیریہ: ۳۵]

(۵) رسالہ قشیریہ: ۳۵

ابو یزید بسطامی [۱] نے کہا کہ اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے بہت سی کرامات دی گئی ہیں حتیٰ کہ وہ ہوا میں اڑتا اور پانی پر چلتا ہے تو اس سے دھوکے میں نہ پڑنا جب تک تم یہ نہ دیکھ لو کہ امر، نہی، حدود اللہ کی حفاظت اور احکامِ شریعت کی ادائیگی میں اسے کیسا پاتے ہو۔ جنید بغدادی [۲] نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے تمام راستے مخلوق کے سانسوں کی تعداد کے برابر ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والوں کے سوا تمام افراد کے لیے بند پڑے ہیں [۳]۔"

---

(۱) ابو یزید بن طیفور بن عیسی بُسطامی، اُن کے دادا قبولِ اسلام سے پہلے مجوسی تھے۔ ان کے دو بھائی اور تھے اور سب کے سب زاہد و عابد تھے۔ ۲۶۱ھ یا ۲۳۴ھ کو وفات پائی۔ [رسالہ قشیریہ: ۳۷]

(۲) سید الطائفہ ابو القاسم جنید بن محمد، ان کا تعلق نہاوند سے تھا۔ عراق میں پیدا ہوئے، ان کے والد شیشہ فروش تھے، اسی لیے قواریری سے مشہور ہوئے۔ امام ابو ثور کے مذہب کے فقیہ تھے، اور اُن کی موجودگی میں اُن ہی کے حلقہ درس میں فتویٰ دیا کرتے تھے، اُس وقت اُن کی عمر بیس سال کی تھی۔ ۲۹۷ھ تاریخ وفات ہے۔ [رسالہ قشیریہ: ۵۰-۵۱]

(۳) رسالہ قشیریہ: ۵۰، الاعتصام ۱: ۹۵

فصل سوم

مسئلہ وسیلہ

عمومی طور پر معترضین کا اثاثہ محض کمزور آراء اور جھوٹے اقوال ہی ہوتے ہیں۔ ان کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی زندہ یا مردہ صاحب مرتبہ کا وسیلہ قرآن مجید اور سنت سے ثابت ہے۔ ایک رافضی (۱) نے اپنی کتاب میں ایک پوری فصل میں وسیلہ کی وہ تمام شرکیہ انواع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو مشرکین اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ثابت کیا کرتے تھے اور اس میں وہ سارے رسوا کنندہ اور باطل شرکیات کا ذکر کر دیا جو جاہل لوگ قبروں کے پاس جا کر کرتے ہیں اور اپنی عادت کے مطابق دجل، فریب، جھوٹ، افترا اور حیلوں سے کام لیا ہے اور ایسے شبہات ذکر کیے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زخرف القول سے تعبیر کیا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا. [سورة الانعام ۶: ۱۱۲]

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے جنوں اور انسانوں میں سے دشمن بنائے جو ایک دوسرے کو ملمع شدہ باتیں دھوکہ دینے کے لیے ڈالتا ہے۔''

---

(۱) شیخ محسن الامین العاملی [ولادت: ۱۲۸۴ھ = ۱۸۶۵ء؛ وفات: ۱۳۷۱ھ = ۱۹۵۲ء] کی طرف اشارہ ہے، جو اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: الفصل الثالث في التوسل إلى الله بالأنبياء والصلحاء، وهذا يكون على وجوه: أحدها أن يقول: أتوسل إلى الله به، أو أتوجه به إليه، أو أتشفع، أو أقدمه بين يدي حاجتي، أو نحو ذلك. ثانيها أن يقول: أسألك بفلان، أو بحقه عليك، أو بجاهه عندك، أو ببركته أو بحرمته أو نحو ذلك. ثالثها أن يقول: أقسمت عليك، أو أقسم عليك، أو أقسم عليك بفلان، أو نحو ذلك، وكلها تؤول إلى شيء واحد وهو: جعله وسيلة وواسطة بينك وبين الله تعالى بما له من المنزلة عنده والكرامة لديه. [كشف الارتياب في أتباع محمد بن عبد الوهاب، محسن الامين العاملي: ۲۴۱-۲۴۲، مؤسسة دار الكتاب الاسلامي، قم، ایران، طبع دوم، ۱۴۲۸ھ = ۲۰۰۷ء]

وسیلہ کا لغوی معنیٰ

وسیلہ کا لفظ تشریح وتوضیح طلب ہے۔ لغت میں اس کا معنیٰ قرب ہے۔ ایک حماسی شاعر [(۱)]
کہتے ہیں کہ:

وَ لَمَّا عَصِبْنَا بِالسُّیُوْفِ تَقَطَّعَتْ   وَسَائِلُ کَانَتْ قَبْلُ سَلْمًا حِبَالُهَا

"جب ہم نے تلواروں کے ساتھ مارنا شروع کیا تو وہ سارے قرابتیں ختم ہو گئیں جن کی رسیاں صلح کے لیے بنی ہوئی تھیں۔"

قتیلہ بنت نضر [(۲)] نے اپنے باپ کے قتل کے بارے میں کہا:

وَ النَّضْرُ أَقْرَبُ مَنْ أَصَبْتَ وَسِیْلَةً   وَ أَحَقُّهُمْ إِنْ کَانَ عِتْقٌ یُعْتَقُ [(۳)]

"قوم میں قرابت کے لحاظ سے سب سے زیادہ لائق و مستحق اور قریب ترین نضر ہی ہوتا اگر آزاد ہو جاتا۔"

اور عنترہ عبسی [(۴)] کا شعر ہے کہ:

---

(۱) اُنَیف بن حکم الطائی النبہانی کا شعر ہے۔
[دیوان الحماسۃ ۱:۱۷۳، مع شرح ابوعلی احمد بن محمد بن حسن مرزوقی، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۱ھ=۱۹۹۱ء]

(۲) قُتَیْلَۃ بنت نضر بن حارث۔ قرونِ اُولیٰ کی عورتوں میں سے ہے۔ اسلام اور جاہلیت دونوں کے زمانے پائے۔ یہ ابیات اس وقت کہیں جب اس کا بھائی یا والد نضر بن حارث بدر میں قیدی بن گیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر قتل کیا گیا۔ ۲۰ھ میں وفات پائی۔
[الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۴:۳۸۹-۳۹۰، ترجمہ:۸۸۹]

(۳) دیوان الحماسۃ ۱:۳۳۲، مع شرح ابوعلی احمد بن محمد بن حسن مرزوقی

(۴) عنترہ بن شداد بن عمرو بن معاویہ ابن قراد عبسی۔ زمانہ جاہلیت کے فرسانِ عرب اور اول درجہ کے شاعر تھے۔ اہل نجد میں سے تھے۔ ان کی والدہ کا نام زبیبہ ہے جو حبشی تھیں۔ جنگ داحس وغبراء میں شرکت کی تھی۔ طویل عمر پائی تھی۔ ۲۲ قبل ہجری = ۶۰۰ء کو وفات پائی۔
[الشعر والشعراء ۱:۲۴۳، ترجمہ:۱۹، الاعلام ۵:۹۱]

إِنَّ الرِّجَالَ لَهُمْ إِلَيْكِ وَسِيلَةٌ   إِنْ يَأْخُذُوكِ تَكَحَّلِي وَتَخَضَّبِي (۱)

''بے شک مرد تیرے محتاج ہیں اگر وہ تمہیں پکڑ لیں [تو انہیں متمتع کرنے کے لیے] آنکھوں میں سرمہ ڈالو اور خوب بناؤ سنگار کرو۔''

اس شعر میں وسیلہ، حاجت کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ لبید (۲) نے کہا ہے کہ:

أَرَى النَّاسَ لَا يَدْرُوْنَ مَا قَدْرُ أَمْرِهِمْ   بَلَى كُلُّ ذِي رَأْيٍ إِلَى اللّٰهِ وَاسِلُ (۳)

''میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو اپنے کام کی قدر کا کوئی علم نہیں اور ہر عقل مند شخص اللہ تعالیٰ کی طرف راغب اور اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

اس شعر میں واسل، راغب اور متقرب کے معنیٰ میں ہے۔

ابوطالب (۴) نے کہا ہے کہ:

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ عِنْدَهُمْ   وَقَدْ قَطَعُوْا كُلَّ الْعُرَى وَالْوَسَائِلِ (۵)

''جب میں نے دیکھا کہ قوم کی ان کے ہاں کوئی محبت نہیں اور انہوں نے تمام تعلقات کاٹ ڈالے ہیں۔''

---

(۱) دیوان عنترۃ: ۲۹، مع شرح خطیب تبریزی، دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء

(۲) لبید بن ربیعہ بن مالک ابوعقیل العامری، شاعر، شریف اور گھڑ سوار تھے۔ عالیہ نجد سے تعلق تھا۔ کوفہ میں رہائش اختیار کی تھی۔ لمبی عمر پائی تھی۔ ۴۱ھ = ۶۶۱ء کو فوت ہوئے۔

[الاستیعاب: ۶۳۸، ترجمہ: ۱۲۵۳، اسد الغابۃ ۴: ۱۳۲، الاعلام ۵: ۲۴۰]

(۳) دیوان لبید بن ربیعہ مع شرح الطوسی: ۱۴۵، تحقیق: ڈاکٹر حنا نصر، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۳ء

(۴) عبد مناف بن عبدالمطلب بن ہاشم، قریشی، سیدنا علی ؓ کا والد اور رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا۔ ۸۵ قبل ہجری = ۵۴۰ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوا۔ خطیب اور عاقل تھا۔ خاندانی غیرت سے رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں پیش پیش رہتا مگر ان کے مشن کا ساتھ نہیں دیا۔ ۳ قبل ہجری = ۶۲۰ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

[طبقات ابن سعد ۱: ۱۱۹ و ما بعد، الاعلام ۴: ۱۶۶]

(۵) دیوان ابی طالب: ۴۹، جمع و شرح: ڈاکٹر محمد التونجی، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء

یہاں وسائل سے مراد بنو ہاشم اور قریش کے درمیان قریبی تعلقات ہیں۔

اور متنبی (۱) کے شعر میں ہے کہ:

اَلاَ لَیْسَتِ الْحَاجَاتُ اِلاَّ نُفُوْسَکُمْ وَلَیْسَ لَنَا اِلاَّ السُّیُوْفَ وَسَائِلُ (۲)

"ہماری ضرورت تو تمہاری جانیں ہی لینا ہے اور ان کے حصول کا ذریعہ صرف تلواریں ہی ہیں۔"

یعنی آرزوئیں اور تمنائیں تو تلواروں ہی کے ذریعہ سے پوری ہوں گی۔

منتہی الارب میں ہے: توسل نزدیکی جستن بچیزی و بکارے۔ یُقَالُ: تَوَسَّلَ اِلَیْہِ بِوَسِیْلَۃٍ؛ اَي: عَمِلَ عَمَلاً تَقَرَّبَ بِہٖ اِلَیْہِ و کارے کردن بدان نزدیکی و تقرب دست دہد (۳)۔

"کسی کام یا چیز کے ذریعے کسی کا قرب تلاش کرنا توسل ہے اور تَوَسَّلَ اِلَیْہِ بِوَسِیْلَۃٍ کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی کام کے ذریعے کسی کا قرب اور نزدیکی حاصل ہو۔"

اور مجمع البحار میں ہے: سَلُوا اللّٰہَ لِيَ الْوَسِیْلَۃَ: طَلَبَ اُمَّتَہُ الدُّعَاءَ لَہٗ اِفْتِقَارًا اِلَی اللّٰہِ، وَقِیْلَ: ھِيَ مَنْزِلَۃٌ مِّنْ مَنَازِلِ الْجَنَّۃِ (۴)۔

"میرے لیے اللہ سے وسیلہ مانگو" میں رسول اللہ ﷺ نے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے وسیلہ منازلِ جنت میں سے ایک منزل ہے۔"

---

(۱) احمد بن حسین بن حسن بن عبد الصمد جعفی کوفی کندی ابو الطیب متنبی۔ شاعر اور حکیم تھے۔ ۳۰۳ھ = ۹۱۵ء کو کوفہ میں محلہ کندہ میں پیدا ہوئے۔ شام میں پلے بڑھے۔ کوفہ اور شام کے درمیان میں واقع بادیۃ السماوہ میں نبوت کا دعویٰ کیا اُس وقت کے امیرِ حمص لؤلؤ نے انہیں قید میں ڈالا یہاں تک کہ دعویٰ نبوت سے توبہ کیا اور قید سے رہا ہوئے۔ ۳۵۴ھ = ۹۶۵ء کو فاتک بن ابی جہل اسدی سے ایک لڑائی میں قتل کیے گئے۔ [وفیات الاعیان ۱: ۱۲۰، ترجمہ: ۵۰، الاعلام ۱: ۱۱۵]

(۲) دیوان المتنبی: ۳۵، دار بیروت للطباعۃ والنشر بیروت، ۱۴۰۳ھ = ۱۹۸۳ء

(۳) منتہی الارب فی لغۃ الارب ۴: ۱۳۱۴

(۴) مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار ۵: ۵۳

امام راغب نے لکھا ہے: اَلْوَسِيْلَةُ: اَلتَّوَسُّلُ اِلَى الشَّيْءِ بِرَغْبَةٍ. وَحَقِيْقَةُ الْوَسِيْلَةِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى : مُرَاعَاةُ سَبِيْلِهِ بِالْعِلْمِ وَ الْعِبَادَةِ وَتَحَرِّيْ أَحْكَامِ الشَّرِيْعَةِ، وَهِيَ الْقُرْبَةُ، وَ الْوَاسِلُ: اَلرَّاغِبُ اِلَى اللّٰهِ (۱)۔

''اَلْوَسِيْلَةُ کا معنیٰ کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کا ہے۔ توسل الی اللہ، علم وعبادت اور احکام شریعت کی بجا آوری سے طریق الٰہی کی محافظت کرنے کا نام ہے اور یہی معنی تقرب الی اللہ کا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے کو واسل کہا جاتا ہے۔''

تفسیر مدارک میں ہے: اَلْوَسِيْلَةُ هِيَ كُلُّ مَا يُتَوَسَّلُ بِهِ، أَيْ: يُتَقَرَّبُ مِنْ قَرَابَةٍ أَوْ صَنِيْعَةٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ، فَاسْتُعِيْرَتْ لِمَا يُتَوَسَّلُ بِهِ اِلَى اللّٰهِ مِنْ فِعْلِ الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ السَّيِّئَاتِ (۲)۔

''وسیلہ ہر وہ چیز ہے جس کا قرب حاصل کیا جاتا ہے یعنی کسی قرابت یا کسی کام وغیرہ سے کسی کا قرب حاصل کیا جائے، پھر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے نیکی کے کام کرنے اور برائی چھوڑنے کو بطور استعارہ وسیلہ کہا جانے لگا۔

وسیلہ کا شرعی معنیٰ

قرآن مجید میں وسیلہ کا لفظ دو بار آیا ہے:

- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. [سورۃ المائدۃ ۵:۳۵]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

- قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ

---

(۱) المفردات فی غریب القرآن: ۵۲۳-۵۲۴

(۲) تفسیر النسفی المسمٰی بمدارک التنزیل وحقائق التأویل ۱:۳۹۵

یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۝ [سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۵۷]

"کہہ دو! ان کو پکارو جن [کے شریک ہونے] کا تم دعویٰ کرتے ہو وہ تو تم سے تکلیف کو نہیں ہٹا سکتے اور نہ ہی بدل سکتے ہیں جن کو یہ پکارتے ہیں وہ اپنے رب کا قرب تلاش کرتے ہیں کہ کون ان میں سے اللہ کے زیادہ قریب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔"

سورۃ المائدۃ کی آیت میں مؤمنوں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا مطالبہ اور اس کی ترغیب ہے جب کہ سورۃ بنی اسرائیل میں اپنے مؤمن بندوں کو مطلع کیا ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے ایمان دار اور نیک بندو کو پکارتے ہیں جو خود توحید کے اقراری ہیں اکیلے اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور اسی سے محبت و رغبت رکھتے ہیں۔ مشرکین کا وسیلہ مردے غائبین اور نیک اَفراد کا غائبانہ پکارنا تھا باقی۔ رہا وہ وسیلہ جو حاضر زندوں سے دعا کے مطالبہ کے معنی میں ہے، سو اس کے جواز میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ. [سورۃ الاعراف ۷:۱۳۴]

"انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے دعاء کرو۔"

شریعت میں شارع علیہ السلام کے لائے ہوئے اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں ہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کو وسیلہ کہتے ہیں اور انبیاء کی کہی ہوئی بات کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کیا جا سکتا یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور انبیاء نہ بھیجتا اور ان نفوسِ قدسیہ کی تبلیغ نہ ہوتی تو ہم نیکی کے کاموں مثلاً نماز، حج' روزہ اور زکوٰۃ کو نہ پہچانتے۔ وسیلہ بھی تمام شرعی عبادات اور پسندیدہ طاعات ہی کی طرح ہے اس میں بھی شارع علیہ السلام کی اتباع ضروری ہے اس لیے کہ ہر وہ چیز جس پر شرعی دلیل موجود ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور بندوں سے اس کے کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے یہ قسم شرعاً جائز ہے۔

وسیلہ کی دوسری قسم وہ ہے جو غیر شرعی ہے اور جس کا حکم شارع ﷺ نے نہیں دیا اور نہ ہی شارع ﷺ سے منقول ہے' اس کے ممنوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور کسی صحیح حدیث اور نص میں مُردوں، غائبین اور مدفون مشائخ کے وسیلہ کا ذکر نہیں پایا جاتا بلکہ اس کا ارتکاب تو گمراہوں اور مشرکین نے کیا تھا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى.

[سورۃ الزمر ۳۹:۳]

''اور جن کو اُنہوں نے اس [اللہ تعالیٰ] کے سوا معبود بنا رکھا ہے [کہتے ہیں کہ] ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے زیادہ قریب کر تے ہیں۔''

اور فرمایا: وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ. [سورۃ یونس ۱۰:۱۸]

''اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

ان کا شرک قبروں کی مجاوری اور مُردوں سے مانگنا ہی تھا چنانچہ علامہ ابن جریر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى [سورۃ الزمر ۳۹:۳] کی تفسیر میں لکھا ہے:

يَقُولُونَ لَهُمْ: مَا نَعْبُدُكُمْ أَيُّهَا الْآلِهَةُ إِلَّا لِتُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى قُرْبَةً وَمَنْزِلَةً وَتَشْفَعُوْا لَنَا عِنْدَهُ فِي حَاجَاتِنَا (۱) .

''وہ اپنے آلہہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: اے ہمارے آلہہ! ہم تمہیں اس لیے پکارتے ہیں تا کہ تم ہمیں منزلت اور درجہ میں اللہ تعالیٰ کے قریب کریں اور ہماری ضروریات میں اُس کے ہاں سفارش کریں۔''

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ [سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۵۷] کی تفسیر

---

(۱) تفسیر الطبری ۱۰:۶۱۱

میں امام مجاہد کا قول ہے کہ: يَقُوْلُ: عِيْسٰى وَعُزَيْرٌ وَ الْمَلَائِكَةُ، يَقُوْلُ: إِنَّ هٰؤُلَاءِ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ (۱).

''اس سے مراد سیدنا عیسیٰ، سیدنا عزیر اور ملائکہ علیہم السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سارے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں۔''

قتادہ نے عبداللہ بن معبد الزمانی (۲) کی سند سے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

كَانَ قَبَائِلُ مِّنَ الْعَرَبِ يَعْبُدُوْنَ صِنْفًا مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ يُقَالُ لَهُمُ الْجِنُّ، وَيَقُوْلُوْنَ: هُمْ بَنَاتُ اللّٰهِ (۳).

''عرب کے کچھ قبائل [اپنے زعم میں] فرشتوں کی ایک قسم ''جن'' کی عبادت کیا کرتے تھے، جن کے بارے میں اُن کا خیال تھا کہ یہ - نَعُوْذُ بِاللّٰهِ - اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں [اس آیت میں وہی مراد ہیں]۔''

ابن وہب (۴) نے عبدالرحمٰن بن زید (۵) سے نقل کیا ہے کہ اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ سے مراد

---

(۱) تفسیر الامام مجاہد بن جبر: ۴۳۷، تحقیق: ڈاکٹر محمد عبدالسلام ابوالنیل، دارالفکر الاسلامی الحدیثۃ، مدینہ نصر، متحدۃ عرب امارات، ۱۴۱۰ھ = ۱۹۸۹ء

(۲) عبداللہ بن معبد الزمانی۔ بصرۃ سے تعلق تھا۔ ثقہ اور جلیل القدر تابعی ہیں۔ امام مسلم نے اُن سے روایت لی ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سیدنا ابو ہریرۃ اور سیدنا ابوقتادۃ رضی اللہ عنہما کے شاگرد رہے ہیں۔ سو ہجری سے پہلے فوت ہوئے۔ [سیر اعلام النبلاء ۴: ۲۰۶ - ۲۰۷، ترجمہ: ۸۴]

(۳) تفسیر الطبری ۸: ۹۶، نص: ۲۲۳۸۳

(۴) عبداللہ بن وہب بن مسلم فہری بالولاء، مصری، ابو محمد۔ ۱۲۵ھ = ۷۴۳ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ امام مالک کے اصحاب میں سے تھے۔ فقیہ، محدث، حافظ، ثقہ اور شب زندہ دار تھے۔ ۱۹۷ھ = ۸۱۳ء کو وفات پا گئے۔ [تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۰۴، ترجمہ: ۲۸۳، الاعلام ۴: ۱۴۴]

(۵) عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم عمری مدنی۔ صاحب قرآن اور صاحب تفسیر تھے۔ قرآن مجید کی تفسیر ایک جلد میں جمع کی تھی۔ ناسخ و منسوخ پر بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اُن کی روایتیں نقل کی ہیں۔ ۱۸۲ھ کو وفات پا گئے۔ [سیر اعلام النبلاء ۸: ۳۴۹، ترجمہ: ۹۴]

سے مراد ملائکہ ہیں[1]۔

مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ مشرکین ملائکہ، نیک بندوں اور جنات کو پکارتے تھے اور ان کا وسیلہ پکڑتے تھے۔ کسی ایک روایت میں بھی نہیں آیا کہ شارع علیہ السلام نے اپنی امت کو حکم دیا ہو کہ دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ملائکہ کو پکارا جائے، اسی طرح اہل جنت کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم فلاں کے وسیلہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ بھی ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو حکم دیا ہو کہ تکالیف اور شدائد میں اُن کی قبر کے پاس دعا کے لیے جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ. [سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۶]

''جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں میں پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں جب بھی مجھے پکارتا ہے۔''

اور فرمایا: اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ. [سورۃ النمل ۲۷:۶۲]

''بھلا وہ کون ہے جو پریشان حال کی پکار کو قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارے اور تکلیف کو دور کرتا ہے؟''

قرآن مجید نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ قبولیتِ دعاء کا دارومدار مشیتِ الٰہیہ پر ہے،

..... امام بخاری فرماتے ہیں: شدید ضعیف ہیں۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں: لاعلمی سے روایات میں ہیر پھیر کیا کرتے تھے اور کثرت سے اس کا شکار ہو گئے اور مدلس کو مرفوع اور موقوف کو مسند کہنے لگا تو چھوڑ دینے کا مستحق ٹھہرا۔ امام حاکم لکھتے ہیں: اپنے باپ کی سند سے موضوع روایات نقل کرتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے پوچھا گیا: کیا تیرے باپ نے تیرے دادا سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم میں نماز پڑھی؟ اس نے کہا: ہاں! اور اس کے لیے سند بھی وضع کی۔

[التاریخ الکبیر ۶:۲۸۴، المجروحین ۲:۲۲، ترجمہ: ۵۹۳، المدخل الی الصحیح ۱:۱۷۰، ترجمہ: ۹۸]

(۱) تفسیر الطبری ۸:۹۶، نص: ۲۲۳۸۴

چنانچہ ارشاد ہے کہ: فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ. [سورۃ الانعام ۶:۴۱]

''تو جس دُکھ کے لیے اُسے پکارتے ہو، وہ اگر چاہتا ہے تو اُس کو دور کر دیتا ہے۔''

صحابہ کرام ﷺ شدائد اور جنگوں میں اللہ ہی کو پکارتے اور اسی کے سامنے عاجزی کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَٰئِكَةِ. [سورۃ الانفال ۸:۹]

''جب تم اپنے رب کے سامنے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری پکار قبول کی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرنے والا ہوں۔''

اور سابقین مومنین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَٰفِرِينَ. [سورۃ البقرۃ ۲:۲۵۰]

''اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میں آئے تو کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں [لڑائی میں] ثابت قدم رکھ اور [لشکرِ] کفار پر فتح یاب کر۔''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: اِسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا.

[سورۃ الاعراف ۷:۱۲۸]

''تم اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَٰأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ.

[سورۃ الانفال ۸:۶۴]

''اے نبی! اللہ تم کو اور مومنوں کو جو تمہارے پیرو ہیں، کافی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا قول نقل کر کے بتایا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ:

حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ. [سورۃ آل عمران ۳:۱۷۳]

''ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

اور فرمایا کہ: وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. [سورۃ آل عمران ۳:۱۴۷]

''اور [اس حالت میں] ان کی بات صرف یہی تھی کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ اور ہمارے کاموں میں ہماری زیادتیوں کو معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

کیا اللہ تعالیٰ نے کسی ایک آیت میں سابقین مومنین سے استغاثہ کرنے اور ان کا وسیلہ پکڑنے کا ذکر کیا ہے؟ یا اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جنگوں، مصیبتوں اور تکلیفوں میں فلاں بندے کا وسیلہ پیش کریں؟ کتاب وسنت بلکہ تمام سماوی دین مشرکین کے ایجاد کردہ وسیلہ کی نفی کرتے اور اسے باطل قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کا حال ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ○ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ○ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ○. [سورۃ الشعراء ۲۶:۸۷-۸۹]

''اور مجھے اس روز شرمندہ نہ کرنا جس دن مال اور بیٹے فائدہ نہ دیں گے مگر جو اللہ کے پاس سالم دل لے کر آیا۔''

اور فرمایا: وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَى إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ.

[سورۃ سبا ۳۴:۳۷]

''اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں [ہمارا مقرب وہ ہے] جو ایمان لایا اور عمل نیک کرتا رہا ایسے ہی لوگوں کو ان کے عمل کے سبب دگنا بدلہ ہوگا اور وہ [جنت کے] بالا خانوں میں امن کے ساتھ ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درجات، صحیح عقیدہ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے بڑھاتے ہیں، کسی کی جاہ اور وسیلہ سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب ذوات واشخاص کے ذریعے حاصل کرنا

مشرکین کا کام ہے۔کیا صحابہ میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کا وسیلہ پیش کیا؟ کچھ روایتیں ایسی ہیں جو جھوٹے راویوں نے نقل کی ہیں جن کا ذکر اِنْ شَآءَ اللّٰہ آگے کیا جائے گا۔ یا کیا کسی نے خلفائے راشدین ﷡ کی ذات کا 'یا حطیم' زمزم' مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا یا جاہِ فلاں کا وسیلہ پیش کیا؟ جاہل اور کذاب لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑ کر ضرور ایسا کیا ہے' چنانچہ حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ: وأما باب فضائل الأعمال والأشخاص و الأماكن والزمان والقبور فباب اتسع فيه الكذب والبهتان(۱)۔

''فضائلِ اعمال' فضائلِ اشخاص' فضائلِ اماکن' فضائلِ ازمنہ اور فضائلِ قبور کے باب میں خوب جھوٹ اور بہتان باندھا گیا ہے۔''

قائلین وسیلہ ذات کے دلائل کا مختصر جائزہ

ان لوگوں کے پاس کوئی صحیح اور مسند حدیث موجود نہیں ہے۔ دلیل کے بغیر کوئی دعویٰ قابل قبول نہیں ہوتا۔ ان کی دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

[۱] فَاسْأَلُوا اللّٰهَ بِجَاهِي؛ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ موضوع ہے(۲)۔

[۲] توسل اعمیٰ(۳) اس حدیث میں کلام ہے اور ثبوت کی صورت میں اس میں رسول اللہ

---

(۱) تلخیص کتاب الاستغاثۃ المعروف بالرد علی البکری ۱:۳۰۷ تحقیق: ابو عبدالرحمٰن محمد بن علی عجال' مکتبۃ الغرباء الاثریۃ' اردن' بدون تاریخ

(۲) تلخیص کتاب الاستغاثۃ المعروف بالرد علی البکری ۱:۱۳۰ میں اُن کی عبارت یہ ہے: وما يذكره بعض العامة من قوله ويروونه عن النبي ﷺ: إذا كانت لكم إلى الله حاجة فسلوه بجاهي فإن جاهي عند الله عظيم؛ حديث باطل' لم يروه أحد من أهل العلم' ولا هو في شيء من كتب الحديث' وإنما المشروع: الصلاة عليه في كل دعاء.

(۳) سنن ترمذی' کتاب الدعوات [۴۹] باب [۱۹] حدیث: ۳۵۷۸ کی طرف اشارہ ہے۔

ﷺ کی دعاء کا وسیلہ ہے، جس پر حدیث کا ابتدائی حصہ دلالت کرتا ہے (۱)۔

[۳] إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأصحاب القبور؛ موضوع ہے (۲)۔

[۴] رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام کا توسل۔

حافظ ذہبی نے اس روایت کو موضوع کہا ہے (۳)۔

[۵] سیدنا سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کا قول: وَإِنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِينَ وَسِيلَةً (۴)۔

---

(۱) تلخیص کتاب الاستغاثہ المعروف بالرد علی البکری ۱: ۱۰۷ کی عبارت یہ ہے: فقد أمره ﷺ أن يصلي ويدعو لنفسه أيضاً فحصل الدُّعاء من الجهتين.

(۲) اُن کی عبارت یہ ہے: هذا مكذوبٌ باتفاق أهل العلم، لم يروه عن النبي ﷺ أحدٌ من علماء الحديث. [الاستغاثہ فی الرد علی البکری: ۳۱۷، شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، تحقیق: ڈاکٹر عبداللہ بن دُجین السہلی، مکتبہ دار المنہاج، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۲۶ھ]

(۳) تلخیص المستدرک ۲: ۶۱۵

(۴) سواد بن قارب کے ایک نظم کا شعر ہے:

وَإِنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِينَ وَسِيلَةً إِلَى اللهِ يَا ابْنَ الْأَكْرَمِينَ الْأَطَايِبِ

یہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے، جن کی تفصیل یہ ہے۔

- پہلی سند: الحکم بن یعلیٰ بن عطاء الکوفی از عباد بن عبد الصمد ابو معمر از سعید بن جبیر از سواد بن قارب ازدی۔ [التاریخ الکبیر، امام بخاری ۴: ۲۰۲، بذیل ترجمہ: سواد بن قارب: ۲۴۹۷]

امام بخاری لکھتے ہیں: الحکم بن یعلیٰ کی وجہ سے یہ صحیح نہیں۔ [التاریخ الکبیر ۴: ۲۰۲]

اور الحکم بن یعلیٰ کے بارے میں محدث سلیمان بن عبد الرحمن کے حوالے سے لکھا ہے کہ: اس کے پاس عجائب ہوتے ہیں۔ منکر الحدیث اور ذاہب ہے۔ میں نے اُس سے حدیث روایت کرنا چھوڑ دیا ہے۔

[التاریخ الکبیر ۲: ۳۴۲]

- دوسری سند: عثمان بن عبد الرحمن الوقاصی از محمد بن کعب القرظی از سواد بن قارب۔ [معجم ابی یعلیٰ، روایت: ۳۲۹، المعجم الکبیر ۷: ۹۵، روایت: ۶۴۷۵، المستدرک ۳: ۶۱۰، البدایہ والنہایہ ۲: ۳۴۹]

خیال رہے کہ حافظ ابن کثیر نے عثمان بن عبد الرحمن الوقاصی کے بجائے محمد بن عبد الرحمن الوقاصی لکھا ہے جو درست نہیں۔ اس نام کا کوئی راوی جرح و تعدیل کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

......

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ منقطع ہے [۱]۔
اس کی سند میں عثمان قاضی ہے، جس کی حدیث نہیں لکھی جاتی [۲]۔
[۶] حَدیثُ الکُوّۃ [۳]: بارش کے لیے چھت میں شگاف اور نبی کریم ﷺ کی قبر کے وسیلہ سے بارش کی دعاء مانگنا۔ اس کی سند میں عارم ہے، جس کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا [۴]

حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: اس کی سند منقطع ہے۔
[تلخیص المستدرک ۳: ۲۰۹ 'البدایۃ والنہایۃ ۲: ۳۴۹]
نیز اس کا راوی عثمان بن عبد الرحمٰن بن عمر بن سعد بن ابی وقاص ہے جو اپنے جد امجد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی نسبت سے الوقاصی کہلاتے ہیں۔ یہ راوی متروک ہے اور امام ابن معین اسے کذاب کہا کرتے تھے۔ [تقریب التہذیب: ۵۵۰ 'ترجمہ: ۴۵۲۵]
- تیسری سند: محمد بن عثمان بن ابی شیبۃ از محمد بن عمران بن ابی لیلیٰ از سعید بن عبید اللہ بن الولید الوصافی از والد او عبید اللہ بن الولید الوصافی 'از ابو حرب۔ [معرفۃ الصحابۃ 'ابو نعیم ۲: ۵۱۴ 'روایت: ۳۵۶۶]
یہ روایت بھی نا قابل استدلال ہے اس لیے کہ:
- اس کا ایک راوی محمد بن عثمان بن ابی شیبۃ ہیں جن کے بارے میں بعض علماء کی رائے تو اچھی ہے لیکن عبد اللہ بن احمد بن حنبل انہیں کذاب کہتے ہیں۔ محدث ابن خراش کہتے ہیں: یہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ محدث ابن مطین کہتے ہیں: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی عصا کی طرح سب کچھ ہڑپ کر لیتا تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے کئی محدثین نے انہیں کذاب کہا ہے۔ [میزان الاعتدال ۳: ۶۴۲-۶۴۳ 'ترجمہ: ۷۹۳۴]
- اس کا ایک راوی عبید اللہ بن الولید الوصافی ہے۔ امام ابن حبان لکھتے ہیں: شدید منکر الحدیث تھا۔ ثقہ محدثین سے قصداً ضعیف احادیث نقل کرتے تھے اس لیے متروک ٹھہرے۔
[المجروحین ۲: ۲۹ 'ترجمہ: ۶۰۴]
امام نسائی لکھتے ہیں کہ متروک الحدیث ہیں۔ [الضعفاء والمتروکین 'ترجمہ: ۳۵۳]

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۲: ۳۴۹ (۲) تقریب التہذیب: ۵۵۰ 'ترجمہ: ۴۵۲۵
(۳) سنن الدارمی ۱: ۵۶ 'حدیث: ۹۲
(۴) اس کا نام ابو النعمان محمد بن فضل سدوسی بصری ہے۔ عارم، اس کا لقب تھا۔ آخر عمر میں نسیان اور خللِ دماغ کا شکار ہو گیا تھا۔ [الجرح والتعدیل ۸: ۵۹]

اور راوی ابو الجوزاء نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا(۱)۔

[۷] اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا [سورۃ البقرۃ ۸۹:۲] سے استدلال: جس میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد اِنْتِصَار بِالْحَيّ کا بیان ہے اس میں مردوں کا توسل کہاں ہے؟ نیز یہود کا فعل کیسے دلیل بن سکتا ہے؟

[۸] اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ [سورۃ التوبۃ ۷۴:۹] کی تفسیر اور ارشادِ ربانی: فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ [سورۃ النساء ۸:۴] سے استدلال!

حالانکہ اس میں اِغناء باب اِفعال سے ہے اور اس سے مراد کسی بندہ کے ظاہری اسباب کے تحت مال غنیمت میں سے دینا ہے۔

[۹] سیدنا عمر ﷛ کا سیدنا عباس ﷛ کا وسیلہ پیش کرنا(۲)۔

---

(۱) ابو الجوزاء کا نام اوس بن عبد اللہ الربعی ہے۔ صحابہ کرام میں سے سیدنا ابن عباس، سیدہ عائشہ اور سیدنا ابن مسعود ﷛ سے روایت کرتے ہیں لیکن: إنه لم يسمع من مثل ابن مسعود و عائشة رضي الله عنهما. [الکامل فی ضعفاء الرجال ۱۰۸:۲]

''اس نے سیدنا ابن مسعود اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے کوئی روایت نہیں سنی۔''

(۲) اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: أنّ عمر بن الخطاب ﷛ كان إذا قحطوا استسقى بالعباس ابن عبد المطلب فقال: اللّٰهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا قال: فيسقون. [صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام اذا قحطوا [۳] حدیث: ۱۰۱۰، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب ذکر العباس بن عبد المطلب ﷛ [۱۱] حدیث: ۳۷۱۰]

''سیدنا عمر بن خطاب ﷛ کے زمانے جب لوگوں کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑتا تو آپ سیدنا عباس بن عبد المطلب ﷛ کے ذریعے [اللہ تعالیٰ سے] بارش کی درخواست کرتے اور یوں دعاء کرتے کہ اے اللہ! بے شک ہم تیرے سامنے اپنے نبی کو بطور توسّل پیش کیا کرتے تھے سو تو ہم پر بارش نازل کیا کرتا تھا اور اب ہم تیرے سامنے اپنے نبی ﷺ کے چچا کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں سو تو ہم پر بارش نازل فرما تو اُن پر بارش برسائی جاتی۔''

یہ ہماری دلیل ہے اور اس میں زندوں کی دعاء کا وسیلہ ہے جس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔[1]

[۱۰] امام مالک نے منصور[2] سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تیرا وسیلہ ہیں۔

یہ ثابت ہی نہیں اور شفا کی روایت قابل قبول نہیں[3] اس لیے انہوں نے صحیح احادیث

---

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يُستفادُ مِن قصّةِ العباس ﷺ إستحبابُ الإستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة. [فتح الباری ۲: ۴۹۷]
''سیدنا عباس ﷺ کے اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل خیر وصلاح اور خاندانِ نبوت سے تعلق رکھنے والے افراد کو بطور توسل پیش کرنا مستحب ہے۔''
مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے لکھا ہے: قلتُ: وهذا توسلٌ فعلي "لأنه كان يقول له بعد ذلك قم يا عباس فاستسقِ" فكان يستسقي لهم "فلم يَثبُتْ منه التوسل القولي" أي: الإستسقاءُ بأسماء الصالحين فقط بدون شركتهم. [فیض الباری ۴: ۴۸۴ بذیل حدیث: ۳۷۱۰]
''میں کہتا ہوں یہ فعلی توسل ہے کیونکہ سیدنا عمر ﷺ نے اس کے بعد سیدنا عباس ﷺ سے فرماتے کہ کھڑے ہو کر بارش طلب کرنے کا کہتے تو وہ لوگوں کے لیے بارش طلب کرتے۔ اس سے توسل قولی ثابت نہیں ہوتا یعنی نیک لوگوں کی شرکت کے بغیر محض اُن کے ناموں کی برکت سے بارش طلب کرنا۔''

(۲) عبداللہ بن محمد بن علی بن العباس المنصور۔ حمیمہ میں ۹۵ھ = ۷۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ خلفائے بنی عباس میں دوسرے نمبر پر خلیفہ ہوئے۔ فقہ وادب اور فلسفہ وفلکیات میں مہارت رکھتے تھے۔ علماء اور علم کے بہت قدر دان تھے۔ ۱۵۸ھ = ۷۷۵ء کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے اسطرلاب اُنہوں نے محمد بن ابراہیم فزاری سے بنوایا۔ لہو ولعب اور فضولیات سے کوسوں دور رہتے تھے۔
[الکامل فی التاریخ ۵: ۱۷۲؛ ۶: ۲۱؛ الاعلام ۴: ۱۱۷]

(۳) اس روایت کی طرف اشارہ ہے: لِم تصرف وجهك عنه، وهو وسيلتك ووسيلة أبيك آدم ﷺ إلى الله يوم القيامة، بل استقبله واستشفع به فيشفعه الله، قال الله: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ. [الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۲: ۳۳ طبع قدیم، ۲: ۴۵ طبع جدید، ترتیب المدارک ۱: ۱۱۴]
''تم اپنا چہرہ اُن سے کیوں پھیرتے ہو، وہ تو اللہ کے دربار میں قیامت کے روز تیرے اور تیرے دادا......

کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا اس لیے میں کئی کمزور اور جھوٹی احادیث موجود ہیں۔

[۱۱] امام شافعی کا اہل بیت کے وسیلہ سے دعاء کرنا (۱)۔

امام شافعی سے یہ بات ثابت ہی نہیں ہے، بالفرض اگر ثابت بھی ہو تو اس کا معنیٰ ان کی محبت

...... آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں اُن کے قبر کی طرف منہ کر کے دعاء کرو اور اُن سے سفارش کراؤ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی سفارش قبول کرے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آ کر اپنی غلطی کی معافی طلب کریں اور رسول بھی اُن کے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اللہ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔''

یہ روایت قطعاً ناقابل استدلال ہے اس لیے کہ اس کا مرکزی راوی محمد بن حمید رازی ہے جس کے متعلق امام جوزجانی فرماتے ہیں: بدمذہب اور غیر ثقہ ہے جس کی بات کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔

[احوال الرجال ترجمہ: ۳۸۲]

محدث اسحاق بن منصور کہتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دوں گا کہ محمد بن حمید جھوٹا تھا۔

[تاریخ بغداد ۲: ۲۶۳، تہذیب الکمال ۲۵: ۱۰۳]

(۱) امام بیہقی لکھتے ہیں: ہمیں حافظ عبداللہ نے بتایا کہ اُنہوں نے کسی فقیہ کی کتاب میں ابوالحسن محمد بن شعیب البرقی کی طرف منسوب کر کے امام شافعی کے یہ دو شعر سنا دیے:

آل النبي ذريعتي و هم إليه وسيلتي
أرجو بهم أُعطىٰ غدًا بِيَدِي اليَمِينِ صَحِيفَتِي

[مناقب الشافعی ۲: ۶۸-۶۹، امام بیہقی، تحقیق: سید صقر، دارالتراث، قاہرۃ، ۱۳۹۰ھ=۱۹۷۰ء]

اس کی سند اس لیے کمزور ہے کہ اس فقیہ کا نام نہیں لیا گیا ہے جن کی کتاب سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے بلا سوچے سمجھے ان اشعار کی نسبت امام شافعی کی طرف کر دی ہے۔

[الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ: ۴، ۲۷۴، احمد بن حجر ہیثمی مکی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۹ء]

جب کہ ایک مشہور شیعہ عالم علامہ ابوجعفر محمد بن علی بن شہراشوب السروی المازندرانی [وفات: ۵۸۸ھ] نے ان اشعار کو محمد بن السمرقندی کو منسوب کیے ہیں۔ [مناقب آل ابی طالب ۲: ۴، ۱۷، ابوجعفر محمد بن علی بن شہراشوب السروی المازندرانی، تحقیق: ڈاکٹر یوسف البقاعی، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۱ء]

کے ذریعے تقرب حاصل کرنا ہے[1]۔

[۱۲] خدرُ الرِّجل: پاؤں کا سُن ہونے کی حدیث[2]۔

اول تو اس کا ثبوت متکلم فیہ ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو اس سے میت سے سوال اور طلب کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی یاد کے ذریعے دل کی تسکین حاصل کرنا مراد ہے جیسا کہ عرب کی عادات سے ہے جیسا کہ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ [سورۃ البقرۃ ۲:۲۲۸] میں ہے۔

[۱۳] سنن ابن ماجہ کی روایت میں سوال بِحَقِّ الأَنْبِيَاءِ وَبِحَقِّ السَّائِلِينَ[3]۔

---

(۱) علامہ محمد بن بشیر سہوانی ہندی لکھتے ہیں: أَنَّ المضاف هنا مقدّر تقدير الكلام: إنّ حبّ آل النبي ﷺ وتعظيمهم واتباعهم وشفاعتهم والصّلاة عليهم ذريعتي ووسيلتي.

[صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان: ۲۹۰-۲۹۱ محمد بن بشیر سہوانی ہندی اشاعت اکیڈمی گوجرانوالہ پاکستان بدون تاریخ]

"اس میں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے: آل نبی ﷺ کی تعظیم اُن کی اتباع و شفاعت اور اُن پر درود و سلام بھیجنا میرا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔"

(۲) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف اشارہ ہے کہ اُن کا پاؤں ایک دفعہ سُن ہو گیا تو کسی نے اُنہیں کہہ دیا کہ: أذكر أحبّ النّاس إليك فقال: يامحمداه فقام فمشى.

[عمل الیوم واللیلۃ امام ابن السنی: ۸۸ حدیث: ۱۷۰ الاذکار امام نووی ۲: ۲۰۳ الکلم الطیب: ۱۲۰]

"اُس شخص کا نام لیجیے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو تو انہوں نے "یا محمداہ" کہا، اُن کا ایسا کہنا تھا کہ تکلیف دور ہو گئی اور وہ چلنے پھرنے لگے۔"

(۳) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ جو شخص گھر سے نماز کے لیے نکلے اور یہ دعا پڑھے: اللّهمّ إنّي أسئلك بحقّ السّائلين عليك وبحقّ ممشاي فإني لم أخرج أشرًا ولا بطرًا ولا رياءً ولا سمعةً خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك.

"تو اللہ تعالیٰ اُس پر ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کر دے گا جو اس کے لیے استغفار کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُس کی طرف متوجہ ہوں گے، یہاں تک کہ وہ شخص نماز سے فارغ ہو جائے۔"

[مسند احمد ۳: ۲۱ عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی: ۲۲-۲۳ احادیث: ۸۴، ۸۵ سنن ابن ماجۃ کتاب الاذان [۴] باب المشی الی الصلاۃ [۱۴] حدیث: ۷۷۸]

اس کی سند میں عطیہ عوفی ہے[1]۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ یا اللہ! تیری ذات اور شان کے لائق یہ ہے کہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے سوال کو قبول کرتے ہو۔

[۱۴] سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا[2] کا قول: أَلَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنْتَ رَجَاؤُنَا۔

اسے عروۃ بن زبیر نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جب کہ عروۃ بن زبیر کی ولادت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ہوئی ہے پھر یہ بھی ہے کہ اس روایت کے الفاظ میں منقول كُنْتَ رَجَاؤُنَا ہے یعنی آپ زندگی میں ہماری امیدوں کا مرجع تھے[3]۔

---

(۱) عطیہ عوفی کے بارے میں امام ابن حبان لکھتے ہیں: سمع من أبي سعيد ﷺ أحاديث فلما مات أبو سعيد ﷺ جعل يجالس الكلبي ويحضر قصصه فإذا قال الكلبي: قال رسول الله ﷺ كذا، يحفظه، وكناه أبا سعيد وروى عنه، فإذا قيل له: من حدثك بهذا؟ فيقول: حدثني أبو سعيد، فيتوهمون أنه يريد أبا سعيد الخدري ﷺ، وإنما أراد به الكلبي، فلا تحل كتابة حديثه.

[المجروحین ۲: ۱۶۷، ترجمہ: ۸۰۴]

"یہ کچھ روز سیدنا ابوسعید خدری ﷺ کی مجلس میں بیٹھا رہا، اُن کی وفات کے بعد مشہور قصہ گو کلبی کی مجالس میں شریک ہوتا رہا اور اُس کی روایات سنتا رہا اور جب کلبی کہتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے تو یہ اس کو یاد کر لیتا اور جب اپنے شاگردوں کے سامنے اُس کی روایت پیش کرتا تو کلبی کے نام کے بجائے اُس کی کنیت ابوسعید کہہ کر روایت کرتا رہا، جس سے شاگرد سیدنا ابوسعید خدری ﷺ مراد لیتے رہے، حالانکہ اس سے مراد کذاب کلبی ہی ہوتا اور جب اُس سے کہا جاتا کہ تو نے یہ حدیث کس سے سنی ہے تو کہتا "ابوسعید" اس لیے اس کی روایت کو لکھنا بھی جائز نہیں ہے۔"

(۲) صفیہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہا۔ قرشیہ اور شاعرہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا۔ مدینہ منورہ ہجرت کی اور ۲۰ھ = ۶۴۱ء کو وہیں وفات پا گئیں۔

[الطبقات الکبریٰ ۸: ۴۱، الاعلام ۳: ۲۰۶]

(۳) اس کی سند اس طرح ہے: ابن لہیعۃ، از ابوالاسود از عروۃ از سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا۔

[المعجم الکبیر ۲۴: ۳۲۰، روایت: ۸۰۶]

اس قصیدہ کی نسبت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف نادرست ہے اس لیے کہ:

-۱: امام ابن ہشام نے "سیرت" میں صحابہ کرام ﷺ کے وہ سارے قصائد و مراثی جمع کیے جو انہوں......

[۱۵] قیامت کے دن لوگوں کا انبیاء کے وسیلہ سے دعا پیش کرنے کی حدیث (۱)۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سارے انبیاء علیہم السلام قیامت کے میدان میں زندہ، پاس اور حاضر ہوں گے۔

[۱۶] عتبی کی روایت، جس کا ثابت ہونا صحیح نہیں ہے (۲)۔

[۱۷] سیدنا دانیال علیہ السلام کی قبر سے استسقاء۔ اس سے استدلال اس لیے نادرست ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی قبر کو چھپانے کا حکم دیا تھا (۳)۔

...... نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر کہے ہیں لیکن اُن میں اس مرثیے کا نام ونشان تک موجود نہیں۔

-۲: عروۃ بن زبیر کی پیدائش ۲۲ یا ۲۶ ہجری کو ہوئی ہے۔ [وفیات الاعیان ۳: ۲۵۸]

اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۲۰ ہجری کو ہوئی ہے۔ [سیر اعلام النبلاء ۲: ۲۷۰]

یعنی اس کی سند میں عروۃ بن زبیر اور اُن کی دادی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے درمیان انقطاع ہے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن [۶۵] تفسیر سورۃ بنی اسرائیل [۱۷] باب ذریۃ من حملنا مع نوح [۵] حدیث: ۴۷۱۲، صحیح مسلم، کتاب الایمان [۱] باب ادنیٰ اہل الجنۃ منزلۃ فیہا [۸۴] حدیث: ۴۸۰

(۲) علامہ ابن عبدالہادی لکھتے ہیں: وفي الجملة ليست هذه الحكاية المذكورة عن الأعرابي مما تقوم بها حجة، وإسنادها مظلم مختلف ولفظها مختلف أيضًا، ولو كانت ثابتة لم يكن فيها حجة على المطلوب المعترض، ولا يصلح الاحتجاج بمثل هذه الحكاية، ولا الاعتماد على مثلها عند أهل العلم. [الصارم المنکی فی الرد علی السبکی: ۲۸۲-۲۸۳]

(۳) سیرۃ ابن اسحاق المسماۃ بکتاب المبتدأ والمبعث والمغازی: ۴۳-۴۴، محمد بن اسحاق، تحقیق وتعلیق: محمد حمید اللہ، Hayra Hizmet Vakfi ترکیا، ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء

فصل چہارم:

البیّنات فی قطع الشبہات لمن یدعو الأموات

[مردوں کو پکارنے والوں کے شبہات کی تردید]

۱- مجازِ عقلی

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کے کسی کلام میں سوتاً ویلات ہوسکتی ہوں اور اُن میں سے ایک تاویل ایسی ہو جس سے وہ مسلمان کفر کی نسبت سے بچ سکتا ہو ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ کفر اور شرک سے بچانے کے لیے اُس کے کلام کی وہی تاویل کرے' لہٰذا اموات کو پکارنے والے اور کے سامنے فریاد کرنے والے کا کام مجازِ عقلی ہے جیسا کہ:

اللہ تعالٰی کے فرمان: فَارْزُقُوْهُمْ مِنْهُ. [سورۃ النساء۴:۸]

''تو تم اُن کو اُس [مقسوم] میں سے کچھ دو۔''

عربی میں کہتے ہیں کہ: بَنَى الأَمِيْرُ الْمَدِيْنَةَ یعنی ''امیر نے شہر بنایا''۔

اور حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے فرمایا کہ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ.

[صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ [۴] باب فضل السجود والحث علیہ [۴۳] حدیث: ۱۰۹۴]

''میں یہ چاہتا ہوں کہ جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو۔''

ان ساری مقامات میں مجازِ عقلی ہی مراد ہوگا۔مرافقت کا سوال بخشش کے سوال ہی کی طرح ہے اسی طرح اولیاء کی دعاء بھی ہے جس میں لوگ ان سے شفاعت اور دعاء کا مطالبہ کرتے ہیں۔

جواب

اگر اس تاویل کا دروازہ کھول دیا جائے تو کسی بھی شخص پر کسی قسم کا حکم نہیں ہوگا، نہ شرک اور کفر کا حکم اور نہ فسق اور گناہ کا! اگر چہ کوئی -نَعُوْذُ بِاللّٰہِ- اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو گالیاں دے بعث' حشر ونشر کا انکار کرے اور فواحش کو مباح کہے۔ الوہیت کا دعویٰ کرے اور اَلرَّسُوْلُ خَالِقُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ کا معنیٰ رَبُّ الرَّسُوْلِ لے یا فرعون کے قول: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کا معنیٰ اَنَا اَقُوْلُ رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کہے۔ اسی طرح جو بتوں کو پکارتے ہیں اور ان کے سامنے عاجزی کرتے ہیں تو کہنا پڑے گا کہ وہ بتوں کے مالک کو پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے عاجزی کرتے ہیں۔

-۲: قبر پرستوں کی اکثریت مجازِ عقلی کو نہیں جانتے اور نہ ہی اس مسئلہ سے واقف ہیں۔

-۳: اکثر قبر پرست، اہل قبور کو متصرف' مختار اور سب کچھ دینے والے سمجھ کر انہیں قصب کہتے ہیں۔

-۴: جب وہ مردوں کے نام کی نذر و نیاز مان کر اُس ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے اذنِ الٰہی سے کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائیں تو کہتے ہیں کہ فلاں شیخ' ولی اور بزرگ نے نذر پوری نہ کرنے کی وجہ سے مجھے تکلیف پہنچائی ہے اور ان کی شر سے ڈرتے ہیں۔

-۴: قرآن مجید کے نزول کے دوران جو مشرک موجود تھے، وہ بھی تو کہا کرتے تھے کہ شفا اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں اور ہم اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب یعنی مرتبہ، درجہ اور حاجات میں سفارش کروانے کے لیے پکارتے ہیں۔

امام ابن جریر نے سورۃ الزمر کی تفسیر میں یہی بات لکھی ہے [۱]۔

امام فخر الدین رازی نے سورۃ یونس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

إنهم وضعوا هذه الأصنام والأوثان على صُوَر أنبيائهم وأكابرهم، وزعموا أنهم متى اشتغلوا بعبادة هذه التماثيل فإن اولئك الأكابر تكون شفعاء لهم عند الله تعالى، و نظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الأكابر على اعتقاد أنهم إذا عظّموا قبورهم فإنهم يكونون شفعاء لهم عند الله تعالى [۲].

''انہوں نے یہ بت اور مورتیاں اپنے انبیاء اور اکابر کی صورتوں میں بنائی تھیں اور اُن کا یہ خیال تھا کہ جب وہ ان مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ اکابر ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کرتے ہیں، اس کی نظیر اس زمانے میں بہت سے لوگوں کا اکابر کی قبروں کی تعظیم میں اس عقیدہ کے ساتھ مشغول ہونا ہے کہ جب وہ ان کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کی سفارش کریں گے۔''

امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ: ثم كثير من هؤلاء يقولون: ذلك المدعو يطلب تلك الحاجة من الله [۳].

''پھر یہ بھی ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ جس کو پکارا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حاجت کا مطالبہ کرتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کی دعاء اور سفارش کا وسیلہ جائز تھا۔ صحابہ کرام آپ کی زندگی میں اس پر عمل پیرا تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی صحابی نے ایسا نہیں کیا کہ

---

(۱) امام ابن جریر لکھتے ہیں: والَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللّٰهِ أولياء يَتَوَلَّوْنَهُمْ ويعبدونهم من دون الله يقولون لَهُمْ: مَا نَعْبُدُكُمْ أيُّها الآلِهَةُ إلَّا لِتُقَرِّبُونَا إلَى اللّٰهِ زُلْفَى قُرْبَةً وَمَنزِلَةً وتَشْفَعُوا لَنا عِنْدَهُ في حَاجاتِنا. [تفسیر الطبری ۱۰:۶۱۱، بذیل تفسیر سورۃ الزمر ۳۹:۳]

(۲) التفسیر الکبیر ۶:۲۲۷ (۳) کتاب الرد علی المنطقیین: ۵۳۶

آپ کے وسیلے سے دعاء مانگ لے بلکہ کیا بلکہ زندوں کے پاس جاکر اُن سے دعاء کرنے کی درخواست کی ہے جیسا کہ سیدنا عمر ﷛ نے استسقاء کے وقت سیدنا عباس ﷛ سے دعاء کروائی (۱)۔

---

(۱) اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا.
[صحیح بخاری' کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام اذا قحطوا [۳] حدیث: ۱۰۱۰' کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب ذکر العباس بن عبدالمطلب ﷛ [۱۱] حدیث: ۳۷۱۰]

مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری اس حدیث کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں: ليس فيه التوسلُ المعهودُ الذي يكون بالغائب حتى قد لايكون به شعورٌ أصلاً بل فيه توسل السَّلَف' وهو أن يُقدم رجلاً ذا وَجَاهَةٍ عند الله تعالى ويأمره أن يدعو لهم' ثم يحيل عليه في دعائه كما فَعَلَ بالعباس ﷛ عَمِّ النبي ﷺ' ولو كان فيه توسل المتأخرين لما احتاجوا إلى إذهاب العباس ﷛ معهم' ولكفى لهم التوسل بنبيهم ﷺ بعد وفاته أيضاً' أو بالعباس ﷛ مع عدم شهوده معهم؛ هذا النحو جائزٌ عند المتأخرين' ومنع منه الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى' وإني متردد فيه.
[فیض الباری ۲: ۲۹۶' بذیل حدیث: ۱۰۱۰]

''اس میں وہ معہود توسل نہیں جو غائب سے کیا جاتا ہے' یہاں تک کہ اسے بالکل شعور و خبر تک ہی نہ ہو' بلکہ اس حدیث میں سلف کے توسل کا ذکر ہے' وہ یہ کہ کسی ایسے شخص کو آگے کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہو اور اس سے التجا کی جائے کہ وہ اُن کے لیے دعاء کرے' پھر اس کے حوالے سے دعاء کی جائے جیسا کہ سیدنا عباس ﷛ - جو رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے - سے کروایا گیا اور اگر اس میں متاخرین کا توسل مراد ہوتا تو سیدنا عباس ﷛ کو ساتھ لے جانے کی اُن کو ضرورت و حاجت ہی نہ پڑتی اور اُن کے لیے کافی تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا توسل کرتے یا سیدنا عباس ﷛ سے اُن کی غیر حاضری میں توسل کر لیتے' جب کہ متاخرین کے نزدیک ایسا وسیلہ جائز ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے اس سے روکا ہے اور میں خود اس مسئلے میں متردد ہوں۔''

مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے یہ بھی لکھا ہے: قلتُ: وهذا توسلٌ فعلي' لأنه كان يقول له بعد ذلك: قم يا عباس فاستسقِ' فكان يستسقي لهم' فلم يَثْبُتْ منه التوسل القولي' أي: الاستسقاء بأسماء الصالحين فقط' بدون شركتهم. [فیض الباری ۴: ۴۸۴' بذیل حدیث: ۳۷۱۰]......

اسی طرح سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے استسقاء میں سیدنا یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ کی دعاء کا وسیلہ پیش کیا(۱)۔

دھیان رہے کہ دعاء کرنے والے کا دعاء کروانے والے سے افضل ہونا ضروری نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ (۲).

"تمہاری جو کچھ مدد کی جاتی ہے اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہے۔"

یعنی ان کی دعاء اور استغفار کی وجہ سے تمہیں فتح و نصرت اور رزق سے نوازا جاتا ہے۔ اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ مہاجرین سابقین اویس قرنی (۳) سے افضل تھے لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

فَإِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ (۴).

...... "میں کہتا ہوں کہ یہ توسل فعلی ہے کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے کہ کھڑے ہو کر بارش طلب کریں، وہ لوگوں کے لیے بارش طلب کرتے، اس سے توسل قولی ثابت نہیں ہوتا یعنی نیک لوگوں کی شرکت کے بغیر محض اُن کے ناموں کی برکت سے بارش طلب کرنا۔"

(۱) المعرفۃ والتاریخ ۲: ۲۲۱، اقتضاء الصراط المستقیم ۲: ۲۹۱-۲۹۲

(۲) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر [۵۶] باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب [۷۶] حدیث: ۲۸۹۶

(۳) اویس بن عامر بن جزء بن مالک قرنی۔ بنو قرن بن ردمان بن ناجیہ بن مراد سے تعلق تھا۔ عابد اور زاہد تھے۔ ان کا شمار سادات تابعین میں ہوتا ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک وفد میں آئے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ حافظ ابو نعیم لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آذربیجان کی لڑائی سے واپسی کے دوران فوت ہوئے۔ [حلیۃ الاولیاء ۲: ۸۳] جب کہ بعض کا خیال ہے کہ جنگ صفین میں شہادت پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۴: ۳۱، الاعلام ۲: ۳۲]

(۴) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ [۴۴] باب من فضائل اویس [۵۵] حدیث: ۶۴۹۲

''اگر تم یہ کرسکو کہ [تمہاری درخواست پر] وہ تمہارے لیے بخشش کی دعاء کرے تو یہ [درخواست] کرلینا۔''

علامہ سید آلوسی (۱) نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ:

نعم! اَلدُّعاء في هاتيك الحضرة المكرمة والروضة المعظمة أمر مشروعٌ فقد كانت الصحابة ﷺ تدعو الله تعالى هناك مستقبلين القبلة ولم يرِدْ عنهم استقبالُ القبر الشريف عند الدعاء مع أنه أفضل من العرش. و اختلف الأئمة في استقباله عند السلام فعن أبي حنيفة رحمه الله: أنه لا يَستَقبِلُ بل يَستدبِر ويستقبلُ القبلةَ وقال بعضهم: يستقبل وقت السلام ويستقبل القبلة ويستدبر وقت الدُّعاء والصحيح المعول عليه أنه يستقبل وقت السَّلام وعند الدعاء يستقبل القبلة ويجعل القبرَ المُكرَّمَ عنِ اليَمين أو اليسار فإذا كان هذا المشروع في زيارة سَيِّدِ الخليقة وعلة الإيجاد على الحقيقة فماذا تبلغ زيارة غيره بالنسبة إلى زيارته ﷺ ليُراد ما يُراد أو يُطْلَبَ مِنَ المَزُوْرِ بها ما ليس مِن وظيفة العباد (۱)

''ہاں! رسول اللہ ﷺ کے قرب و جوار میں اور آپ کے روضہ مکرمة کے پاس دعا کرنا مشروع ہے۔ صحابہ کرام ﷺ وہاں قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ سے دعاء کیا کرتے تھے ان سے قبر شریف کی طرف منہ کرنا وارد نہیں حالانکہ وہ عرش سے افضل ہے۔ سلام کے وقت قبر کے استقبال کے بارے میں امت کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے اور قبر شریف کی طرف پیٹھ کر کے دعاء کرے گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ

---

(۱) محمود بن عبد اللہ حسینی، آلوسی، شہاب الدین، ابو الثناء۔ مفسر، محدث اور ادیب تھے۔ ۱۲۱۷ھ =۱۸۰۲ء کو بغداد میں پیدا ہوئے، سلفی العقیدہ اور مجتہد تھے۔ حصول علم کے لیے بڑے سفر کیے۔ بغداد ہی میں ۱۲۷۰ھ =۱۸۵۴ء کو فوت ہوئے۔ [جلاء العینین: ۷-۸، الاعلام ۷: ۱۷۶]

(۲) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۷: ۱۷۴، بذیل تفسیر سورۃ المائدۃ ۵: ۳۵

سلام کے وقت قبر شریف کی طرف منہ کرے اور دعاء کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرے اور قبر شریف کی طرف پیٹھ کرے۔ صحیح راجح بات یہ ہے کہ سلام کے وقت قبر کی طرف منہ ہو اور دعاء کے وقت قبلہ کی جانب رخ ہو اور قبر مبارک دائیں یا بائیں جانب ہو۔ جب مخلوق کے سردار اور ایجاد کی حقیقی علت (۱) کی زیارت میں یہ مشروع ہے تو آپ کے سوا اوروں کی زیارت آپ کی زیارت کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے کہ اس زیارت میں وہ اضافہ ہو جو آپ کی زیارت میں نہ ہو یا جس کے قبر کی زیارت کی جاتی ہے، اُس سے وہ کچھ مانگا جائے جو بندوں کا وظیفہ نہیں ہے۔"

۲- اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دینا

اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کی قسم دینا مثلاً یہ کہنا کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أُقْسِمُ عَلَيْكَ بِفُلَانٍ اِلَّا قَضَيْتَ حَاجَتِيْ.

"اے اللہ! میں تجھے فلاں کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری یہ ضرورت پوری فرما۔"

علامہ ابن عبدالسلام (۲) نے اولاد سیدنا آدم علیہ السلام کا سردار ہونے کی وجہ سے صرف نبی کریم ﷺ کے حق میں جائز قرار دیا ہے اور آپ کے بغیر اللہ تعالیٰ کو کسی بھی نبی، فرشتے اور ولی کی قسم

---

(۱) عِلَّةُ الْإِيجَادِ عَلَى الحقيقة اللہ کی توحید اور اُسی ہی کی عبادت ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

- وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. [سورۃ الذاریات ۵۶:۵۱]

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔"

- اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا. [سورۃ الطلاق ۱۲:۶۵]

"اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ویسی ہی زمینیں۔ ان میں [اللہ کے] حکم اترتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ وہ آپ کے درجہ کے نہیں ہیں۔ امام مناوی [1] نے جامع الصغیر کی شرح میں علامہ عز بن عبد السلام سے روایت کی ہے [2] اور اس کی دلیل سنن ترمذی کی سیدنا عثمان بن حنیف ﷛ [3] کی وہ روایت ہے جسے انہوں نے حسن صحیح کہا ہے کہ:

أنَّ رجلاً ضريرَ البصر أتى النبي ﷺ فقال: أُدعُ اللّٰه أن يعافيني، قال: إنْ شئتَ دعوتُ لك وإن شِئتَ أخَّرتُ ذاك، فهو خيرٌ [وفي رواية: وإن شئتَ صبرتَ فهو خيرٌ لك] فقال: أدعُهُ فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءَه، فيصلي ركعتين، ويدعو بهذا الدعاء: أللهم إني أسألكَ، وأتوجَّهُ إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد! إني توَجَّهتُ بك إلى ربي في حاجتي هذه، فتقضي لي، أللهم فشفعهُ فِيَّ [وَشَفِّعني فيه] قال: ففعل الرجل فبرأ۔ [سنن ترمذی، کتاب الدعوات [۴۹] باب [۱۱۹] حدیث: ۳۵۷۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ [۲] باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ [۱۸۹] حدیث: ۱۳۸۵، مسند احمد ۴: ۱۳۸، المستدرک ۱: ۳۱۳، ۵۱۹، ۵۲۶]

''ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ سے میری عافیت کی دعاء

---

(۱) محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین، حدادی، مناوی، قاہری، قاہرہ میں ۹۵۲ھ = ۱۵۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ علم و فن کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں۔ تحقیق و تصنیف کے لیے گوشہ نشینی اختیار کی۔ بہت تھوڑا کھانا کھاتے تھے۔ شب زندہ دار تھے اس لیے بہت جلد نحیف اور کمزور ہو کر لکھنے سے معذور ہو گئے، اکثر کتابیں اپنے والد سے املاء کروا کر لکھوائیں۔ ۸۰ کتابیں یادگار چھوڑیں۔ قاہرہ میں ۱۰۳۱ھ = ۱۶۲۲ء کو وفات پائی۔ [خلاصۃ الاثر ۲: ۴۱۲، الاعلام ۶: ۲۰۴]

(۲) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر من احادیث البشیر النذیر ۲: ۱۳۴-۱۳۵، بذیل حدیث: ۱۵۰۸، محمد عبد الرؤوف مناوی، دار الفکر، بیروت، بدون تاریخ

(۳) عثمان بن حنیف بن وہب الانصاری الاوسی ابو عمرو ﷛۔ صحابی ہیں۔ اُحد اور مابعد کے غزوات میں شریک رہے ہیں۔ سواد اور بصرہ کے امیر رہے ہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ سیدنا معاویہ کے دور خلافت میں ۴۱ھ = ۶۶۱ء کے لگ بھگ وفات پائی۔

[اسد الغابۃ: ۸۲۱، ترجمہ: ۳۵۷۸، الاعلام ۴: ۲۰۵]

کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم چاہو تو دعاء کر دوں لیکن صبر کرو تو بہتر ہے' اُس نے کہا دعاء ہی فرما دیجئے تو آپ نے اُس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضوء کر کے یہ دعاء پڑھو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت محمد ﷺ کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ! میں آپ کو اپنے رب کی طرف اپنی حاجت کے لیے متوجہ کرتا ہوں کہ آپ پوری کرائیں۔ اے اللہ! میرے بارے میں اُن کی شفاعت قبول فرما اور اُن کے بارے میں میری سفارش قبول فرما سیدنا ابن حنیف ؓ کا بیان ہے کہ اُس نے ایسا ہی کیا اور وہ فی الفور ٹھیک ہو گیا۔"

کچھ علماء نے ذات کا وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کو کسی کی قسم دینا مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے اور یہی بات حافظ ابن تیمیہ کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ بات امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف [1] اور دوسرے اَعلام علماء سے نقل کی ہے اور اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ: اس میں مضاف محذوف ہے یعنی بِدُعَاءِ أَوْ شَفَاعَةِ نَبِيِّكَ [2]۔ اس میں دعاء کو وسیلہ بنایا گیا ہے جو جائز بلکہ مندوب ہے' اس تقدیر کی دلیل حدیث کا آخری جملہ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ ہے بلکہ اس حدیث کی ابتدا کے کچھ الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

سید آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: وقد شَنَّعَ السُّبْكِي – كما هو عادته – على المجد فقال:

---

(۱) یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الانصاری الکوفی البغدادی ابو یوسف' امام ابوحنیفہ کے سب سے قریبی ساتھی ہیں۔ کوفہ میں ۱۱۳ھ = ۷۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ فقیہ' علامہ اور حافظ حدیث تھے۔ مہدی' ہادی اور ہارون الرشید کے عہد میں قاضی اور چیف جسٹس رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق سب سے پہلے اصول فقہ کی تدوین کی۔ تفسیر' مغازی اور ایام عرب کے بلند رُتبہ امام ہیں۔ ۱۸۲ھ = ۷۹۸ء کو وفات پائی۔

[تاریخ بغداد ۱۴: ۲۴۲' الاعلام ۸: ۱۹۳]

(۲) حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: فهذا الحديثُ فيه التوسُّلُ به إلى الله في الدُّعاء...... ومعنى قوله: أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد أي: بدعائه وشفاعته كما قال عمر: أللهم إنَّا كُنَّا إذا أجدبنا توسلنا إليك بنبينا فتسقينا. فالحديثان معناهما واحدٌ. [قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل و الوسیلۃ: ۱۳۳' حافظ ابن تیمیہ' منشورات المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۳۹۰ھ = ۱۹۷۰ء]

ویَحْسُنُ التَّوَسُّلُ والاستعانةُ بالنبي ﷺ إلى ربه ولم يُنْكِرْ ذلك أحَدٌ من السَّلَف و الخَلَفِ حتّٰی جاءَ ابن تيمية فأنكر ذلك وعدل عن الصراط المستقيم، وابْتَدَعَ ما لم يَقُلْهُ عالِمٌ، وصار بين الأنام مُثْلَةً (۱).

''سبکی نے اپنی عادت کے مطابق مجد ابن تیمیہ (۲) کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نبی کریم ﷺ کا توسل اور اُن سے استعانۃ ایک مستحسن کام ہے۔ سلف اور خلف میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا یہاں تک کہ ابن تیمیہ نے آ کر اس کا انکار کیا اور سیدھے راستے سے ہٹ گیا اور ایک ایسی بات کی جو کسی عالم نے بھی نہیں کی تھی اور لوگوں کے درمیان ہدفِ تنقید بن کے رہ گیا (۳)۔''

سید آلوسی آگے لکھتے ہیں: وأنتَ تعلَمُ أنَّ الأدعية المأثورةَ عن أهل البيت الطّاهرين وغيرهم من الأئمةِ ليس فيها التَّوسُّل بالذات المُكرَّمَةِ ولو فرَضْنا وجودَ ماظاهرُه ذلك فمؤوَّلٌ بتقديرِ مضافٍ كما سمعتَ، أو نحو ذلك كما تَسْمَعُ إن شاءَ اللّٰه تعالىٰ، ومَنِ ادَّعَى النَّصَّ فعليهِ البيانُ (۴).

---

(۱) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۷:۱۷۵

(۲) سید آلوسی نے ''مجد ابن تیمیہ'' لکھا ہے لیکن درست ''حفید ابن تیمیہ'' یعنی شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ہیں، اُن کے دادا ''مجد ابن تیمیہ'' کہلاتے ہیں۔

(۳) علامہ سبکی کی عبارت یہ ہے: إعلم أنه يجوزُ ويَحسنُ التَّوسُّل والاستغاثةُ والتَّشَفُّعُ بالنبي ﷺ إلى ربه سبحانه وتعالى، وجوازُ ذلك وحُسنهُ من الأمور المعلومة لِكُلِّ ذي دِيْنٍ المعروفة من فعل الأنبياء والمرسلين، وسِيَرِ السَّلف الصّالحين، والعلماء والعوام من المسلمين، ولم يُنكِر أحَدٌ ذلك من أهل الأديان، ولا سُمِعَ به في زمنٍ من الأزمان حتى جاء ابن تيمية فتكلّم في ذلك بكلام يُلَبِّسُ به على الضعفاء الأغمار، وابتدع ما لم يُسبق إليه في سائر الأعصار.
[شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام: ۳۵۷، تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی، تحقیق: حسین محمد علی شکری، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء]

(۴) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۷:۱۷۶

"آپ کو معلوم ہے کہ اہل بیت اطہار اور دوسرے ائمہ سے منقول دعاؤں میں رسول اللہ ﷺ کی مکرم ذات کا وسیلہ نہیں پایا جاتا۔ اگر بالفرض ظاہراً ایسا کہیں پایا بھی جائے تو اس میں مضاف مقدر مانا جائے گا جس کی تفصیل ان شاء اللہ بعد میں آئے گی اور جو شخص اس سلسلہ میں کسی نص کا مدعی ہے وہ اس کا دلیل بیان کرے۔"

سید آلوسی یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ومارواه أبو داود في سننه وغيرهٗ مِنْ أنَّ رجلاً قال لرسول اللّٰه ﷺ: إنَّا نَسْتَشْفِعُ بك إلى اللّٰه تعالى ونَسْتَشْفِعُ باللّٰه تعالى عَلَيكَ، فسبّح رسولُ اللّٰهِ ﷺ حتى رُئِيَ ذلك في وجوهِ أصحابه، فقال: وَيحَكَ، أتدري ما اللّٰه؟ إنَّ اللّٰه تعالى لا يُسْتَشْفَعُ به على أحدٍ من خلقه، شأنُ اللّٰه تعالى أعظَمُ من ذلك[1] لا يُصلَحُ دليلاً على مانحنُ فيه حيثُ أنكرعليه قوله: إنَّا نَسْتَشْفِعُ باللّٰه تعالى عليك، ولم يُنكِرْ ﷺ قوله: نَسْتَشْفِعُ بك إلى اللّٰه تعالى، لأنَّ معنى الاستشفاع به ﷺ: طلبُ الدعاء منه، وليس معناهُ الإقسامَ به على اللّٰه، ولو كان الإقسامُ معنى للاستشفاع فلِمَ أنكرالنبي ﷺ مضمون الجملة الثانية دون الأولى؟ وعلى هذا لايصلح الخبرو لاماقبله دليلاً لمن ادَّعى جوازَالإقسام بذاته ﷺ حَيًّا ومَيِّتًا، وكذا بذات غيره من الأرواحِ المقَدَّسَةِ مطلقًا قياسًا عليه -عليه السلام- بجامع الكرامةِ، وإن تفاوَتَتْ قُوَّةً و ضعفًا، وذلك لأنَّ ما في الخبرالثاني استشفاعٌ لا إقسامٌ، وما في الخبرالأول ليس نَصًّا في محل النّزاعِ، وعلى تقديرالتسليم ليس فيه إلاَّ الإقسامُ بالحَيِّ والتَّوَسُّلُ به، وتَساوِي حالَتي حياته ووفاته ﷺ في هذا الشان يحتاجُ إلى نَصٍّ، ولعَلَّ النَّصَّ على خِلافه[2].

"سنن ابی داؤد وغیرہ کی روایت کہ "ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ کو

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ [۳۹] باب فی الجہمیۃ [۱۸] حدیث: ۴۷۲۶

(۲) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۷: ۱۷۵

اللہ کے حضور سفارش کرتے ہیں اور اللہ کو آپ کے حضور سفارشی لاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افسوس تجھ پر! کیا جانتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اور رسول اللہ ﷺ مسلسل اللہ کی تسبیح پڑھتے رہے حتی کہ اس [خوف کے اثر] کو آپ کے صحابہ کے چہروں میں محسوس کیا گیا۔ پھر آپ نے فرمایا: افسوس تجھ پر! اللہ تعالیٰ کو اُس کی مخلوق میں سے کسی کے ہاں سفارشی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے کہیں زیادہ باعظمت [اور برتر] ہے۔''

یہ ہمارے دعویٰ کے خلاف دلیل نہیں بن سکتی اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جملہ: إنا نستشفع باللّٰه عليك کا انکار تو کر دیا مگر إنا نستشفع بك إلى اللّٰه کا انکار نہیں کیا کیونکہ استشفاع کا معنیٰ آپ سے دعاء کا مطالبہ کرنا ہے جسے اللہ کو قسم دینا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اگر قسم استشفاع کے معنیٰ میں ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے جملہ کو چھوڑ کر دوسرے جملہ کے مضمون کا انکار کیوں کیا؟ اس معنیٰ کے اعتبار سے یہ خبر آپ کی زندگی میں اور موت کے بعد آپ کی ذات کی قسم کے جواز کے قائل لوگوں کی دلیل نہیں بن سکتی' اسی طرح ان لوگوں کی دلیل بھی نہیں بن سکتی جو آپ کی جامعِ کرامات ذات پر قیاس کر کے اگر چہ قوت اور ضعف میں فرق ہو باقی مقدس ارواح کی ذاتوں کا وسیلہ پیش کرتے ہیں کیوں کہ دوسری خبر میں استشفاع ہے' اِقسام نہیں اور پہلی خبر میں موجود بات محل نزاع میں نص نہیں ہے' اگر ہم اسے اِقسام ہی مان لیں تو تب بھی اس میں زندہ کی قسم اور وسیلہ ہے اور اس معاملے میں نبی کریم ﷺ کی زندگی اور موت میں مساوات نص کی محتاج ہے جب کہ نص اس کے خلاف ہے۔''

علامہ نے وضاحت کی ہے کہ:

- ۱: علمائے احناف کا مذہب یہ ہے کہ دعاء کے وقت قبلہ کی طرف رخ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کے وقت بھی ایسا ہونے پر ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔
- ۲: جس کی قبر کی زیارت کی جاتی ہے، اُس سے کچھ مانگا نہ جائے۔
- ۳: امام ابو حنیفہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کی قسم دینا جائز نہیں۔

۔۴: امام ابوحنیفہ کے مذہب میں ذات کا وسیلہ ممنوع ہے۔

۔۵: اور نابینا والی حدیث کی تفصیل وتشریح اس طرح کی ہے کہ اس کا مقصد دعاء کا وسیلہ ہے رسول اللہ ﷺ کی اہل بیت میں سے کسی سے بھی مخلوق کی ذات کا وسیلہ پیش کرنا مروی نہیں ہے۔ نص تو ذات کے وسیلہ [کے جواز] کا دعویٰ کرنے والوں کے خلاف ہے اور غیر کے اعمال کے وسیلہ کے ناجائز ہونے میں بھی کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔

۔۶: اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مشرکین، اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق اور مدبر مانتے تھے۔ جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی آیات میں دی ہے۔ وہ بتوں کو درجہ میں اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے اور سفارشی سمجھ کر پوجا کرتے تھے۔ مشرکین کے نزدیک اللہ تعالیٰ مُشَفَّع اور مقصود ہے اور بت سفارش کرنے والے اور وسیلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ. [سورۃ یونس ۱۰:۱۸]

''اور یہ [لوگ] اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کرسکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

اور فرمایا: وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ.

[سورۃ الزمر ۳۹:۳]

''اور جن کو انہوں نے اس [اللہ تعالیٰ] کے سوا معبود بنا رکھا ہے [کہتے ہیں کہ] ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے زیادہ قریب کرتے ہیں۔''

امام ابن جریر نے لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

لِيَشْفَعُوا لَنَا فِي حَاجَاتِنَا (۱).

''تاکہ وہ ہماری ضرورتوں میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہماری سفارش کریں۔''

---

(۱) تفسیر الطبری ۱۰:۱۱۱

اور فرمایا: وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ. [سورة یوسف ۱۲:۱۰۶]

''اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہی ہوتے ہیں۔''

سلف صالحین اور مفسرین کرام نے کہا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و رازق اور عالم علوی اور عالم سفلی کا خالق مانتے تھے اور اس کے باوجود اوروں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ:

يقول تعالى ذكره: وما يُقِرُّ أكثرُ هؤلاءِ -الذين وَصَفَ عز وجل صفتهم بقوله: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ باللهِ أنه خالقه ورازقه وخالق كل شيءٍ ﴿اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ في عبادتهم الأوثان والأصنام واتخاذهم من دونه أربابًا، وزعمهم أنّ له ولدًا، تعالى الله عما يقولون (۱).

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے خالق، رازق اور ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہونے کے اقرار کے باوجود بتوں اور مورتیوں کی عبادت کر کے، انہیں رب کے ساتھ ارباب بنا کر اور انہیں اللہ تعالیٰ کے بیٹے سمجھ کر شرک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے جو وہ کہتے ہیں۔''

اس کے بعد انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے:

مِن إيمانهم إذا قيل لهم: مَنْ خَلَقَ السَّماء؟ ومَنْ خَلَقَ الأرْضَ؟ ومَنْ خلق الْجِبَال؟ قالوا: "الله" وهم مشركون (۲).

''ان کا ایمان تھا کہ جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ کس نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو پیدا کیا تو وہ مشرک ہونے کے باوجود کہا کرتے تھے کہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔''

---

(۱) تفسیر الطبری ۷:۳۱۲

(۲) تفسیر الطبری ۷:۳۱۲، نص: ۱۹۹۵۵

عکرمہ (۱) سے منقول ہے کہ: قال: تسألهم: مَن خلقهم؟ ومَن خلق السماوات و الأرض؟ فيقولون: "الله" فذلك إيمانهم بالله، وهم يعبدون غيره (۲).

''تو اگر ان سے پوچھے گا کہ ان کو اور آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو کہیں گے کہ اللہ ہی نے۔ یہ ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں۔''

ابن زید (۳) سے منقول ہے کہ: ليس أحدٌ يعبد مع الله غيره إلاَّ وهو مؤمنٌ بالله، و يعرفُ أنَّ الله ربه وأنَّ الله خالقه ورازقه وهو يُشْرِكُ به...... ألا ترى كيف كانت العرب تُلَبِّي، تقول: لبيك أللهم لبيك، لاشريك لك إلا شريكًا هُوَ لَكَ تملكه وما ملك (۴).

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کی عبادت کرنے والے اللہ تعالیٰ کو مانتے اور اسے اپنا رب، خالق اور رازق جانتے ہوئے شرک کرتے ہیں۔ ہر مشرک اللہ کو مانتا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ عرب تلبیہ میں کہا کرتے تھے: ہم حاضر ہیں۔ اے اللہ ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اُس کے جسے تو نے مقرر کیا ہے۔ تو ہی اُس کا اور جو کچھ اُس کا ہے، سب کا مالک ہے۔''

امام فخر الدین رازی نے سورہ یونس کی آیت فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهَ کی تفسیر میں لکھا ہے (۵):

---

(۱) عکرمہ بن عبداللہ بربری، مدنی ابو عبداللہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام اور تابعی تھے۔ ۲۵ھ = ۶۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ تفسیر اور مغازی کے بہت بڑے عالم تھے۔ تین سو اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ جن میں سے ستر تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۰۵ھ = ۷۲۳ء کو وفات پائی۔

[میزان الاعتدال ۳:۹۳، الاعلام ۴:۲۴۴]

(۲) تفسیر الطبری ۷:۳۱۲، نص: ۱۹۹۵۶

(۳) عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مراد ہیں جو صاحب قرآن اور صاحب تفسیر ہیں۔

[سیر اعلام النبلاء ۸:۳۴۹]

(۴) تفسیر الطبری ۷:۳۱۳-۳۱۴، نص: ۱۹۹۷۴

(۵) سورۃ یونس ۱۰:۳۱

وھذا یدُلُّ علی أنَّ المخاطَبین بِھٰذاالکلام کانوا یعرفون اللّٰہ ویُقِرُّوْنَ بہ وھُم الذین قالوا في عبادتھم أنھا تقربنا إلی اللّٰہ زُلفٰی وأنھم شفعاء نا عند اللّٰہ وکانوا یعلمون أنَّ ھذہ الأصنام لاتنفع ولا تضر (۱).

''یہ آیت دلیل ہے کہ اس کلام کے مخاطبین اللہ تعالیٰ کو جانتے اور اس کا اقرار کرتے تھے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب لانے کا وسیلہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور اُن کے سفارشی ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ بت نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

امام نیشاپوری (۲) نے آیت کریمہ: فَلَاتَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًاوَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [سورۃ البقرۃ ۲: ۲۲] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: رابعھا: أنہ مَتٰی مات منھم رجل کبیر یعتقدون فیہ أنہ مُجابُ الدَّعوَۃ و مقبولُ الشَّفاعۃ عند اللّٰہ تعالی، اتخذوا صنَمًا علی صورتہ و عبدوھا علی اعتقاد أنَّ ذلک الإنسان یکون لھم شفیعًا یوم القیامۃ عند اللّٰہ ﴿وَ یَقُوْلُوْنَ ھٰؤُلَآءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ﴾ وخامسھا: لعلھم اتخذوھا قبلۃ لِصَلاتھم و طاعتھم ویسجدون الیھا 'لَا لَھَا' کما أنَّنَا نسجُدُ إلی القبلۃ 'لاللقبلۃ' ولمَّا استَمَرَّت ھذہ الحال ظَنَّ جُھَّالُھُم أنہ یَجِبُ عبادَتُھا ...... لَمَّا تَقَرَّبوا الیھا وعَظَّمُوھا وَ سَمُّوھاآلھۃ اشتبھت حالھم حال من یعتقد أنھاآلھۃ مثلہ قادرۃ علی مخالفتہ و مضادتہ، فقیل لھم ذلک علی سبیلِ التَّھَکُّمِ، وکماتَھَکَّمَ بہ بلفظِ النِّدِّ، شَنَّعَ علیھم واستَفظَعَ شأنھم بأن جعلوا أندادًا کثیرۃ لمن لایصلح أن یکون لہ نِدٌّ قَطُّ، ولا

---

(۱) التفسیر الکبیر ۶: ۲۲۷

(۲) نظام الدین حسن بن محمد بن حسین قمی نیشاپوری نظام الدین اعرج۔ مفسر تھے۔ حکمت و ریاضیات سے بھی شغل رکھتے تھے۔ ''قم'' میں پیدا ہوئے۔ نیشاپور میں پلے بڑھے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۸۵۰ھ = ۱۴۴۶ء کے بعد وفات پائی۔
[کشف الظنون ۲: ۱۱۹۵، الاعلام ۲: ۲۱۶]

يُفِيدُ فِي طريق عبادته إلّا الحنيفية والإخلاص ورفع الوسائط من البين (۱)

''چوتھی بات یہ ہے کہ جب بھی ان میں سے کوئی ایسا بڑا آدمی مرجاتا جس کے بارے میں اُن کا خیال ہوتا کہ اس کی دعاء قبول ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی سفارش مانی جاتی ہے تو وہ اس کی صورت میں بت بنا لیتے اور اس عقیدہ پر اس کی عبادت شروع کر دیتے کہ یہ انسان قیامت کے دن ان کی سفارش کرے گا اور کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں۔ پانچویں بات یہ ہے کہ انہوں نے ان کو اپنی عبادت وطاعت کے لیے قبلہ بنا رکھا تھا جن کی طرف وہ سجدہ کیا کرتے تھے ان کو سجدہ نہ کرتے تھے جیسے ہم قبلہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں قبلہ کو سجدہ نہیں کرتے جب کافی عرصہ تک یہی حال رہا تو ناواقف لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان کی عبادت واجب ہے...... اُن کے تقرب وتعظیم اور ان کا نام الھۃ رکھنے کی وجہ سے ان کا حال ان لوگوں کی طرح ہو گیا جو اُن کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرح الہ ومعبود مانتے ہیں اور اُنہیں اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور مقابلہ پر قادر مانتے ہیں تو انہیں بطور تہکم لفظ ند کہنے کی طرح یہ کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی برائی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اُس ذات کے لیے اَنداد بنا رکھے ہیں جس کا ایک ند بھی نہیں۔ عبادت میں تو صرف حنیفیت ویک جائیت' اخلاص اور درمیان سے واسطے وسیلے ہٹا دینا ہی مفید ہوتا ہے۔''

شہرستانی (۲) نے لکھا ہے کہ: وَضع الأَصْنَام حيثما قدروه إنما هو على معبود غائب

---

(۱) غرائب القرآن ورغائب الفرقان ۱:۱۸۹' نظام الدین حسن بن محمد بن حسین قمی نیشاپوری' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۶ھ = ۱۹۹۶ء

(۲) محمد بن عبد الکریم بن احمد' ابو الفتح شہرستانی' مسلمان فلاسفر تھے۔ شہرستان میں [جو نیشاپور اور خوارزم کے درمیان واقع ہے] ۴۷۹ھ = ۱۰۸۶ء کو پیدا ہوئے۔ علم الکلام' ادیانِ امم اور مذاہب فلاسفہ میں امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔ افضل کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ ۵۱۰ھ کو بغداد منتقل ہوئے' وہاں تین سال رہنے کے بعد اپنے گاؤں واپس چلے گئے جہاں ۵۴۸ھ = ۱۱۵۳ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۴:۲۷۳' الاعلام ۶:۲۱۵]

حتی یکون الصنم المعمول علی صورته و شکله وھیأته نائبًامَنَابَه و قائمًا مقامه والّا فنعلم قطعًا أنَّ عاقلاً مّالا ینحت جسمًا بیده ویصوره صورة ثم یعتقد أنه إلٰهه وخالقه، وإلٰه الکل، إذ کان وجوده مسبوقًا بوجود صانعه، وشکله یحدث بصنعة ناحته، لکن القوم لمّا عکفوا علی التوجه إلیها، کان عکوفهم ذلك عبادة وطلبهم الحوائج منها إثبات الٰهیة لها، وعن هذا کانوا یقولون: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی، فلو کانوا مقتصرین علی صورها في اعتقاد الربوبیة و الإلھیة لما تعدوا إلی رب الأرباب (۱).

”بت اس غائب معبود کی شکل وصورت وہیئت پر بنائے گئے اور انہیں اس معبود کا قائم مقام سمجھا گیا ورنہ ہمیں معلوم ہے کہ کوئی بھی عقل مند شخص اپنے ہاتھ سے تراش کر کے صورت بنا کر اسے اپنا اور تمام اشیاء کا معبود نہیں کہہ سکتا کیوں کہ اس سے پہلے اس کو بنانے والے کا وجود اور شکل موجود ہے اور یہ بت اپنے صانع یعنی تراشنے والے کی صنعت ہونے کی وجہ سے محدَث ہے لیکن جب لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی حاجتیں ان سے طلب کرنے بیٹھ گئے تو ان کا یہ عکوف، عبادت اور ان سے حاجات مانگنا ان کے لیے الوہیت کا ثبوت ٹھہرا اور اسی وجہ سے وہ کہا کرتے تھے کہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی﴾ [سورۃ الزمر ۳۹:۳] اگر وہ ربوبیت اور الوہیت کے عقیدہ میں ان کی صورتوں پر ہی اکتفا کرتے تو کبھی بھی رب الارباب کہنے کی طرف نہ مڑتے۔“

یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے حبشہ کے ایک کنیسہ اور اس میں تصاویر کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: إنَّ أولئك إذا کان فیهم الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا علی قبره مسجدًا وصَوَّرُوْا فیه تلك الصُّوَرَ، فأولئك شِرَارُ الخلقِ عندَ اللّٰهِ یومَ القیامة (۲).

---

(۱) الملل والنحل: ۴۱۰

(۲) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ [۸] باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاھلیة [۴۸] حدیث: ۴۲۷

"ان لوگوں کی عادت تھی کہ ان میں اگر کوئی نیک شخص مرتا تو اس کی قبر پر مسجد اور اس میں تصویریں بنا دیتے۔ قیامت کے روز یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اپنے عبادت خانوں میں نیک لوگوں کی تصویریں بنا کر رکھتے اور عبادت اور اِستغاثہ و فریاد کے وقت ان کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے۔ عبادت خانوں میں ان افعال کی ادائیگی سے ان کا مقصد صرف نیک لوگوں کی تصویروں کی طرف توجہ کرنا ہی ہوتا تھا۔

۳- رسول اللہ ﷺ کی طرف اِغناء کی نسبت

کہتے ہیں کہ مالداری اور تونگری تو رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَمَا نَقَمُوْا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ. [سورۃ التوبۃ ۹: ۷۴]

"اور انہوں نے تو صرف اسی بات کو برا منایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا ہے۔"

جواب

ہم سب سے پہلے آیت کا وہ معنیٰ دیکھتے ہیں جو مفسرین نے بیان کیا ہے۔ امام قرطبی (۱) نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

كانوا قبل قدوم النبي ﷺ في ضَنَكٍ من العيش' لا يركبون الخيل و لا يحوزون

---

(۱) محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی اندلسی ابو عبداللہ قرطبی' تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بہت بڑے مفسر اور صالح و عابد تھے۔ قرطبہ [اندلس] سے تعلق تھا۔ شرق اوسط کے سفر کیے۔ مصر شمال میں اسیوط کے مضافات میں منیۃ ابن خصیب میں اقامت پذیر رہے اور وہیں ۶۷۱ھ = ۱۲۷۳ء کو وفات پائی۔ سادہ اور متقشفانہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک ہی کپڑا زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ [نفح الطیب ۱: ۴۲۸' الاعلام ۵: ۳۲۲]

الغنيمة فلمّا قَدِمَ عليهم النبي ﷺ استغنَوْا بالغنائم (۱).

"رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے یہ لوگ تنگ دستی کی زندگی گزارتے تھے۔ گھوڑے پر سواری نہ کرتے اور اُن کے پاس کسی قسم کی دولت نہیں تھی اور جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، انہیں مالِ غنیمت [دے کر] مال داری ملی۔"

اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ سے مراد غنیمتوں میں انہیں ترجیح دینا ہے۔ امام بیضاوی نے لکھا ہے: فإنّ أكثر أهل المدينة كانوا محاويجَ في ضنكِ من العيشِ فلمّا قدمهم رسول اللہ ﷺ أثروا بالغَنائِم (۲).

"مدینہ منورہ کے اکثر باسی محتاج اور قلاش تھے اور نہایت عسرت کی زندگی گزارتے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے اُن کے پاس آ گئے تو وہ غنیمتوں سے صاحبِ ثروت [مالدار] ہوئے۔"

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ: وما للرسول عندهم ذنبٌ إلا أن اللہ أغناهم ببركته و يُمْنِ سفارته ولو تمت عليهم السعادة لهداهم اللہ لما جاء به (۳).

"اُن کے ہاں رسول اللہ ﷺ کا قصور یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو آپ کے ہاتھوں اور آپ کی سفارت [یعنی نبوت] سے مالدار بنایا اور اگر اُن پر اللہ تعالیٰ کا پورا فضل ہو جاتا تو انہیں آپ کے لائے ہوئے دین کی ہدایت بھی نصیب ہو جاتی۔"

دوسری بات یہ ہے کہ اغناء، باب اِفعال سے ہے جس کا معنیٰ کوئی چیز پہنچانا ہے تو معنیٰ ہوگا: مالداری اور دولت پہنچانا یعنی دینا ہوگا۔ أغناك کا معنی ہے: أعطاك مالاً جَزيلاً۔ "اس نے

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن = تفسیر القرطبی ۸: ۱۹۰، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، تحقیق: عبدالرزاق المہدی، دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء

(۲) انوار التنزیل و اسرار التاویل المعروف بتفسیر البیضاوی ۳: ۸۹

(۳) تفسیر القرآن العظیم ۷: ۲۴۳

تجھے بڑا مال دیا۔"

اغناء کا معنیٰ مالداری کو وجود بخشنا اور اسے پیدا کرنا نہیں ہے اسی طرح فَارْزُقُوهُمْ کا معنیٰ بھی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے:

و كذلك الرزق والشفاء على وجهين فقولنا: رَزَقَ الأميرُ الجندَ، المفهوم منه أنه فَرَّقَ الأموال التي جمعها بالقوة الناسوتية وقولنا: شَفَى الطبيبُ المريضَ المفهوم منه أنَّ الطبيب اجْتَهَدَ كل جهد و سَعَى بفكره الذي يُشابه فكر المريض فَعَيَّنَ دواء فيه حر أو برد وغيرهما من خواص هذا العالم فأعقبه الصحة وقولنا: "رزق الله خلقه وشَفَى اللهُ عبده" أنه أراد أن يجتمع اليه المال من غير مُلَابَسَةٍ بالأعمال الناسوتية ولا مُشَابَهَةٍ بالناسوتية فاجتمع أولاً أن يزول مرضه ويحدث فيه الصحة فكان كما أراد[1].

"اسی طرح رزق اور شفا دو طرح کی ہے جب ہم کہتے ہیں کہ رَزَقَ الأَمِيرُ الْجُنْدَ تو اس کا متبادر معنیٰ یہی ہوتا ہے کہ قوت ناسوتیہ کے سبب جمع کیا ہوا مال لشکر میں تقسیم کیا اور ہمارے بات شَفَى الطَّبِيبُ الْمَرِيضَ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے مکمل کوشش کی اور مریض کی فکر کے ساتھ مشابہت رکھنے والی فکر کے ساتھ اس عالم کے خواص کے مطابق گرم یا ٹھنڈی دوا کا انتخاب کیا جس کے نتیجہ میں شفا ملی اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو رزق دیا اور اُس نے اپنے بندے کو شفا دی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے اعمال ناسوتیہ اور ان کی مشابہت کے ملائے بغیر مال جمع کرنے اور شفا دینے کا ارادہ کیا سب سے پہلے مرض کو دور کر کے صحت دینے کا ارادہ کیا جس کے نتیجے میں صحت ملی۔"

قاعدہ

بہت سی اشیاء ایسی ہیں جن کی نصوص شرعیہ ایک مقام پر نفی کرتی ہیں اور دوسرے مقام پر

---

(۱) البدور البازغۃ: ۱۶۳-۱۶۴ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، المطبع الحیدری لاہور ۱۳۸۹ھ=۱۹۷۰ء

اثبات، جیسے خلق وامر اور غیر ظاہری اسباب کے اعتبار سے کبھی اُس کی نفی اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے کبھی اُس کا اثبات ہوتا ہے۔ یہی حکم غنا اور رزق کا بھی ہے۔

۴۔سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف خلق وشفاء کی نسبت

کہا جاتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ نے خلق وشفاء کی نسبت اپنی طرف کر دی ہے جیسا کہ اس آیت میں: اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ. [سورۃ آل عمران۳:۴۹]

”بے شک میں تمہارے لیے مٹی کی مورت بشکل پرند بناتا ہوں پھر اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے [سچ مچ] پرندہ بن جاتا ہے اور میں مادر زاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو تندرست کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں۔“

اس آیت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام خلق وغیرہ کی نسبت اپنی طرف کی ہے؟

جواب

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اَخْلُقُ کا معنیٰ: اندازہ کرنا اور صورت بنانا ہے۔ مفسرین نے اس لفظ کی یہی تفسیر کی ہے، چنانچہ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے:

﴿اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ﴾ أُقَدِّرُ لکم و أُصَوِّرُ شیئًا مثل صورةِ الطَّیْرِ ﴿فَاَنْفُخُ فِیْهِ﴾ أي: في ذلك الشيء المماثل (۱).

”﴿اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ﴾ میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح بناتا ہوں۔ ﴿فَاَنْفُخُ فِیْهِ﴾ یعنی میں اس پرندے کے جسم کی مماثل چیز میں پھونکتا ہوں۔“

دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اضافت حقیقی ہے۔ مجازی نہیں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ

---

(۱) انوار التنزیل واسرار التاویل ۲:۱۸

خاص ہے۔ وہ لوگ مراد نہیں ہیں جن کو یہ خوارق عادت اور ظاہر معجزات نہیں دیے گئے اور آپ سے فعل صادر ہونے کی اضافت بھی معجزہ کے طور پر ہے جس نے بھی ان افعال کی نسبت شریعت کے خلاف کسی اور کی طرف کی وہ گمراہ ہوگیا اور اس نے ہدایت کی مخالفت کی کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات حقیقی ہوتے ہیں۔ ظاہری معنیٰ سے ہٹ کر مجاز نہیں ہوتے اور انبیاء علیہم السلام کے لیے جائز ہر کام دوسروں کے لیے جائز نہیں ہوا کرتے نیز انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف اس کام کی اضافت نہیں کی جاسکتی جس پر نص وارد نہ ہو۔

۵- یہ اُمت شرک کا ارتکاب نہیں کرے گی!

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إِنِّي وَاللّٰهِ مَا أَخَافُ أَنْ تُشْرِكُوْا بعدِي وَلٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا (۱)۔

"مجھے اپنے بعد تمہارے متعلق شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں لیکن مجھے خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کروگے۔"

دوسری حدیث میں ہے: أَلَا إِنَّ الشَّيطَانَ قد أَيِسَ أَنْ يُعْبَدَ فِي بَلَدِكم هذا أبدًا ولٰكِنْ ستكون له طاعَةٌ في بعضِ ماتَحْتَقِرونَ مِن أعْمَالِكم فَيَرضَى بِهَا (۲)۔

"سنو! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر میں کبھی اُس کی پوجا کی جائے لیکن بعض کاموں میں اُس کی اطاعت ہوتی رہے گی جنہیں تم معمولی سمجھتے ہو اور وہ اس پر راضی ہو جائے گا۔"

یہ اور اس قسم کی دیگر احادیث اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ امت مسلمہ میں شرک نہیں آسکتا اور تمہاری بات غلط ہے کہ تم کہتے ہو کہ شرک پھیل چکا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجنائز [۲۳] باب الصلاۃ علی الشہید [۷۲] حدیث: ۱۳۴۴؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل [۴۳] باب اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاتہ [۹] حدیث: ۵۹۷۶

(۲) سنن ابن ماجہ، ابواب المناسک [۲۵] باب الخطبۃ یوم النحر [۷۶] حدیث: ۳۰۵۵

جواب

بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ دورِ جاہلیت کی طرح شرک دوبارہ لوٹ آئے گا۔ مثلاً:

۱- لَاتقومُ السَّاعةُ حتّٰی لَا یُقَالُ فِي الأرض: اللّٰہ اللّٰہ (۱)۔

''جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جائے گا تب تک قیامت نہیں آئے گی۔''

۲- لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوْهُ، قلنا: یارسولَ اللّٰهِ! اَلْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی؟ قال النبي ﷺ: فَمَنْ؟ (۲)۔

''یقیناً تم [مسلمان بھی] اپنے سے پہلے لوگوں کی بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ [قدم بقدم] پیروی کرو گے۔ اگر وہ کسی سانڈے کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اُس میں گھس جاؤ گے۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ! پہلے لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا اور کون ہوسکتے ہیں؟''

۳- لَاتقومُ السَّاعةُ حَتّٰی تَضْطَرِبَ أَلْیَاتُ نِسَاءِ دَوْسٍ عَلٰی ذِي الْخَلَصَةِ؛ وَذُو الْخَلَصَةِ: طَاغِیَةُ دَوْسٍ الَّتِي كَانوا یعبدونَ فِي الْجَاهِلِیَّةِ (۳)۔

''قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ذوالخلصہ کے مقام پر قبیلہ دوس کی عورتوں کے سرین [طواف کرتے ہوئے] ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں گے۔''

۴- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ:

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان [۱] باب ذہاب الایمان آخر الزمان [۶۶] حدیث: ۳۷۵، ۳۷۶

(۲) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب ماذکر عن بنی اسرائیل [۵۰] حدیث: ۳۴۵۶

(۳) صحیح بخاری، کتاب الفتن [۹۲] باب تغیر الزمان حتی تعبد الاوثان [۲۳] حدیث: ۷۱۱۶
کسی راوی نے ذوالخلصہ کی تفسیر اس طرح کی ہے جسے امام بخاری نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: وَذُو الْخَلَصَةِ: طَاغِیَةُ دَوْسٍ الَّتِي كَانوا یعبدونَ فِي الْجَاهِلِیَّةِ.
''ذوالخلصہ قبیلہ دوس کا بت تھا جس کی وہ زمانہ جاہلیت میں عبادت کیا کرتے تھے۔''

لَا یَذْهَبُ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰی تُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی (۱).

''دن رات اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے جب تک لات اور عزیٰ کی عبادت نہ کی جائے۔''

۵-:لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِيْنَ وَحَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ (۲).

''قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کے کچھ قبائل مشرکین کے ساتھ نہ مل جائیں اور کچھ قبیلے بتوں کی عبادت نہ کرنے لگیں۔''

۶-:لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَرْجِعَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي إِلٰی أَوْثَانٍ یَعْبُدُوْنَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳).

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت نہ کرنے لگیں۔''

۷-:لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَرَوْا أُمُوْرًا عِظَامًا لَمْ تَكُوْنُوْا تَرَوْنَهَا وَلَا تُحَدِّثُوْنَ بِهَا أَنْفُسَكُمْ (۴).

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم بڑے بڑے امور نہ دیکھو گے اور تمہارے دلوں میں ان کا خیال تک نہیں گزرا ہوگا۔''

امام ابن وضاح (۵) کہتے ہیں: أنا أقول: لَا تقومُ السَّاعةُ حتّٰی تُعْبَدَ الأَصْنَامُ في

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الفتن [۵۲] باب لا تقوم الساعۃ حتی تعبد دوس ذا الخلصۃ [۱۷] حدیث: ۷۲۹۹

(۲) سنن ابی داود، کتاب الفتن والملاحم [۳۴] باب ذکر الفتن ودلائلہا [۱] حدیث: ۴۲۵۲

(۳) مسند ابی داود الطیالسی: ۱۳۳، حدیث: ۹۹۱؛ ۳۲۷، حدیث: ۲۵۰۱

(۴) الفتن: ۱۹، حدیث: ۳۹، نعیم بن حماد الخزاعی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء

(۵) محمد بن وضاح بن بزیع ابو عبداللہ مولیٰ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام۔ محدث تھے۔ ۱۹۹ھ=......

الْمَحَارِيبَ (۱).

"میں [امام ابن وضاح] کہتا ہوں کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک محرابوں میں بتوں کی پوجا شروع نہ ہو جائے۔"

۷۔ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِيْ بِالْمُشْرِكِيْنَ وَحَتّٰى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ، وإِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بعدی (۲).

"قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے کچھ قبیلے مشرکوں سے نہ مل جائیں اور جب تک بتوں کی پوجا شروع نہ کرے عن قریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعوی کرے گا حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔"

یہ ساری روایتیں ہماری اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس امت میں شرک رواج پا سکتا ہے رہی حدیث: إِنِّي وَاللّٰهِ مَاأخاف عليكم أن تشركوا، سو اس بارے میں عرض ہے کہ:

۱۔ یہ حدیث صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ انہوں نے شرک نہیں کیا لیکن ان کو دنیاوی آزمائشوں میں ڈالا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اکثر کو بچائے رکھا۔

۲۔ یہ حدیث اس وحی سے پہلے کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ اس امت کے

...... ۸۱۵ء کو پیدا ہوئے۔ اہل قرطبہ میں سے تھے۔ مشرق گئے اور وہاں بہت سا علم حاصل کیا۔ اندلس واپس آکر علم کی خوب خدمت کی۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۲۸۶ھ = ۸۹۹ء کو وفات پا گئے۔

[بغية الملتمس في تاريخ رجال أهل الأندلس ۱: ۱۷۳، ترجمہ: ۲۹۲، احمد بن یحییٰ بن احمد بن عمیرہ ابو جعفر الضبی، دار الکتاب المصری، القاہرۃ، ۱۴۱۰ھ = ۱۹۸۹ء، الاعلام ۷: ۱۳۳]

(۱) کتاب البدع والنہی عنہا: ۱۶۷، بذیل حدیث: ۲۴۷، ابو عبد اللہ محمد بن وضاح قرطبی، تحقیق: عمرو عبد المنعم سلیم، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ، مصر، ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء

(۲) سنن ابی داود، کتاب الفتن والملاحم [۳۴] باب ذکر الفتن ودلائلہا [۱] حدیث: ۴۲۵۲

کچھ افراد عن قریب شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔

۳- امت کی ہلاکت کے اسباب شرک کے علاوہ ہوں گے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امت شرک کے علاوہ دیگر فتنوں میں مبتلا ہوئی ہے۔

۴- اس حدیث میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ سب سے پہلے شرک کے علاوہ اور فتنے وارد ہوں گے اور ایسا ہو چکا ہے۔

٦- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قحط

امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی نے مالک الدار سے روایت کی ہے کہ: أصاب الناسُ قحطٌ في زمن عمر فجاءَ رجلٌ إلى قبر النبي ﷺ فقال: يارسول الله! استسقِ لأمتك فإنهم قد هلكوا، فأُتِيَ الرجلُ في المنامِ فقيل له: ائتِ عمر فأقرئهُ السلام وأخبرهُ أنكم مسقيُّونَ وقل له: عليكَ الكَيْسَ، عليكَ الكَيْسَ، فأتى عمر فأخبره، فبكى عمر، ثم قال: يارب! لا آلوا إلّا ما عجزتُ عنه(1).

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور اس کی وجہ سے بے حد تکلیف پیش آئی۔[گاؤں کا رہنے والا] ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ آپ کی امت نہایت تکلیف میں ہے اور اس کی ہلاکت اور بربادی کا خطرہ ہے۔آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے۔آپ کی قبر کے پاس دعاء کر کے یہ شخص چلا گیا۔رات کو خواب میں رسول اللہ ﷺ اس شخص سے ملے اور فرمایا کہ عمر[رضی اللہ عنہ] کے پاس جاؤ اور اس سے میرا اسلام کہو اور یہ خبر دے دو کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بارش ہو گی اور عمر[رضی اللہ عنہ] سے کہہ دو کہ وہ عقل مندی ہی کو لازم پکڑے۔صبح ہوئی تو وہ شخص عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب کا یہ سارا ماجرا اُن کو سنا دیا۔یہ خبر سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے

---

(1) مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷:۶۴، حدیث: ۳۲۶۶۵، دلائل النبوۃ ۷:۴۷

اور فرمایا کہ میرے رب! جو چیز میرے بس میں ہے اُس کے بارے میں تو کبھی میں نے کوتاہی نہیں کی۔"

جواب

۱- اس روایت میں لکھا ہے کہ: فَجَاءَ رَجُلٌ إِلٰى قبر النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! استسق لأمتك[1]۔

اس "رَجُلٌ" کا نام کیا ہے؟ ثقہ ہے یا ضعیف؟ اس روایت کو ایک مجہول الاسم والحال راوی نے بیان کیا ہے اس سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

۲- اس روایت کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے معروف صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت نہیں کیا۔

۳- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے دوران کسی قبر کے پاس جا کر بارش کی دعا نہیں مانگی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس استسقاء کے لیے گئے بلکہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دعاء مانگنے کے لیے کہا۔

۴- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث میں سخت احتیاط اور تقویٰ کے باوجود مجہول الاسم والحال شخص کا قول کیسے قبول کر لیا؟

۵- ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام لوگ صالح اور اسلام پر عمل پیرا تھے بلکہ اس زمانے میں جاہل اور خارجی بھی پیدا ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ غیر معصوم ہیں۔

یہ مجہول الاسم راوی سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ ہیں؟

مجہول الاسم راوی سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس گئے[2]۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷: ۶۳، حدیث: ۳۲۶۶۵، دلائل النبوۃ ۷: ۴۷

(۲) تاریخ ابن جریر طبری ۳: ۱۹۲، البدایۃ والنہایۃ ۷: ۸۸، حوادث: ۱۸ھ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ ۴: ۱۹۵

اور صحابہ کرام ﷺ چونکہ سارے کے سارے عادل ہیں اس لیے نام کا مذکور نہ ہونا کوئی خرابی نہیں۔

جواب

سند کے بغیر محض نسبت کر دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اس روایت کو بیان کرنے والا سیف بن عمر الضبی ہے، جس نے اپنی کتاب ''الفتوح'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ انتہائی ضعیف شخص ہے اور زندقہ کے ساتھ متہم ہے [1]۔ نیز یہ روایت شاذ اور صحابہ کرام ﷺ کے متواتر عمل کے خلاف ہے۔ صحابہ کرام ﷺ میں سے کوئی بھی شدائد، تکالیف اور قحطوں کے دوران نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس نہیں جایا کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اس لیے کہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ:

- وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۔ [سورۃ المائدۃ ۵:۶۶]

''اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو [اور کتابیں] اُن کے رب کی طرف سے ان پر نازل ہوئیں اُن کو قائم رکھتے تو [ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ] اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے

---

(۱) جس روایت میں اعرابی کے بجائے سیدنا بلال بن حارث مزنی ﷺ کا نام لیا گیا ہے اُس کا راوی سیف بن عمر ضبی ہے۔ [تاریخ ابن جریر طبری ۳:۱۹۲، البدایۃ والنہایۃ ۷:۸۸، حوادث: ۱۸ھ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ﷺ ۴:۱۹۵]

جب کہ سیف بن عمر ضبی اسیدی کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ: وہ واقدی کی طرح تھا۔ جابر جعفی اور دیگر مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ایک پیسہ اُس سے بہتر ہے۔ امام ابوداود فرماتے ہیں: کوئی شے نہیں۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں: متروک تھا۔ حافظ ابن حبان کہتے ہیں: زندقہ سے بدنام ہے۔ حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: اُس کی عام روایتیں منکر ہوتی ہیں۔ احادیث وضع کرنے سے بدنام تھا۔ [میزان الاعتدال ۲:۲۵۵-۲۵۶، ترجمہ: ۳۶۳۷]

ایسے شخص کی روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع ہوتی ہے۔

نیچے سے کھاتے۔''

-وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ.

[سورۃ الاعراف ۷:۹۶]

''اور اگر اِن بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیز گار ہو جاتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکات [کے دروازے] کھول دیتے۔''

- وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ. [سورۃ ہود ۱۱:۳]

''اور یہ اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اُس کے آگے توبہ کر دو۔''

-وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ. [سورۃ ہود ۱۱:۵۲]

''اور اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اُس کے آگے توبہ کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور گناہ گار بن کر روگردانی نہ کرو۔''

-اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کو ایک نصیحت اس طرح ذکر کیا ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ○ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ○

[سورۃ نوح ۷۱:۱۰-۱۱]

''تو میں نے کہا: اپنے رب سے بخشش مانگو بے شک وہ بخشنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے تیز بارش برسائے گا۔''

-اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے: وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا.

[سورۃ الجن ۷۲:۱۶]

''اور اگر وہ [سیدھے] رستے پر رہتے تو ہم اُن کے پینے کو بہت سا پانی دیتے۔''

اللہ تعالیٰ نے استغفار اور توبہ کی ترغیب دی ہے، قبر کی طرف جانے کی ترغیب نہیں دی۔

امام بخاری نے روایت کی ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں پر قحط طاری ہوا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے استسقا کی دعا کرائی (۱) اور رسول اللہ ﷺ کی قبر پر نہیں گئے۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ خواب سچا جانتے تو اپنی خلافت کے زمانے میں اس کے مخالف عمل نہ کرتے انہوں نے تو زندہ صحابی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء کا وسیلہ پیش کیا اور رسول اللہ ﷺ کی قبر پر طلبِ دعاء کے لیے نہیں گئے اسی طرح سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما استسقاء میں یزید بن الاسود جرشی تابعی کو دعاء کے لیے گئے (۲)۔

نیز اس واقعہ میں ایسے چیزیں ایسی موجود ہیں جن سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے، مثلاً:

- اہل علم میں سے کسی سے بھی نبی کریم ﷺ اور کسی اور کی قبر کے پاس جا کر بارش وغیرہ کے لیے دعاء کرنا منقول نہیں۔
- نصوص سے ثابت ہے کہ مردے نہیں سنتے۔
- صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ: إذا مَاتَ الإنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ (۳)۔

''جب انسان فوت ہو جائے تو اُس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین اعمال کے [وہ منقطع نہیں ہوتے]: صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے فائدہ اُٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اُس کے لیے دعاء کرے۔''

یہ حدیث میت کے محتاج ہونے کی دلیل ہے۔

- نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کو سکھایا کہ زیارت قبور دو کاموں کے لیے ہے: اول: میت

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام اذا قحطوا [۳] حدیث: ۱۰۱۰، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ [۶۲] باب ذکر العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ [۱۱] حدیث: ۳۷۱۰

(۲) المعرفۃ والتاریخ ۲:۲۲۱، اقتضاء الصراط المستقیم ۲:۲۹۱-۲۹۲

(۳) صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ [۲۵] باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ [۳] حدیث: ۴۲۲۳

کے لیے دعاء اور دوسرا: آخرت کی یاد[1]۔ تیسرا کوئی کام نہیں۔ ہم اگر اس واقعہ کو مان کر اس کے متعلق اور کوئی کلام نہ بھی کریں تب بھی یہ ایک خواب ہی ہے جس سے مردوں کو پکارنا اوران کا وسیلہ پکڑنا ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کا خواب شرعی حجت نہیں۔ حافظ ابن قیم نے کیا خوب کہا ہے:

فَخُذِ الْهُدَى مِنْ عَبْدِهٖ وَكِتَابِهٖ فَهُمَا إِلَى سُبُلِ الْهُدَى سَبَبَانِ[2]

''اللہ تعالیٰ کے بندے [یعنی رسول اللہ ﷺ] اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ہدایت حاصل کیجیے اس لیے کہ ہدایت کے یہی دو ہی ذریعے ہیں۔''

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

لِلّٰهِ حَقٌّ لَا يَكُوْنُ لِغَيْرِهٖ وَلِعَبْدِهٖ حَقٌّ هُمَا حَقَّانِ
لَا تَجْعَلُوا الْحَقَّيْنِ حَقًّا وَاحِدًا مِنْ غَيْرِ تَمْيِيْزٍ وَّ لَا فُرْقَانِ
فَالْحَجُّ لِلرَّحْمٰنِ دُوْنَ رَسُوْلِهٖ وَكَذَا الصَّلَاةُ وَذَبْحُ ذَاالْقُرْبَانِ
وَكَذَا السُّجُوْدُ وَنَذْرُنَاوَ يَمِيْنُنَا وَكَذَا مَتَابُ الْعَبْدِ مِنْ عِصْيَانِ
وَكَذَا التَّوَكُّلُ وَالْإِنَابَةُ وَالتُّقٰى وَكَذَا الرَّجَاءُ وَخَشْيَةُ الرَّحْمٰنِ
وَ كَذَا الْعِبَادَةُ وَ اسْتِعَانَتُنَابِهٖ إِيَّاكَ نَعْبُدُ ذَانِ تَوْحِيْدَانِ
وَ عَلَيْهِمَا قَامَ الْوُجُوْدُ بِأَسْرِهٖ دُنْيَاوَأُخْرَى حَبَّذَا الرُّكْنَانِ[3]

''ایک اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا اور دوسرا حق اس کے بندے کا ہے۔ یہ دو الگ الگ حق ہیں، دونوں حقوں کو کسی تمیز وفرقان کے بغیر ایک ہی حق نہ بناؤ۔ حج، اللہ

---

(۱) اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهٖ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ.
[سنن ترمذی، کتاب الجنائز [۸] باب ماجاء فی الرخصۃ فی زیارۃ القبور [۶۰] حدیث: ۱۰۵۴]

(۲) القصیدۃ النونیۃ: ۱۲۴ (۳) القصیدۃ النونیۃ: ۱۹۲

تعالیٰ ہی کے لیے کیا جاتا ہے، اُس کے رسول ﷺ کے لیے نہیں کیا جاتا اسی طرح ہماری نماز قربانی، سجود، نذر و نیاز اور قسم بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ کسی بندے کا گناہوں سے توبہ کرنا، توکل، اِنابت، تقویٰ، امید و رجاء اور رحمٰن ذات کا خوف اسی کے لیے ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں ہماری عبادت اور استعانت دونوں توحید ہیں اور انہی دونوں پر دنیا اور آخرت کا وجود قائم ہے اور یہی دو بڑے رکن ہیں۔"

۷- إذَا سَئَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلوا الله بجاهي

یہ جھوٹی اور موضوع روایت ہے۔ محدثین میں سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ کسی بھی بدعت پسند نے اس کی سند بیان نہیں کی۔ مجالس الابرار میں ہے:

والَّذي أوقَعَ عُبَّاد القبور في الإفتتان بها أمور: منها: الجهل بحقيقة ما بعث الله به رسوله، بل جميع الرسل من تحقيق التوحيد وقطع أسباب الشرك، فقَلَّ نصيبهم جدًّا من ذلك و دعاهم الشيطان إلى الفتنة، ولم يكن عندهم من العلم ما يُبطل دعوته فاستجابوا له بحسب ما عندهم من الجهل، وعُصموا بقدر ما معهم من العلم. ومنها: أحاديث مكذوبة مُختَلَقَةٌ، وَضَعَهَا أشباهُ عُبَّادِ الأصنام من المقابرية على النبي ﷺ تُنَاقِضُ دينه وماجاء به كحديث: إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا من أهل القبور، وحديث: إذا أعْيَتْكُم الأمور فعليكم بأصحاب القبور، وحديث: لو ظن أحدكم بِحَجَرٍ لنفعه، وأمثال هذه الأحاديث التي هي مناقضة لدين الإسلام وضعها المشركون ورَاجَت على أشباههم من الجُهَّال الضُّلَال، والله تعالى بعث رسوله ﷺ يقتُل مَن حسن ظنه بالأحجار، و جَنَّبَ أمته الفِتْنَةَ بالقبور بكل طريق. ومنها: حكايات حكيت لهم عن تلك القبور: أنّ فلانًا استغاث بالقبر الفلاني في شدة فخلص منها، وفلانا دعاه أو دعا به في حاجة فقضيت له، وفلانٌ نزل به ضُرٌّ فاسترجَى صاحبَ ذلك القبر فكشف ضره، وعند السَّدَنَةِ والمقابرية من ذلك

شيء كثير يطول ذِكره، وهُمْ مِنْ أكْذَبِ خلق الله تعالى على الأحياء والأموات، والنفوسُ مُولِعَةٌ بقضاء حوائجها وإزالة ضروراتها، و يسمعُ بأن قبر فلان تِرْيَاقٌ مجربٌ، والشيطان له تَلَطُّفٌ في الدعوة، فيدعوهم أوّلا إلى الدُّعاء عنده، فيدعو العبد عنده بِحُرْقَةٍ وانكسار وذِلّةٍ، فيجيب الله دعوته لِمَا قام بقلبه، لا لأجل القبر فإنه لو دَعَاهُ كذلك في الحانة والخَمَّارة والحَمَّام والسُّوق أجابه، فيظن الجاهل أن للقبر تأثيرًا في إجابة تلك الدعوة، والله سبحانه يُجِيْبُ دعوة المُضْطَرِّ ولو كان كافرًا..... فليس كل مَن أجاب الله دعاءه يكون راضيًا عنه، ولا مُحِبًّا له، ولا راضيًا بفعله فإنه يُجِيْبُ البَرَّ والفاجرَ والمؤمن والكافر (۱).

''چند امور ایسے ہیں جن سے قبروں کے پجاری گمراہ ہوئے۔اول: اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی بعثت کی حقیقت تحقیقِ توحید اور شرک کے اسباب کو ختم کرنے سے نا آشنائی ہے جن لوگوں کے پاس علم کم ہوتا ہے، جب ان کو شیطان فتنہ کی طرف بلاتا ہے تو وہ اس کی دعوت کو دلیل کی بنا پر رد نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنی جہالت کے سبب اس کی بات مان لیتے ہیں اور اپنے علم کی بنا پر گمراہی سے بچ نہیں پاتے۔دوم: بت پرستوں کی طرح قبر پرستوں نے بھی جھوٹی احادیث گھڑ لی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے ٹکراتی ہیں جیسے حدیث:

إِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الأُمُوْرِ فَاسْتَعِيْنُوْا مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ.

''جب تم کسی کام میں پریشان ہو جاؤ تو قبر والوں سے مدد مانگو۔''

اور حدیث: إِذَا أَعْيَتْكُمُ الأُمُوْرُ فَعَلَيْكُمْ بِأَصْحَابِ الْقُبُوْرِ.

''جب تم کاموں سے تھک جاؤ تو قبر والوں کی طرف رجوع کرو۔''

---

(۱) مجالس الابرار مع اردو ترجمہ مطارح الانظار: ۱۲۲-۱۲۳، مجلس: ۱۷، مجالس الابرار و مسالک الاخیار عربی: ۱۴۵-۱۴۶، مجلس: ۱۷: یہ پوری عبارت حافظ ابن قیم الجوزی کی اغاثۃ اللہفان عن مصائد الشیطان جلد اول کے صفحات: ۲۱۴-۲۱۵ سے ماخوذ ہے۔

اور حدیث ''لَوْ ظَنَّ أَحَدُكُمْ بِحَجَرٍ لَنَفَعَهُ.

''اگر تم میں سے کوئی پتھر پر بھی اچھا گمان کرے تو وہ بھی اسے فائدہ دے گا۔''

اور اس طرح کی دوسری احادیث جو دین اسلام کی مخالف ہیں۔ ان کو بت پرستوں اور قبر پرستوں نے گھڑ لیا ہے جن سے جاہل لوگ گمراہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو پتھروں اور درختوں پر حسنِ ظن رکھنے والوں کے ساتھ لڑنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے قبروں کے فتنہ سے ہر طریقے سے اپنی امت کو دور رکھنے کی کوشش کی۔ سوم: ان قبروں کے بارے میں بہت سی حکایات مشہور ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں قبر والے کو مصیبت میں پکارا تو اس مصیبت سے نجات پائی۔ فلاں بیمار پڑ گیا تو اس نے صاحب قبر سے دعا کی تو اس کی تکلیف دور ہو گئی۔ فلاں نے اپنی حاجت میں پکارا تو اس کی حاجت پوری ہو گئی۔ مجاوروں اور قبروں کے پجاریوں کے پاس ایسی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جن کا ذکر طوالت کا سبب ہو گا۔ یہ لوگ زندوں اور مُردوں کے بارے میں ضرورت سے بڑھ کر جھوٹ بولنے والے ہیں۔ ہر شخص اپنی حاجات کو پورا کرنا اور ضروریات کا ازالہ چاہتا ہے خصوصاً بے بس اور پریشان حال شخص مکروہ سبب کا بھی سہارا لیتا ہے وہ جب سنتا ہے کہ فلاں کی قبر مجرب تریاق ہے تو اس کے پاس چلا جاتا ہے اور اسے بڑی ہی عاجزی اور انکساری سے پکارتا ہے اس کی دلی عاجزی' ذلت اور انکسار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی پکار کو قبول کر لیتا ہے۔ اس کی دعا کی قبولیت قبر کی وجہ سے نہیں ہوتی اگر وہ اپنی دکان' حمام اور بازار میں بھی اسی عجز و انکساری کے ساتھ پکارتا تو وہاں بھی اس کی دعا قبول ہوتی۔ نادان اس قبولیتِ دعا کو قبر کی تاثیر سمجھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہی مضطر و پریشان حال کی دعا کو قبول کرتا ہے اگرچہ پکارنے والا کافر ہی کیوں نہ ہو۔ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی دعا کو قبول کرے اس سے اور اس کے عمل سے وہ راضی بھی ہو یا اُس سے محبت کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو ہر نیک کار' بدکار' مؤمن اور کافر کی دعاء کو قبول کرتا ہے۔''

حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: هذا من جنس ما يرويه بعض العامة: إذا سألتم الله فاسئلوه بجاهي فإن جاهي عند الله عظيمٌ، وهو كذب موضوع من الأحاديث التي ليس لها زِمَامٌ و لا خِطَامٌ. قال الإمام أحمد: للناس أحاديث يتحدثون بها على أبواب دُوَرِهم مَّا سمعنا بشيئٌ منها و قد حرم الله علينا أن نقول عليه مالم نعلم (۱).

''یہ بھی اسی حدیث کی طرح ہے، جس کو عام لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب تم اللہ سے مانگنا چاہو کرو تو میری جاہ کے وسیلہ سے مانگو کیوں کہ میری جاہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔ یہ اُن موضوع احادیث میں سے ہے جن کی کوئی اصل نہیں۔ امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ لوگ کچھ حدیثیں اپنے گھروں کے دروازوں پر بیٹھ کر بیان کرتے ہیں جو ہم نے بالکل سنی ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہم پر حرام کر رکھا ہے کہ ہم اس کے بارے میں وہ بات کہیں جو ہم نہیں جانتے۔''

اور فرمایا: وقد قَدِمَ بعض شيوخ المشرق و تكلم معي في هذا فبينت له فساد هذا فقال: أليس قد قال النبي ﷺ: إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأصحاب القبور؟ **فقلت**: هذا مكذوب باتفاق أهل العلم، لم يروه عن النبي ﷺ أحد من علماء الحديث (۲).

''مشرق کے کچھ شیوخ نے آ کر میرے ساتھ اس حدیث کے بارے میں بات کی تو میں نے اس بات کے فاسد ہونے کی وضاحت کی جس پر وہ کہنے لگا: کیا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا؟ کہ جب تم کسی کام میں مشکل پاؤ تو قبر والوں سے مدد مانگو تو میں نے کہا اس حدیث کے جھوٹ ہونے پر سب اہل علم کا اتفاق ہے۔ علماء حدیث میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے بیان نہیں کی۔''

---

(۱) کتاب الرد علی البکری ۱: ۷۰-۷۱

(۲) الاستغاثہ فی الرد علی البکری: ۳۱۷

اور مجموعۃ الرسائل الکبریٰ میں ہے: وأمّا ما يذكره بعض العامة من قوله ﷺ: إذا كانت لكم إلى الله حاجة فاسئلوا الله بجاهي فإنّ جاهي عند الله عظيم' فهذا الحديث لم يروه أحد من أهل العلم' ولا هو في شيئ من كتب الحديث[1].

"کچھ عام لوگ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ذکر کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی ضرورت پیش آئے تو میری جاہ و حرمت کے وسیلہ سے مانگو کیونکہ میری جاہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔ اس حدیث کو اہل علم میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی یہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں ہے۔"

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے: وإن كان بعض المشايخ المتبوعين يحتج بما يرويه عن النبي ﷺ قال: إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأهل القبور ' أو: فاستعينوا بأهل القبور' فهذا الحديث كذب مفترًى على رسول الله ﷺ بإجماع العارفين بحديثه' لم يروه أحد من العلماء ولا يوجد في شيئ من كتب الحديث المعتمدة[2].

"بعض متبوعین مشائخ، رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث: إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأهل القبور سے استدلال کرتے ہیں جب کہ حدیث کا علم رکھنے والوں کا اجماع ہے کہ یہ حدیث جھوٹی اور رسول اللہ ﷺ پر گھڑی ہوئی ہے۔ اسے کسی بھی عالم نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی حدیث کی معتبر کتابوں میں اس کا کوئی وجود ہے۔"

حافظ ابن قیم نے کیا خوب لکھا ہے:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ هُتِكَتْ أَسْتَارُكُمْ حَتّٰى غَدَوْتُمْ ضُحْكَةَ الصِّبْيَانِ[3]

---

(۱) مجموعۃ الرسائل والمسائل ۱: ۲۱' احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ' تعلیق: سید رشید رضا' لجنۃ التراث العربی' بدون تاریخ؛ الرد علی البکری ۱: ۱۳۰

(۲) مجموع الفتاویٰ ۱: ۲۶۳

(۳) القصیدۃ النونیۃ: ۴۰۶

''اللہ اکبر! تمہارے پردے ایسے چاک ہوئے کہ تم بچوں کے لیے ہنسی کا سامان بن گئے۔''

اور فرمایا کہ:

فَتَدَبَّرِ الْقُرْآنَ إِنْ رُمْتَ الْهُدَى فَالْعِلْمُ تَحْتَ تَدَبُّرِ الْقُرْآنِ(۱)

''اگر تو ہدایت چاہتا ہے تو قرآن مجید میں غور وفکر کرو، کیوں کہ سارا علم قرآن مجید کے تدبر میں پوشیدہ ہے۔''

اور فرمایا کہ:

وَ كِتَابُهُ نُوْرٌ كَذٰلِكَ شَرْعُهُ نُوْرٌ كَذَا الْمَبْعُوْثُ بِالْفُرْقَانِ

وَكَذٰلِكَ الإِيْمَانُ فِيْ قَلْبِ الْفَتَى نُوْرٌ عَلَى نُوْرٍ مَعَ الْقُرْآنِ(۲)

''اللہ کی کتاب اور اس کی شرع نور ہی نور ہیں اسی طرح فرقان کے ساتھ بھیجا ہوا نبی بھی نور ہے۔ کسی نوجوان کے دل میں ایمان کا وجود قرآن مجید کے ساتھ نور ہی نور ہے۔''

۸- حديث الأعمى

امام ترمذی نے ابواب الدعوات میں روایت کیا ہے کہ:

حدثنا محمودُ بنُ غَيْلانَ، حدثنا عثمانُ بنُ عمرَ حدثنا شعبة عن أبي جعفر عن عمارةَ بنِ خُزيمَة بنِ ثابتٍ عن عثمان بن حُنَيْفٍ أنّ رجلاً ضرير البصر أتى النبي ﷺ فقال: أدع الله أن يعافيني، قال: إن شئت دعوتُ وإن شئت صبرت فهو خير لك، قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيُحْسِنَ وُضُوءَه ويدعو بهذا الدعاء: أللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يامحمد! إني توجهت بك ربي في حاجتي هذه لتُقضى، أللهم شفعه فيّ. هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، لانعرفه

(۱) القصيدة النونية: ۳۸ (۲) القصيدة النونية: ۲۱۲

إلاّ من هذا الوجه من حديث أبي جعفر' وهو غير الخطمي (۱)

''ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ سے میری عافیت کی دعاء کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم چاہو تو دعاء کر دوں لیکن صبر کرو تو بہتر ہے اُس نے کہا دعاء ہی فرمایئے تو آپ نے اُس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضوء کر کے یہ دعاء پڑھو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت محمد ﷺ کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ! میں آپ کو اپنے رب کی طرف اپنی حاجت کے لیے متوجہ کرتا ہوں کہ آپ پوری کرائیں۔ اے اللہ میرے بارے میں اُن کی شفاعت قبول فرما اور اُن کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ ابن حنیف ﷺ کا بیان ہے کہ اُس نے ایسا ہی کیا اور وہ فی الفور ٹھیک ہو گیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اس کو صرف ابو جعفر ہی کی سند سے پہچانتے ہیں جو غیر خطمی ہے۔''

سنن ابن ماجہ باب ماجاء في صلاة الحاجة میں ہے کہ:

حدثنا أحمد بن منصور بن سيار حدثنا عثمان بن عمر حدثنا شعبة عن أبي جعفر المدني عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف أن رجلاً ضرير البصر ..... اس کے بعد امام ترمذی ہی کی طرح حدیث بیان کی ہے جس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ (۲)

''آپ نے اسے صحیح طریقے سے وضو کرنے اور دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔''

---

(۱) سنن ترمذی' ابواب الدعوات' ج ۲' ص ۱۹۸
برصغیر پاک و ہند میں سنن ترمذی کے اکثر نسخوں میں '' وهو غير الخطمي '' کے الفاظ موجود ہیں یہاں تک کہ شیخ محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم صاحب مبارک پوری کے تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی' ص ۲۵۱۷' باب ۱۹' حدیث ۳۵۷۸' کالم ۲ کے تحت بھی یہی جملہ موجود ہے۔ عرب ممالک میں چھپنے والے سنن ترمذی کے نسخوں میں '' وهو الخطمي '' کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ امام ابن العربی المالکی کے عارضۃ الاحوذی ۱۳:۸۱ میں '' وهو الخطمي '' ہی کے الفاظ ہیں۔

(۲) سنن ابن ماجہ ۰ ب اقامۃ الصلوات [۵] باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ [۱۸۹] حدیث ۱۳۸۵

امام ابن السنی نے لکھا ہے کہ: أخبرني أبو عروبة حدثنا العباس بن فرح الرياشي و الحسين بن يحيى الثوري قالا: ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد قال: ثنا أبي عن روح ابن القاسم عن أبي جعفر المدني - وهو الخطمي - عن أبي أمامة بن سهل بن حُنَيف عن عمه عثمان بن حنيف ﷺ قال: سمعتُ رسول الله ﷺ و جاء إليه رجل ضرير فشكا إليه ذهاب بصره، فقال رسول الله ﷺ: ألا تصبر؟ قال: يا رسول الله! ليس لي قائدٌ وقد شُقَّ عَلَيَّ، فقال النبي ﷺ: أئتِ الميضاةَ فتوضأ و صلِّ ركعتين ثم قل: أللهم إني أسألك و أتوجه إليك بنبيِّ محمد ﷺ يانبي الرحمة! يا محمدُ! إني أتوجه بك إلى ربي عز و جل فَتَخلِّيْ عن بصري، أللهم فشَفِّعْه فِيَّ و شفِّعني في نفسي، قال عثمان: و ما تفرقنا و لا طال بنا الحديث حتى دخل الرجل كأنه لم يكن ضرير قط (۱).

''ایک نابینا شخص آیا اور اپنے اندھے پن کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو صبر نہیں کرتا؟ وہ کہنے لگا: اللہ کے رسول! میرا کوئی قائد نہیں اور اس [نابیناپن] سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: وضوخانہ جا کر دو رکعت نماز پڑھو پھر اس کے بعد یہ دعاء پڑھو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں جو رحمت والے نبی ہیں۔ اے محمد! میں اپنی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تجھے اپنے رب کی طرف متوجہ کرتا ہوں تاکہ میری نظر ٹھیک ہو جائے۔ اے اللہ! میرے حق میں رسول اللہ ﷺ کی اور میری اپنی سفارش قبول فرما۔ عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم ابھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی لمبی چھوڑی باتیں کی تھیں کہ وہ شخص ایسے حال میں داخل ہوا گویا کہ وہ کبھی نابینا تھا ہی نہیں۔''

---

(۱) عمل الیوم واللیلۃ: ۲۹۶، حدیث: ۶۲۸، باب مایقول لمن ذہب بصرہ، ابوبکر احمد بن محمد الدینوری، المعروف بابن السنی، تحقیق وتخریج: بشیر محمد عیون، مکتبۃ دارالبیان، دمشق، ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۷ء۔

اسی طرح اس حدیث کو امام احمد نے روح بن عبادہ عن شعبہ عن ابی جعفر المدنی کی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں وَتُشَفِّعُنِي فِيهِ وَتُشَفِّعُهُ فِيَّ کے الفاظ ہیں (۱)۔
اس حدیث کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں امام حاکم نے مستدرک میں اور امام طبرانی نے معجم میں اور دیگر اہل سنن نے ذکر کیا ہے (۲) شیخین (۳) نے اس سے اعراض کیا ہے اور حافظ سیوطی کی خصائص الکبریٰ (۴) میں یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ: فإن في أول الحديث: أنّ الأعمَى طلب من النبي ﷺ أن يدعو الله له ليرد عليه بصره ولم يطلب منه غير ذلك ثم إن النبي ﷺ مع دعائه له أمره أن يتوضأ ويصلي ويقول: أللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد، وفي رواية: بنبي محمدٍ نبي الرحمة، و هذا سؤال محضٌ لِلّٰهِ، وحديث الأعمَى رواه الترمذي والنسائي والإمام أحمد، وصححه الترمذي، ولفظه: أن النبي ﷺ عَلَّمَ رجلا أن يقول: أللهم أسألك و أتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد، يارسول الله! إني أتوسل بك إلى ربي في حاجتي ليقضيها لي أللهم فشفعه فيّ، وروى النسائي نحوه (۵).

---

(۱) مسند الامام احمد ۲۸: ۴۸۰، حدیث: ۱۷۲۴۱

(۲) المستدرک ۱: ۳۱۳، ۵۱۹، ۵۲۶؛ المعجم الكبير ۹: ۳۰-۳۱، حدیث: ۸۳۱۱؛ المعجم الصَّغير: ۳۶۶-۳۶۷، حدیث: ۵۰۸؛ کتاب الدعاء، طبرانی: ۳۵۳-۳۵۴، حدیث: ۱۰۵۰، ۱۰۵۱؛ دلائل النبوۃ ۶: ۱۶۶-۱۶۸

(۳) ''شیخ'' کا تثنیہ ہے، بہت بڑے عالم کو کہتے ہیں۔ محدثین میں سے امام بخاری اور امام مسلم پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(۴) الخصائص الکبریٰ ۲: ۱۱۹، جلال الدین عبد الرحمٰن ابو بکر سیوطی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء

(۵) کتاب الرد علی البکری ۱: ۲۶۵

''حدیث کی ابتداء میں ہے کہ نابینا نے رسول اللہ ﷺ سے دعاء کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ اس کی بینائی اسے واپس لوٹائے اس کے سوا کچھ بھی نہیں مانگا پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا کے ساتھ اس کو مشورہ دیا کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھے اور کہے اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور دوسری روایت میں محمد ﷺ جو رحمت والے نبی ہیں کے الفاظ ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ سے طلب اور سوال ہے اسی والی حدیث کو امام ترمذی' امام نسائی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اس دعاء کی تعلیم دی کہ کہے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ جو رحمت والے نبی ہیں کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول! میں آپ [کی دعاء] کا وسیلہ اپنے رب کے حضور پیش کرتا ہوں تا کہ میری اس ضرورت کو پورا کرے اے اللہ میرے حق میں آپ کی اور میری اپنی سفارش قبول فرما۔ امام نسائی نے بھی اس طرح روایت کیا ہے۔''

امام احمد نے مسند میں فرمایا: حدثنا روح' قال: حدثنا شعبة' عن أبي جعفر المدني قال: سمعتُ عُمارة بن خُزيمة بن ثابت يحدث عن عثمان بن حنيف' أنَّ رجلا ضريرًا أتى النبي ﷺ فقال: يانبي الله! أُدع الله أن يعافيني فقال: إن شئت أخَّرتُ ذلك' فهو أفضل لآخِرَتِكَ' وإن شئتَ دعوتُ لكَ' فقال: بل ادع الله لي' فأمره أن يتوضأ' وأن يُصلّيَ ركعتين' وأن يدعوَ بهذا الدعاء: أللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبيِّكَ محمدٍ ﷺ نبي الرحمة' يامحمد! إني أتوجه بك إلى ربي في حاجتي هذه فتُقْضَى' وتُشَفِّعُنِي فيه وتُشَفِّعُهُ فِيَّ قال: ففعل الرجلُ' فبرأ (1)

''سیدنا عثمان بن حنیف ؓ فرماتے ہیں کہ ایک نابینا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور دعا کی درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحت

(1) مسند الامام احمد ۲۸: ۴۸۰' حدیث: ۱۷۲۴۱

دے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا اگر تو چاہے تو صبر کر۔ یہ تیری آخرت کے لیے بہتر ہوگا اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے دعا کروں؟ وہ کہنے لگا آپ میرے لیے دعا کریں۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وضو کر کے یہ دعا کرے کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں جو رحمت والے نبی ہیں اے محمد میں اپنی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تجھے اپنے رب کی طرف متوجہ کرتا ہوں اے اللہ ان کے حق میں میری اور میرے حق میں آپ کی سفارش قبول فرما۔''

اس حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کی دعاء ہی کا وسیلہ ہے۔ لوگوں نے اس حدیث سے توسل بالذات کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ نابینا نے اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے وسیلہ سے مانگا اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے وسیلہ سے مانگے گا تو جائز ہوگا جب یہ حکم اس معین واقعہ میں ثابت ہے تو اس [واقعہ] کے نظائر میں بھی [یہی حکم] ثابت ہوگا۔

جواب

مَقِيسٌ عَلَيْهِ میں حکم کے ثبوت کی شرط مماثلت ہے، مخالفت نہیں۔ یہ واقعہ تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پیش آیا اور زندوں سے دعاء کے مطالبہ کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے دوران زندہ صحابی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء کا وسیلہ پیش کیا اور رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس نہیں گئے اور نہ ہی ان کی ذات کا وسیلہ پیش کیا۔

اس حدیث کی سند اور معنی میں بھی کلام ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ یہ حدیث مردوں کو پکارنے، ان سے مدد مانگنے، انبیاء وصلحاء کی ذات کے وسیلے اور بہت سے گمراہی اور جہالت کے کاموں پر ان کے اہم ترین مستدلات میں سے ہے ان کاموں سے روکنے والے کو صحیح حدیث کا مخالف قرار دیتے ہیں اور اس حدیث کو درجۂ صحت تک پہنچا کر خود کو تسلی دیتے ہیں وہ اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں اور ہر جگہ اور ہر کسی کے

نے اس حدیث کا بطور دلیل ذکر کرتے ہیں۔ ہم عن قریب اس پر معنیٰ اور سند ہر لحاظ سے کام کریں گے کیونکہ مجرد روایت جب تک پایۂ ثبوت تک نہ پہنچے اور اس کی سند صحیح نہ ہو تو استدلال کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم میں امام ابن سیرین کے قول کے مطابق سند دین سے ہے۔ ائمہ حدیث نے ہر کسی سے روایت کرنے سے پرہیز کا کہا ہے اور ضعفاء اور کذاب لوگوں سے روایت کرنے سے روکا ہے (۱)۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سیدنا ابو ہریرۃ ؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ (۲)۔

''آخری زمانے میں کئی جھوٹے دجال ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباء واجداد نے ان لوگوں سے بچتے رہنا کہیں تمہیں گمراہ کر کے فتنہ میں نہ ڈال دیں۔''

اور ہر راوی سے حدیث نہ لینے کا باب باندھا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا:

الإِسْنَادُ مِنَ الدِّينِ وَلَوْلَا الإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ (۳)۔

''سند دین میں سے ہے۔ اگر سند نہ ہوتی تو ہر کوئی اپنی مرضی سے جو کچھ چاہتا کہہ دیتا۔''

اس کے بعد بَابُ الْكَشْفِ عَنْ مَعَائِبِ رُوَاةِ الْحَدِيثِ قائم کیا ہے جس میں ائمہ کے اقوال ذکر کیے کہ انہوں نے کیسے ہر سند کو پرکھ کر یا تو اُسے قبول کیا اور یا ردّ کیا اور ضعیف راویوں سے اجتناب کر کے خود کو بچا لیا اور ہر کمزور اور ضعیف راوی کا ردّ کر کے اسلام کو اُس

---

(۱) صحیح مسلم، مقدمہ: ۶۴-۶۵، باب النہی عن الحدیث بکل ما سمع؛ باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء [۳-۴]

(۲) صحیح مسلم، مقدمہ: ۶۵، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملہا [۴] حدیث: ۱۶

(۳) صحیح مسلم، مقدمہ: ۶۶، باب: الاسناد من الدین [۵] روایت: ۳۲

کے شر سے بچا کر دفاعِ دین کی ذمہ داری پوری کی۔ مغز اور چھلکے کو جدا کیا، ہر کسی کے قول کی طرف مائل نہیں ہوئے اور حرج و تکلیف کی وجہ سے کسی سستی کا شکار نہیں ہوئے (۱)۔

---

(۱) امام مسلم لکھتے ہیں: وَإِنَّمَا أَلْزَمُوا أَنْفُسَهُمُ الْكَشْفَ عن معايب رُواةِ الحديثِ وناقلي الأخبار وأفتوا بذلك حين سُئِلُوا لِمَا فيه من عظيمِ الْخَطَرِ إذ الأخبار في أمر الدين إنما تأتي بتحليل أو تحريمٍ أو أمرٍ أو نهيٍ أو ترغيبٍ أو ترهيبٍ، فإذا كان الراوي لها ليس بمعدنٍ للصدق والأمانة ثُمَّ أَقْدَمَ على الرِّوايةِ عنهُ من قد عرفهُ ولَمْ يُبَيِّنْ ما فيه لغيره مِمَّنْ جهل معرفتهُ كان آثما بفعله ذلك، غاشًّا لعوام المسلمين، إذ لا يُؤْمَنُ على بعض من سمع تلك الأخبار أن يستعملها أو يستعملَ بعضَهَا، ولعلَّها أو أكثرها أكاذيبُ، لا أصلَ لها، مع أنَّ الأخبار الصحاح من رواية الثقات وأهلِ القناعةِ أكثرُ من أن يُضْطَرَّ إلى نقل من ليس بثقة ولا مقنع، ولا أحسبُ كثيرًا ممن يُعَرِّجُ من النَّاس على ما وصفنا من هذه الأحاديث الضعاف والأسانيد المجهولة، ويَعْتَدُّ بروايتها بعد معرفته بما فيها من التَّوَهُّنِ والضَّعْفِ، إلَّا أنَّ الذي يحملُهُ على روايتها والاعتداد بها، إرادة التَّكَثُّرِ بذلك عند العوام، ولأن يُقال: ما أكثر ما جمع فلانٌ من الحديثِ، وألَّفَ مِنَ العددِ. ومَنْ ذَهَبَ في الْعِلْمِ هذا الْمَذْهَبَ وَسَلَكَ هذا الطَّرِيقَ فلا نصيبَ لهُ فيه، وَكَانَ بِأَنْ يُسَمَّى جاهلاً أَوْلَى مِنْ أَنْ يُنْسَبَ إِلَى عِلْمٍ.

[صحیح مسلم، مقدمہ: ۳-۷/۴، باب بیان ان الاسناد من الدین [۵]]

"ان محدثین نے اپنے لیے حدیث کے راویوں اور اخبار و آثار کے ناقلین کی خامیاں واضح کرنے کو لازم رکھا اور جب اُن سے پوچھا گیا تو اس کے حق میں فتوے دیے اس لیے کہ دین میں اس کا ایک بڑا کردار ہے۔ چونکہ اخبار و احادیث دینی اُمور میں حلال و حرام کرنے اور دوسرے احکام دینے یا روکنے کسی چیز کی ترغیب دلانے اور یا ترہیب کے لیے وارد ہوتی ہیں اس لیے جب ان کا روایت کرنے والا بنیادی اور حقیقی طور پر صدق و امانت کا حامل نہ ہو اور پھر اُس سے ایک ایسا شخص روایت کرے جو اُس کے بارے میں خود تو سب کچھ جانتا ہو لیکن دوسرے کے سامنے، جو اُس کی پہچان سے واقف نہیں، اسے واضح نہ کرے تو اس عمل کی بنا پر وہ گنہگار ہوگا اور عام مسلمانوں کو دھوکا دینے والا ٹھہرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اخبار و احادیث کو سننے والے بعض لوگ اس بات سے محفوظ نہیں رہیں گے کہ وہ ان اخبار و احادیث یا ان کے کچھ حصوں پر عمل کریں گے حالانکہ امکان یہ ہے کہ یہ روایات یا ان کا اکثر حصہ اکاذیب پر مشتمل تھا جن کی کوئی بنیاد نہ تھی جب کہ دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ثقہ اور انتہائی قابلِ اعتماد

حافظ ابن جوزی (۱) نے امام عفان بن مسلم (۲) کے بارے میں لکھا ہے کہ: قد جعل له عشرة آلاف دينار على أن يقف عن تعديل رجل، ولا يقول: عدل ولا غير عدل، فأبى وقال: لا أبطل حقًّا من الحقوق (۳)۔

لوگوں کی روایت کردہ صحیح احادیث اتنی زیادہ تعداد میں موجود ہیں کہ کسی کو غیر ثقہ اور ناقابل اعتماد راویوں کی نقل کردہ اشیاء کی طرف رجوع کرنے کی کوئی مجبوری لاحق نہیں: جن ضعیف احادیث اور مجہول سندوں کے بارے میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے اُن کے انبار لگانے اور اُن کی خامی اور کمزوری جاننے کے باوجود ان کی روایت کا اہتمام کرنے والوں کے متعلق میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتا کہ جو چیز انہیں ان کمزور احادیث کی روایت اور ان کے بارے میں اہتمام پر آمادہ کرتی ہے وہ عوام کے سامنے زیادہ احادیث بیان کرنے کی خواہش ہے اور یہ بات کہ کہا جا سکے کہ دیکھو فلاں نے کتنی احادیث جمع کر لی ہیں اور کتنی تعداد میں ان کی تالیف کر لی ہے۔ جو شخص علم میں اس راہ پر چلتا ہے تو اس کا دراصل اس علم میں کوئی حصہ نہیں۔ ایسے شخص کو جاہل کہنا اُس کی طرف علم کی نسبت کرنے سے بہتر ہے۔''

(۱) عبدالرحمٰن بن علی بن محمد، جوزی، قرشی، بغدادی، ابوالفرج، بغداد میں ۵۰۸ھ=۱۱۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ حدیث، تفسیر، تاریخ اور مواعظ کے کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تین سو کے قریب کتابیں لکھیں۔ مقام جوز پر پانی کے ایک گھاٹ کی طرف ان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی ایک منسوب تھے اس لیے ابن جوزی کہلائے۔ ۵۹۷ھ=۱۲۰۱ء کو بغداد ہی میں وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۳: ۱۴۰، تذکرۃ الحفاظ ۴: ۱۳۴۲، الاعلام ۳: ۳۱۶]

(۲) عفان بن مسلم بن عبداللہ الصفار، ابوعثمان۔ ثقہ حافظ حدیث تھے۔ بصرہ سے تعلق تھا۔ ۱۳۴ھ= ۷۵۱ء کو پیدا ہوئے۔ مامون کے زمانے میں جب ''فتنہ خلق قرآن'' کی ابتدا ہوئی تو انہیں بھی اطلاع دی گئی کہ اس کے ہاں میں ہاں ملائیں ورنہ اُن کا پانچ سو درہم کا ماہانہ وظیفہ انہیں نہیں دیا جائے گا انہوں نے جواب میں فرمایا: وفي السماء رزقكم وما توعدون [سورۃ الذاریات ۵۱: ۲۲] اور اس کے ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔ ۲۲۰ھ= ۸۳۵ء کو بغداد میں وفات پا گئے۔

[تاریخ بغداد ۱۲: ۲۶۹-۲۷۰، ترجمہ ۶۷۱۵، الاعلام ۴: ۲۳۸]

(۳) صفۃ الصفوۃ ۴: ۱۹۷ ترجمہ ۵۶۷۔ یہ عبارت اصل میں امام، حافظ احمد بن عبداللہ بن صالح ابوالحسن عجلی [۱۸۲-۲۶۱ھ] کی ہے جو کہتے ہیں کہ عفان بن مسلم صفار مکی، عثمان بصری

''عفان بن مسلم کے لیے دس ہزار دینار مقرر کرنے کا کہا گیا کہ وہ راوی کی تعدیل میں توقف کریں اور عادل یا غیر عادل نہ کہیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں حقوق میں سے کسی حق کو باطل نہیں کر سکتا۔''

ان علماء کرام نے اسلام کے غلبہ اور دین کی حمایت کے لیے دواوین اور تصانیف مدون کیں۔ اَن گنت تصانیف لکھیں اور اسلام کی حفاظت کی اپنی ذمہ داری پوری کی۔ ان کے بعد نااہل لوگوں نے اسلام کے حقوق کو ضائع کر دیا۔ سقیم وسلیم اور صحیح وموضوع احادیث کو آپس میں خلط ملط کر دیا اور ہر سنی ہوئی بات کو قبول کرنے میں سبقت کرنے لگے اور اسی طرح دین اسلام میں کمزور باتوں کی دخل اندازی شروع ہوگئی اور اسی طرح مبتدعین کے ہاتھ ایک سستا ہتھیار لگا اور انہوں نے أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ اور اسی طرح إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي سے غائبین مردوں کو پکارنے 'حق اور ذات کے وسیلہ سے سوال کے جواز کا استدلال کیا اور کہا کہ متقن علماء نے اس حدیث کی تصویب کی ہے۔

اس حدیث کی سند پر کلام

۱: اس حدیث کے تمام طرق میں ایک ہی راوی: ابوجعفر منفرد ہے۔

امام احمد امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں اس سے شعبہ روایت کرتے ہیں اور ابو جعفر عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے اور وہ اس واقعہ کے گواہ سیدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

ثبت صاحب سنة وكان على مسائل معاذ بن معاذ فجعل له عشرة آلاف دينار على أن يقف عن تعديل رجل ولا يقول عدلاً ولا غير عدل فقالوا له: قف لا تقل شيئاً فأبى فقال: لا أبطل حقاً من الحقوق.

[کتاب الثقات: ۶ ۳۳: ترجمہ ۱۱۴۵ حافظ احمد بن عبداللہ بن صالح ابوالحسن عجلی تحقیق: ڈاکٹر عبدالمعطی قلعجی، دار الباز مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۴ء تاریخ بغداد ۱۲: ۲۶۹-۲۷۰ ترجمہ: ۶۷۱۵]

امام ابن السنی، امام حاکم اور امام بیہقی کی روایت میں ابوجعفر سے روح بن قاسم اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں شعبہ سے عثمان بن عمر۔

امام احمد اور امام بیہقی کی روایت میں ابوجعفر سے روح بن عبادۃ۔

امام ابن السنی اور امام بیہقی کی سند میں روح بن قاسم سے احمد بن شبیب بن سعید روایت کرتے ہیں۔ ابوجعفر کے حدیث کا راوی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

پھر وہ اسے کبھی تو ابوامامہ سہل بن حنیف از عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اور کبھی عمارۃ سے روایت کرتے ہیں۔ ابوجعفر ہر روایت میں منفرد نظر آتے ہیں اور اسی وجہ سے امام ترمذی نے کہا ہے کہ: لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ، مِنْ حَدِيثِ أَبِي جَعْفَرٍ وَهُوَ غَيْرُ الْخَطْمِيِّ (۱)۔

-۲: اکثر محدثین کا قول ہے کہ وہ خطمی ہے۔

-۳: کسی نے بھی ابوجعفر کے نام کی تصریح نہیں کی کہ اس کی تعیین ہو سکے۔ خطمی سنن اربعہ کے راویوں میں سے ہیں۔ ان کی روایات نہ تو ثقہ راویوں جیسی محفوظ اور صحیح ہوتی ہیں اور نہ ہی اس کو باطل و مردود اور ضعیف کہا جا سکتا ہے بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اُن کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ وہ عمیر بن یزید بن عمیر بن حبیب الانصاری ہیں (۲)۔

-۴: غیر خطمی ابوجعفر قوی نہیں ہے (۳)۔

-۵: نیز وہ اس روایت میں متفرد ہیں اُن کے علاوہ اتنا بڑا واقعہ کسی اور نے نقل نہیں کیا اس پر اجماع ہے کہ جب ایک روایت کسی ایسے راوی سے ہو جو ثقہ اور ضعیف راویوں میں

---

(۱) سنن ترمذی، ابواب الدعوات، ج ۲، ص ۱۹۸

(۲) تہذیب التہذیب ۸: ۱۲۸، ترجمہ: ۵۴۰۴، تقریب التہذیب: ۶۲۹، ترجمہ: ۵۲۲۵۔
حافظ ابن حجر سے بہت پہلے امام ابن حبان، امام یحییٰ بن معین اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے اُن کی توثیق کی ہے۔ [الثقات، ابن حبان ۷: ۲۷۲، تہذیب الکمال ۲۲: ۳۹۱-۳۹۲، ترجمہ: ۴۵۲۲]

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: أبو جعفر عن عُمارة بن خُزيمة، قال الترمذي: ليس هو الخطمي. [تقريب التہذیب: ۹۴۹، ترجمہ: ۸۰۷۸]

مشترک نام والا ہو تو اس کی روایت کو چھوڑ دیا جائے گا اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ایک مشترک نام والا راوی ثقہ، ضعیف، متہم، مقبول اور مردود سب کچھ ہو سکتا ہے محدثین نے تو امام مالک جیسے آدمی کا حذف الثقة اور تعلیقات بخاری کو سخت شرائط کے باوجود قبول نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو سند کے ذکر کی ضرورت ہی نہ ہوتی بلکہ صرف تصنیف ہی کافی ہوتی۔ اسی طرح امام احمد وغیرہ اصحاب مسانید کی احادیث پر جرح نہ کرتے اور راویوں کے

احوال، روایت کے قواعد کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور راویوں کا ضعف، قوت ذہن، مروت اور ضبط ظاہر نہ کرتے بلکہ انہوں نے تو یہ سب کچھ اسی لیے ظاہر کیا کہ گھٹا ٹوپ تاریکی میں غوطہ زن کے لیے انتہائی بیش دار سونے کا ٹکڑا ظاہر ہو جائے اور جس شخص سے یہ پاکیزہ ہدایت پوشیدہ رہی اور اس نے اندھیروں کو روشنی پر ترجیح دی تو وہ گمراہ اور پریشان حال ہو گیا۔ جس شخص نے صحیح میں امام مسلم کا مقدمہ، شیوخ حدیث کی تعظیم روایت اور ہر کسی ہوئی بات کو روایت کر کے خوش اور سرور لوٹنے والے پر سخت حملوں کا مطالعہ کیا ہے اس کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ملاحظہ فرمایئے کہ

إِنَّا كُنَّا نُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِذْ لَمْ يَكُنْ يُكْذَبُ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الصَّعْبَ وَالذَّلُولَ تَرَكْنَا الْحَدِيثَ عَنْهُ(۱)

"ہم رسول اللہ ﷺ سے احادیث بیان کیا کرتے تھے پھر جب لوگ ہر مشکل اور آسان سواری پر سوار ہونے لگے [بلا تمیز صحیح وضعیف روایت بیان کرنے لگے] تو ہم نے براہ راست آپ سے حدیث بیان کرنا ترک کر دیا۔"

-۶ امام طبرانی نے اپنی معجم میں اس کی سند یہ بیان کی ہے: اصبغ بن الفرج عن عبداللہ بن وہب عن شبیب بن سعید المکی عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی عن ابی امامۃ سہل

(۱) صحیح مسلم، مقدمہ ۶۵، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملہا [۴] روایت ۱۹

ابن حنیف[۱]

پہلے کئی بار گزر چکا ہے کہ مجرد روایت استدلال کے لیے کافی نہیں ہوتی اور سند سے بحث کیے بغیر اس سے کوئی اسلامی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس روایت کا مرکزی راوی بھی ابوجعفر ہی ہے جو حدیث اعمٰی میں منفرد اور مجہول ہے۔ اس کا حال اور درجہ بھی مجہول ہے۔ حدیث کے ماہر علماء کا اس کے خطمی اور غیر خطمی ہونے میں اختلاف ہے جس پر پہلے کلام کیا جاچکا ہے۔

نیز اس کی سند میں شبیب بن سعید ہے جو اگرچہ صحاح کا راوی ہے مگر اس کی حدیث میں حفظ کی کمزوری ایک خفیہ علت ہے جب وہ اپنے حفظ سے بیان کرے تو وہ غلطی کر بیٹھتا ہے اور وہم میں پڑ جاتا ہے اسی وجہ سے اس سے عبداللہ بن وہب مصری نے منکر احادیث بیان کی ہیں جب وہ تجارت کے لیے مصر جاتا تو وہاں زبانی احادیث بیان کرتا جو روایات ابن وہب نے اس کی سند سے بیان کی ہیں وہ سب منکر ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

رَوَى عَنْهُ شبيب بن سعيد أحاديث مناكير فكأنه لمّا قدم مصر حدث من حفظه فغلط[۲]

''اس سے شبیب بن سعید نے منکر احادیث روایت کی ہیں گویا کہ اس نے مصر میں آمد کے وقت احادیث زبانی بیان کی ہیں جس میں انہیں غلطی لاحق ہوئی ہے۔''

تہذیب التہذیب[۳] میں ہے: حَدَّث عنه ابن وهب بأحاديث مناكير لعل شبيبًا لَمّا قدم مصر في تجارته كتب عنه ابن وهب من حفظه فغلط و وهِمَ و أرجو أن لا يتعمد الكذب[۴]

---

(۱) المعجم الکبیر ۹: ۳۰-۳۱ حدیث: ۸۳۱۱؛ المعجم الصغیر: ۳۶۶-۳۶۷ حدیث: ۵۰۸؛ کتاب الدعاء، طبرانی: ۳۵۳-۳۵۴ حدیث ۱۰۵۰، ۱۰۵۱

(۲) الکامل فی ضعفاء الرجال ۵: ۴۷-۴۹ ترجمہ: ۸۹۱/۱۱؛ ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ۴۰۶

(۳) تہذیب التہذیب ۴: ۲۷۹ میں اسے حافظ ابن عدی کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔

(۴) یہ پوری عبارت حافظ ابن عدی کی ہے۔ [الکامل فی ضعفاء الرجال ۵: ۴۹۷ ترجمہ: ۸۹۱/۱۱]

"اس سے ابن وہب نے منکر احادیث بیان کی ہیں۔ شاید شعیب کی تجارت کی غرض سے مصر آمد کے موقع پر ان سے ابن وہب نے احادیث لکھ لیں جو انہوں نے زبانی بیان کی تھیں جس میں وہ غلطی کر گئے اور وہم میں مبتلا ہوئے۔ مجھے امید ہے انہوں نے جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا ہوگا۔"

اور یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث کا مدار مختلف فیہ اور ضعیف راوی ابوجعفر پر ہے اس کے ساتھ جب دوسرا ضعف بھی مل گیا تو ضعف 'وہن' شک اور وہم مزید بڑھ گیا۔ اس واقعہ کو یہی شاذ اور غریب روایت مشکوک بنا دیتی ہے۔ جس کو کسی نے بھی صحیح و مقبول سند کے ساتھ بیان نہیں کیا تو اس سے ایک دینی مسئلہ کیسے ثابت ہوگا؟ نیز اگر حدیث صحیح بھی ہوتی تو محض ایک صحابی کا اجتہاد ہی ہوتا اور ہم صحابہ کرام ﷡ کو معصوم نہیں کہتے جیسے اہل تشیع نے اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ صحابہ کرام ﷡ کو معصوم کہتے ہیں۔ صحابہ کرام ﷡ کا بھی کئی مسائل میں آپس میں اختلاف ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کی طرف معاملہ لوٹانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ [سورۃ النساء ۴: ۵۹]

"اگر تمہارا کسی [دینی] معاملے میں آپس میں اختلاف ہو جائے تو تم اسے اللہ کی [کتاب] اور رسول کی [سنت کی] طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔"

ابوجعفر کئی ہیں

ابوجعفر کئی ہیں جن میں سے ایک:

۔ عیسیٰ بن ماہان رازی ہیں جن کو کچھ لوگوں نے ثقہ اور دیگر نے ضعیف کہا ہے۔ اور ان کے حفظ اور ضبط پر انہیں اعتراض ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے مشہور لوگوں سے منکر روایتیں لانے میں منفرد ہوتے ہیں۔ مجھے ان کی حدیث کو اگر وہ ثقات کے موافق ہو تو دلیل بنانے میں کوئی تعجب نہیں ہے۔ امام ابن معین نے فرمایا: ان کی حدیث لکھی تو جائے گی لیکن وہ متہم

ہیں۔ حافظ ابوزرعہ نے کہا: شیخ اور وہمی ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: حدیث میں قوی نہیں۔ امام نسائی نے ان کو کمزور سمجھا۔ امام ابوحاتم' امام ابن المدینی اور دیگر علماء نے ان کی توثیق کی ہے تو ان کا معاملہ ضعف وقوت اور ترک وقبول کے درمیان دائر ہو گیا۔ امام ابن حبان نے اشارہ کیا ہے کہ ثقات کی موافقت کی صورت میں مقبول ہیں (۱)۔

مذکورہ راوی مروزی الاصل ہیں جو ''ری'' میں تھے اور تاجر تھے اور اسی کی طرف منسوب ہوئے۔ یہ مدنی نہیں ہیں جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں انہیں مدنی کہا گیا ہے۔

- ابوجعفر عبداللہ بن مسور بن عون بن جعفر بن ابی طالب ابوجعفر ہاشمی مدائنی ہے۔ حافظ ذہبی کی میزان میں ہے کہ امام احمد وغیرہ نے فرمایا اس کی احادیث موضوع ہیں۔ امام نسائی اور امام دارقطنی نے کہا متروک ہے (۲)۔

امام مسلم نے صحیح میں کہا کہ وہ احادیث گھڑا کرتا تھا (۳)۔ یہی وہ مدنی ہے جس سے امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔

- ابوجعفر انصاری مؤذن تھے۔ تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس کا نام معلوم نہیں ہے (۴)۔ امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا کہ اس کا نام محمد بن علی بن حسین

---

(۱) المجروحین ۲:۱۰۱' ترجمہ ۲۰۲ ؛ میزان الاعتدال ۳:۳۱۹' ترجمہ ۶۵۹۵' تہذیب التہذیب ۸:۱۹۶' ترجمہ ۵۵۳۹ ؛ تہذیب التہذیب ۱۲:۴۹-۵۰' ترجمہ ۸۳۴۷

(۲) میزان الاعتدال ۲:۵۰۴' ترجمہ ۴۶۰۸

(۳) امام مسلم کی عبارت یہ ہے: أنَّ أبا جعفر الهاشميَّ المدنيَّ كانَ يضعُ أحاديثَ كلامَ حقٍّ و ليستْ من أحاديث النبي ﷺ و كان يرويها عن النبي ﷺ

[صحیح مسلم ؛ المقدمۃ' باب بیان ان الاسناد من الدین [۵] روایت: ۲۵]

''ابوجعفر ہاشمی مدنی احادیث گھڑا کرتا تھا۔ سچائی پر مبنی کلام پیش کرتا، وہ کلام رسول اللہ ﷺ کے فرامین میں سے نہ ہوتا تھا لیکن اسے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا تھا۔''

(۴) امام ترمذی لکھتے ہیں: و أبو جعفر الذي روى عن أبي هريرة ﷺ يقال له: أبو جعفر

بن علی بن ابی طالب ہے[1]۔ میں [حافظ ابن حجر] کہتا ہوں: یہ بات درست نہیں[2]
ابو جعفر کنیت والے اور بھی بہت سے راوی ہیں جن میں سے کچھ ثقہ اور کچھ ضعیف ہیں۔
امام شعبی کا اُن سے روایت کرنا اُن کے ثقہ ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ انہوں نے تو بہت سے
غیر ثقہ راویوں سے بھی روایت کی ہے۔ امام ترمذی تساہل میں معروف ہیں۔ وہ بہت سے
منکر راویوں سے احادیث نقل کر کے اُن کو بھی صحیح کہہ دیتے ہیں[3] مثلاً انہوں نے کثیر
ابن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی مدنی کی صلح بین المسلمین کے متعلق حدیث کو صحیح کہا
ہے[4] حالانکہ ماہرین فن نے اس روایت کی تضعیف کی ہے اور کہا ہے کہ دیگر متساہلین کی

المؤدن، ولا نعرف اسمہ.
[سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ [۲۸] باب ما جاء فی دعوۃ الوالدین [۷] بذیل حدیث ۱۹۰۵]

(۱) الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان ۶: ۳۱۷، بذیل حدیث ۲۶۹۹، امیر علاء الدین علی بن بلبان الفارسی، تحقیق و تخریج: شعیب الارنووط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۸ء

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قلت: وليس هذا بمستقيم لأنّ محمد بن علي لم يكن مؤذناً، ولأن أبا جعفر هذا قد صرّح بسماعه من أبي هريرة في عِدّةِ أحاديث، وأمّا محمد بن علي بن الحسين فلم يُدرِك أبا هريرة، فتَعيّن أنّه غيره. والله تعالى أعلم.
[تہذیب التہذیب ۱۲: ۴۸، ترجمہ: ۸۳۳۶]

(۳) حافظ ذہبی لکھتے ہیں: لا يعتمد العلماء على تصحيح الترمذي فعند المحاققة غالبها ضعاف
[میزان الاعتدال ۳: ۴۱۶، بذیل ترجمہ: ۹۶۶۱]

حافظ ذہبی یہ بھی لکھتے ہیں: في الجامع علمٌ نافعٌ، وفوائد غزيرةٌ، ورؤوس المسائل، وهو أحد أصول الإسلام لولا ما كدّره بأحاديث واهية، بعضها موضوعٌ، وكثيرٌ منها في الفضائل "جامعه" قاضٍ له بإمامته وحفظه وفقهه، ولكن يترخّص في قبول الأحاديث، ولا يُشدّدُ، ونفسه في التضعيف رَخْوٌ. [سیر اعلام النبلاء ۱۳: ۲۷۴-۲۷۶]

(۴) نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ ۴: ۲۱۷-۲۱۸، جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی، تحقیق محمد عوامۃ، مؤسسۃ الریان، بیروت، ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء

طرح صحیح میں اُن کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

خلاصہ کلام

اس حدیث کے تمام طرق میں ابو جعفر مجہول راوی منفرد ہے پھر اس بڑے معجزہ کو وہ اکیلا ہی الفاظ بدل بدل کر نقل کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے مَاتفرّقنَاوَ لَاطَالَ بِنَاالْمَجلِسَ اور کبھی تَوَضَّأَ کا ذکر کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا پھر صحابہ کرام ﷺ میں سے صرف سیدنا عثمان بن حنیف ﷺ اس بڑے معجزہ کے منفرد شاہد ہیں۔ حدیث کی غرابت کی وجہ سے یہ حدیث باطل اخبار و آثار میں سے ہے جیسے إذا سألتم اللّٰهَ فَاسئلوا بجاهي، یا سیدنا آدم ﷺ کی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے حق کا وسیلہ پیش کرنے اور یہود کی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل حق محمدی کے وسیلہ سے دعاء مانگنا وغیرہ باطل روایات ہیں۔

اس تفصیل کے بعد اس روایت کے منفرد راوی ابو جعفر کا مجہول ہونا ثابت ہو گیا کہ اس کا حال اور مرتبہ معلوم نہیں کہ اس کی وثاقت اور ضعف کا یقین ہو سکے۔ کوئی مسلمان ایک مجہول شخص کی روایت پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھ سکتا ہے؟ اور جس کی دلیل کا علم نہ ہو اس پر ایمان کیسے لا سکتا ہے؟ جب کہ علماء نے صراحت کی ہے کہ عقائد میں دلائل ظنیہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ شرح المقاصد کی عبارت پہلے گذر چکی ہے۔

اگر کوئی شخص مردوں سے استشفاع اور طلب دعاء کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح حدیث تلاش کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش پوری طاقت اور اپنی فکر کو صرف کر کے سلف کی کتابوں میں غور کرے گا تو تھک ہار کر نامرادی کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور اسے اس سلسلے میں ایک بھی صحیح روایت نہ مل سکے گی۔ ہاں! ایسی روایتیں روافض اور شیعوں کے ہاں بہت زیادہ ملیں گی کیونکہ انہوں نے ہر بدعت و گمراہی کو جمع کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ جرح و تعدیل کے اصول کو چھوڑ کر موضوع اور جھوٹ پر یقین کیا اور اسے قبول کیا یہاں تک کہ صحیح و سقیم اور اصل و دخیل میں فرق نہ کر سکے اور پتھروں اور مورتیوں کی عبادت

شروع کردی۔ ان کے دین کو خواہش کی اور علم کو جہالت کی بیماری لگی ہوئی ہے۔ جو شخص جہالت اور اتباع خواہش میں پھنسا ہو تو اس کی طرف مائل ہونا اور اس پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔ جس مسلمان نے اپنے عقائد اور دین کی بنیاد محض کمزور اور موضوع روایات پر رکھی وہ نامراد ہوا اور خسارے میں پڑ گیا اس لیے کہ دینِ قویم تو قوی اور مضبوط دلائل ہی سے ثابت ہو سکتا ہے۔

حدیث کے معنیٰ پر کلام

حافظ سیوطی نے علامہ عزالدین بن عبدالسلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

ينبغي أن يكون هذا مقصورًا على النبي ﷺ لأنه سيد ولد آدم، وأن لا يُقسم على الله تعالى بغيره من الأنبياء و الملائكة و الأولياء لأنهم ليسوا في درجته ومرتبته وأن يكون هذا مما خص به النبي ﷺ تنبيهًا على علو درجته ومرتبته (۱)

''عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ اس کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہونا مناسب ہے کیوں کہ آپ سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ کو انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کی قسم نہ دی جائے اس لیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے درجہ اور مرتبہ کے نہیں ہیں اس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہونا بھی آپ کے مرتبہ و درجہ کی بلندی سے متنبہ کرنے کے لیے ہے۔''

یہ توجیہ تو حدیث کے ثابت ہونے کی صورت میں ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا بڑا معجزہ باقی تمام صحابہ سے مخفی رہا اور صرف سیدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ ہی نے اسے بیان کیا ہو اور نابینا کی زبان پر اس نعمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ثنا اور تعریف کیوں جاری نہیں ہوئی؟ روایت کو صرف ایک ہی راوی کا بیان کرنا اس کے ضعف کی دلیل ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: هذا الأعمى شفع له النبي ﷺ ولهذا قال في دعائه: اَللّٰهم

---

(۱) کتاب الفتاوی: ۱۲۶-۱۲۷، مسئلہ: ۱۰۲، عزالدین بن عبدالسلام السلمی الشافعی، تخریج و تعلیق عبدالرحمن بن عبدالفتاح، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۶ء؛ الخصائص الکبریٰ ۲: ۳۴۷

مشفعة فيّ فعُلِمَ أنه شَفَّعَ نَبِيَّهُ و كذلك قوله: إن شئت صبرت وإن شئت دعوت لك فقال: أدعُ لي فدعا له وقد أمره ﷺ أن يصلي ويدعو هو لنفسه أيضًا فحصل الدُّعاء من الجهتين (۱).

"اُس نابینا کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے سفارش کی اور اس لیے اُس نے اپنی دعاء میں کہا: اے اللہ! میرے حق میں آپ [یعنی: رسول اللہ ﷺ] کی سفارش قبول فرما۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے حق میں سفارش کی اسی طرح انہیں یہ بھی فرمایا کہ اگر تو چاہے تو صبر کرے اور اگر چاہے تو تیرے لیے دعاء کروں تو اس نے کہا آپ میرے لیے دعاء کریں تو رسول اللہ ﷺ نے دعاء کی اور اسے حکم دیا کہ وہ بھی نماز پڑھ کر اپنے لیے دعاء کرے تو دونوں جہتوں سے دعاء ہی کا ثبوت ہوا۔

پھر فرمایا: و كذلك لو كان كل أعمى تَوَسَّلَ به وإن لم يدع له الرسول ﷺ بمنزلة ذلك الأعمى لكان عميان الصحابة أو بعضهم يفعلون مثل ما فعل الأعمى ولو أن كل أعمى دعا بدعاء ذلك الأعمى وفعل كما فعل من الوضوء والصلاة بعد موت النبي ﷺ إلى زماننا لم يوجد على وجه الأرض أعمى (۲).

"اگر رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ پیش کرنے والا ہر اندھا- اگر چہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعاء نہ کی ہو- اس نابینا صحابی ہی کے حکم میں ہوتا تو تمام یا بعض نابینا صحابہ اس نابینے کے فعل پر عمل ضرور کرتے اور اگر ہر نابینا رسول اللہ ﷺ کی موت کے بعد ہمارے زمانے تک اس نابینا کی مانگی ہوئی دعاء مانگتا اور اس کی طرح وضو کر کے نماز پڑھتا تو روئے زمین پر کوئی بھی نابینا نہ رہتا۔"

ان لوگوں کے پاس اس سلسلے میں اس ایک روایت کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے اور اس میں بھی ایک زندہ شخص کی دعاء کا وسیلہ ہے اس کی ذات کا وسیلہ نہیں حدیث ثبوت کی صورت

(۱-۲) کتاب الرد علی البکری ۱: ۲۶۸

یہ بھی کئی وجوہ سے غائب اور مردوں کو پکارنے کے لیے مبتدعین کی دلیل نہیں بن سکتی۔

ضعف استدلال کے وجوہ

۱:اس نابینا نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کی زندگی میں جا کر دعاء کا مطالبہ کیا اور عرض کیا۔ آپ میرے لیے اللہ تعالی سے دعاء کیجئے کہ اللہ میری بصارت لوٹا دے تو آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو صبر کر لے جو تیرے لیے بہتر ہے۔

۲:اس حدیث میں غائب کو پکارنے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حاضر سے دعاء کرانے کا مطالبہ ہے نیز اس میں اَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ بھی نہیں ہے۔

۳:اس میں جاہ اور ذات کے وسیلہ سے سوال کا ذکر بھی نہیں اگر یہ جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور اُسے دعاء سکھاتے وقت اس کی تعلیم دیتے۔

۴:وہ نابینا رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اگر ہر جگہ سے پکارنا جائز ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جاتا۔

۵:اگر یہ حدیث ثابت ہے تو دیگر نابینا صحابہ نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اور نہ ہی گذشتہ صدیوں میں سلف صالحین نے اس پر عمل کیا ہے۔

۶:اگر یہ دعاء حق اور جاہ کے وسیلہ سے ہوتا، جیسا کہ لوگوں نے اس سے یہی مراد لیا ہے، تو پھر رسول اللہ ﷺ نے إِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فرما کر ایک دینی کام سے اسے روک لینے کی سفارش کی؟۔

۷:اگر رسول اللہ ﷺ کے حق اور جاہ کے وسیلہ سے دعاء جائز ہوتی تو پھر اُس نے نبی کریم ﷺ سے مشورہ کیوں طلب کیا؟

ظاہرِ حدیث سے استدلال کا جواب

یہ لوگ حدیث کے الفاظ: أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ اور تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي سے وسیلہ کا استدلال کرتے ہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاء کے وسیلہ سے توجہ مراد ہے اُن کی ذات

ذات اور حق کے وسیلہ سے نہیں نیز رسول اللہ ﷺ نے اسے صبر کرنے کا مشورہ دیا اگر جاہ اور حق کے وسیلہ سے دعاء جائز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ انہیں کوئی مشورہ نہ دیتے' اس لیے کہ معصوم اور ثابت معانی میں کوئی مشورہ نہیں طلب کیا جاتا' نیز یہ حدیث زندوں سے دعا کے مطالبہ کی دلیل ہے جیسے سیدنا عمر ﷺ نے سیدنا عباس ﷺ سے استسقاء میں دعا کا مطالبہ کیا۔

نَصَرَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ اور عَزَّ فُلَانٌ بِفُلَانٍ کا کسی کی شجاعت' تدبیر اور شدائد و مصائب برداشت کرنے کے ذریعہ سے کامیابی کے سوا کوئی معنیٰ نہیں' اسی طرح حدیث: دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ (۱) کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ وہ عورت بلی کو قتل کرنے کے عمل کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔

اگر کوئی کہے کہ تَوَجَّهْتُ میں بِدُعَائِكَ کی تقدیر اصل کے خلاف ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ معنیٰ تقدیر کا محتاج ہے۔ تم بِذَاتِ نَبِيِّكَ مقدر مانتے ہو اور ہم بِدُعَاءِ نَبِيِّكَ کہتے ہیں۔ حدیث کی ابتدا میں دعاء مذکور ہے جو ہمارے مقصد کے درست کا واضح قرینہ اور دلیل ہے۔ حدیث کا علم رکھنے والے اس تقدیر کو خوب جانتے ہیں اور مخالفین کے قول پر نہ اس حدیث میں ورنہ ہی کسی اور صحیح حدیث میں کوئی قرینہ موجود ہے۔ کوئی ایک کلمہ بھی ان کے قول پر دال نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی: إِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَهُوَ خَيْرٌ لَكَ دلیل ہے کہ اس قسم کی دعاء کو ترک کر دینا بہتر ہے۔

صیغہ خطاب سے استدلال کا جواب

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ نابینا کا یَا مُحَمَّدُ ﷺ کہنا اس کے غائب ہونے کی دلیل ہے لیکن یہ استدلال مندرجہ ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

---

(۱) "ایک عورت محض ایک بلی کی وجہ سے دوزخ میں ڈال دی گئی جس نے اسے باندھ رکھا تھا، نہ اس کو خود کچھ کھلایا اور نہ اُسے آزاد ہی کیا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر اپنی جان بچا لیتی۔"
[صحیح بخاری' کتاب بدء الخلق [۵۹] باب اذا وقع الذباب فی شراب احدکم [۱۶] حدیث ۳۳۱۸]

۱- ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔

۲- رسول اللہ ﷺ نے اُسے وضوء کرنے اور دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

۳- امام ابن السنی کی روایت میں لَيْسَ لِيْ قَائِدٌ وَ شَقَّ عَلَيَّ کے الفاظ وارد ہیں جو کسی حاضر شخص سے دعاء کے مطالبہ کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے غائبانہ دعاء کی دلیل نہیں۔

۴- رسول اللہ ﷺ نے اُسے دعاء کی تلقین کی۔

۵- حدیث میں: تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّيْ میں تحقق واقعہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کے حق میں ماضی کا صیغہ لایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے طور پر اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ میں مقصد کے حصول یعنی شفا اور اجابت دعاء کے لیے مضارع اور حال کا صیغہ لایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ماضی کا صیغہ اس لیے لایا کہ واقعے کا تحقق ہو۔ یہ واضح دلیل ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے صرف دعاء کا مطالبہ کیا جو اسے حاصل ہوگئی۔

حافظ ابو نعیم (۱) نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے: قال یوسف علیہ السلام: اللهم إني توجهت إليك بصلاح آبائي: إبراهيم خليلك و إسحاق ذبيحك و يعقوب اسرائيلك فأوحى الله إليه: يايوسف تتوجه إليّ بنعمة أنا أنعمتها عليهم (۲)

''سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ! میں تیرے سامنے اپنے آباواجداد سیدنا ابراہیم خلیل، سیدنا اسحاق ذبیح (۳) اور سیدنا یعقوب اسرائیل علیہم السلام کی اچھائیوں کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تو نے میری ایسی نعمت کے وسیلہ سے توجہ کی جو میں نے ان پر کی تھی۔''

---

(۱) احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی 'ابو نعیم' حافظ حدیث اور مورخ تھے۔ اصفہان میں ۳۳۶ھ = ۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ حفظ و روایت حدیث میں ثقہ مانے جاتے ہیں۔ اصفہان ہی میں ۴۳۰ھ = ۱۰۳۸ء کو وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۱: ۹۱ 'تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۹۲ 'الاعلام ۱: ۱۵۷]

(۲) حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء ۱۰: ۹ 'ترجمہ احمد بن ابی الحواری ۴۵۷

(۳) اسلامی روایات کے مطابق سیدنا اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں سیدنا داؤد علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

یارب أسألك بحق آبائي عليك إبراهيم وإسحق ويعقوب فقال الله: يا داؤد أي حق لآبائك علي.(۱)

''اے اللہ! میں تجھ سے اپنے آباء واجداد: سیدنا ابراہیم، سیدنا اسحاق اور سیدنا یعقوب علیہم السلام کے حق کے وسیلہ سے مانگتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرے آباء واجداد کا مجھ پر کیا حق ہے؟''

حافظ ابن تیمیہ نے اس کے بعد لکھا ہے: فإن كانت الإسرائيليات حجة فهذا فيه دليل على أنه لا يُسأل الله بحق الأنبياء، وإن لم تكن حجة لم يجز الاحتجاج بمثل الإسرائيليات.(۲)

''اگر اسرائیلیات حجت ہیں تو اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے انبیاء کے حق کے وسیلہ سے نہ مانگا جائے اور اگر حجت نہیں تو اسرائیلیات کو دلیل بنانا جائز نہیں۔''

کسی زندہ اور حاضر مؤمن سے — خواہ وہ فاضل ہو یا مفضول — دعاء کا مطالبہ کرنا ایک پسندیدہ کام ہے۔ سلف صالحین، فاضل ومفضول دونوں کی دعاء کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے استسقاء میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء کا وسیلہ پیش کیا اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود جرشی تابعی سے دعا کروائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ(۳).

---

(۱) مجموع الفتاویٰ ۱:۲۵۵، کتاب الرد علی البکری ۱:۱۶۱، مدارج السالکین ۲:۵۰۱، جلاء العینین بمحاکمۃ الاحمدین ۵۵۰، مدارج السالکین ۲:۵۰۱، الکشف المبدی لتمویہ ابی الحسن السبکی تکملۃ الصارم المنکی ۲۵۷، حلیۃ الاولیاء ۱۰:۹ میں اس عبارت کی نسبت سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے۔

(۲) کتاب الرد علی البکری ۱:۱۶۱ اور مجموع الفتاویٰ ۱:۲۵۵ میں لکھتے ہیں: وهذا وإن لم يكن من الأدلة الشرعية فالإسرائيليات يُعتضدُ بها ولا يُعتمدُ عليها

(۳) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر [۵۶] باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب [۷۶] حدیث ۲۸۹۶

''تمہاری جو کچھ مدد کی جاتی ہے اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہے۔''

اُس نابینا نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اُن کی دعاء کا وسیلہ پیش کیا جس میں لوگوں نے تحریف کر کے موت کے بعد ذات کے وسیلہ پر استدلال کیا جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہو وہ فتنہ کی تلاش کی خاطر اُن چیزوں کی اتباع کرتے ہیں جن میں شبہ ہو۔ یہ مبتدعین کی پرانی عادت ہے۔

۹۔ سیدنا سواد بن قارب رضی اللہ عنہ [۱] کے اشعار سے استدلال

حافظ ابن کثیر نے روایت کی ہے کہ حافظ ابو یعلیٰ موصلی کہتے ہیں: حدثنا يحيى بن حجر بن النعمان الشامي حدثنا علي بن منصور الأنباري عن عثمان بن عبد الرحمن الوقاصي عن محمد بن كعب القرظي قال: بينما عمر بن الخطاب جالس ذات يوم إذ مرّ به رجل، فقيل له: يا أمير المؤمنين! أتعرف هذا المار؟ قال: ومن هذا؟ قالوا: هذا سواد بن قارب.

''ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص گزرا تو آپ سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کو پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ سواد بن قارب ہیں اور پورا قصہ بیان کیا' جس میں یہ شعر بھی تھے:

وَأَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَيْرُهُ ...

وَ إِنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِيْنَ وَسِيْلَةً ... إِلَى اللّٰهِ يَا ابْنَ الْأَكْرَمِيْنَ الْأَطَايِبِ

وَ كُنْ لِّيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَا ذُوْ شَفَاعَةٍ ... سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبِ [۲]

---

(۱) سواد بن قارب ازدی دوسی/سدوسی رضی اللہ عنہ۔ جاہلیت میں کہانت اور شعر و شاعری سے شغل رکھتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کہانت چھوڑ دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔ ۱۵ھ = ۶۳۶ء کو بصرہ میں وفات پا گئے۔ [التاریخ الکبیر ابو خیثمہ سفر دوم جلد ۱ صفحہ ۲۸۹ ترجمہ ۱۰۵۰ تاریخ مدینہ دمشق ۷۲: ۳۱۶ ترجمہ ۹۸۸۱، الاعلام ۳: ۱۴۴]

(۲) معجم ابی یعلیٰ روایت: ۳۲۹ المعجم الکبیر ۷: ۹۵ روایت ۶۴۷۵ المستدرک ۳: ۶۱۰

''اے عزت مند اور پاکیزہ لوگوں کے فرزند! آپ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ ہیں۔ آپ اس دن میرے سفارشی بن کر مجھے اوروں سے مستغنی کریں جس دن سواد بن قارب کا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔''

جواب

اس روایت پر دو طرح سے کلام ہے۔ سند کے اعتبار سے تو یہ ہے کہ امام ہیثمی [1] نے لکھا ہے کہ اسے طبرانی نے دو سندوں سے روایت کی ہے اور وَ کِلاَ الإسْنَادَیْنِ ضَعِیْفٌ [2]

''دونوں سندیں ضعیف ہیں۔''

حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں واقعہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: وَ هٰذَا مُنْقَطِعٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ اور اشارہ کیا کہ محمد بن کعب قرظی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ ہی ان سے کچھ سنا ہے [3]۔

اور اسی سند سے اس کہانی کو حافظ ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔ جس کی سند میں عثمان بن عبدالرحمٰن الوقاصی ہے [4]۔

حافظ ابن حجر نے عثمان بن عبدالرحمٰن الوقاصی کے بارے میں تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ امام ابن معین نے کہا: اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی یہ جھوٹ بولتا تھا اور کہا ضعیف ہے نیز کہا کہ یہ کسی کام کا شخص نہیں ہے۔ امام ابن المدینی نے کہا: انتہائی ضعیف ہے۔

---

(۱) علی بن ابی بکر بن سلیمان ہیثمی، ابو الحسن، نور الدین، مصری، قاہری، ۷۳۵ھ = ۱۳۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ کئی کتابوں کے احادیث کی تخریج کی۔ ۸۰۷ھ = ۱۴۰۵ء کو وفات پائی۔
[الضوء اللامع ۵:۲۰۰، ترجمہ: ۶۱۱؛ الاعلام ۴:۲۶۶]

(۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ۸: ۲۵۰، نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۸ء

(۳) البدایۃ والنہایۃ ۲: ۳۴۹

(۴) دلائل النبوۃ ۱: ۱۱۱-۱۱۴، روایت: ۶۲، ابو نعیم اصبہانی، تحقیق: ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی، دار النفائس بیروت، ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۱ء

امام جوز جانی نے کہا: ساقط ہے۔ امام یعقوب بن سفیان نے کہا: اہل علم اس کی حدیث صرف معرفت کے لیے لکھتے ہیں اس کی روایت نہیں حجت بن سکتی۔ امام بخاری نے کہا: محدثین نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ امام ابو حاتم نے کہا: متروک الحدیث اور ذاھب ہے۔ امام ابوداؤد نے کہا: لَیْسَ بِشَیْءٍ ہے۔ امام ترمذی نے کہا: قوی نہیں ہے۔ امام نسائی نے کہا متروک ہے نیز کہا ثقہ نہیں ہے اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ امام ساجی نے کہا یہ باطل حدیثیں بیان کیا کرتا تھا۔ امام ابن البرقی نے کہا: ثقہ نہیں۔ امام بخاری نے تاریخ میں کہا سکتوا عنہ۔ امام ابوبکر البزار نے کہا: لین الحدیث ہے۔ امام ابواحمد الحاکم نے کہا متروک الحدیث ہے۔ امام ابن حبان نے کہا کہ ثقات سے موضوع روایات بیان کیا کرتا تھا اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں اور امام ابن عدی نے کہا اس کی عام احادیث سنداً یا متناً منکر ہوتی ہیں (۱)۔

سند کا تو یہ حال ہے۔ معنی کے اعتبار سے اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں جو اُن کے مقصد پر دلالت کرے کیوں کہ وَاِنَّکَ اَدْنَی الْمُرْسَلِیْنَ وَسِیْلَۃً اِلَی اللّٰہِ کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی کے بندوں میں سب سے بڑے اور سب سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ وسیلہ کا معنی قرب ہے۔ حدیث میں ہے کہ: سَلُوا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ (۲)

''اللہ تعالی سے میرے لیے قرب مانگو۔''

کُنْ لِیْ شَفِیْعًا یَوْمَ لَا ذُوْ شَفَاعَۃٍ کا مقصد بھی زندہ ہی کی سفارش ہے جس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی ہے کہ آپ عن قریب مخلوق کی شفاعت و سفارش کریں گے۔ سیدنا سواد بن قارب ﷛ نے شفاعت ہی تو طلب کی ہے۔ اس شعر میں مُردوں سے طلب شفاعت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ۷: ۱۱۸-۱۱۹ ترجمہ: ۳۶۵۵

(۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ [۴] باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ [۷] حدیث: ۸۴۹

۱۰-اَعرابی کا رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے بارش مانگنا

امام بیہقی نے دلائل میں مسلم الملائی کی روایت سے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ:

جاء أعرابيٌ إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! أتيناك ما لنا بعير يئطُ، ولا صبيٌ يغطُ

ثم أنشد شعراً يقول فيه:

وليس لنا إلاَّ إليك فرارُنا وأين فرارُ الناس إلا إلى الرُّسُل (۱)

"ایک اَعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ ہمارے پاس چلنے کے لیے اونٹ نہیں اور نہ ہی رونے والے بچے ہیں پھر اس نے شعر پڑھا: ہماری دوڑ تو آپ تک ہی ہے اور لوگ تو رسولوں ہی طرف دوڑ سکتے ہیں۔"

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے (۲)۔

جواب

۱- حافظ نے اس کے بعد فرمایا کہ اس حدیث میں ضعف ہے (۳)۔

اس کی سند میں مسلم بن کیسان الضبی الملائی البراد ابوعبداللہ الکوفی الاعور ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس راوی پر محدثین کی جرح ذکر کی ہے۔ ایک جماعت نے اسے انتہائی منکر الحدیث کہا اور کہا کسی کام کا شخص نہیں۔ محدثین نے اس کے ضعف اور عیوب کی وجہ سے اس پر کلام کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے اسے لَيْسَ بِشَيْءٍ کہا ہے۔ امام بخاری اسے ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الحَدِيثِ کہتے ہیں۔ امام نسائی، امام فلاس اور امام دارقطنی اسے متروک کہتے ہیں جب کہ امام ساجی نے کہا: مُنْكَرُ الحَدِيثِ ہے (۴)۔

---

(۱) دلائل النبوۃ ۶: ۱۴۱-۱۴۲

(۲) فتح الباری ۲: ۴۹۵، بذیل حدیث: ۱۰۰۸

(۳) وإسنادُ حديث أنس وإن كان فيه ضعفٌ لكنه يصلح للمتابعة. [فتح الباری ۲: ۴۹۵]

(۴) تہذیب التہذیب ۱۰: ۱۲۳-۱۲۴، ترجمہ: ۶۹۵۰

۲- یہ حدیث اُن کی بات کی دلیل نہیں بن سکتی۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ لوگ قحط اور شدت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس دعاء کے لیے آتے تھے اس لیے کہ آپ کی دعاء اللہ تعالی کے ہاں مقبول ہوتی ہے اور لوگ آپ کے پاس دعاء کے لیے آیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ: إنّ رجلاً دخل المسجدَ يومَ الجمعة من باب كان نحو دارِ القضاء، و رسول الله ﷺ قائمٌ يخطب فاستقبَلَ رسولَ اللهِ ﷺ قائماً ثم قال: يارسول الله! هَلَكَتِ الأموالُ، وانقطعت السُّبُلُ فادعُ الله يُغيثُنا، فرفع رسول الله ﷺ يديه فقال اللّٰهُمَّ اسقِنَا[1].

''ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں اُس دروازے سے داخل ہوا جو دارُ القضاء کی طرف تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مال مواشی تباہ ہو گئے اور راستے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ اللہ تعالی سے دعاء کیجیے کہ وہ ہم پر بارش برسائے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعاء کی: اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کے پاس دعاء کرانے آیا کرتے تھے اور جب اللہ تعالی نے آپ کو ملأ اعلیٰ کی طرف اٹھالیا تو پھر کبھی بھی کوئی صحابی آپ کے پاس دعا کرانے کے لیے نہیں آیا۔

۱۱- عتبی[2] کی کہانی

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْٓا أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا. [سورۃ النساء ۴: ۶۴]

''اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش

---

(۱) صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء [۱۵] باب الاستسقاء فی خطبۃ الجمعۃ [۷] حدیث: ۱۰۱۳

(۲) عتبی کا نام محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان صخر بن حرب۔ [الصارم المنکی ۲۸۰]

مانگتے اور رسول اللہ بھی اُن کے لیے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا اور مہربان پاتے۔"

اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک اعرابی، رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آیا اور رو کر کہنے لگا: اے سب رسولوں میں بہتر! اللہ تعالیٰ نے تجھ پر سچی کتاب نازل فرمائی جس میں فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ...... الآیۃ میں تیرے پاس اپنے گناہ کی بخشش مانگتا ہوا اور تجھے اپنے رب کے سامنے سفارشی بناتا ہوا آیا ہوں اور یہ اشعار پڑھے:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَ فِي الْقَاعِ أَعْظُمُهُ فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَ الْأَكَمُ

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَ الْكَرَمُ

"اے بہترین شخص! جس کا جسم اس زمین میں مدفون ہے جس کی خوشبو سے یہ زمین اور آس پاس کی گھاٹیاں بھی خوشبودار ہیں۔ میری جان اس قبر پر قربان جس کے آپ ساکن ہیں۔ اسی قبر میں سخاوت' پاک دامنی اور کرم دفن ہیں۔"

اس کے بعد اس نے استغفار کی اور واپس چلا گیا۔ راوی کہتا ہے میں سو گیا اور خواب میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا: عتبی! اس شخص کو جا کر خوشخبری سناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے میری سفارش سے بخش دیا[1]۔

یہ حکایت الحاوی الکبیر' المغنی' العزم الساکن اور إتحاف الزائر[2] میں محمد بن حرب الہلالی

---

(۱) تفسیر القرطبی ۵ ۲۵۵' تفسیر البحر المحیط ۳ ۲۸۳' البحر المحیط میں اس کی کوئی سند مذکور نہیں جب کہ تفسیر القرطبی میں اس کی سند اس طرح منقول ہے روی أبو صادق عن علي ﷺ۔ ابو صادق کا نام عبداللہ بن ناجد ہے جس کی سیدنا علی ﷺ سے روایت ثابت نہیں چنانچہ امام ابن سعد کہتے ہیں محدثین اس کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ [میزان الاعتدال ۴ ۵۳۸' ترجمہ ۱۰۳۰۰] پس یہ روایت منقطع ہوئی۔ نیز امام قرطبی نے یہ بھی نہیں بتایا ہے کہ ابو صادق سے اسے نقل کرنے والے کون لوگ ہیں' ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟

(۲) الحاوی الکبیر ۴ ۲۱۴' ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب الماوردی' دار الکتب العلمیۃ' بیروت ۱۴۱۹ھ =

امام ابن عبد الہادی (۱) نے الصارم المنکی میں لکھا ہے کہ:

یہ حکایت بعض نے سند کے بغیر اور بعض نے محمد بن حرب ہلالی عن ابی الحسن الزعفرانی سے روایت کی ہے۔ کچھ وضاعین نے اس کی سند سیدنا علی ﷺ تک پہنچائی ہے۔ اس کے بعد اُنہوں نے اپنا فیصلہ اس طرح لکھا ہے: أن هذا خبر منكر و أثر مختلق مصنوع لا يصلح الإعتماد عليه و لا يحسن المصير إليه و إسناده ظلمات بعضها فوق بعض والهيثم جد أحمد بن محمد بن الهيثم أظنه ابن عدي الطائي فإن يكن هو فهو متروكٌ كذابٌ و إلّا فهو مجهولٌ (۲).

''یہ خبر منکر اور مصنوع ومختلق [گھڑا ہوا] اثر ہے۔ اس پر اعتماد درست نہیں اور نہ اُس کی طرف

۱۹۹۹ء: المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل شیبانی ۳: ۵۹۹، ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ المقدسی، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ؛ اتحاف الزائر و اطراف المقیم للسائر فی زیارة النبی ﷺ: ۵۳-۵۵، ابوالیمن عبدالصمد بن عبدالوہاب بن عساکر، تحقیق: حسین محمد علی شکری، شرکۃ دار الارقم، بیروت، بدون تاریخ؛ مثیر العزم الساکن الی اشرف الاماکن ۲: ۳۰۱-۳۰۲، روایت ۴۷۷، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی، تحقیق مرزوق علی ابراہیم، دار الرایہ، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۱۵ھ

(۱) محمد بن احمد بن عبدالہادی بن عبدالحمید بن عبدالہادی شمس الدین ابوعبداللہ ابن قدامہ مقدسی جماعیلی دمشقی صالحی۔ حافظ حدیث تھے۔ ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اپنے جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہو کر ابن عبدالہادی کہلائے۔ ۷۰۵ھ = ۱۳۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی کے شاگرد رہے ہیں۔ ۷۰ سے اوپر کتابیں لکھیں۔ ۷۴۴ھ = ۱۳۴۳ء کو دمشق میں وفات پائی۔

[الدرر الکامنہ ۳: ۳۳۱ ترجمہ ۸۸۸، الاعلام ۵: ۳۲۶]

(۲) الصارم المنکی فی الرد علی السبکی: ۸۱۴؛ علامہ ابن عبدالہادی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

وفي الجملة ليست هذه الحكايةُ المذكورةُ عن الأعرابي مما تقوم بها حجةٌ، و إسنادها مُظلمٌ مُختلفٌ، ولفظها مُختلفٌ أيضاً، ولو كانت ثابتةً لم يكن فيها حجة على مطلوب المعترض، و لا يصلح الإحتجاج بمثل هذه الحكاية، و لا الإعتماد على مثلها عند أهل العلم.

[الصارم المنکی فی الرد علی السبکی: ۲۸۲]

رجوع کیا جا سکتا ہے اس کی سند اندھیروں پر اندھیرے ہیں۔ ہیثم جو احمد بن محمد بن ہیثم کا دادا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابن عدی طائی ہے اگر وہی ہو تو متروک اور کذاب ہے اور اگر وہ نہ ہو تو مجہول ہے۔"

اس کے بعد ہیثم پر محدثین کا کلام نقل کرتے ہوئے فرمایا: کذاب تھا۔ جان بوجھ کر حدیثیں گھڑ کر ثقات کی طرف منسوب کیا کرتا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت موضوع اور جھوٹی ہے[1]۔

عتبی کا ذکر خطیب بغدادی نے بھی تاریخ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ: كان صاحب أخبار و راوية للآداب و كان من أفصح الناس[2].

"صاحب اخبار اور آداب کے راوی ہیں۔ فصیح ترین شخص تھے۔"

اُن کے شعر و روایت کا تو ذکر کیا ہے مگر اُن کے محدث ہونے یا ثقہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا اور آخر میں لکھا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اُن کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی[3]۔

جوابات کا خلاصہ

۱- یہ حکایت اس سند کے علاوہ غیر معروف ہے اور اعرابی، اللہ تعالیٰ کے دین میں حجت نہیں ہیں۔

۲- امام مالک سے یہ روایت محفوظ نہیں اگر ایسا ہوتا تو ضرور اس کی سند بیان کرتے۔ امام مالک نے اس موضوع پر آیت سے استدلال نہیں کیا اور فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے بغیر سلام کرتے ہوئے گزر جائے۔ وہ تو قبر کے پاس کھڑا ہونے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے تو قبر کی طرف آنے پر آیت سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟ حالانکہ انہوں نے قبر

---

(۱) الصارم المنکی فی الرد علی السبکی ۸۱۴-۸۱۵

(۲) تاریخ بغداد ۱۰: ۳۴۴ ترجمہ ۸۱۵

(۳) تاریخ بغداد ۱۰: ۳۴۴-۳۴۶ ترجمہ ۸۱۵

کی طرف سفر کو بھی مکروہ کہا ہے ان کا یہی قول مشہور ہے۔
–۳: اس واقعہ کی سند بعض کذاب راویوں نے وضع کی ہے۔ ان کی بیان کردہ سند میں ہیثم راوی کذاب ہے۔ جو حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔
–۴: سند کے باقی راوی مجہول ہیں۔
–۵: اس کی سند میں اضطرب ہے۔ کبھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اور کبھی کسی اور سے بیان کرتا ہے
–۶: اگر زیارت کے لیے سفر پسندیدہ کام ہوتا تو وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ کی قید کیوں لگائی گئی، پھر تو اس طرح کہا جاتا کہ قبر نبوی کی زیارت چونکہ ہر ایک کے لیے مرغوب، پسندیدہ اور مستحب ہے اگر وہ آپ کی قبر کے پاس آتے؟ آیت اس پر دلالت نہیں کرتی۔
–۷: اس کے ثابت ہونے سے محض ایک شخص کا خواب ہی ثابت ہوگا جب کہ خواب شرعی حجت نہیں ہیں۔ حجت تو کتاب اللہ اور سنت صحیحہ ہیں۔ حافظ ابن قیم نے کیا خوب کہا ہے۔

نَبَذُوْا كِتَابَكَ مِنْ وَرَآءِ ظُهُوْرِهِمْ　　وَ تَمَسَّكُوْا بِزَخَارِفِ الْهَذَيَانِ
وَأَرَيْتَنِي الْبِدَعَ الْمُضِلَّةَ كَيْفَ يُلْـ　　قِيهَا مُزَخْرَفَةً إِلَى الإِنْسَانِ
شَيْطَانُهُ فَيَظَلُّ يَنْقُشُهَا لَهُ　　نَقْشَ الْمُشَبَّهِ صُوْرَةً بِدِهَانِ
فَيَظُنُّهَا الْمَغْرُوْرُ حَقًّا وَهْيَ فِي التَّـ　　حْقِيقِ مِثْلُ الآلِ فِي الْقِيْعَانِ
لَأُجَاهِدَنَّ عِدَاكَ مَا أَبْقَيْتَنِي　　وَ لَأَجْعَلَنَّ قِتَالَهُمْ دَيْدَانِي
وَ لَأَفْضَحَنَّهُمْ عَلَى رُؤُسِ الْمَلَا　　وَلَأَفْرِيَنَّ أَدِيْمَهُمْ بِلِسَانِي (۱)

"انہوں نے تیری کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور ملمع شدہ فضول باتوں کو مضبوطی سے پکڑلیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ شیطان کیسے گمراہ کن بدعات کو خوبصورت بنا کر انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور ان کا نقشہ ان کے دل میں تصویر کی صورت میں منقش کرتا ہے جس کو دھوکہ میں گھرا ہوا شخص حق سمجھ لیتا ہے اور وہ تحقیق میں صحرا میں سراب کی مانند ہوتا

(۱) القصيدة النونية: ۱۳۹

ہے۔ میں تیرے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتا رہوں گا جب تک تو مجھے باقی رکھے گا اور میں ان کے ساتھ لڑائی کو اپنی عادت بناؤں گا۔ اور ان کو لوگوں کے مجمع میں شرمندہ کروں گا اور زبان [یعنی اپنی تقریر] سے ان کا چمڑا ادھیڑوں گا۔"

۱۲- غیر اللہ کی پکار سے متعلقہ آیات میں عموم نہیں!

قرآن مجید میں غیر اللہ کے غائبانہ پکار کی نفی میں وارد فرمان باری تعالیٰ:

فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ [سورۃ الجن ۷۲:۱۸]

اور اس طرح کی دیگر تمام آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں اس لیے کہ مردوں کی پکار سے روکنے والا زندوں اور حاضرین کی پکار کو جائز قرار دیتا ہے جب کہ نصوص مطلقاً غیر اللہ کی پکار سے روکتی ہیں۔ دعاء کو زندوں کی پکار کے ساتھ خاص کرنے والا شخص ترکِ آیات کا مرتکب ہو رہا ہے نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیات ظاہر پر محمول نہیں ہیں لہٰذا ان پر عمل بھی صحیح نہیں ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دعاء، معبود کی عبادت ہے اور جس کو پکارا جاتا ہے وہ معبود ہے، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ! اگر تم زندوں کی پکار کو جائز کہتے ہو تو زندوں کو پکارنا بھی تو ان کی عبادت ہی ہے تو مردوں کو پکارنا کیسے جائز نہیں؟

پہلا جواب

آیات اپنی عموم پر نہیں اور مطلقاً غیر اللہ کی پکار کی نفی بھی نہیں ہے بلکہ غائبین کو پکارنے سے منع کیا ہے خواہ وہ مرے ہوئے ہوں یا زندہ ہوں اور اسے کئی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۔ [سورۃ الاحقاف ۴۶:۵]

"اور اُس شخص سے بڑا گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا اُن کو پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کو جواب نہ دے سکے اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔"

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ. [سورۃ فاطر ۳۵:۱۴]

''اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے۔''

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰى اَعْقَابِنَا.

[سورۃ الانعام ۶:۷۱]

''کہو کیا ہم اللہ کے سوا اُن کو پکاریں جو ہمیں فائدہ نہیں دے سکتے اور نہ ہی نقصان اور ہم الٹے پاؤں پھر جائیں۔''

-اور اپنے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قول ذکر کیا: هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ○ [سورۃ الشعراء ۲۶:۷۲-۷۳]

''[ابراہیم علیہ السلام نے] کہا کیا وہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا تمہیں نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں؟''

-اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى. [سورۃ النمل ۲۷:۸۰]

''کچھ شک نہیں کہ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔''

-وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ. [سورۃ فاطر ۳۵:۲۲]

''اور تم اُن کو جو قبروں میں [مدفون] ہیں سنا نہیں سکتے۔''

اور اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جن میں نہ سننے اور نقصان نہ پہنچانے کی قید لگا کر حکم لگایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غائب اور مردے اس بات پر قادر نہیں ہیں۔ زندہ لوگ تو ظاہری امور میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دوسرے سے تعاون کا حکم دے کر فرمایا ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [سورۃ المائدۃ ۵:۲]

''اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

-اور فرمایا: جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. [سورۃ النساء۴: ۶۴]

''وہ آپ کے پاس آتے اور خود بھی اللہ سے بخشش مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی بخشش مانگتا تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔''

-اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی استدعا کا ذکر اس طرح کیا:

اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا. [سورۃ البقرۃ۲: ۶۸]

''ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بیان کرے۔''

مردوں کو پکارنا مراد نہ لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. [سورۃ الاعراف ۷: ۱۹۴]

''[اچھا] تم ان کو پکارو اگر سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تم کو جواب دیں۔''

کو بطور دلیل پیش کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ یہ آیت زندوں پر صادق نہیں آتی اس میں اموات کے پکارنے ہی کی نفی ہے' نیز پہلے ذکر کردہ آیات بھی دلیل ہیں کہ جو سمع اور نفع کی صفت کے ساتھ متصف نہ ہو اس کو پکارنا شرک ہے۔ قرآن مجید دونوں فرقوں زندوں اور مردوں کے درمیان صراحت کے ساتھ فرق کرتا ہے مگر یہ بات مخالفین سے مخفی ہے۔

دوسرا جواب

تمہارا یہ دعویٰ نادرست ہے کہ اس قسم کی ساری آیتیں مردوں اور زندوں سب کی پکار کو شامل ہیں کیوں کہ قرآن مجید میں یہ آیات بھی موجود ہیں

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ. [سورۃ الانفال۸: ۷۲]

''اگر وہ تم سے دین میں مدد چاہیں تو تم پر ان کی مدد کرنی ضروری ہے۔''

-فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ. [سورۃ القصص ۲۸:۱۵]

''تو اُس [موسیٰ علیہ السلام] سے مدد مانگی اس شخص نے جو اُس [موسیٰ علیہ السلام] کے قبیلہ سے تھا اُس کے مقابلے میں جو اُس کے دشمنوں [یعنی قبطیوں کے قبیلے] سے تھا۔''

-الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ. [سورۃ التوبۃ ۹:۴۰]

''اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تو اس کی مدد کر چکا ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اوامر زندوں کو ہیں مردوں کو نہیں۔ اگر تمام اوامر زندوں اور مردوں دونوں کو ہوتے تو زندوں کی طرح مردوں پر بھی شرعی احکام مثلاً نماز جہاد روزہ حج اور زکوٰۃ فرض ہوتے' ان کی توبہ اور استغفار بھی صحیح ہوتی اور ان کا عمل کبھی منقطع نہ ہوتا جب کہ صحیح حدیث میں ہے کہ مردے کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اس سے یہی مراد ہوا کہ اوامر زندوں کو ہیں اسی طرح اللہ کا ارشادات:

-فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض. [سورۃ البقرۃ ۲:۶۰]

-اور قالوا یاابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خطئین. [سورۃ یوسف ۱۲:۹۷]

بھی زندوں کے بارے میں ہیں تو اموات ہی کو پکارنے کی نہی باقی رہی۔ عقل وفہم سے عاری لوگ جن پر مہر جباریت لگ چکی ہے، شیطانی وسوسہ کے مطابق شرک' کفر اور سرکشی کی باتیں ہی کریں گے جب کہ آیاتِ ربانی کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔ جن آیات میں پکارنے کی اجازت دی گئی ہے تو ان میں زندہ حاضرین کو پکارنے کی صراحت موجود ہے اور نہی کی آیات میں اموات اور غائبین کو پکارنے کی صراحتاً نفی ہے۔ مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان دونوں قسم کی آیات میں شک نہیں کرتا۔ اس معنی کی حامل آیات بہت زیادہ اور صریح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرامین:

-واذا سالک عبادی عنی فانی قریب. [سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۶]

-واما السائل فلا تنھر. [سورۃ الضحیٰ ۹۳:۱۰]

کی طرح بہت سی آیات میں زندوں کو پکارنے اور اُن سے اسباب کے تحت مدد مانگنے کا ذکر ہے۔

تیسرا جواب

زندوں کو پکارنا، سمجھانے تعاون اور خطاب کرنے کے لیے ہوتا ہے ورنہ کوئی بھی نکاح اور تعلیم وغیرہ سے فائدہ حاصل نہ کر سکتا اسی ضرورت کے پیش نظر زندوں کا ایک دوسرے کو اسباب کے تحت پکارنا جائز قرار دیا گیا ہے اور اموات کو نکاح اور تفہیم و تعلیم کی کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آتی لہٰذا ان کو پکارنے کی ضرورت نہیں ہے اور ضرورت میں بھی بقدر ضرورت ہی پکارا جا سکتا ہے جیسے خنزیر مردار اور اکراہ کی صورت میں دلی ایمان پر قائم رہنے کی صورت میں کلمہ کفر [کے تلفظ] کا جائز ہونا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف ترغیب دی گئی ہے اور کسی سے نہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام بہت کم سوال کیا کرتے تھے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت کر رکھی تھی کہ:

وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ (۱)

''جب تو مانگنا چاہے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور جب مدد کی ضرورت پڑے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ۔''

صحابہ کرام ؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ان میں سے کسی کے ہاتھ سے اگر کوڑا بھی گر جاتا تو کسی کو اٹھا کر دینے کا نہیں کہتے تھے اس کے لیے کہ جس کی رغبت مخلوق میں بڑھ جائے تو اس کا ان سے سوال امید اور خوف بڑھ جاتا ہے اور خالق سے تعلق کم ہو جاتا ہے جو اپنے خالق کی طرف راغب ہو تو وہ اسی کے سامنے عاجزی کرتا ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ بڑھ جاتا ہے۔ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔ [سورۃ الرعد ۱۳:۲۸]

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع [۳۸] باب [۵۹] حدیث ۲۵۱۶

''خبردار! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔''

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ:

فانظر الی قلب الدلیل علیهم حرفا بحرف ظاهر التبیان (۱)

''دیکھو کہ دلیل کیسے حرف بحرف ظاہر وضاحت کے ساتھ الٹ کر ان ہی کے خلاف ہوگئی۔''

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

لکن یعافیهم و یرزقهم و هم یؤذونه بالشرك والکفران (۲)

''لیکن [پھر بھی] وہ [اللہ] ان کو معاف کرتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے حالانکہ وہ اسے شرک اور کفر [کا ارتکاب] کر کے تکلیف پہنچا رہے ہوتے ہیں۔''

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

وهو المجیب لدعوة المضطر إذ یدعوه في سر و في إعلان

و هو الجواد فجوده عم الوجو د و جمیعه بالفضل والاحسان

وهو الجواد فلا یخیب سائلا و لو أنه من أمة الکفران

و هو المغیث لکل مخلوقاته وکذا یجیب إغاثة اللهفان (۳)

''وہی [اللہ] پریشان حال کی پکار کو قبول کرنے والا ہے جب بھی وہ خفیہ یا علانیہ طور پر اس کو پکارتے ہیں۔ وہی انتہائی کرم والا ہے جس کا کرم عام ہے اور سارے کام اس کے فضل و احسان کے ساتھ جاری و ساری ہیں۔ وہ ایسا جواد ہے کہ سائل اگرچہ کافروں میں سے کیوں نہ ہو [اسے بھی] نامراد نہیں لوٹاتا۔''

---

(۱) القصیدة النونیة: ۱۴۳

(۲) القصیدة النونیة: ۱۶۱

(۳) القصیدة النونیة: ۱۶۴

۱۳- تَوَسُّلْ بِالْمَلٰئِکَۃِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص فجر کی دو رکعتیں پڑھ لے تو اس کے بعد یہ دعاء تین بار پڑھ لے: اَللّٰهم رَبَّ جِبْرَئِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَمُحَمَّدٍ أَجِرْنِي مِنَ النَّارِ۔ اور شرح الاذکار میں ہے: خصَّ هؤلاءِ بالذِّكرِ للتوسُّلِ بهم في قبولِ الدعاءِ وإلّا فهو سبحانه ربُّ جميعِ المخلوقاتِ(۱)۔

جواب

اس روایت میں لفظی اور معنوی تحریف کی گئی ہے اور شرح الاذکار کی طرف جھوٹی نسبت کی گئی ہے(۲) اور اَللّٰهم رَبَّ جِبْرَئِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَرَبَّ إسرافيلَ وَرَبَّ مُحَمَّدٍ أعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ کہنے کے جواز میں کوئی شک نہیں اور ان کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا ہے کہ کوئی بھی کام اپنے عظیم اثر اور سبب کی وجہ سے عظیم ہو جاتا ہے جب اثر عظیم وجلیل ہوگا تو معاملہ بھی عظیم وجلیل ہو جائے گا۔ مصنوعات اور افعال کی تعریف کرنے والا دراصل ان کے فاعل وصانع ہی کی تعریف کر رہا ہوتا ہے۔ یہ تینوں یعنی سیدنا جبریل، سیدنا اسرافیل اور سیدنا محمد مصطفیٰ علیہم السلام پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے عظیم ترین ہیں۔ ان ناموں کے وسیلہ سے دعاء اللہ تعالیٰ کے ناموں اس کی خالقیت اور ربوبیت کی صفات ہی کا وسیلہ ہے دعا کرنے والا سیدنا جبریل، سیدنا میکائیل اور سیدنا محمد مصطفیٰ علیہم السلام کے رب سے مانگتا ہے۔ سیدنا جبریل، سیدنا میکائیل اور سیدنا محمد مصطفیٰ علیہم السلام سے نہیں مانگتا۔ مخالف کا من گھڑت تحریف شدہ معنیٰ سے استدلال کرنا تحریف معنوی ہے اور لفظی تحریف یہ

---

(۱) الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ: ۴۷ السید احمد بن السید زینی دحلان تحقیق: ڈاکٹر جبریل حداد مکتبۃ الاحباب، دمشق ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۳ء۔

(۲) یہ پورے کا پورا جواب علامہ محمد نسیب الرفاعی کی کتاب التَّوَصُّلُ إلى حقيقة التَّوَسُّل: ۳۱۳- ۳۱۴ سے ماخوذ ہے۔

ہے کہ صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ:

كان رسول اللهﷺ إذا قام من الليل افتتح صلاته: اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۱)

"ترجمہ: رسول اللہ جب رات کے وقت نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنی نماز اس دعاء سے شروع کرتے: اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ"

اس حدیث کا مقصد رسول اللہﷺ کی دعاء کے متعلق بتانا ہے۔ حکم دینا نہیں ہے جب کہ مخالف بدعتی نے امر حکم کا ذکر کر دیا ہے (۲)۔

شرح الاذکار کی طرف نسبت بھی افترا اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ شرح الاذکار میں نہ تو یہ لفظ موجود ہے اور نہ ہی اس کا معنیٰ (۳) نیز اگر ثابت ہو بھی جائے کہ شرح میں اس طرح لکھا ہے تو پھر بھی قابل قبول نہیں اس لیے کہ شرع، شرح پر حاکم ہے اور صحیح مسلم کی حدیث میں

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین [۶] باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ [۲۶] حدیث: ۱۸۱۱، سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ [۲] باب ما یستفتح بہ الصلاۃ من الدعاء [۱۲۱] حدیث: ۶۷۵، سنن ترمذی، کتاب الدعوات [۴۹] باب ما جاء فی الدعاء عند افتتاح الصلاۃ باللیل [۳۱] حدیث: ۳۳۲۰، سنن نسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النہار [۲۰] باب بای شیء یستفتح صلاۃ اللیل [۱۲] حدیث: ۱۶۲۵، مسند امام احمد ۴۲: ۱۲۷، حدیث: ۲۵۲۲۵، صحیح ابن حبان ۶: ۳۳۵، حدیث: ۲۶۰۰

(۲) اس سے سید احمد بن سید زینی دحلان مراد ہیں جن کی یہ بات اُن کی کتاب الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ: ۳۷ میں پڑھی جا سکتی ہے۔

(۳) پڑھئے علامہ محمد بن علی بن محمد علان کی کتاب الفتوحات الربانیۃ علی الاذکار النوویۃ ۲: ۹۵۔

اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات:

۔صفت ربوبیت: رَبَّ جِبْرَئِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ

۔صفت خلق: فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

۔صفت علم غیب: عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

۔صفت ہدایت: اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ

۔اور صفت حکم: اهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ .

کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے۔ کتاب وسنت میں ہر چیز کی طرف رب کی اضافت وارد ہے۔ حصن حصین میں بحوالہ طبرانی فی الاوسط اور مصنف ابن ابی شیبہ مذکور حدیث میں تو "رَبُّ الشَّيَاطِيْنِ" کا لفظ بھی آیا ہے (۱)۔ اس صورت میں کیا تَوَسُّلْ بِالشَّيَاطِيْنِ بھی جائز ہوگا؟

۱۴۔ رسول اللہ ﷺ کا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ سے دعاء کرنا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۲) سے روایت ہے کہ: جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی والدہ

---

(۱) یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں مذکور ہے: أنّ النبي ﷺ لم یر قریۃً یُرید دخولها إلّا قال حین یراها: اللّٰهمّ ربَّ السماواتِ وربّ الأرضین السبع وما أقللنَ وربّ الشیاطین وما أضللنَ وربّ الریاح وما ذَرَینَ فإنّا نسألك خیر هذه القریة وخیر أهلها ونعوذبك من شرها و شر أهلها وشرِّ ما فیها. [صحیح ابن خزیمہ ۴: ۱۵۰، حدیث ۲۵۶۵، مستدرک حاکم ۲: ۱۰۰-۱۰۱، المعجم الکبیر ۸: ۳۳، حدیث ۲۹۹ے، کتاب الدعاء طبرانی ۲۸۸، حدیث ۸۳۸، عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی ۲۴۷، حدیث ۵۲۴، صحیح ابن حبان ۶: ۴۲۶، حدیث ۲۷۰۹]

(۲) انس بن مالک بن نضر بن ضمضم رضی اللہ عنہ نجاری، خزرجی، انصاری، ابوثمامہ یا ابوحمزہ، بلند رتبہ صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے۔ مرویات کی تعداد ۲۲۸۶ ہے۔ مدینہ منورہ میں ۱۰ ق ھ = ۶۱۲ء کو پیدا ہوئے بچپن میں اسلام قبول کیا اور نبی اکرم ﷺ کی وفات تک ان کی خدمت کرتے رہے۔ دمشق اور بصرہ

سیدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا[1] کی وفات ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کی والدہ کی مانند تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جا کر اُن کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا: رَحمكِ اللهُ يا أُمّي! كنتِ أُمّيْ بعدَ أُمي...... ثم خلع رسول الله ﷺ قميصه فألبسها إيّاها و كفنها ببرد فوقه...... فحفروا قبرها فلمّا بلغوا اللحد حفره رسول الله ﷺ بيده فلمّا فرغ دخل رسول الله ﷺ فاضطجع فيه ثم قال: اللهُ الذي يحيي ويميت وهو حيٌّ لَا يموت إغفر لأمّيْ فاطمة بنت أسد ولَقِّنها حُجّتَها ووَسِّعْ لها مدخلها بحَقِّ نبيك والأنبياءِ الذين من قَبْلِيْ فإنك أرحم الراحمين[2]

''اے میری امی کے بعد امی! اللہ تجھ پر رحم کرے۔ پھر آپ نے اپنی قمیص اُتار کر انہیں پہنائی اور اُس کے اوپر چادر ڈال دی۔...... صحابہ نے اُن کے لیے قبر کھودی جب قبر کھودنے والے لحد کی حد کو پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے لحد خود اپنے ہاتھوں سے کھودی اور اپنے ہاتھوں سے ہی اس کی مٹی نکالی جب قبر کھودنے سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ قبر میں داخل ہو کر لیٹے پھر فرمایا: اللہ وہ ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے وہ ایسا زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اے اللہ! میری والدہ فاطمہ بنت اسد کو بخش دے۔ اسے اس کی حجت بتا اور اس کے ٹھکانہ کو اپنے نبی اور پہلے گزرے ہوئے انبیاء کے حق کے وسیلہ سے وسیع کر دے۔ بے شک تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

میں رہائش پذیر رہے۔ بصرہ میں ۹۳ھ=۷۱۲ء کو وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آپ سب سے آخری صحابی ہیں۔ [اسد الغابۃ ۳: ۷ ترجمہ: ۲۵۸ 'الاعلام ۲: ۲۳]

(۱) فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہاشمیہ رضی اللہ عنہا۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ ابو طالب کے نکاح میں تھیں اور اُن کی وفات کے بعد اسلام قبول کیا اور اپنی اولاد کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ۵ھ=۶۲۶ء کو مدینہ منورہ میں وفات پا گئیں۔ [اسد الغابۃ: ۱۵۶۱ ترجمہ: ۷۱۷۹ 'الاعلام ۵: ۱۳۰]

(۲) المعجم الکبیر ۳۵۱-۳۵۲ حدیث: ۸۷۱ 'المعجم الأوسط ۱: ۶۸-۶۹ حدیث: ۱۸۹ 'حلیۃ الاولیاء ۳: ۱۲۱

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کو سیدنا انس اور سیدنا ابن عباس ﷺ کی سند کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند میں رواۃ کے مجہول ہونے کے باوجود حافظ ہیثمی کی ذکر کردہ روایت کے مطابق بِحَقِّ النَّبِيِّ اور بِحَقِّ الْأَنْبِيَاءِ کا اضافہ موجود نہیں اور سیدنا انس ﷺ کی روایت سند کے بغیر مجرد ایک روایت ہے اُسے کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟ ہمارے پاس طبرانی کی تینوں معاجم نہیں ہیں کہ سند کو دیکھ کر کلام کریں (۱)۔

دوسری بات یہ ہے کہ معاجم طبرانی میں ضعیف، موضوع اور منکر روایات موجود ہیں اس لیے تحقیق کیے بغیر ان پر عقیدہ کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے۔ امام طبرانی اگر چہ فی نفسہ حدیث بہت بڑے امام ہیں لیکن ان کی تینوں معاجم، حدیث کے درجہ اول کی کتابوں میں داخل نہیں اس لیے کہ اس میں ہر قسم کی روایات جمع ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں کہ:

اما محققین اہل حدیث گفتہ کہ دروے منکرات بسیار است (۲)۔

---

(۱) یہ روایت دو طرق سے مروی ہے۔

۱۔ طریق سیدنا انس ﷺ: اس کی سند یہ ہے: احمد بن حماد بن زغبۃ ثنا روح بن صلاح ثنا سفیان الثوری عن عاصم الاحول عن انس بن مالک ﷺ۔ [المعجم الکبیر ۲۴: ۳۵۱-۳۵۲، حدیث: ۸۷۱، المعجم الأوسط ۱: ۶۸-۶۹، حدیث: ۱۸۹، حلیۃ الاولیا ۳: ۱۲۱]

اس کی سند اس لیے ضعیف ہے کہ اس کے راوی روح بن صلاح کو امام ابن حبان اور امام حاکم نے ثقہ کہا ہے لیکن چونکہ یہ دونوں کسی راوی کی توثیق میں متساہل ہیں اس لیے اُن کی توثیق قابل قبول نہیں۔ حافظ ابن عدی نے اس راوی کی دو حدیثیں نقل کر کے لکھا ہے کہ ان کی بعض احادیث میں نکارت ہے۔ [الکامل فی ضعفاء الرجال ۴: ۶۳، ترجمہ: ۱۷/ ۶۶۷]

۱۔ طریق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما: جس کی سند یہ ہے: محمد بن بستبان، ازالحسن بن بشر البجلی، ثنا سعدان بن الولید عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ [المعجم الأوسط ۵: ۱۶۵، حدیث: ۶۹۳۵، معرفۃ الصحابۃ، ابونعیم ۱: ۹۵، روایت: ۲۸۹، ۵: ۲۸۵، حدیث: ۷۸۲۵]

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: اس کے راوی سعدان بن الولید کو میں نہیں جانتا۔ [مجمع الزوائد ۹: ۲۵۷]

(۲) بستان المحدثین: ۵۷

"محققین علماء حدیث کہتے ہیں کہ اس میں بہت منکر روایتیں ہیں۔"

امام حاکم نے علوم الحدیث میں امام ابو علی نیشاپوری (۱) کا قول ذکر کیا کہ وہ امام طبرانی کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے (۲)۔

---

(۱) ابو علی حسین بن علی بن یزید بن داود نیشاپوری۔ حافظ، امام، علامہ، ثبت اور ناقد تھے۔ امام ابن مندہ اور امام حاکم کے استاذ رہے ہیں۔ ۲۷۷ھ=۸۹۰ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ ہرات، بغداد، کوفہ، بصرہ، واسط، اہواز، اصبہان، موصل اور شام کے سفر کیے۔ ۳۴۹ھ=۹۶۰ء کو نیشاپور میں وفات پائی۔
[تاریخ بغداد ۸: ۷۱-۷۲، ترجمہ: ۴۱۵۰، الاعلام: ۲۴۳]

(۲) امام حاکم نے امام ابو علی نیشاپوری کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ اور امام طبرانی حدیث أُمرتُ أنْ أسجدَ على سبعةِ أعضاء کے طرق کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے: جس کی اُنہوں نے ایک ایسی سند سنائی جس پر امام ابو علی کو اعتراض تھا، جس کی وجہ سے امام طبرانی کے بارے میں اُن کی رائے کچھ اچھی نہ تھی۔ [معرفۃ علوم الحدیث وکمیۃ اجناسہ: ۳۴۷، نص: ۲۷۰، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، تحقیق: ڈاکٹر احمد بن فارس السلوم، مکتبۃ المعارف، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۳۱ھ=۲۰۱۰ء]

حافظ ضیاء الدین مقدسی حنبلی [۵۶۹-۶۴۳ھ] نے امام طبرانی کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُس روایت کو جب امام طبرانی نے اپنی یادداشت سے سنایا تو دوسرے محدثین کی طرح اُس میں وہم کا شکار ہوگئے اور عمرو بن دینار اور عبداللہ بن میسرۃ کی روایتوں میں فرق نہ کر سکے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں شعبہ کی جو حدیثیں عمرو بن دینار سے جمع کی ہیں اُن کی سند یہ ہے: عبداللہ بن احمد بن حنبل، از احمد بن حنبل، از محمد بن جعفر غندر، از شعبہ، از عمر بن دینار از طاؤس اور عبدالملک بن میسرۃ کی احادیث اس سند کے ساتھ جمع کی ہیں: عبداللہ بن احمد بن اسید اصبہانی، از صالح بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن اسید اصبہانی، از صالح بن محمد بن یحیٰی بن سعید القطان، از عثمان بن عمر، از شعبہ، از عبدالملک بن میسرۃ از طاؤس۔ ان دونوں سندوں میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ان میں وہ وہم کا شکار نہیں ہوئے بلکہ دونوں کے مابین فرق و تمیز کر دی ہے اس لیے: فدلّ ذلك على أنّ ذلك كان وهمًا لا تعمّدًا، إذ لو كان تعمّدًا لأثبته في جمعه وتأليفه. [جزء في الذب عن الامام الطبرانی: ۲۲-۲۳]

"یہ اس بات کی دلیل کہ اُس سند میں اُنہیں وہم ہو گیا تھا۔ قصداً عمداً ایسا نہیں کیا تھا اس لیے کہ اگر قصداً عمداً ہوتا تو اپنی جمع و تالیف میں بھی ایسا کرتے۔"

تیسری بات یہ ہے کہ اس کی سند میں روح بن صلاح مصری ہے، جن کو امام دار قطنی نے ضعیف کہا اور حافظ ابن عدی نے کہا وہ بہت سی احادیث کا راوی ہے، جن میں سے بعض منکر ہیں[1]۔

امام حاکم اور ابن حبان کی توثیق کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ یہ دونوں تساہل میں مشہور ہیں۔ امام ابن حبان کی کتاب الثقات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ انہوں نے ضعیف، مجہول اور کذابین کو بھی داخل کیا ہے اور امام حاکم تو جھوٹی و موضوع روایات تک

حافظ مقدسی نے آگے لکھا ہے کہ: ولو كانَ يُتَّهَمُ كُلُّ مَن وَهِمَ في حديثٍ أو حديثَينِ لكانَ هذا لا يكادُ يَسْلَمُ منه أحَدٌ، فإنَّ الأئمةَ المتقدمين - رحمةُ الله عليهم - قد وَهِمُوا وجُمِعَتْ أوهامُهُم، وذلك مما لا يَخفى، فلو ذهبنا نَعُدُّ مَن أُخِذَ عليه الوَهْمُ منهم لَكَثُرَ ذلك، وقد ذُكِرَ عن جماعةٍ من الأئمَّةِ أنهم كانوا إذا ذكروا شيئًا من ذلك فقيل لهم، رجَعُوا إلى كتبهم فإذا وجدوهُ بخلافِ ما قالوهُ رجَعُوا عنهُ، فاستَدْلَلْنَا بما رواه الطبراني - رحمهُ الله - في كتابه على الصَّواب أنَّهُ رَجَعَ عن ما قاله وتَوَهَّمَهُ بحضرةِ أبي علي. والله أعلمُ بالصَّواب.

[جزء فی الذب عن الامام الطبرانی: ۲۳]

"اگر ایک دو حدیثوں میں وہم کا شکار ہونے والا کوئی راوی مُتَّہَم ہوتا ہے تو شاید پھر تو کوئی بھی محدث نہ بچ پائے اس لیے کہ ائمہ متقدمین کئی چیزوں میں وہم کا شکار ہوئے ہیں اور اُن کے اوہام جمع بھی کیے گئے ہیں جو کسی سے مخفی نہیں ہیں پس اگر ہم وہم کے شکار ہر ایک کو مُتَّہَم کہیں گے تو مُتَّہَمِین کی تعداد بڑھ جائے گی۔ بہت سے ائمہ کے بارے میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ جب وہ اپنی حافظے سے کچھ سناتے اور انہیں اس بارے میں بتایا جاتا تو وہ اپنی کتابوں کی طرف رجوع کرتے اور جب وہاں اپنی کہی بات کے خلاف پاتے تو اپنی بات سے رجوع کرتے۔ امام طبرانی نے بھی وہی کیا ہے کہ جو کچھ انہوں نے امام ابو علی نیشاپوری کے سامنے کہا اُس وہ وہم کا شکا ہوئے تھے اور جب اپنی کتاب کو مراجعت کی تو اپنے قول سے رجوع کر لیا۔"

حافظ مقدسی کی یہ پوری عبارت حافظ ذہبی کی سیر اعلام النبلاء ۱۲۶:۱۶، اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی لسان المیزان ۳: ۷۳-۷۴ میں پڑھی جا سکتی ہے۔

(۱) الکامل فی ضعفاء الرجال ۴: ۶۳، ترجمہ: ۱۷/ ۶۶۷، میزان الاعتدال ۲: ۵۸، ترجمہ: ۲۸۰۱

کی تصحیح کرتے ہیں جیسا کہ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ:

إمامٌ صدوقٌ لكنه يُصَحِّحُ في مستدركه أحاديث ساقطة، ويُكثر من ذلك، فما أدري هل خَفِيَتْ عليه فما هو ممن يجهل ذلك، وإنْ علم فهذه خيانة عظيمة، ثم هو شيعي مشهور بذلك من غير تَعَرُّضٍ للشيخين، وقد قال ابن طاهر: سألت أبا إسماعيل عبدالله الأنصاري عن الحاكم فقال: إمامٌ في الحديث رافضيٌّ خبيثٌ، قلتُ: اَللّٰهُ يُحِبُّ الإنصاف، ما الرجلُ برافِضِيٍّ بل شيعيٌّ فقط[1].

''سچے امام ہیں لیکن وہ اپنی مستدرک میں بکثرت ساقط احادیث کو صحیح کہہ دیتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کیا یہ ساقط روایات کی بات اُن سے مخفی رہی ہے جب کہ وہ ایسے بھی نہیں کہ اُن سے یہ چیزیں مخفی رہیں اور اگر انہیں ان روایتوں کے بارے میں معلوم تھا تو یہ بہت بڑی خیانت ہے، پھر یہ بھی ہے کہ وہ مشہور شیعہ ہیں جو شیخین کے بارے میں کچھ نہیں کہتا تھا ابن الطہر کہتے ہیں کہ میں نے امام حاکم کے بارے میں امام ابو اسماعیل انصاری سے پوچھا تو انہوں نے کہا: حدیث میں امام ہیں مگر خبیث رافضی ہیں۔ میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند فرماتے ہیں: امام حاکم رافضی نہیں، بلکہ شیعہ ہیں۔''

امام دار قطنی اور امام ابن عدی کے مقابلے میں امام حاکم اور امام ابن حبان کی توثیق کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ تضعیف کرنے والے علماء کی تعداد بہت زیادہ ہے؟ یہ لوگ امام ابن حبان کی اِس توثیق کو کیوں مانتے ہیں جب کہ سنن ابن ماجہ کی حدیث اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ کے راوی عطیہ کو ابن حبان کے ضعیف کہنے کے باوجود ضعیف نہیں کہتے تو یہاں اُن کی توثیق کو کیسے دلیل بناتے ہیں؟ روح بن صلاح کے علاوہ باقی راوی اگرچہ صحیحین کے راوی ہیں لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ ثقہ اور ثبت بھی ہوں اور نقد و تمحیص سے محفوظ ہوں اس لیے کہ صحیحین کے بعض راویوں کی مستقل روایتیں نہیں ہوتیں

---

(۱) میزان الاعتدال ۳: ۶۰۸، ترجمہ: ۷۸۰۴

بلکہ ان کو متابعات اور شواہد میں ذکر کیا ہے۔اس قسم کے راویوں کی تنقیح وتفتیش کی جاتی ہے۔امام نووی نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں صحیح مسلم کے رواۃ پر اعتراض کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے اس کا ذکر کیا ہے (۱):

۱۔شاید شیخین کے نزدیک وہ طعن ثابت نہ ہو جو دوسرے محدثین کے ہاں ثابت ہو۔

۲۔ضعیف راویوں کی روایات اصول سے متعلق نہ ہوں بلکہ متابعات وشواہد کے طور پر ہوں۔اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے صحیح اسانید سے ایک روایت کو نقل کیا جائے پھر اسے دوسری سند کے ساتھ بیان کیا جائے جس کے بعض راوی ضعیف ہوں۔متابعات کی ذیل میں ان روایات کے ذکر کرنے کا مقصد تاکید میں یا کسی فائدہ کی خاطر اضافہ پر تنبیہ کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔

۳۔یہ بھی ممکن ہو کہ کسی راوی کی روایت اُس وقت لی جائے جب اُس پر ضعف طاری نہ ہو اور ضعف بعد میں طاری ہو۔

۴۔ان محدثین کے پاس ثقات کی روایت نازل سند سے ہو جب کہ کسی ضعیف راوی کے پاس وہی روایت کسی عالی سند سے ہو (۲)۔

حافظ ہیثمی نے یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث ثابت ہے بلکہ لکھا ہے کہ: فیه روح بن صلاح وثّقه ابن حِبّان والحاکم، وفیه ضعف، وبَقِيّةُ رِجَاله رِجَالُ الصَّحِيح (۳)۔

''اس کی سند میں روح بن صلاح ہے جسے ابن حبان اور حاکم نے ثقہ کہا ہے اور روح بن

---

(۱) جب کوئی حدیث متعدد اسانید سے مروی ہو تو جس سند میں وسائط کی تعداد سب سے کم ہو وہ عالی کہلاتی ہے اور جس سند میں وسائط کی تعداد سب سے زیادہ ہو وہ نازل کہلاتی ہے اور جن سندوں میں وسائط کی تعداد برابر ہو وہ مُساوِی کہلاتی ہے۔

(۲) شرح صحیح مسلم، نووی ۱: ۲۵، مکتبۃ الغزالی دمشق، بدون تاریخ

امام نووی نے یہ جوابات حافظ ابن الصّلاح کے حوالے سے درج کیے ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد ۹: ۲۵۷

صلاح کے علاوہ اس کے راوی، صحیح کے راوی ہیں۔"

حافظ ہیثمی نے قطعی تصحیح سے جان بچائی ہے جو اِن دو امور کی دلیل بن سکتی ہے:

-۱: حدیث میں کوئی ایسی خفیہ علت ہے جو اس کی تصحیح کے حکم میں مانع ہے۔

-۲: کسی نامعلوم علت کا احتمال ہے۔

بحق الانبیاء کے معنیٰ کی بحث

اللہ تعالیٰ پر اُس کے بندوں کے حق کا معنیٰ ہے: اُن کی تائید و نصرت، اُن کا اچھا انجام اور اللہ تعالیٰ کے دین کے حامیوں کی تمکین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

-كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ. [سورۃ الانعام ۶:۱۲]

"اور اس نے مہربانی کرنا اپنے اوپر لکھ رکھا ہے۔"

-لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ . [سورۃ ابراہیم ۱۴:۷]

"اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔"

-فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ. [سورۃ ابراہیم ۱۴:۴۷]

"تو اللہ کو اپنے رسولوں کے ساتھ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرنے والا نہ سمجھ۔"

-وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. [سورۃ النور ۲۴:۵۵]

"اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جنہوں نے ایمان لایا اور نیک کام کیے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔"

-وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [سورۃ الروم ۳۰:۴۷]

"ہم پر مؤمنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔"

اس معنیٰ کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے افعال اور شانوں میں سے ایک فعل اور شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال کے وسیلہ سے سوال جائز حسن اور مرغوب ہے۔

اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کے لیے جنت اور اُس میں مختلف قسم کی نعمتیں' انواع واقسام کے میوے' طرح طرح کی لذتیں' حورعین اور ہمیشہ رہنے والے ایسے خدمت گار تیار کر رکھے ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا' کسی کان نے نہیں سنا اور نہ ہی کسی بشر کے دل پر ان کا خیال تک گزرا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔ اگر یہ معنیٰ مراد ہو تو اس صورت میں رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے جنت کی حورعین' ہمیشہ جوان رہنے والے خادم اور لذیذ پھلوں کے حق کے وسیلہ سے مانگ رہے ہیں! عقل سلیم رکھنے والا اسے کیسے مستحسن سمجھے گا؟ اگر مخلوقات کی ذات کے وسیلے سے سوال جائز ہوتا تو یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ اے میرے رب میں تجھ سے اپنے ہاتھ' اپنی ذات' پاؤں اور ناک وغیرہ کے حق کے وسیلے سے مانگتا ہوں۔

پس ثبوت کی صورت میں ضروری ہے کہ حدیث کو پہلے معنیٰ پر محمول کیا جائے۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ بحق النبی اور بحق الانبیاء سے ان کی شفاعت اور دعاء کا حق مراد ہے جو زندہ اور حاضر مَطلُوبٌ مِنهُ سے جائز ہے۔ یہ حدیث، انصارِ بدعت کے دعویٰ کے لیے دلیل نہیں بن سکتی کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے وسیلہ سے سوال ہے جو ایک پسندیدہ فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ [سورۃ الاعراف ۷:۱۸۰]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک اور حاضر بندوں کی دعاء کا وسیلہ بھی ایک پسندیدہ امر ہے۔

۱۵- سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا مرثیہ

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے مرثیہ میں فرمایا تھا:

اَلَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنْتَ رَجَاءَنَا وَكُنْتَ بِنَا بَرًّا وَّلَمْ تَكُ جَافِيًا [(۱)]

''اللہ کے رسول! آپ ہی ہماری امیدوں کا مرجع تھے اور آپ ہم پر مہربان تھے اور جفا کار

---

(۱) المعجم الکبیر ۲۴:۳۲۰' روایت:۸۰۶

اور سختی کرنے والے نہیں تھے۔"

عروۃ بن زبیر کی یہ روایت امام طبرانی نے بیان کی ہے جس سے موت کے بعد وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔

جواب

ہم اس سے پہلے کئی بار وضاحت کر چکے ہیں کہ مجرد روایت قابل قبول نہیں ہوتی نیز امام طبرانی کا حال بھی بتا چکے ہیں کہ اُن کی کتابوں میں صحیح وضعیف اور منکر وموضوع ہر قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔

سند پر کلام

ہم پہلے اس کی سند پر کلام کرتے ہیں پھر اس کے معنیٰ پر کلام کریں گے۔

۱- ا: یہ حدیث مرسل (۱) ومنقطع (۲) ہے۔ عروۃ، رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چند سال بعد پیدا ہوئے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی ہے۔ عروۃ کی پیدائش اس

---

(۱) لغت میں اَرْسَلَ سے اسم مفعول ہے، جس کے معنی آزاد چھوڑ دینے کے ہیں۔ اصطلاح میں مُرْسَل وہ حدیث ہے جس کی سند کا آخری حصہ تابعی کے بعد بیان نہ کیا گیا ہو: هو ما سقط من آخره من بعد التابعي وصورته: أن يقول التابعي —سواء كان كبيرا أو صغيرا— قال رسول الله ﷺ أو فعلَ كذا أو فُعِلَ بحضرته كذا أو نحو ذلك.

[شرح نخبۃ الفکر: ۶۶-۶۷، النکت علی کتاب ابن الصلاح ۲: ۵۴۳-۵۴۴]

(۲) لغت میں اِنقطاع سے اسم فاعل ہے، جو اِتصال [پیوستگی] کا ضد ہے۔ اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس کی سند کی درمیان میں سے ایک یا چند راوی غیر مسلسل الگ الگ جگہوں سے حذف ہوئے ہوں۔ وإن كان أسقط اثنين غير متواليين في موضعين مثلا فهو المنقطع. [شرح نخبۃ الفکر: ۶۹-۷۰]

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی ساقط کیا گیا ہو یا اُس میں کوئی مبہم راوی ذکر کیا گیا ہو: هو أن يسقط من الإسناد رجل أو يذكر فيه رجل مُبْهَم.

[اختصار علوم الحدیث: ۵۹، نوع ۱۰]

کے بعد کی ہے۔ عقائد میں منقطع روایت کیسے قبول کی جا سکتی ہے؟

۲: کسی بھی معترض نے اس حدیث کی سند ذکر نہیں کی۔ ہمارے پاس امام طبرانی کی کتاب نہیں کہ ہم اس میں سند دیکھ سکیں (۱)۔

۳: امام طبرانی کی معاجم میں صحاح، موضوعات اور مکذوبات تک سب کچھ موجود ہیں۔

معنیٰ پر بحث

اصل شعر میں أَلَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنْتَ رَجَاءَنَا کا لفظ ہے جس میں كُنْتَ کو بدل کر أَنْتَ بنا دیا گیا۔ مجمع الزوائد میں لفظ كُنْتَ رَجَاءَنَا ہے أَنْتَ رَجَاءُنَا نہیں۔

شیخ محب الدین طبری نے بھی ذخائر العقبیٰ (۲) میں یہ شعر كُنْتَ کے ساتھ لکھا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب حاضر مافی الذہن کو ہے جیسے غم زدہ عورت کہتی ہے: وَا نَبِيْ اور شاعر کا قول ہے کہ:

بِاللّٰهِ يَا ظَبْيَاتِ الْقَاعِ قُلْنَ لَنَا لَيْلَايَ مِنْكُنَّ أَمْ لَيْلَى مِنَ الْبَشَرِ (۳)

---

(۱) اس کی سند اس طرح ہے: ابن لہیعہ از ابوالاسود از عروۃ از سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا۔

[المعجم الکبیر ۲۴: ۳۲۰، روایت: ۸۰۶]

اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے جس کا نام عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں: جس سند میں یہ موجود ہوں وہ قابل استدلال واحتجاج نہیں ہوتی۔

[المدخل إلى معرفة الصحيح من السقيم ۱: ۲۲۸، ترجمہ: ۱۳۱۱]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قاضی اور صدوق تھے مگر کتابیں جل جانے کے بعد اختلاط کا شکار ہو گئے۔ [تقریب التہذیب: ۲۳۸، ترجمہ: ۳۵۸۷]

(۲) ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: ۲۲۱، محب الدین ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری المکی، تحقیق: اکرم بوشی، بدون نام ناشر وطابع وتاریخ طباعت

(۳) دیوان ذی الرمۃ: ۶۳۲، شرح: الخطیب التبریزی، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء۔ یہ شعر دیوان مجنون لیلیٰ: ۲۲۱، غزل: ۱۵۳ میں بھی موجود ہے۔

''اے جنگل کی ہرنیو! ہمیں بتاؤ کہ لیلیٰ تم میں سے ہے یا انسانوں میں سے؟''

اس اسلوب کلام سے عرب واقف تھے اس لیے اس پر کوئی اِشکال نہیں ہونی چاہیے۔ یہ بحث اس صورت میں ہے جب أَنْتَ رَجَآءُ نَا ہو۔ امام طبرانی کی روایت کے مطابق تو کسی قسم کا اِشکال ہی نہیں اس لیے کہ صحابہ کرام ﷢ اپنی مشکلات وشدائد میں رسول اللہ ﷺ کی طرف دعاء اور وحی کے لیے رجوع کیا کرتے تھے۔ اگر أَنْتَ رَجَآءُ نَا کا لفظ ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس سے کسی بدئی عقیدہ یا بدئی عمل کے لیے استدلال نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ اس کا معنیٰ أَنْتَ رَجَآءُ نَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِتَشْفَعَ لَنَا ہے۔ یعنی: آپ قیامت کے دن ہماری سفارش کرنے کے لیے امید کا مرجع ہیں۔

یہ لوگ یہ سوال بھی اُٹھاتے ہیں کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! خطاب ہے اور خطاب سننے والے ہی سے ہو سکتا ہے۔ یہ بات لغت اور عرف کے خلاف ہے۔ ''یا'' کے ساتھ خطاب زندوں' مردوں' حیوانات' پہاڑوں اور دریاؤں سے بھی معروف ہے۔ جس سے اہل ملل اور اَغیار کی کتابیں بھی بھری پڑی ہیں۔ وہ خطاب جو طلب' ارادۂ سماع' اِعلام اور حاجات کے حصول سے خالی ہو اس کے جواز میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ''یا'' کے ساتھ خطاب تو جمادات کے لیے بھی معروف ہے۔ سیدنا عمر ﷜ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے حجر اسود کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: أَمَا وَاللّٰہِ! لقد علمتُ أَنَّكَ حَجَرٌ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَاقَبَّلْتُكَ (۱)

''بے شک اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی بھی تجھے نہ چومتا۔''

اور حدیث میں ہے کہ جس سفر میں رسول اللہ ﷺ سفر کرتے اور رات آ جاتی تو فرماتے:

يَا أَرْضُ! رَبِّي وَرَبُّكِ اللّٰہُ، أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّكِ، وَشَرِّ مَا فِيْكِ، وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ، وَ

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الحج [۱۵] باب استحباب تقبیل الحجر الاسود فی الطواف [۴۱] حدیث: ۳۰۶۷

مِنْ شَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ (۱).

"اے زمین! میرا اور تیرا رب اللہ ہی ہے۔ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تیرے شر سے اور اُس شر سے جو تیرے اندر ہے اور جو تیرے اندر پیدا کیا گیا ہے اور ہر اُس چیز کے شر سے جو تجھ پر چلتی پھرتی ہے۔"

اس قسم کا طرز کلام شریعت کی نصوص بہت زیادہ وارد ہیں جو صرف صورتاً یا معہود ذہنی کو ندا ہے اور بس!

۱۶- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس قحط کی شکایت اور اُن کا نبی کریم ﷺ کی قبر کا وسیلہ پکڑنے کی تجویز

امام داری (۲) نے روایت کی کہ ہمیں ابو النعمان نے' اُنہیں سعید بن زید نے' اُنہیں عمرو بن مالک النکری نے اور اُنہیں ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ نے بتایا کہ مدینہ منورہ کے لوگ ایک بار شدید قحط میں مبتلا ہوئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کر گئے۔ آپ نے فرمایا: أنظروا إلى قبر النبي ﷺ فاجعلوا منه كُوًّا إلى السماء حتى لا يكون بينه وبين السماء سقفٌ' قال: ففعلوا' فمُطِرنا مطراً' حتى نبت العشب وسمنت الإبل' حتى تَفَتَّقَت من الشحم فسُمِّي عام الفتق (۳)(۴).

---

(۱) سنن ابی داود' کتاب الجہاد [۱۵] باب مایقول الرجل اذا نزل المنزل [۸۲] حدیث: ۲۶۰۳

(۲) عبد اللہ بن عبد الرحمن بن فضل بن بہرام' تیمی' داری' سمرقندی' ابو محمد' ۱۸۱ھ = ۷۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ حافظ حدیث تھے۔ حجاز' مصر' عراق اور خراسان تک حصول علم کے سلسلے میں تشریف لے گئے۔ سمرقند کے قاضی بنا دیے گئے۔ صرف ایک فیصلہ دیا اور مستعفی ہوئے۔ عالم و فاضل' محدث و مفسر اور فقیہ تھے۔ سمرقند میں علوم حدیث کی نشر و اشاعت کا سہرا اُن کے سر ہے۔ ۲۵۵ھ = ۸۶۹ء کو وفات پائی۔
[تذکرۃ الحفاظ ۲: ۵۳۴' تہذیب التہذیب ۵: ۲۶۱' الاعلام ۴: ۹۵]

(۳) سنن الدارمی ۱: ۵۶' حدیث: ۹۲

(۴) أي: انفتحت خواصرها واتسعت من كثرة ما رعت فسُمِّي عام الفتق' أي: عام الخصب. [النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ۳: ۳۴۰]

''رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف دیکھو اور قبر سے آسمان تک ایک جھروکہ کھولو تا کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا تو بارش ہوئی اتنی کہ خوب سبزے اُگے۔ اونٹ سبزے چر کر اتنے موٹے ہو گئے کہ چربی بہنے لگی اور اُس سال کا نام عام الفتق پڑ گیا۔''

جواب

اس کا جواب دو طرح سے ہے:

۱- سند کے اعتبار سے تو یہ ہے کہ اس کی سند میں ابوالنعمان محمد بن الفضل عارم بصری ہیں جو آخری عمر میں نسیان اور خللِ دماغ کا شکار ہو گئے تھے (۱)۔

اس لیے اُن کی حدیثوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اُن کے تغیر سے پہلے اُن سے روایات لیں اور جن لوگوں نے نقلِ حدیث میں صحت کی شرط نہیں لگائی تو انہوں نے تغیر کے بعد اُن سے روایات لی ہیں اس حدیث کا پتہ نہیں کہ کون سی قسم کی ہے اور کوئی بھی یقین سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔

عارم نے سعید بن زید سے روایت کی ہے اور وہ بھی مختلف فیہ ہیں۔ بعض محدثین اُن کی توثیق کرتے ہیں جب کہ کچھ محدثین انہیں شدید ضعیف کہتے ہیں (۲)۔

سعید کا استاذ: عمرو بن مالک نکری ہے جو صدوق ہونے کے ساتھ ساتھ وہمی تھے (۳)۔

ابوالجوزاء: اوس بن عبداللہ ۸۳ھ میں جماجم میں مارا گیا۔ محدثین کے نزدیک ارسال میں معروف و مشہور ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابن عبدالبر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوالجوزاء نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث نہیں سنی (۴)۔

---

(۱) الجرح والتعدیل ۸:۵۹ (۲) تہذیب التہذیب ۴:۲۹، ترجمہ: ۲۳۰۵

(۳) تقریب التہذیب: ۶۱۸، ترجمہ: ۵۱۳۹ (۴) تہذیب التہذیب ۱:۳۳۹، ترجمہ: ۶۲۶؛ حافظ ابن عبدالبر کی عبارت کچھ اس طرح ہے: إسم أبي الجوزاء: أوس بن عبدالله الربعي لم يسمع من عائشة، وحديثه عنها مرسل. [التمہید لما فی الموطأ من المعانی والاسانید ۸:۲۸۳]

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند کے رجال میں اختلاط وضع اور انقطاع جیسی علتیں موجود ہیں لہٰذا یہ حدیث شاذ و غریب ہے اور جب یہ غریب المعنیٰ ہوئی تو اس سے شرعی احکام ثابت نہیں کیے جاسکتے۔

۲۔ معنیٰ کے اعتبار سے بھی اس میں کلام ہے اس لیے کہ:

- شگاف ڈالنے میں حکمت کیا ہے؟ دین کے اصول میں سے یہ کون سا اصول ہے؟
- اگر رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کا کھلا رہنا یا اُس کے چھت میں شگاف ڈالنا سبب رحمت ہوتا تو صحابہ کرام ؓ آپ اور آپ کے پہلو میں محو استراحت دونوں معزز صحابہ کی قبروں کو بھی کھلا چھوڑ دیتے۔
- صحابہ کرام ؓ اور بعد کے آنے والے زمانوں میں کئی بار قحط واقع ہوا مگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو نہیں کھولا۔ آخر کیوں؟
- اگر یہ بات ثابت ہو جاتی تو صحابہ کرام ؓ اپنے مردوں کے اَجسام کو کھلے آسمان کے نیچے رکھتے۔
- اگر یہ ثابت ہوتا تو قبروں کو پکا کرنے ان پر گنبد بنانے اور قبروں پر طرح طرح کی رنگ برنگ نقش و نگاری کے خلاف ہوتا اور مستحسن یہ قرار پاتا کہ لوگ قبروں کو گنبدوں کے بغیر کھلا ہی چھوڑ دیں تا کہ برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں اور کثرت کے ساتھ بارش برسے۔
- کیا اس حدیث سے مردوں کو پکارنا اور ان سے مدد مانگنا ثابت ہوتا ہے؟ حدیث میں تو صرف آسمان اور قبر کے درمیان شگاف ڈالنے کا ذکر ہے۔ کیا کوئی عقل سلیم رکھنے والا شخص ایسا کہہ سکتا ہے؟ کیا حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے مانگنے اور یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَغِثْنِيْ کہنے کا ذکر ہے؟

استسقاء میں عاجزی ذلت اور انکساری کے اظہار کے لیے بچوں اور جانوروں کو نماز کی جگہ لے جانا بھی وارد ہوا ہے۔ فقہاء کرام نے ان کو صحراء کی طرف لے جانے کو مستحب قرار دیا ہے اور اس کا مقصد کھلے آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و بکاء کے ذریعے اپنے عجز و

انکسار اور اپنی کمزوری کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ کسی بھی عالم نے کہیں بھی یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ اہل حرمین یا دیگر علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں نے کسی قبر کو کھلا رکھنے کا ذکر کیا ہو یا یہ کہا ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اور آسمان کے درمیان چھت حائل ہے اور اس لیے بارش نہیں ہوتی اور نہ ہی تاریخ میں کہیں یہ منقول ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ: فَقَدْ ذَكَرَ هٰذَا فِيمَا أَظُنُّ مُحَمَّدُ بْنُ الحَسَنِ بنِ زَبَالَة فِيمَا صَنَّفَهُ فِي أخبار المدينة، وجوابه من وجهين: أنّ هذا محمد بن الحسن بن زبالة ضعيفٌ لَا يُحْتَجُّ به[1]۔

''میرا خیال ہے کہ یہ بات محمد بن حسن بن زبالہ[2] نے اپنی تصنیف اخبار المدینہ میں ذکر کی ہے اور اس کا جواب دو طرح سے ہے: ایک یہ کہ محمد بن حسن بن زبالہ ضعیف ہے اور اس کی روایت نا قابل استدلال ہوتی ہے۔''

۱۷- سوال بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ہمیں محمد بن سعید بن یزید بن ابراہیم تستری نے روایت کی، انہیں فضل بن موفق ابوجہم نے روایت کی۔ انہیں فضیل بن مرزوق نے روایت کی، انہیں عطیہ

---

(۱) کتاب الرد علی البکری ۱: ۸۹؛ انہوں نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ: و الثابتُ عن الصحابة باتفاق أهل العلم أنهم كانوا إذا استسقوا دعوا الله إمّا في المسجد وإمّا في الصَّحراء، وهذا الاستسقاءُ المشروعُ باتفاق أهل العلم فإنهم اتفقوا على دعاء الله واستغفاره.

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام ﷺ سے ثابت ہے کہ جب انہیں بارش کی طلب ہوتی تو وہ یا تو مسجد میں دعا کرتے تھے اور یا صحراء میں! اور اہل علم کے ہاں بالاتفاق یہی مشروع استسقاء ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور اس سے استغفار کرنے پر متفق ہوئے۔''

(۲) محمد بن حسن بن زبالہ مخزومی مدینی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے کہا ہے: ثقہ نہیں احادیث کی چوری کرتا تھا اور جھوٹا تھا۔ امام بخاری کہتے ہیں: اس کے پاس منکر روایات ہوتی ہیں جب کہ امام نسائی اسے متروک الحدیث کہتے ہیں۔ [الکامل فی ضعفاء الرجال ۷: ۳۷۰، ترجمہ: ۳۴/۱۶۵۵]

نے سیدنا ابوسعید خدری ﷛ [1] سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ إلَى الصَّلَاةِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ وَ بِحَقِّ مَمْشَايَ، فَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشِرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً، خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ [2]

''جو شخص نماز کے لیے گھر سے نکلا اور یہ دعاء پڑھی: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں مانگنے والوں کے تجھ پر حق کی وجہ سے، اور میں [نماز کے لیے] اپنے اس چلنے کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ میں نہ فخر کرتے ہوئے نکلا ہوں اور نہ اتراتے ہوئے، نہ ریاکاری کے لیے، نہ شہرت کے لیے۔ میں تو تیری ناراضی سے بچنے کے لیے نکلا ہوں [تو اللہ تعالیٰ اپنے چہرۂ مبارک سے اس کی طرف توجہ کرتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں بخشش کی دعاء مانگتے ہیں]۔''

اس حدیث کی سند پر کلام

حافظ ہیثمی [3] لکھتے ہیں: اس کی سند میں ضعفاء کا تسلسل ہے، لیکن امام ابن خزیمہ [4] نے

---

(۱) سعید بن مالک بن سنان، ابوسعید، خدری، انصاری، خزرجی، جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۱۰ قبل ہجری ۶۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں اکثر و بیشتر حاضر رہتے۔ بارہ غزوات میں حصہ لیا۔ ۷۴ھ = ۶۹۳ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ [اسد الغابۃ: ۲: ۳۳۴، ترجمہ: ۵۹۶۳، الاعلام ۳: ۸۷]

(۲) مسند احمد ۱۷: ۲۴۷-۲۴۸، حدیث: ۱۱۱۵۶، عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی: ۳۲-۳۳، احادیث: ۸۴، ۸۵، سنن ابن ماجۃ، کتاب الاذان [۴] باب المشی الی الصلاۃ [۱۴] حدیث: ۷۷۸

(۳) یہ عبارت مجھے حافظ ہیثمی کی مجمع الزوائد میں نہیں ملی، البتہ امام احمد بن ابی بکر بوصیری ۷۶۲-۸۴۰ھ نے لکھا ہے: هٰذَا إِسْنَادٌ مُسَلْسَلٌ بِالضُّعَفَاءِ: عطية هو العوفي، وفضيل بن مرزوق والفضل بن الموفق كلهم ضعفاء، لكن رواه ابن خزيمة في صحيحه من طريق فضيل بن مرزوق، فهو صحيح عنده. [مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجۃ ۱: ۲۷۴، بذیل حدیث: ۲۹۳-۷۷۸، احمد بن ابی بکر بوصیری، تحقیق: موسیٰ محمد علی، دار الکتب الحدیثیۃ، عابدین، مصر، بدون تاریخ]

(۴) محمد بن اسحاق بن خزیمۃ، سُلَمی [بضم السین وتشدید اللام] ابوبکر۔ اپنے دور میں نیشاپور کے ......

اپنی صحیح (۱) میں فضیل بن مرزوق کی سند سے روایت کی ہے، جو اُن کے نزدیک صحیح ہے۔

اس روایت کا سارا دارومدار عطیہ عوفی پر ہے، جس کے بارے میں امام ابن حبان لکھتے ہیں:

سمع من أبي سعيد ﷺ أحاديث، فلمامات أبو سعيد ﷺ جعل يجالس الكلبي و يحضر قصصه، فإذاقال الكلبي: قال رسول الله ﷺ كذا، يحفظه، و كنّاه أباسعيد و روى عنه، فإذا قيل له: مَن حدثك بهذا؟ فيقول: حدثني أبو سعيد، فيتوهمون أنه يريد أباسعيد الخدري ﷺ، وإنما أراد به الكلبي، فلاتحل كتابة حديثه (۲).

''یہ کچھ روز سیدنا ابوسعید خدری ﷺ کی مجلس میں بیٹھا رہا، اُن کی وفات کے بعد مشہور قصہ گو کلبی کی مجالس میں شریک ہوتا رہا، اور اُس کی روایات سنتا رہا اور جب کلبی کہتا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تو یہ اس کو یاد کر لیتا اور جب اپنے شاگردوں کے سامنے اُس کی روایت پیش کرتا تو کلبی کے نام کے بجائے اُس کی کنیت ابوسعید کہہ کر روایت کرتا رہا، جس سے شاگرد سیدنا ابوسعید خدری ﷺ مراد لیتے رہے، حالانکہ اس سے مراد کذاب کلبی ہی ہوتا اور جب اُس سے کہا جاتا کہ تو نے یہ حدیث کس سے سنی ہے تو کہتا: ''ابوسعید (۳)''، اس

......امام تھے۔ فقیہ، مجتہد اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ ۲۲۳ھ = ۸۳۸ء کو نیشاپور میں پیدا ہوئے اور وہیں ۳۱۱ھ = ۹۲۴ء کو وفات پائی۔ عراق، شام، جزیرہ اور مصر کے اسفار کیے۔ امام الائمہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ تصانیف کی تعداد تقریباً ۱۴۰ ہے۔ [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۱۰۹:۳، الاعلام ۶:۲۹]

(۱) امام ابن خزیمہ کی صحیح میں یہ روایت نہیں ملتی البتہ اُن کی کتاب التوحید و اثبات صفات الرب کے صفحہ: ۱۷ میں ملتی ہے۔

(۲) المجروحین ۲:۱۶۷، ترجمہ: ۸۰۴

(۳) اس تدلیس کا اصطلاحی نام تدلیس الشیوخ ہے، جو قطعاً حرام ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

هُوَ خِيَانَةٌ مِمَّنْ تَعَمَّدَهُ. [تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس: ۲۶]

''جو قصداً اُس کا ارتکاب کرتا ہے، وہ دراصل خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔''

حافظ ابن حجر ہی اسی عطیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: قبیح تدلیس سے مشہور تھا۔

[تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس: ۱۳۰، ترجمہ: ۱۲۲[۶]

لیے اس کی روایت کو لکھنا بھی جائز نہیں ہے۔''
امام ابن السنی کی سند میں وازع بن نافع عقیلی ہے' جو امام ابن ابی حاتم کی تصریح کے مطابق شدید ضعیف اور ذاہب الحدیث تھا اور امام ابوزرعۃ (۱) نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ اس کی روایات کو پرے پھینک دو' اس لیے کہ منکر ہوتی ہیں (۲)۔
امام حاکم کہتے ہیں: اس نے ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن اور سالم کے نام سے موضوع احادیث روایت کی نقل کی ہیں (۳)۔
جب کہ یہ روایت بھی ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن ہی کے سند سے ہے اس لیے موضوع ٹھہری۔

حدیث کے معنیٰ پر بحث

بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ کا معنیٰ یہ ہے کہ تو [یعنی: اللہ تعالیٰ] ان کی دعاء کو قبول کرتا ہے اور ان کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے اور اس لیے تو نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ تجھے پکاریں:
وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ. [سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۶]
''اور جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعاء کو قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہئے کہ وہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ درست راستہ پائیں۔''

---

(۱) عبیداللہ بن عبدالکریم بن یزید بن فروخ المخزومی بالولاء ابوزرعۃ الرازی۔ ۲۰۰ھ = ۸۱۵ء کو پیدا ہوئے۔ ''رے'' سے تعلق تھا۔ بغداد گئے جہاں درس حدیث دیتے رہے۔ امام احمد کے ہم نشین رہے ہیں۔ انہیں ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ یہ بات زبان زد تھی کہ وہ روایت ہی بے اصل ہے جس کی ابوزرعۃ کو معرفت نہ ہو۔ ۲۶۴ھ = ۸۷۸ء کو ''رے'' میں وفات پائی۔
[تاریخ بغداد ۱۰:۳۲۶' الاعلام ۴:۱۹۴]

(۲) الجرح والتعدیل ۹:۳۹-۴۰

(۳) المدخل الی الصحیح ۱:۲۳۳' ترجمہ: ۲۱۹

حدیث میں عمل صالح کو دعاء کی قبولیت کا وسیلہ بنایا ہے اس معنیٰ کے صحیح اور درست ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس روایت میں بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ کا معنیٰ یہ ہے کہ تو ان کے سوال کو قبول کرتا ہے اس لیے ہماری دعاء کو بھی قبول کر لینا۔ یہاں حق ''موافق اور مطابق'' کے معنیٰ میں ہے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: وَيُسْتَعْمَلُ اسْتِعمَالَ الوَاجِبِ وَاللَّازِمِ وَالجَائِزِ (۱).

''حق، ضروری ولازم اور جائز کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔''

آگے انہوں نے مثالیں پیش کی ہیں:

۞ ضروری اور لازم کے معنیٰ میں:

- كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ. [سورۃ یونس۱۰:۱۰۳]

''اسی طرح ہمارا ذمہ ہے کہ مسلمانوں کو نجات دیں۔''

- وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. [سورۃ الروم۳۰:۴۷]

''اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔''

۞ لائق وجدیر کے معنیٰ میں جیسے: حَقِيْقٌ عَلٰى اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ.

[سورۃ الاعراف۷:۱۰۵]

''میرے لائق ہے کہ اللہ کے بارے میں جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں (۲)۔''

پھر حق دو طرح کا ہے ایک وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق ہے۔ دوسرا وہ جو مخلوق سے متعلق ہے۔ پہلا حق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ اس کی نصرت، تائید اور رضا وغیرہ کے معانی میں ہے۔ دوسرا حق وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا اور وہ نعمتیں جو اس نے اُن کے لیے جمع کر رکھی ہیں۔

سوال سے کیا مراد ہے؟ اگر پہلا معنیٰ مراد ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں کیوں کہ

(۱-۲) المفردات فی غریب القرآن:۱۲۶

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے وسیلہ سے دعاء جائز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۱).

''میں اللہ [سے اُس] کے مکمل ترین کلمات کی پناہ طلب کرتا ہوں ہر اُس چیز سے جو اُس نے پیدا کی ہے۔''

لیکن معترضین اس سے یہ معنیٰ مراد نہیں لیتے۔ دوسرا حق رسول اللہ ﷺ کے لیے جنت' حوریں' کھانے پینے کی چیزیں' لذات وشہوات بچے اور مختلف قسم کے میوے ہیں' ان حقوق کے واسطے سے مانگنا اور کہنا ہے کہ اے میرے رب! میں تجھ سے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے حق جنت میں مأ کولات ومشروبات کے وسیلہ سے مانگتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔ کیا یہ سوال مناسب اور لائق ہے؟ پھر اگر بحق میں ''بـا ، مَـنْ'' کے معنیٰ میں ہو تو معنیٰ اس طرح ہوگا کہ اے میرے رب! تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے جنت میں تیار کیے ہوئے رسالت کے ثواب اور اعمال کی جزا میں سے کچھ عطا کر۔ یہ سوال ہی باطل ہے اور اگر ''بـا'' سببیہ ہو تو معنیٰ یہ ہوگا: میں تجھ سے جنت کی نعمتوں کے سبب سے سوال کرتا ہوں جو تو نے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ اس کا باطل ہونا بھی ظاہر ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: وقد نقل أبو نُعَيم في الحلية: أن داوٗد علیہ السلام قال: يارب أسألك بحق ابائي عليك إبراهيم و إسحاق و يعقوب فقال اللّٰه تعالى: ياداوٗد! أيُّ حق لآبائك عَلَيَّ؟ فإن كانت الإسرائيليات حجة فهذا فيه دليل على أنه لا يسأل اللّٰه بحق الأنبياء و إن لم يكن حجة فهذا فيه دليل على أنه لا يسأل اللّٰه بحق الأنبياء (۲).

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار [۴۸] باب التعوذ من سوء القضاء ودرک الشقاء [۱۶] حدیث: ۶۸۷۸

(۲) مجموع الفتاویٰ ۱: ۲۵۵' کتاب الرد علی البکری ۱: ۱۶۱' مدارج السالکین ۲: ۵۰۱' جلاء العینین بمحاکمۃ الاحمدین: ۵۵۰' مدارج السالکین ۲: ۵۰۱' الکشف المبدی لتمویہ ابی الحسن السبکی تکملۃ الصارم المنکی: ۲۵۷ حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۹ میں اس عبارت کی نسبت سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے۔

''ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام نے فرمایا اے میرے رب میں تجھ سے اپنے آباء واجداد سیدنا ابراہیم، سیدنا اسحاق اور سیدنا یعقوب علیہم السلام کے تجھ پر حق کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! تیرے آباء واجداد کا مجھ پر کیا حق ہے؟ اگر اسرائیلیات حجت ہیں تو یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے انبیاء کے حق سے نہیں مانگا جا سکتا اور اگر اسرائیلیات حجت نہیں ہیں تو یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء کے حق کے وسیلہ سے نہیں مانگنا چاہیے۔''

۱۸۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ کا وسیلہ!

امام حاکم نے آیت کریمہ: وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (1) [سورۃ البقرۃ ۲:۸۹]۔ کے تحت لکھا ہے کہ یہود جنگوں اور تکالیف میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے تو ان کی مدد ہو جاتی اور وہ غالب آ جاتے تھے۔ یہود کہا کرتے تھے کہ:

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِم بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِي آخِرِ الزَّمَانِ.

''اے اللہ آخری زمانے میں بھیجے جانے والے نبی [ﷺ] کی وجہ سے ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

جواب

مخالفین کی عادت ہے کہ وہ کبھی کسی روایت کی سند ذکر نہیں کرتے۔ جرح ورد کے خوف سے کسی کی طرف نسبت بھی نہیں کرتے۔ یہ روایت عبدالملک بن ہارون بن عنترہ نے اپنے

---

(1) ''اور جب اللہ کے ہاں سے اُن کے پاس کتاب آئی جو اُن کی [آسمانی] کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے [ہمیشہ] کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔ تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب اُن کے پاس آ پہنچی تو اس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر اللہ کی لعنت۔''

باپ سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا خیبر کے یہود کی غطفان سے لڑائی ہوئی اور شکست کھائی تو انہوں نے یہ دعا کی: اَللّٰهُمَّ إِنَّانسألك بِحَقِّ مُحَمَّدٍ النبي الأمي الذي وعدتنا أن تخرجه في آخر الزمان إِلَّا نَصَرْتَنا عليهم ' قال: فكانوا إذا التقوا دعوا بهذه الدعاء فهزموا غطفان (۱)۔

''اے اللہ! ہم تجھ سے اس پاک باز نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے حق کے وسیلہ سے مانگتے ہیں جن کو آخر زمانے میں لانے کا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو ہماری مدد فرما۔ راوی کہتا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلے میں جب یہ دعاء مانگتے تو غطفان کو شکست ہوتی۔''

سوال یہ ہے کہ:

- کیا مجرد یہ روایت حجت ہو سکتی ہے؟
- اس میں بندوں کے حق کے وسیلہ سے سوال کیا گیا ہے۔ کیا علماء کرام اور بالخصوص حنفی علماء میں سے کسی نے اسے جائز قرار دیا ہے یا ایسا کرنے سے روکا ہے؟
- اس آیت کی تفسیر مفسرین نے کیا کی ہے؟

اس حدیث کی سند پر کلام

حافظ ابن حجر نے کہا: امام دار قطنی نے کہا: عبد الملک بن ہارون بن عنترۃ اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔ امام احمد نے کہا: عبد الملک ضعیف ہے۔ امام یحیٰ نے کہا کذاب ہے۔ امام ابو حاتم نے کہا: متروک اور ذاہب الحدیث ہے۔ امام ابن حبان نے کہا کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا' اس کو عبد الملک بن ابی عمر بھی کہا جاتا ہے۔ امام سعدی نے کہا: دجال وکذاب ہے۔ امام صالح بن محمد نے کہا اس کی عام احادیث جھوٹی ہیں۔ امام حاکم نے کہا: بہت

(۱) المستدرک ۲: ۲۶۳

ذاہب الحدیث ہے۔ مدخل الی علوم الحدیث [۱] میں ہے کہ اس نے اپنے باپ سے موضوع احادیث بیان کی ہیں۔ امام ساجی، امام عقیلی، امام ابن جارود اور امام ابن شاہین نے اس کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے جب کہ حافظ ابونعیم نے کہا ہے کہ یہ اپنے باپ سے منکر روایات بیان کرتا ہے [۲]۔

یہ اس روایت کی سند کا حال ہے۔ کسی وضّاع راوی کی روایت بے کار، کھوٹی اور ناقابل استدلال ہوتی ہے۔

بحق فلان کے بارے میں علماءِ احناف کی رائے

-ہدایہ میں ہے کہ: وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُوْلَ الرَّجُلُ فِي دُعَائِهِ: بِحَقِّ فُلَانٍ، أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَ رُسُلِكَ، لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْمَخْلُوْقِ عَلَى الْخَالِقِ [۳].

"کسی شخص کا دعاء میں بحق فلان اور بحق انبیاء و رسل کہنا مکروہ ہے کیوں کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔"

-فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ مخلوق کے حق کے ذریعے سے مانگنا مکروہ ہے [۴]۔

-فتاویٰ ہندیہ میں یہ بھی ہے کہ بِدَعْوَةِ نَبِيِّكَ کہہ سکتا ہے [۵].

---

(۱) رَوَى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيْثَ مَوْضُوْعَةً. [المدخل إلى الصحيح من السقيم ۱: ۱۸۷، ترجمہ: ۱۳۰]

(۲) لسان المیزان ۴: ۱۷-۲، ترجمہ: ۲۱۳

(۳) الہدایہ شرح بدایۃ المبتدی ۷: ۲۴۲، کتاب الکراہیۃ

(۴) اُن کی عبارت یہ ہے: ويُكره أن يقول في دعائه: بحق فلان و كذا بحق أنبيائك و أوليائك أو بحق رُسلك أو بحق البيت أو المشعر الحرام لأنه لا حقَّ للمخلوق على الله تعالى، كذا في التبيين. [الفتاوی العالمگیریۃ المعروف بالفتاوی الہندیۃ ۵: ۳۱۸، کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع]

(۵) ويَجوزُ أنْ يَقُولَ فِي الدُّعاء: بِدَعْوَةِ نَبِيِّكَ، هكذا في الْخُلاصَة.
[الفتاوی العالمگیریۃ المعروف بالفتاوی الہندیۃ ۵: ۳۱۸، کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع]

خلاصۃ الفتاویٰ(۱) میں الجامع الصغیر(۲) سے کسی کا دعاء میں بِحَقِّ نَبِیِّکَ کہنے کو مکروہ لکھا ہے سب فقہاء دعاء بحق مخلوق سے روکتے ہیں۔ محیط میں بھی یہ بات موجود ہے(۳)۔

صاحب کشاف سے اس آیت کی تفسیر

صاحب کشاف سے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: یستنصرون علی المشرکین إذا قاتلوهم قالوا: اللهم انصرنا بالنبي المبعوث في آخر الزمان الذي نجد نعته وصفته في التوراة، ويقولون لأعدائهم من المشركين: قد أظل زمان نبي يخرج بتصديق ما قلنا فنقتلكم معه قتل عاد وإرم. و قيل: معنى: يَسْتَفْتِحُوْنَ: يفتحون عليهم ويعرفونهم أنّ نبيا يبعث منهم قد قرب أوانه، والسين للمبالغة أي يسألون أنفسهم الفتح عليهم، كالسين في استعجب واستخرج و استسخر، أو يسأل بعضهم بعضا ان يفتح عليهم(۴)۔

''وہ اپنے ساتھ لڑنے والوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! آخری زمانے میں بھیجے جانے والے نبی کی آمد سے ہماری مدد فرما جس کی صفت ہم توراۃ میں لکھی ہوئی پاتے ہیں اور اپنے مشرک دشمنوں کو کہا کرتے تھے کہ ہماری بات کی تصدیق کرنے کے لیے آنے والے نبی کی آمد کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ جس کے ساتھ ہم مل کر تمہیں عاد و اِرم کی طرح قتل کریں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یَسْتَفْتِحُوْنَ کا

---

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ ۴: ۳۲۶

(۲) الجامع الصغیر میں ہے: ویُکرہُ أن یقولَ الرجلُ في دعائه: أسألك بمعقد العز من عرشك. [الجامع الصغیر: ۳۸۲، ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی، پاکستان، ۱۴۱۱ھ=۱۹۹۰ء]

(۳) المحیط البرہانی ۵: ۳۱۲، برہان الدین محمود بن احمد الحنفی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء

(۴) الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل ۱: ۱۲۶-۱۲۷، محمود بن عمر زمخشری، دار الکتاب العربی، بیروت، ۲۰۱۲ء

معنی يَسْتَفْتِحُونَ عَلَيْهِمْ ہے یعنی انہیں بتایا کرتے تھے کہ ان [اہلِ مکہ] میں ہمارا نبی مبعوث ہوگا جس کے آنے کا وقت قریب آچکا ہے۔ ''سین'' مبالغہ کے لیے ہے یعنی اپنے لوگوں سے ان پر فتح کے متعلق پوچھا کرتے تھے یہ اِسْتَعْجَبَ اور اِسْتَخْرَجَ میں سین ہی کی طرح ہے یا ایک دوسرے سے ان پر فتح کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔''

اس عبارت میں آپ دیکھتے ہیں کہ مفسر نے:

- ''سین'' مبالغہ کا لیا ہے۔ طلب کے لیے نہیں۔
- وہ نبی کریم ﷺ کے خروج اور آپ ﷺ کے کافروں کے ساتھ قتال کے ذریعے مدد طلب کیا کرتے تھے۔
- فَنَقْتُلُكُمْ ' یعنی: ہم تم سے لڑیں گے کا قول
- قَدْ قَرُبَ أَوَانُهُ ' یعنی: اُن کی آمد کا وقت قریب آچکا ہے۔
- يَسْأَلُونَ أنفسهم الفتح ' یعنی اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے فتح کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔

یہ ساری چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اس میں توسل بالذات کا کوئی ذکر نہیں بلکہ سب باتیں جہاد اور دینِ حق کی تائید کی ہو رہی ہیں۔

قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ: إنَّ نبيًّا يُبعث فيهم وقد قرب زمانه ' والسين للمبالغة و الإشعار بأن الفاعل يسأل ذلك عن نفسه (۱)

''یقیناً ایک نبی اُن میں بھیجے جائیں گے جن کے آنے کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ ''سین'' مبالغہ اور یہ بتانے کے لیے ہے کہ فاعل اپنے آپ سے اس کے متعلق پوچھتا ہے۔''

کیسی صاف اور واضح بات کی کہ استنصار بعثت نبوی کے بعد ہوگا۔ یہ باریک نکتہ مبتدع اور معاند سے مخفی ہے۔

---

(۱) انوار التنزیل و أسرار التأویل ۱: ۹۳

خطیب شربینی (۱) کی تفسیر میں بھی اسی طرح کے الفاظ درج ہیں (۲)۔

حافظ ابن کثیر نے بھی اس قسم کی عبارت لکھی ہے: قد كانوا من قبل مجيء هذا الرسول بهذا الكتاب يستنصرون بمجيئه على أعدائهم من المشركين إذا قاتلوهم يقولون: إنه سيبعث نبي في آخر الزمان نقتلكم معه قتل عاد وإرم (۳)۔

''اس رسول [ﷺ] کے تشریف لانے اور کتاب لانے سے پہلے لڑائی کے دوران مشرک دشمنوں کے مقابلے میں آپ کے آنے سے مدد طلب کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آخری زمانہ میں عن قریب ایک نبی مبعوث ہوں گے۔ ہم اُن کے ساتھ ہو کر تمہیں عاد اور ارم کی طرح قتل کریں گے۔''

حافظ ابن کثیر نے واضح کیا کہ مدد طلب کرنا رسول اللہ ﷺ کی آمد کی وجہ سے تھا۔ اس میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کو کامیابی کا وسیلہ قرار دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی شخص کے لیے اعمالِ صالحہ قرب اور کامیابی کے وسائل ہی ہیں۔

حافظ صاحب موصوف نے اپنی تفسیر میں امام ضحاک (۴) کی سند سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی یہ تفسیر نقل کی ہے: يَسْتَظْهِرُوْنَ يَقُوْلُوْنَ: نَحْنُ نُعِيْنُ مُحَمَّدًا ﷺ عَلَيْهِمْ (۵)۔

---

(۱) محمد بن احمد شربینی، شمس الدین، شافعی فقیہ ہیں۔ مفسر، خطیب اور علامہ ہیں۔ قاہرہ سے تعلق تھا۔ کئی مفید کتابیں لکھیں۔ ۹۷۷ھ = ۱۵۷۰ء کو وفات پائی۔ یکم رمضان سے اعتکاف کے لیے مسجد میں داخل ہو جاتے اور عید کے روز باہر نکلتے۔ گم نامی کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔

[شذرات الذہب ۱۰: ۵۶۱، الاعلام ۶: ۶]

(۲) تفسیر الخطیب الشربینی ۱: ۸۷، محمد بن احمد خطیب شربینی، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۵ھ = ۲۰۰۴ء

(۳) تفسیر القرآن العظیم ۱: ۴۸۶

(۴) ضحاک بن مزاحم بلخی خراسانی ابو القاسم، مفسر اور بچوں کے شفیق اتالیق تھے۔ اُن کے ہاں تین ہزار بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ گدھے پر سوار ہو کر اُن کی نگرانی کے لیے چکر لگایا کرتے تھے۔ ۱۰۵ھ = ۷۲۳ء کو خراسان میں وفات پائی۔ [سیر اعلام النبلاء ۴: ۵۹۸، ترجمہ: ۲۳۸، الاعلام ۳: ۲۱۵]

(۵) تفسیر القرآن العظیم ۱: ۴۸۷

''وہ [کفار و مشرکین کے مقابلے میں] اس بات کا اظہار کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہ ہم ان کے مقابلے میں سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدد کریں گے۔''

حبر امت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے معاندین کی گمراہی اور ضد کھل کر سامنے آجاتی ہے اور ان کی کج روی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ یہ لوگ صحابہ کرام ﷺ کی صحیح تفسیر کو چھوڑ کر ضعیف اور وضعی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ: وقد كان اليهود يستفتحون على الذين كفروا بالنبي ﷺ لما رأوا صفته في التوراة، يقولون : أللهم انصرنا على أعدائنا بالنبي المبعوث في آخر الزمان فلما جاء هم ماعرفوا كفروا به ، فهذا كقوله : إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ كُمُ الْفَتْحُ ، و هو النصر ، و منه الحديث المأثور : أنَّ النبي ﷺ كان يستفتح بصعاليك المهاجرين أي: يستنصر بهم أي، بدعاءِ هم كما قال : و هل تنصرون إلَّا بضعفاءِ كم، بصلاتهم و دعاءِ هم و إخلاصهم ، فالذي ذكره المفسرون في تفسير الآية أنَّ اليهود كانوا يقولون: أللهم ابعث هذا النبي الذي نجده مكتوبا عندنا حتى نعذب المشركين و نقتلهم ، وقيل: إنهم كانوا يقولون أللهم انصرنا عليهم بالنبي المبعوث في اخر الزمان الذي نجد نعته في التوراة، وقيل: أنهم كانوا يقولون لأعدائهم من المشركين : قد أظل زمان نبي يخرج بتصديق ما قلنا فنقتلكم معه قتل عاد و إرم . قال ابن إسحاق في السيرة : حدثني عاصم بن عمر بن قتادة عن رجال من قومه زعموا أنَّ مِمَّا دعانا إِلَى الإسلام مع رحمة الله و هداه لنا أن كنا نسمع من يهود و كنا أصحاب أوثان، وهم أهل كتاب، و كان لايزال بيننا و بينهم شرور فاذا نِلنا منهم قالوا : إنه قَدْ تَقَارَبَ زمانُ نبيٍ يُبعث الآن فنقتلكم معه قتل عاد و إرمِ (۱).

(۱) کتاب الرد علی البکری ۱: ۱۴۷-۱۴۹

''یہود نے چونکہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفتیں دیکھی ہوئی تھیں اس لیے کافروں کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ کی آمد اور ان کے ساتھ مل کر جہاد و قتال کے وسیلہ سے غلبہ مانگا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمارے دشمنوں کے مقابلے میں آخری زمانے میں آنے والے نبی کی آمد کی وجہ سے ہماری مدد فرما پھر جب ان کے پاس وہ نبی آگئے جن کو پہچانتے تھے تو ان کا انکار کر بیٹھے۔ یَسْتَفْتِحُوْنَ یہاں بالکل اس طرح مستعمل ہے جیسا کہ اس آیت میں مستعمل ہے: اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ. [سورۃ الانفال ۸:۱۹]

''[کافرو!] اگر تم [محمد ﷺ پر] فتح چاہتے ہو تو تمہارے پاس فتح آچکی۔''

اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ:

اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ (۱).

''نبی کریم ﷺ مفلوک الحال مہاجرین کی دعاء کے ذریعے سے مدد مانگا کرتے تھے۔''

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ: هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ (۲).

''تمہاری جو مدد کی جاتی ہے اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہے۔''

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اس نبی

---

(۱) المعجم الکبیر ۱:۲۹۲' شرح السنۃ ۷:۶۲' مشکاۃ المصابیح' حدیث: ۵۲۴۷

۔ یہ روایت مرسل ہے' کیونکہ اس کا آخری راوی امیہ بن عبداللہ بن خالد بن اسید صحابی نہیں' جیسا کہ امام ابن حبان حافظ ابن عبدالبر اور حافظ ابن حجر نے اس کی تصریح کی ہے۔

• [الثقات ۴:۴۰' الاستیعاب: ۸۹' ترجمہ: ۶۷' الاصابۃ ۱:۱۲۷]

۔ یہ روایت معنعن ہے اور اس کا راوی ابو اسحاق سبیعی عمرو بن عبداللہ مدلس ہے۔

[تعریف اہل التقدیس: ۱۰۱' تہذیب التہذیب ۸:۵۹]

(۲) صحیح بخاری' کتاب الجہاد والسیر [۵۶] باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب [۷۶] حدیث: ۲۸۹۶

کو بھیج جس کا ذکر ہم اپنے پاس تورات میں لکھا ہوا پاتے ہیں تا کہ ہم مشرکوں کو ان کے شرک وکفر کی سزا دیں اور ان کے ساتھ قتال کریں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ تو آخری زمانے میں بھیجے جانے والے نبی کے ذریعہ سے ہماری مدد کر جس کی صفت ہم تورات میں لکھی ہوئی پاتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے دشمن مشرکوں کو کہا کرتے تھے کہ ہماری بات کی تصدیق کے لیے آنے والے نبی کا زمانہ قریب آگیا ہے ہم اس کے ساتھ مل کر تمہیں عاد اور اِرم کی طرح قتل کریں گے۔ ابن اسحاق (۱) نے سیرت میں کہا کہ عاصم بن عمر بن قتادۃ نے اپنی قوم کے کچھ لوگوں کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ہمیں دین کی طرف دعوت اور ہدایت ملی۔ ہم بت پرستی کی حالت میں اہل کتاب یہود کے ساتھ جاری جنگوں کے دوران ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کرتے تھے کہ اب ایک نبی کے بھیجے جانے کا وقت قریب آگیا ہے جس کی ساتھ مل کر ہم تمہیں عاد و اِرم کی طرح قتل کریں گے۔“

اس تفصیلی بحث سے ثابت ہوا کہ استفتاح واستنصار نبی کریم ﷺ کے آنے کے بعد ہوگا اور آپ کے ساتھ مل کر قتال کرنا ایک عمل صالح ہے، جس کی ادائیگی وقبولیت کی صورت میں ان کی مدد کی جائے گی۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اور آپ کی حیات سے پہلے آپ کی ذات کا وسیلہ کہاں ہے؟

دوسرا جواب

سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ یہود کا عمل ہے پھر بھی ان کی پیروی اور اقتدا کر کے

---

(۱) محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی، المدنی۔ عرب کے قدیم ترین مؤرخین میں سے ہیں۔ مدینہ منورہ سے تعلق تھا۔ حافظ حدیث تھے۔ ۱۱۹ھ کو اسکندریہ منتقل ہوئے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہاں ۱۵۱ھ = ۷۶۸ء کو وفات پائی۔ [تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۷۳، الاعلام ۶:۲۸]
علماء متفق ہیں کہ مغازی اور تاریخ میں وہی مرجع ہیں لیکن حلال وحرام والی روایتوں میں حجت نہیں۔ بالکل واہی بھی نہیں، بلکہ اُن کی روایت کو استشہاد میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ [تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۷۳]

اس کو دین قرار دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کوئی اپنے امام کی اقتدا کرتا ہے اور اپنے آباء واجداد کے آثار ہی کی پیروی کرتا ہے۔ انہیں ان کے بزرگ مبارک ہوں۔ کیا ہمیں گذشتہ لوگوں کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ اور اس پر عمل کرنے میں ثواب ملے گا؟ کیا بنی اسرائیل نے جو کچھ کیا سب حق ہے؟ اور وہ ہدایتِ مستقیم پر تھے؟ ہم کیسے مان لیں وہ تو اللہ کے کلام میں تحریف کیا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ. [سورۃ المائدۃ ۵:۱۳]

''اور انہوں نے نصیحت کے ایک بڑے حصہ کو بھلا دیا تھا۔''

اور فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا. [سورۃ البقرۃ ۲:۷۹]

''ہلاکت [اور خرابی] ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے معمولی عوض حاصل کریں۔''

انہوں نے تو حرام کو حلال قرار دیا نیز اس میں دینِ منسوخ پر عمل بھی ہے۔ وہ تمام روایات جن میں بحق مخلوق کا ذکر ہے سب یا تو انتہائی ضعیف ہیں یا موضوع۔ اس قسم کی روایات سے استحباب، جواز اور استحسان جیسے احکام ثابت نہیں ہو سکتے تو اصول دین میں سے کوئی قاعدہ کیسے ثابت ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا دین صرف صحیح نص سے ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انبیاء اور مؤمنوں کی دعائیں ذکر کی ہیں تاکہ یہ بھی اُن کی طرح کی دعائیں کریں اور دنیا اور آخرت کی کامرانیاں سمیٹ لیں۔ اُن کی دعاؤں میں کہیں ایک حرف بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس سے کسی غائب کے ذاتی وسیلہ کا استدلال کیا جا سکے۔

انبیاء علیہم السلام کی قرآنی دعائیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے، جن میں کچھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

- سیدنا نوح علیہ السلام کی دعاء: فَدَعَا رَبَّهُ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ. [سورۃ القمر۵۴:۱۰]

"اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہوں تو ہی میرا بدلہ لے۔"

- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعاء: وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ. [سورۃ الشعراء۲۶:۸۷]

"اے میرے رب! مجھے لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن رسوانہ کرنا۔"

- سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعاء: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ.

[سورۃ یونس۱۰:۸۸]

"اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو مٹادے اور ان کے دلوں کو سخت کردے۔"

- سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعاء: رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ. [سورۃ یوسف۱۲:۱۰۱]

"اے میرے رب! تو نے مجھے بادشاہت نصیب فرمائی اور مجھے خوابوں کی تعبیر بتائی اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، تو مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملادے۔"

"اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔"

- سیدنا یونس علیہ السلام کی دعاء: لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ.

[سورۃ الانبیاء۲۱:۸۷]

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں قصوروار ہوں۔"

- سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعاء: رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ.

[سورۃ الانبیاء۲۱:۸۹]

مؤمنین سابقین کی دعاء

- وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. [سورۃ آل عمران ۳:۱۴۷]

''ان کی بات یہی تھی کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ اور دین کے معاملہ میں زیادتیاں بخش دے اور ہمارے قدم مضبوط فرما اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

اصحاب طالوت کی دعاء

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. [سورۃ البقرۃ ۲:۲۵۰]

''اے ہمارے رب! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کفار کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

اللہ تعالیٰ نے راسخین فی العلم کی اس دعاء کا ذکر اس طرح کیا ہے: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. [سورۃ آل عمران ۳:۸]

''اے ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دیجیے اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما۔ تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔''

قاعدہ

بہت سی اشیاء ایسی ہیں جن کی نصوص شرعیہ میں ایک مقام پر مخلوق سے نفی اور دوسرے مقام پر ان ہی کے لیے اثبات ہوتا ہے جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور ٹیڑھا پن ہو تو وہ حق و باطل کو آپس میں ملا کر اور ان میں گڈمڈ کر کے آیات و دلائل میں الحاد کا ارتکاب کرتے ہیں حالانکہ ایسی صورتوں میں اثبات، لغوی اور مجازی معنیٰ کے اعتبار سے ہوتا ہے اور نفی شرعی معنیٰ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے مدد مانگنے کی نفی کی ہے کہ ان سے مدد مانگنا صحیح نہیں اور نہ ہی ان کی طرف اس کی اضافت کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ. [سورۃ الانفال ۸:۹]

''اور جب تم اپنے رب کے سامنے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعاء قبول کی۔''

اور فرمایا: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ. [سورۃ آل عمران ۳:۱۲۶]

''اور غلبہ تو اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔''

اور فرمایا: وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ. [سورۃ آل عمران ۳:۱۳۵]

''اور اللہ کے سوا کوئی بھی گناہوں کو نہیں بخشتا۔''

اور رسول اللہ ﷺ سے رمی [پھینکنے] کی نفی فرمائی حالانکہ اُنہوں نے رمی کی تھی:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. [سورۃ الانفال ۸:۱۷]

''اور تم نے جب مٹی پھینکی تو کفار تک آپ نے نہیں پہنچائی تھی ان تک اللہ نے پہنچائی تھی۔''

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ سے ہدایت کی نفی فرمائی حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہادی ہیں: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ. [سورۃ القصص ۲۸:۵۶]

''بے شک تم جسے چاہو، ہدایت نہیں کر سکتے لیکن جسے اللہ چاہتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے۔''

ایک مقام پر مخلوق کے لیے تعاون ثابت کیا اور فرمایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. [سورۃ المائدۃ ۵:۲]

''اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔''

اور فرمایا: وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ. [سورۃ الانفال ۸:۷۲]

''اور اگر وہ تم سے دین میں مدد مانگیں تم پر ان کی مدد کرنا لازمی ہے۔''

اور فرمایا: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ. [سورۃ البقرۃ ۲:۴۵]

''اور تم صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو۔''

توحید کے لیے حقیقی شرعی معنیٰ کے اعتبار سے اسباب ظاہریہ سے مافوق امور میں نفی کی گئی ہے اور جہاں کسی مخلوق کی طرف نسبت کی جاتی ہے وہاں ظاہری اسباب کے تحت امور مراد ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں لوگ تین حصوں میں بٹ گئے:

۔ بعض نے تو بندوں سے مطلقاً نفی کرتے ہوئے انسان کو مجبور محض قرار دیا جیسے خوارج اور معتزلہ نے شفاعت کا مطلقاً انکار کیا۔

۔ بعض نے ان الفاظ کو مطلقاً ہر کسی کے لیے ثابت کیا جیسے مشرکین، گمراہوں اور مبتدعین نے غیر اللہ کے لیے مدد مانگنا ثابت کرنے کی کوشش کی، خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔

۔ اور مؤحدین نے مخلوق کے لیے وہ کچھ ثابت کیا جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے ظاہری اسباب کے تحت ثابت کیا ہے اور ان سے اُن چیزوں کی نفی کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ان سے حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے نفی کی ہے۔ جس چیز میں مجازی معنیٰ صحیح ہو وہاں لغوی مجازی معنیٰ ثابت کرنا شرک نہیں۔ جاہلوں نے افعال کے معانی میں فرق نہیں کیا جس طرح مستغیث اور داعی میں فرق نہیں کیا۔ مُسْتَغِيثٌ وہ ہوتا ہے جو مدعو کو بلاتا ہے اور استغاثہ اغاثہ سے ہے۔ أَغَاثَهُ إِغَاثَةً وَغَوْثًا کا معنیٰ ہے: اس کی فریادرسی کی۔ یہ اسم مجیب مستجیب کے معنیٰ میں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ. [سورۃ الانفال ۹:۸]

''جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اُس نے تمہاری دعاء قبول کر لی۔''

استغاثہ حقیقی شرعی معنیٰ میں مخلوق سے نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی علی الاطلاق غیاث اور مغیث یعنی فریادرس نہیں ہے۔ یہی معنیٰ اس حدیث کا ہے جسے امام طبرانی نے اپنے معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک منافق مؤمنوں کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قُومُوا نَسْتَغِيثُ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ هٰذَا الْمُنَافِقِ فقال رسول اللّٰه ﷺ: إنه لا يُسْتَغَاثُ بِي إِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ (۱).

(۱) امام طبرانی کی مطبوعہ کتابوں میں یہ روایت نہیں ملتی۔ ممکن ہے اُن کے مفقود اجزاء میں موجود ہو اس لیے کہ حافظ ابن کثیر نے جامع المسانید والسنن ۴: ۵٦۸ میں اور حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد ۱۰: ۱۵۹ میں امام طبرانی کے حوالے سے اسے نقل کیا ہے جب کہ حافظ ابن کثیر نے اسے مذکورہ الفاظ میں اس سند......

''اٹھو! رسول اللہ ﷺ سے اس منافق کے مقابلے میں مدد چاہیں تو آپ نے فرمایا: مجھ سے نہیں مانگی جا سکتی۔ مدد تو اللہ تعالیٰ سے ہی سے مانگی جاتی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے وہ معنیٰ مراد لیا جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں ہے۔

ابو یزید بسطامی کے اِس قول کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ:

إستِغَاثَةُ الْمَخْلُوقِ بِالْمَخلوق كَإستِغَاثة الغَرِيق بِالغَرِيق (۱)۔

''مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا ایسا ہے جیسے ایک ڈوبنے والا دوسرے ڈوبنے والے سے مدد طلب کرے۔''

شیخ ابو عبداللہ قریشی (۲) کہتے ہیں: إستِغَاثَةُ الْمَخلُوق بِالْمَخلُوق كَإستغَاثَة

...... کے ساتھ نقل کیا ہے: احمد بن حماد بن زُغبۃ مصری' از سعید بن عُفیر' از ابن لہیعہ' از حارث بن یزید' از علی بن رباح از سیدنا عبادۃ بن الصامت ﷺ۔ [جامع المسانید والسنن ۴: ۵۶۸' حدیث: ۵۷۸۰]

یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں جس سند میں یہ موجود ہوں وہ قابل استدلال واحتجاج نہیں ہوتی۔ [المدخل إلى معرفة الصّحيح من السّقيم ۱: ۲۲۸' ترجمہ: ۱۳۱]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قاضی اور صدوق تھے مگر کتابیں جل جانے کے بعد اختلاط کا شکار ہو گئے۔ [تقریب التہذیب: ۳۲۸' ترجمہ: ۳۵۸۷]

اس روایت کو امام احمد نے بھی ابن لہیعہ' از حارث بن یزید' از علی بن رباح از شخص نامعلوم از سیدنا عبادۃ بن الصامت ﷺ۔ ان الفاظ میں نقل کیا ہے: قُومُوا نَستَغِيثُ بِرسولِ اللهِ ﷺ مِن هذا المُنافِقِ فقال رسول الله ﷺ: إنه لايُقامُ لِي إنَّما يُقامُ لِلّهِ. [مسند احمد ۳۷: ۳۸۰-۳۸۱' حدیث: ۲۲۷۰۶]

اس سند میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ الفاظ میں اختلاف واضطراب کے ساتھ اس کی سند میں اُس شخص کا نام نہیں لیا گیا ہے' جس نے یہ روایت سیدنا عبادۃ بن الصامت ﷺ سے سنی ہے اور یہی بات اس روایت کو ضعیف بنا دیتی ہے۔

(۱) کتاب الرد علی البکری ۱: ۴۲۱: ۲: ۵۹۳

(۲) ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن احمد قریشی ہاشمی۔ اکابر سادات میں سے ہیں۔ اصلاً اندلس سے تعلق تھا۔ مصر منتقل ہوئے۔ صاحب خوارق تھے۔ ۱۶ ذی الحجہ ۵۹۹ھ کو وفات پائی۔ [الانس الجلیل ......

الْمَسْجُون بِالْمَسجُون (1).

"مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا ایسا ہے جیسے ایک قیدی دوسرے قیدی سے مدد مانگ رہا ہو کہ مجھے آزاد کر دے۔"

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعاء میں ہے کہ: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَ إِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَ أَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَ إِلَيْكَ الْمُسْتَغَاثُ وَ عَلَيْكَ التُّكْلَانُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ (2).

"اے اللہ! تیرے لیے ہی تعریفیں ہیں اور تیرے سامنے ہی شکایت ہے۔ تو ہی مدد کرنے والا ہے اور تیرے ہی سامنے فریاد ہے اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی برائی سے بچانے والا اور نیکی کی طاقت دینے والا نہیں ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے فرمان: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ سے بھی یہی استغاثہ مراد ہے۔ جو کوئی اس معنیٰ میں مخلوق کے سامنے فریاد کرے یا مدد مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہا ہے رسول اللہ ﷺ نے تو ایک شخص کو جب اس نے مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ کہا تو فرمایا:

أَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ (3).

"کیا تو نے مجھے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا دیا بلکہ تو ایسا کہہ کہ جو اکیلا اللہ چاہے گا وہی کچھ ہو گا۔"

...... فی تاریخ القدس والخلیل ۲: ۱۴۵ مجیر الدین حنبلی علیمی، تحقیق: عدنان یونس عبد المجید نباتہ، مکتبہ دندیس عمان ۱۴۲۰ھ = ۱۹۹۹ء]

(۱) کتاب الرد علی البکری ۱: ۴۲۱؛ ابو عبد الرحمٰن السلمی نے اس قول کو حمدون قصار کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے۔ [حقائق التفسیر ۲: ۸ بذیل تفسیر سورۃ الانبیاء ۲۱: ۶۶ ابو عبد الرحمٰن محمد بن حسین بن موسیٰ السلمی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱ء]

(۲) قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ: ۱۳۶

(۳) عمل الیوم واللیلۃ ۶: ۵۴۶ حدیث: ۹۸۸ احمد بن شعیب نسائی، دراسۃ و تحقیق: ڈاکٹر فاروق حمادۃ، الرئاسۃ العامۃ للافتاء والبحوث والدعوۃ والنشر بالمملکۃ العربیۃ السعودیۃ ۱۴۰۱ھ = ۱۹۸۱ء

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: لَا تَقُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشَآءَ مُحَمَّدٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ مَا شَآءَ مُحَمَّدٌ (۱)

''تم ایسا نہ کہا کرو کہ جو اللہ اور محمد [ﷺ] چاہے گا وہی کچھ ہوگا لیکن کہو جو اللہ چاہے گا پھر جو محمد [ﷺ] چاہیں گے، وہی ہوگا۔''

اور فرمایا کہ: مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ (۲)

''جس نے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی قسم کھائی تو بے شک اس نے شرک کیا۔''

امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ: إنّ النبي ﷺ أتيَ بأسير فقال: أللهم إني أتوب إليك، ولا أتوب إلى محمد، فقال النبي ﷺ: عَرَفَ الْحَقَّ لأَهْلِهِ (۳)

''نبی کریم ﷺ کے پاس ایک قیدی لایا گیا تو اس نے کہا: اے اللہ! میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ محمد ﷺ کے سامنے توبہ نہیں کرتا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے حق دار کا حق پہچان لیا۔''

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ: کان النبي ﷺ یعلم أصحابه بتجرید التوحید فقال: لا تقولوا ماشاء الله وشاء محمد، ولکن قولوا: ماشاء الله ثم ما شآء محمد (۴)

''رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو توحید کو خالص کرنا سکھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے تم ایسا نہ کہا کرو کہ جو اللہ اور محمد [ﷺ] چاہے گا وہی کچھ ہوگا لیکن کہو جو اللہ چاہے گا پھر جو محمد [ﷺ] چاہیں گے وہی ہوگا۔

ان الفاظ کی نسبت مخلوق کی طرف اسباب ظاہریہ کے تحت مجازی معنیٰ میں صحیح ہے۔ جیسے وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ [سورۃ الانفال ۸:۷۲] اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا

---

(۱) سنن ابن ماجہ، ابواب الکفارات [۱۲] باب النھی ان یقال ماشاء اللہ وشئت [۱۳] حدیث: ۲۱۱۸

(۲) سنن ابی داود، کتاب الایمان والنذور [۲۱] باب کراہیۃ الحلف بالآباء [۴] حدیث: ۳۲۵۱

(۳) مسند احمد ۲۴: ۳۵۳، حدیث: ۱۵۵۸۷

(۴) کتاب الرد علی البکری ۲: ۶۵۰

سیدنا عباس ﷛ کا وسیلہ پیش کرنا۔ یا اس سے مراد توسل بالدعاء ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ (۱).

''تمہاری جو مدد کی جاتی ہے اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہے۔''

ان سب میں ان کی دعاء ہی کا وسیلہ مراد ہے۔ اسی طرح نابینا کا رسول اللہ ﷺ کی دعاء کا وسیلہ بھی ہے۔ جب مطلوب منہ زندہ اور حاضر ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں اور جب مطلوب منہ مردہ یا غائب ہو تو اس کے ممنوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

۱۹- انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلے کی حقیقت

کہتے ہیں کہ لوگ انبیاء علیہم السلام کا وسیلہ پیش کریں گے؟

جواب

یہ استشفاع قیامت کے روز سخت خوف اور گھبراہٹ کے وقت ہوگا جب لوگ شدت سے نجات کی خاطر انبیاء علیہم السلام سے شفاعت کا مطالبہ کرنے کے لیے جائیں گے۔ سیدنا آدم علیہ السلام پھر سیدنا نوح علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کے بعد سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس جائیں گے تو آپ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اور طویل مناجات کریں گے یہاں تک کہ آپ کو کہا جائے گا: اِشْفَعْ تُشَفَّعْ (۲)

''آپ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔''

احادیث شفاعت میں بجائے خود میت اور غائبین کی شفاعت کے قائل مخالفین کا رد ہے کیوں کہ یہ استشفاع حاضرین کی جانب سے دعاء کے مطالبہ کی صورت میں ہوگا۔ حدیث

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر [۵۶] باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب [۷۶] حدیث: ۲۸۹۶.

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان [۱] باب ادنیٰ اہل الجنۃ منزلۃ فیہا [۸۴] حدیث: ۴۸۰.

میں ان کو بڑی ہولنا کیوں سے راحت دینے اور سیدنا آدم، سیدنا نوح اور سیدنا محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہم سے راحت دسکون بخشنے اور جنت میں داخل کرنے کے مطالبہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی احادیثِ شفاعت میں مخالفین پر کئی طرح سے رد ہے۔ مثلاً:

- اس میں غائبین کے بجائے حاضرین سے شفاعت اور دعاء کا مطالبہ ہے' اگر غائبین سے استعانت واستغاثہ جائز ہوتا تو لوگ کبھی بھی ان کے پاس نہ جاتے بلکہ دور ہی سے ان کو پکارتے۔
- حدیث میں صرف دعاء ہی کا مطالبہ ہے۔ کسی نبی کے حق کا ذکر نہیں ہے۔
- اس حدیث میں انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ قول بھی ہے کہ:

لَسْتُ هُنَاكُمْ إِذْهَبُوْا (۱).

''مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا تم [فلاں نبی کے پاس] جاؤ۔''

یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے۔ وہ سب ڈرے ہوئے ہوں گے ان میں بات کرنے کی سکت نہیں ہوگی۔

ہمارے دور کے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے وہ اپنے آپ کو ہر قبر اور ہر مرے ہوئے کے سامنے ڈال رہے ہیں اور اُن کی منت سماجت کر کے ہر صاحبِ قبر کو پکارتے ہیں؟

- اس حدیث میں زندوں اور پاس موجود اہل خیر سے شفاعت کی درخواست ہے، جس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔

۲۰- سیدنا آدم علیہ السلام، جنت اور دوزخ کا سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے پیدا ہونا

ایک شبہ یہ بھی ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام، جنت اور دوزخ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے پیدا

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان [۱] باب ادنیٰ اہل الجنۃ منزلۃ فیہا [۸۴] حدیث: ۴۸۰

ہوئے' اس لیے کہ امام حاکم نے اس سند کے ساتھ روایت کی ہے: علی بن حمشاذ العدل' از ہارون بن عباس ہاشمی' از جندل بن والق' از عمرو بن اوس انصاری' از سعید بن ابی عروبۃ از قتادہ از سعید بن مسیب از سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ آپ فرماتے ہیں:

أوحَى اللهُ إلى عيسى عليه السلام: آمِن بمحمدٍ' وأمُرْ مَن أدرَكه مِن أُمَّتِكَ أن يؤمنوا به فإنه لولا مُحَمَّدٌ ما خلقتُ آدم' ولولاهُ مَا خَلقْتُ الجنّةَ ولا النَّارَ(۱).

"اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! محمد [ﷺ] پر ایمان لے آؤ اور اپنی امت سے کہو کہ ان میں سے جو کوئی بھی اُن کا زمانہ پائے تو اُن پر ایمان لائے کیوں کہ اگر محمد [ﷺ] نہ ہوتے تو میں آدم [علیہ السلام] اور جنت و جہنم کو بھی پیدا نہ کرتا۔"

حافظ ذہبی نے المستدرک کی تلخیص میں لکھا ہے کہ: أَظُنُّهُ مَوْضُوْعًا عَلَى سَعِيْدٍ(۲).

---

(۱) المستدرک ۲: ۶۱۴-۶۱۵ (۲) تلخیص المستدرک ۲: ۶۱۵

حافظ ذہبی کے اس استدراک پر استدراک کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے لکھا ہے:

"حافظ ذہبی اگرچہ فرماتے ہیں: "أَظُنُّهُ مَوْضُوْعًا عَلَى سَعِيْدٍ" لیکن کوئی وجہ اپنے گمان کی تائید میں بیان نہیں فرما سکے۔"

[ماہ نامہ بینات' کراچی' جلد: ۸۰' شمارہ: ۵' مارچ ۲۰۱۷ء = جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ' ص: ۱۳]

حافظ ذہبی نے ایک دوسری جگہ عمرو بن اوس انصاری کے ترجمہ کے تحت لکھا ہے کہ: يُجْهَلُ حالُه أتى بخبرٍ منكرٍ' أخرجه الحاكم في مستدركه وأظنه موضوعًا من طريق جندل بن والق.

[میزان الاعتدال ۳: ۲۴۶' ترجمہ: ۶۳۳۰]

"عمرو بن اوس مجہول الحال راوی ہے' اُس نے ایک منکر روایت بیان کی ہے جسے امام حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ روایت جندل بن والق کے طریق سے موضوع ہے۔"

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز سے اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تھا جس کا جواب انہوں نے یہ دیا تھا: هذا يُنقَلُ مِن كلامِ بعضِ العامة وهم لا يفهمون يقول بعضُ النّاسِ إنَّ الدنيا خُلِقَتْ من أجلِ محمدٍ ﷺ ولولا محمدٌ ﷺ ما خُلِقَتِ الدُّنيا ولا خُلِقَ النَّاسُ' وهذا باطلٌ لا أصلَ له' وهذا كلامٌ فاسدٌ' فالله خلق الخلق لِيُعرَفَ بأسمائه وصفاته وبقدرته وعلمه وليُعبَدَ وحده.....

"میرا خیال ہے کہ یہ کسی نے گھڑ کر سعید کی طرف منسوب کی ہے۔"

سند پر کلام

- علی بن حمشاذ، امام حاکم کے استاذ ہیں جن کی وہ بہت تعریفیں کرتے ہیں (۱)۔

- ہارون بن عباس ہاشمی ثقہ ہیں (۲)۔

- جندل بن والق کے بارے میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ صدوق ہیں۔ غلطی اور تصحیف کا شکار ہوتے ہیں۔ محدثین کے دسویں طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ۲۲۶ھ میں وفات پا گئے۔ امام مسلم نے الکنیٰ میں لکھا ہے کہ متروک ہے (۳)۔ امام بزار نے کتاب السنن میں کہا ہے

...... لا شريك له ويُطاعُ سبحانه وتعالى لا من أجل محمد ﷺ ولا من أجل موسى عليه السلام ولا عيسى عليه السلام ولا غيرهم من الأنبياء بل خلق الله الخلق ليُعْبَدَ وحدهُ لا شريك له.

[فتاوی نور علی الدرب ۱:۷۵-۷۶]

"اسے بعض عوام اور فہم نہ رکھنے والے لوگوں سے نقل کیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ساری کائنات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے وجود میں لائی گئی ہے اور اگر آپ نہ ہوتے تو نہ تو دنیا پیدا ہوتی اور نہ لوگ پیدا ہوئے ہوتے' حالانکہ یہ بات باطل اور بے اصل و اساس ہے اور یہ ایک فاسد کلام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اسماء، صفات' اس کی قدرت اور اس کے علم کی معرفت حاصل ہو جائے اور تا کہ اکیلے اُس کی عبادت ہو اور اُس کی اطاعت کی جائے اُس نے کائنات کو نہ تو سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے پیدا کی اور نہ سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام اور نہ ہی کسی اور نبی کی وجہ سے بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اس لیے پیدا کیا کہ اکیلے اُس کی عبادت ہو اور اُس کا کوئی شریک نہ ہو۔"

(۱) سیر اعلام النبلاء ۱۵: ۳۹۸ و ما بعد' ترجمہ: ۲۲۱

(۲) تاریخ الاسلام ۷: ۲۱۳' ترجمہ: ۲۸/۸۷۴ ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء

(۳) امام مسلم نے الکنیٰ میں ان کا ذکر ضرور کیا ہے لیکن یہ حکم وہاں موجود نہیں۔ الکنیٰ کے محقق نے وہاں ... قلت: لم أجد هذا الحكم في النُّسخ الموجودة بحوزتي ولعله انتقل ذهنه إلى ...

[حاشیہ الکنیٰ ۱: ۵۵۹' ترجمہ: ۲۲۶۲]

کہ قوی نہیں ہے (۱)(۲)۔

- عمرو بن اوس: حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ یہ مجہول الحال ہے اور اس نے منکر روایت بیان کی ہے جسے حاکم نے مستدرک میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

أوحى الله إلى عيسى: امن بمحمد فلولاه ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار.

میرا گمان ہے کہ یہ جندل بن والق کے طریق سے موضوع ہے (۳)۔

اس حدیث پر وضع کے آثار واضح ہیں اس لیے کہ:

- اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو عدل کے لیے پیدا کیے ہیں۔

- سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایجاد کی علت ہونا اس لیے صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. [سورۃ الذاریات ۵۱:۵۶]

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''

- اگر جنت و جہنم اور ساری مخلوق سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے پیدا کی گئی ہیں تو آپ کس لیے پیدا کیے گئے ہیں؟

- اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو رسالت دے کر رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا۔ کیا فرعون، ابو جہل اور دوسرے کفار کو عذاب بھی آپ ہی کی وجہ سے ہوگا جو رحمت کے خلاف ہے۔ اگر ہم اسے صحیح مان لیں تو اس معنیٰ کے لحاظ سے حدیث شر الاقاویل کے زمرہ میں داخل ہو جائے گی اور اس سے رسول اللہ ﷺ کی شان کی تنقیص، بے عزتی، آپ کی کریم ذات کی تحقیر

''میں [الکنی کا محقق] کہتا ہوں کہ اس کتاب کے جو نسخے میرے اردگرد موجود ہیں، مجھے یہ حکم ان میں نہیں ملا اور شاید ان کا ذہن آئندہ والے ترجمہ کی طرف منتقل ہو گیا ہو۔''

آئندہ ترجمہ: ۱۲۲۶۳ ابو علی حسن بن عمرو بن سیف عبدی بصری کا ہے جسے امام مسلم نے متروک کہا ہے۔

(۱) بزار کی طرف منسوب یہ قول حافظ ابن حجر کے علاوہ کسی اور کے ہاں نہیں ملتا۔

(۲) تہذیب التہذیب ۸:۱۰۸-۱۰۹ ترجمہ: ۱۰۳۸

(۳) میزان الاعتدال ۳:۲۰۶، ترجمہ: ۶۳۳۰، لسان المیزان ۴:۳۵۴، ترجمہ: ۱۰۴۰

اور آپ کی شان میں گستاخی قرار پائے گی، جس سے ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگتے ہیں۔
اگر ہم اس کو صحیح تسلیم بھی کر لیں تو اس سے قبروں کی مجاوری و اعتکاف اور مرے ہوئے بزرگوں کو پکارنا کیسے ثابت ہوا؟ نیز اس میں وسیلہ بنانے کا کوئی حکم بھی نہیں ہے اس سے تو صرف فضیلت ہی ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو ساری مخلوق سے افضل ہیں جس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ آپ سے مانگنا عزت و توقیر میں شامل نہیں ہے۔

۲۱- شہداء زندہ ہیں اس لیے ہم اُنہیں پکارتے ہیں

کہتے ہیں کہ شہداء زندہ ہیں اس لیے ہم ان کو پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ . [سورۃ آل عمران ۳:۱۶۹]
''اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔''

جواب

آیت میں ان ہی پر رد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عِندَ رَبِّهِمْ فرمایا ہے۔ عِندَهُمْ نہیں فرمایا(۱)۔ یعنی: وہ اپنے رب کے پاس خوشی و سرور میں قیام پذیر ہیں۔ لوگوں کے پاس اس دنیا میں نہیں ہیں کہ انہیں پکارا جائے یا دنیا والوں کی باتیں سن سکیں۔

---

(۱) امام کاسانی حنفی لکھتے ہیں: إنما وَصَفَهُم بالحَيَاةِ في أحكام الآخرة الأخرى إلى قوله: بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فأما في أحكام الدنيا فالشهيد ميت يقسم ماله وتنكح امرأته بعد انقضاء العدة ووجوب الصلاة عليه من أحكام الدنيا فكان ميتاً فيه فيصلي عليه.
[بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲:۳۷۰]
''اُخروی احکام کے لحاظ سے انہیں حیات سے متصف کیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے جس میں فرماتے ہیں کہ ''اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔'' رہے دنیا کے اَحکام کے لحاظ سے، سو شہید تو وفات پا چکا ہے۔ اُس کی میراث تقسیم کی جاتی ہے۔ عدت گزر جانے کے بعد اُس کی بیوی سے نکاح کیا جاتا ہے اور اُس پر جنازہ پڑھنا ایک دنیاوی امر ہے اس لیے مر جانے کے بعد اُس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔''

-اگر شہید دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہوتے تو ان کی بیویوں کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوتا اور نہ ہی ان کے مال وراثت کی تقسیم صحیح ہوتی۔

-ہر شے کی حیات اُس کے شان کے مطابق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. [سورة الروم ۳۰:۵۰]

''وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔''

زمین کی حیات اُس کی شان کے مطابق ہوگی۔ زمین نہ تو کچھ سنتی ہے اور نہ کچھ دیکھتی ہے۔

-صحابہ کرام ﷡ نبی کریم ﷺ سے زندگی میں خطاب کیا کرتے تھے۔ وفات کے بعد ان کا نبی کریم ﷺ سے خطاب کرنا ثابت نہیں۔

۲۲-امام مالک نے منصور کو نبی کریم ﷺ کے وسیلہ کا حکم دیا

وسیلہ کے بارے میں اس روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ امام مالک نے خلیفہ منصور کو نبی کریم ﷺ کے وسیلہ کا حکم دیا۔ قاضی عیاض کی کتاب الشفاء میں مذکور ہے کہ

وهو وَسيلتُك وأبيك آدم إلى الله يوم القيامة (۱).

''وہ قیامت کے دن تیرے اور تیرے باپ سیدنا آدم ﷤ کے وسیلہ ہیں۔''

---

(۱) اس روایت کی طرف اشارہ ہے: لِمَ تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك و وسيلة أبيك آدم ﷤ إلى الله يوم القيامة، بل ستقبله واستشفع به فيشفعه الله، قال الله: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنفُسَهُم. [الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۲:۳۳ طبع قدیم، ۲:۴۵ طبع جدید، ترتیب المدارک ۱:۱۱۴]

''تم اپنا چہرہ اُن سے کیوں پھیرتے ہو وہ تو اللہ کے دربار میں قیامت کے روز تیرے اور تیرے دادا آدم ﷤ کا وسیلہ ہیں، اُن کے قبر کی طرف منہ کر کے دعاء کرو اور اُن سے سفارش کراؤ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی سفارش قبول کرے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے پاس آ کر اپنی غلطی کی معافی طلب کریں اور رسول بھی اُن کے لیے مغفرت طلب کریں تو یہ اللہ کو ضرور توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔''

جواب

قاضی عیاض نے اس روایت کی سند اس طرح ذکر کی ہے: مجھے قاضی ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الاشعری اور ابوالقاسم احمد بن تقی الحاکم نے یہ بات بتائی، انہیں ابوالعباس احمد بن عمر بن دلہاث نے، انہیں ابوالحسن علی بن فہر نے، انہیں ابوالحسن عبداللہ بن المنتاب نے، انہیں یعقوب بن اسحاق بن اسرائیل نے، انہیں ابن حمید نے یہ بات بتادی کہ ابوجعفر المنصور سے امام مالک نے فرمایا کہ...... بَلِ استقبله و استشفع به.

''بلکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رخ کر کے اُن سے شفاعت طلب کر۔''

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اس کا جواب دو طرح سے ہے:

أحدهما: المطالبة بصحة هذه الحكاية وليس معه ولا مع مَن ينقلها بها إسناد صحيح ولا ضعيف، و إنما غايته أن يعزوها إلى الشفا أو إلى مَن نقلها منه، و كل عالم بالحديث يعلم أن في هذا الكتاب من الأحاديث والآثار ما ليس له أصل ولا يجوز الإعتماد عليه فإذا قال القاضي عياض: ذَكَرَه فُلانٌ في كتابه، فهو الصادق في خطابه و إذا لم يذكره من أين نقله لم نَتَّهِمْهُ ولكن نَتَّهِمُ مَن فوقه، و قد رأيناه ينقل من كتب فيها كذبٌ كثيرة هو صادقٌ في نقله لكن ما فوقه لا يجوز الإعتماد عليهم (۱).

''پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہم اس حکایت کے صحیح ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس کے ناقلین کے پاس اس کی کوئی صحیح یا ضعیف سند بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ شفا سے منسوب کر کے اس کا ذکر کیا جاتا ہے یا جہاں سے اس نے [قاضی عیاض] نقل کیا ہے اس کا حوالہ دیتے ہیں اور حدیث کا ہر عالم جانتا ہے کہ اس کتاب [قاضی عیاض کی شفا] میں کئی بے اصل و اساس

---

(۱) کتاب الرد علی البکری ۱: ۱۸۵-۱۸۶

احادیث وآثار موجود ہیں اُن پر اعتماد جائز نہیں جب قاضی عیاض ذَكَرَهُ فُلَانٌ فِي كِتَابِهِ کہیں تو اس صورت میں وہ اپنے قول میں سچے ہوتے ہیں [یعنی: اُنہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر لی اور سبک دوش ہو گئے] اور جب یہ نہ بتائیں کہ کہاں سے نقل کیا ہے تو اس صورت میں ہم اسے متہم [بدنام] نہیں کرتے بلکہ ہم اس سے اوپر والوں کو متہم کریں گے۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ وہ ایسی کتب سے نقل کرتے ہیں جن میں جھوٹ بہت زیادہ ہے۔ وہ ان سے نقل کرنے میں سچے ہیں لیکن ان سے اوپر والوں پر اعتماد درست نہیں ہے۔''

اس کہانی کے رواۃ کی تحقیق

محض ایک قصہ کی روایت کو دلیل بنا کر اپنایا نہیں جا سکتا۔ قاضی عیاض اور یعقوب بن اسحاق بن اسرائیل کے درمیان کے سارے راوی مجہول ہیں اور علم اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس کہانی سے استدلال کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ پہلے اس کو ثابت کریں اور اس کی حقیقت ظاہر کریں، تب اس سے استدلال کریں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ امام مالک سے روایت کرنے والا راوی محمد بن حمید بھی مختلف فیہ ہے کہ وہ محمد بن حمید رازی ہیں یا محمد بن حمید الیشکری البصری؟ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور علامہ ابن عبد الہادی اور ان کے اَتباع کے قول کے مطابق یہ محمد بن حمید رازی ہیں جب کہ علامہ تقی الدین السبکی نے شفاء السقام میں محمد بن حمید معمری بصری بتایا ہے[1]۔ اس سند میں دونوں کا احتمال ہے۔ حدیث کو صحیح قرار دینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ابن حمید کا تعین کریں کیوں کہ ان میں سے ایک ضعیف ہے جس کو اکثر نے واہی، گھڑنتو اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والا کہا ہے۔ بعض نے تو اسے کثیر المناکیر کہا ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی حدیث محلِ نظر ہوتی ہے۔ امام نسائی نے کہا ہے کہ ثقہ نہیں ہے۔ امام جوزجانی

---

(۱) شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ﷺ: ۳۵۱

نے کہا: ردی المذہب ہے اور ثقہ نہیں۔ امام سفیان نے کہا ہم اس کو متہم سمجھتے ہیں اور کہا میں نے اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں جری کوئی نہیں پایا لوگوں کی احادیث لے کر سند میں تبدیلی کیا کرتا تھا اور کہا میں نے دو آدمیوں سلیمان بن شاذ کونی اور محمد بن حمید سے بڑھ کر کسی کو جھوٹ میں ماہر نہیں پایا۔ امام ابوزرعۃ کہتے ہیں: یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولا کرتا تھا۔ ''رَے'' کے حفاظ حدیث کا اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔ وہ اَن سنی بات کو بھی بیان کر دیتا تھا۔ محدث ابن خراش قسم اُٹھا کر اسے کذاب کہا کرتے تھے۔ امام نسائی کہتے ہیں: کذاب تھا۔ امام بخاری اور دیگر محدثین نے اس کا سن وفات ۲۴۸ھ بتایا ہے[1]۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس کی وفات ۲۴۸ھ میں ہوئی جب کہ امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ معلوم نہیں کہ اس نے ۶۹ سال عمر پائی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس نے روم سے امام مالک کے مولد اور مسکن مدینہ منورہ کی طرف کیسے سفر کیا اور آپ سے کیسے علم حاصل کیا؟ ابوجعفر منصور کی وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی۔ اس طرح ۸۹ سال کا عرصہ بنتا ہے ابن حمید کیسے اتنی عمر زندہ رہا اور امام مالک اور منصور کے مناظرہ میں حاضر ہوا؟ یہ اس روایت کے جھوٹا اور ضعیف ہونے کی علامات ہیں۔ اگر محمد بن حمید اَلْمَعْمَرِي ہو جیسا کہ علامہ سبکی کا خیال ہے کہ:

أَظُنُّ أَنَّهُ أَبُو سُفْيَان محمد بن حُمَيْد المَعْمَرِيُّ[2]

''میرا خیال ہے کہ یہ ابوسفیان محمد بن حمید معمری ہے۔''

انہوں نے خود بھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا تو اس روایت پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟ علامہ سبکی نے بھی سند کے باقی راویوں کی تعدیل و توثیق نہیں کی۔ اسماء الرجال کا علم رکھنے والے اس سے بخوبی واقف ہیں کہ اس فن کے شناسا علماء ہر ہر راوی کے خاندان تک کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کسی راوی کے شاگرد اور اساتذہ کون کون ہیں لیکن کسی بھی محدث نے محمد بن

(۱) تہذیب التہذیب ۹:۱۰۸ و مابعد ترجمہ: ۶۰۸۱

(۲) شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ﷺ: ۳۵۱

حمید کو امام مالک سے روایت کرنے والوں میں ذکر نہیں کیا اور نہ ہی کسی نے اس کے شیوخ میں امام مالک کا ذکر کیا ہے۔ اگر ہم علامہ سبکی کی بات کو مان بھی لیں تب بھی سند معلول ہی رہے گی اس لیے کہ تہذیب التہذیب کے مطابق اس حکایت کو روایت کرنے والے یعقوب بن اسحاق بن اسرائیل کی پیدائش سے پہلے ہی محمد بن حمید معمری بصری کی وفات ۱۸۲ھ میں ہو چکی تھی (۱)۔

حافظ ابن عبد الہادی نے کتاب الصارم المنکی میں ذکر کیا کہ اس حکایت کے راوی محمد بن حمید یعمری یشکری بصری:

مَاتَ قَبلَ أنْ يُولَدَ يعقوب بن إسحاق بن أبي إسرائيل (۲).

''یعقوب بن اسحاق بن اسرائیل کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔''

کسی نے بھی اس کی پیدائش اور وفات کی تاریخ کا ذکر نہیں کیا۔ طبرانی نے اس سے روایت کی ہے جب کہ امام طبرانی ۲۶۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۶۰ھ کو وفات پا گئے۔ امام طبرانی کی پیدائش اور ابن حمید کی وفات کے درمیان ۷۸ سال کا عرصہ ہے۔ اس بڑی مدت کے فرق کی صورت میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ محمد بن حمید نے یعقوب بن اسحاق بن اسرائیل سے حدیث سنی ہو؟ یہ سند مذکورہ وجوہ سے مردود ہے۔

اس روایت کے ضعف کی دیگر وجوہ

اب ہم اس کے علاوہ دیگر وجوہات کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

---

(۱) تہذیب التہذیب ۹:۱۱۱، ترجمہ: ۶۰۸۲

(۲) علامہ ابن عبد الہادی لکھتے ہیں: إنَّ محمد بن حميد المعمري رجل مُتَقَدِّمٌ لم يدرك يعقوب بن اسحاق بن أبي إسرائيل راوي الحكاية عن ابن حميد، بل بينهما مفازةٌ بعيدةٌ ...... وتُوُفِّيَ سنة اثنتين وثمانين ومائة قبل أن يولد يعقوب بن إسحاق بن أبي إسرائيل. [الصارم المنکی فی الرد علی السبکی: ۶۹۷]

--۱: قاضی عیاض سے یعقوب بن اسحاق تک کے راویوں کا مجہول ہونا

--۲: یعقوب کی توثیق وتضعیف اور ولادت ووفات کا ذکر کسی نے بھی نہیں کیا کہ ہم کوئی صحیح فیصلہ کرسکیں کہ اس نے محمد بن حمید سے کوئی روایت سنی ہے؟

--۳: ابن حمید کا مجہول ہونا! کہ وہ کون سا ہے؟ محمد بن حمید رازی ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے کہا۔ یہی محمد بن حمید مجروح' ضعیف اور کذاب تھا۔

--۴: علامہ سبکی کے قول کے مطابق محمد بن حمید معمری بصری ہو تو سند میں انقطاع ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

--۵: روایت میں بَلِ اسْتَقْبِلْه کا ذکر دلیل ہے کہ امام مالک کی طرف اس کی نسبت جھوٹی ہے' اس لیے کہ امام مالک کے مدون فقہ میں آپ کے ثقہ اصحاب نے امام مالک سے دعاء کے وقت قبر کی طرف استقبال نہ کرنے کی روایت ذکر کی ہے۔ ابن حمید اُن ثقات علماء کی مخالفت کر رہے ہیں جب کہ ثقات کی روایت کے مقدم ہونے میں کوئی شک نہیں۔

قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ: قال في المبسوط: لا أرى أن يَقِفَ عند قبر النبي ﷺ يدعو' ولكِن يُسَلِّمُ ويَمْضِي [۱].

"المبسوط [۲] میں کہا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا درست نہیں جانتا لیکن سلام کرتے ہوئے گزر جائے۔"

امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ سبکی نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے: فيأتي قريبًا من قبر رسولِ الله ﷺ فيقومُ بين القبر و القبلة فيستقبلُ القبلة فيصلي على النبي ﷺ [۳].

---

(۱) الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ: ۵۸۶

(۲) اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید جہضمی ازدی مالکی [۲۰۰-۲۸۲ھ] کی کتاب ہے۔

(۳) شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ﷺ: ۲۰۵

''رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آئے گا۔ قبر اور قبلہ کے درمیان قبلہ کا رخ کر کے نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے گا۔''

۶- یہ روایت منکر ہے اور اس کے سارے راوی مجہول ہیں اور قاعدہ ہے کہ:

والعبرة في الرواية بالثقة واليقين، ولا حُجّة في المجهول (۱).

''روایت قبول کرنے میں وثاقت اور یقین کارآمد ہیں اور مجہول حجت نہیں بن سکتا۔''

۷- اس کے الفاظ میں رکاکت ہے اور اس کا اسلوب فصیح عربی لغت جیسے نہیں ہے اس لیے کہ إستشفع به فيشفعك الله به کا صریح معنیٰ یہ ہے کہ استشفاع کا معنیٰ شفاعت کرنے والے سے شفاعت طلب کرنا ہے تو استشفع به کا معنیٰ ہوگا: ''میں اس سے شفاعت طلب کرتا ہوں۔'' یہاں رسول اللہ ﷺ شافع ہیں اس صورت میں ایسا کہنا صحیح ہے: إستشفع به فيشفعه الله فيك ''تم اس سے سفارش کی درخواست کر اللہ تعالیٰ تیرے حق میں اس کی سفارش قبول کرے گا۔'' ایسا نہ کہا جائے کہ: إستشفع فيشفعك الله کیوں کہ مستشفع بالرسول سفارش کرنے والا نہیں ہے، جس کی سفارش قبول کی جاتی ہے وہ یقیناً شافع ہیں مشفوع لہ نہیں (۲)۔

لہٰذا امام مالک جیسی شخصیت جن کا مولد، جائے پرورش اور اوڑھنا بچھونا عربی ہو، اس قسم کی غلطی میں نہیں پڑ سکتے۔ اب بعض معاندین نے ان الفاظ میں بھی تحریف کر ڈالی ہے۔

۸- هو وسيلتك ووسيلة ابيك آدم يوم القيامة سے ہمارے نزدیک شفاعتِ کبریٰ ہے، جس سے کوئی دانا و بینا مسلمان انکار نہیں کرتا۔ اس سے دنیا کی زندگی میں توسل مراد

---

(۱) الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث: ۵۸، ہامش: ۱

(۲) حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: وإذا كان الإستشفاعُ منه طلبُ شفاعته فإنما يقال في ذلك: إستشفع به فيشفعك الله فيك، لا يُقالُ: فيشفعك الله فيه، وهذا معروف الكلام، ولغة النبي ﷺ وأصحابه وسائر العلماء، يُقالُ: شفع فلانٌ في فلان فشفع فيه، فالمشفع الذي يشفعه المشفوع اليه هو الشفيع المستشفع به، لا السائل الطالبُ من غيره أن يشفع له، فمحمّدٌ ﷺ هو الشفيع المشفع الذي يستشفع به. [قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة: ۷۵]

نہیں ہے۔

-۹: رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد صحابہ کرام ﷺ و تابعین میں سے کسی سے بھی استشفاع منقول نہیں' ان پر مختلف قسم کے مشکل حالات آئے مگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کا رخ نہیں کیا وہ تو زیارت کے لیے سلام کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی سفر سے آتے تو مسجد میں جا کر نبی کریم ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو سلام کرتے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔ جمہور صحابہ مسجد نبوی میں تمام اوقات میں نماز وغیرہ کے لیے داخل ہوا کرتے تھے ان میں سے کسی نے بھی اُن سے استشفاع طلب نہیں کی۔

-۱۰: قاضی عیاض نے ایک مستقل باب میں وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حرمت' توقیر اور تعظیم کا بیان کرتے ہوئے یہ واقعہ ذکر کیا ہے اور استشفاع کی کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی استشفاع کے متعلق کسی باب کا عنوان قائم کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت ان کو اچھی نہیں لگی۔ یا اسے قبر کے پاس صرف دعاء کے ثبوت کے لیے اسے ذکر کیا ہے۔

-۱۱: اللہ تعالیٰ نے امام مالک کو بدعت سے بچائے رکھا۔ انہوں نے تو مؤذن کے مینار پر کھانسنے کو بھی برا جانا ہے (۱) اور اس شخص کو روکا جس نے کہا تھا کہ میں مسجد میں قبر کے پاس سے احرام باندھ سکتا ہوں؟ تو فرمایا ایسا نہ کرنا مجھے اس میں تیرے فتنہ میں پڑنے کا خوف ہے' اس نے کہا: میں سفر میں چند میل کا اضافہ کر رہا ہوں' تو فرمایا: اس سے بڑا فتنہ اور کیا ہو گا کہ تو یہ سمجھے کہ میں نے وہ فضیلت حاصل کر لی جو رسول اللہ ﷺ حاصل نہ کر سکے تھے (۲)۔

---

(۱) امام شاطبی لکھتے ہیں: فتأمل كيف منع مالك من إحداثِ أمرٍ يَخِفُّ شأنه عند النّاظر فيه ببادي الرّأي ' وجعله أمرًا محدثًا ' وقد قال في التّثويب: إنّه ضَلالٌ ' وهو بيّنٌ ' لأن كلَّ مُحْدَثةٍ بدعةٌ ' وكلُّ بدعةٍ ضلالةٌ ' ولم يُسامح المؤذّنَ في التّنحنُح. [الاعتصام ۲: ۴۱۰]

(۲) امام ابن العربی مالکی نے اپنی سند کے ساتھ زبیر بن بکار سے اور اُنہوں نے سفیان بن عیینہ کے حوالے سے لکھا ہے: سمعتُ مالك بن أنس وأتاهُ رجلٌ فقال: يا أبا عبدَالله! من أين أُحْرِمُ؟ قال: من ذي الحُلَيفَةِ من حيثُ أحرم رسولُ الله ﷺ فقال: إني أريد أن أحرِمَ من المسجد' ......

۱۲۔ ہم نے اس واقعہ کے ضعف اور نکارت کو ثابت کر دیا ہے نیز یہ واقعہ امام مالک پر بھی جھوٹ ہے۔ لوگوں نے ان کی طرف بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کی ہیں۔ امام شاطبی لکھتے ہیں: والأحاديثُ الضّعيفة الإسناد لا يغلب على الظن أن النبي ﷺ قالها فلا يمكن أن يسند إليها حكم فما ظنك بالأحاديث المعروفة بالكذب (۱)۔

''ضعیف سند والی احادیث کے بارے میں ظن غالب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں کہا ہوگا لہٰذا ان کی طرف کسی حکم کی نسبت ممکن نہیں تو مشہور جھوٹی احادیث کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

۲۳۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بحق محمد ﷺ معافی مانگ لی

امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب المُسْتَدْرَك عَلَى الصَّحِيْحَيْن میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو کہا: يَارَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَا غَفَرْتَ لِي.

''اے اللہ! میں تجھ سے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے حق کے وسیلہ سے مانگتا ہوں کہ تو مجھے ضرور بخش دے گا۔''

تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے آدم! تو نے محمد ﷺ کو کیسے جانا حالانکہ میں نے اسے پیدا ہی نہیں کیا؟ تو سیدنا آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا

......فقال: لا تفعل قال: إني أريد أن أحرم من المسجد من عند القبر قال: لا تفعل؛ فإني أخشى عليك الفتنة قال: وأيُّ فتنة في هذا؟ إنما هي أميالٌ أزيدها قال: وأيُّ فتنة أعظم من أن ترى أنك سبقتَ إلى فضيلة قَصّر عنها رسول الله ﷺ! إني سمعتُ الله يقول: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [سورۃ النور ۲۴:۶۳]

[احکام القرآن ۳:۱۴۱۳، الاعتصام ۱:۲۳۱، ۲:۳۸۲]

(۱) الاعتصام ۲:۱۶

کیا اور مجھ میں اپنی طرف سے روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا تو میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب بندے ہی کا نام ملایا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صَدَقْتَ یَا آدَمُ! اے آدم! تو نے سچ کہا۔ یہ مخلوق میں سے میرا محبوب ترین بندہ ہے۔ مجھ سے اس کے حق کے وسیلہ سے مانگ میں نے تجھے معاف کر دیا اگر میں محمد ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو تجھے بھی پیدا نہ کرتا(1)۔

سند پر کلام

حافظ ذہبی نے امام حاکم کے بارے میں لکھا ہے: الحاكم أبو عبدالله الحافظ صاحبُ التصانيف، إمام صَدُوقٌ، لكنه يصحح في مستدركه أحاديث ساقطة و يكثر من ذلك فما أدري هل خَفِيَتْ عليه فماهو ممن يجهل ذلك و إنْ عَلِم فهٰذه خيانةٌ عظيمةٌ، ثم هو شيعيٌ مشهورٌ بذلك، بدون التعرض للشيخين، وقال ابن الطاهر: سألت أبا إسماعيل الأنصاري عنه فقال: إمامٌ في الحديث رافضيٌّ خبيثٌ، قلتُ: اَللّٰهُ يُحِبُّ الإنصافَ، ما الرجل برافضيٍّ، بَل شيعيٌّ فقط(2).

''حاکم ابوعبداللہ حافظ۔ کئی کتابیں لکھیں۔ امام اور صدوق ہیں لیکن وہ اپنی مستدرک میں بہت سی ساقط احادیث کو بھی صحیح کہہ دیتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بات ان سے مخفی رہی ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا اگر انہوں نے جانتے ہوئے بھی ایسا کیا ہو تو یہ ایک بڑی خیانت ہے پھر وہ مشہور شیعہ ہیں مگر شیخین کے بارے میں کچھ نہیں کہا کرتے تھے۔ امام ابن طاہر نے کہا میں نے ابو اسماعیل انصاری سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا حدیث میں امام ہیں مگر رافضی اور خبیث ہیں۔ میں [حافظ ذہبی] کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتے ہیں۔ یہ شخص رافضی نہیں بلکہ صرف شیعہ ہی ہیں۔''

---

(1) المستدرک ۲: ۶۱۵؛ المُعجَمُ الصَّغیر: ۶۸۰، حدیث: ۹۹۱؛ دلائل النبوۃ ۵: ۴۸۹

(2) میزان الاعتدال ۳: ۶۰۸، ترجمہ: ۷۸۰۴

حافظ ابن حجر نے بھی حافظ ذہبی کی پوری عبارت مِن وعَن نقل کر کے اُس پر یہ اضافہ کردیا ہے: والحَاكِمُ أجَلُّ قدرًا وأعظم حَظًّا وأكبر ذِكرًا مِن أنْ يُذْكَرَ في الضُّعَفاء لكِن قيل في الإعتذار عنه: أنه عند تصنيفه للمستدرك كان في أواخر عمره وذكر بعضهم أنه حصل له تَغَيُّرٌ و غفلةٌ في آخر عمره ويدل على ذلك أنه ذكر جماعة في كتاب الضعفاء له وقطع بترك الرواية عنهم ومنع من الإحتجاج بهم ثم أخرج أحاديث بعضهم في مستدركه وصححها، من ذلك أنه أخرج حديثًا لعبد الرحمن بن زيد بن أسلم وقال: حديث صحيح الإسناد وهو أول حديث ذكرته لعبد الرحمن بن زيد وكان قد ذكره في الضعفاء فقال: أنه رَوَى عن أبيه أحاديث موضوعةً، ولا يَخفَى على من تَأمَّلَها مِن أهل الصنعة أن الحمل فيها عليه(۱)۔

''حاکم جلیل القدر اور نہایت اونچے درجے کے شخص اور ضعفاء میں ذکر کیے جانے سے بہت بڑے ہیں لیکن ان کی جانب سے یہ عذر پیش کیا گیا ہے کہ ان کی مستدرک اُن کی آخری عمر کی تصنیف ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آخری عمر میں ان کا حافظہ تغیر و غفلت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کتاب الضعفاء(۲) میں ایک جماعت کا ذکر کر کے ان سے روایت نہ لینے کا کہا اور ان کو حجت بنانے سے روکا اور پھر ان ہی میں سے بعض رواۃ سے مستدرک میں حدیثیں لا کر ان کو صحیح کہا ہے، مثلاً عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی سند حدیث پیش کی ہے جب کہ اس کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اپنے باپ سے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ اہل فن اگر غور و فکر کریں تو اُن سے یہ بات مخفی نہ رہے گی کہ اس کی ساری ذمہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہی پر عائد ہوتی ہے(۳)۔

---

(۱) لسان المیزان ۵: ۲۳۲-۲۳۳، ترجمہ: ۸۱۳
(۲) اس کتاب کا نام المدخل إلى معرفة الصَّحيح من السَّقيم ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔
(۳) اُن کی اپنی عبارت یہ ہے: عبد الرحمن بن زيد بن أسلم: روى عن أبيه أحاديث ......

خطیب بغدادی نے تاریخ میں امام حاکم کے بارے میں ابو اسحاق ابراہیم بن محمد ارموی نیشاپوری سے۔ جو شیخ، صالح، فاضل اور عالم تھے۔ نقل کیا ہے کہ:

جمع الحاكم أبو عبدالله أحاديث، زعم أنها صحاح على شرط البخاري ومسلم يلزمهما إخراجهما في صحيحيهما...... (۱) فأنكر عليه أصحاب الحديث ذلك ولم يلتفتوا فيه إلى قوله، ولا صَوَّبُوهُ في فعله (۲)۔

"ابوعبداللہ حاکم نے احادیث جمع کیں اور یہ خیال کیا کہ یہ امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہیں جنہیں صحیحین میں لانا لازمی تھا مگر اصحاب حدیث نے ان کا انکار کیا اور ان کے قول کی طرف التفات نہیں کیا اور نہ ہی ان کے اس فعل کی تصویب کی۔"

امام ذہبی نے بھی خطیب کا یہ قول نقل کیا ہے (۳)۔

حافظ ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے: ولا رَيْبَ أنّ في المستدرك أحاديثُ كثيرةٌ ليست على شرط الصحة بل فيه أحاديثُ موضوعةٌ شَانَ المُستدرَكَ بإستخراجها فيه (۴)۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ مستدرک میں ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جو صحت کی شرط پر پوری نہیں اترتیں بلکہ اس میں موضوع حدیثیں بھی ہیں جنہیں مستدرک میں درج کرنے سے اس کا حسن خراب ہوا۔"

اور ذہبی نے کہا امام ابن طاہر کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے ابو اسماعیل انصاری سے امام حاکم کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے کہا حدیث میں ثقہ ہیں، خبیث رافضی

...... موضوعة لا يخفَى على مَن تأمّلها من أهل الصَّنعة أنّ الحملَ فيها عليه.

[المدخل إلى معرفة الصَّحيح من السَّقيم ۱: ۱۷۰، ترجمہ: ۹۸]

(۱) اس کی مثال میں انہوں نے حَدِيْثُ الطَّائِر اور مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ جیسی روایتیں پیش کی ہیں۔ تاریخ بغداد ۵: ۴۷۴، ترجمہ: ۳۰۲۴ (۲) تاریخ بغداد ۵: ۴۷۴، ترجمہ: ۳۰۲۴

(۳) تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۴۲ (۴) تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۴۵

ہیں اور: كان شديد التعصب للشيعة في الباطن، كان يظهر التسنن في التقديم و الخلافة، و كان منحرفاً عن معاوية و آله، متظاهراً بذلك، ولا يعتذر منه بكل حال، فهو شيعي، لا رافضي، ليته لم يصنف المستدرك فإنه غض من فضائله بسوء تصرفه (۱).

''شیعہ کے لیے تعصب رکھتا تھا۔ تقدیم [سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ] اور خلافت میں اہل سنت ہونے کا اظہار کرتا تھا۔ سیدنا معاویہ ﷺ اور ان کی آل سے منحرف تھا اور اس کا برملا اظہار کیا کرتا تھا اور یہ اس میں کسی قسم کی معذرت بھی نہیں کرتا تھا...... بہر حال وہ شیعہ ہیں۔ رافضی نہیں۔ کاش کہ وہ مستدرک نہ لکھتے جس کی وجہ سے ان کے فضائل اُن کے بدتدبیری کی وجہ سے بری طرح متاثر ہوئے۔''

ناقدین رجال حدیث امام حاکم کی تصحیح اور ان کے طریق کار کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔ بعض محدثین ان کو ضعف کے ساتھ متہم کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اُن کے عمر کے آخری حصے میں اختلاط اور تغیر کا شکار ہوئے۔ ہمارے نزدیک یقینی بات یہ ہے کہ یہ شخص تہمتوں سے بری ہیں اور اپنے مذہب و اعتقاد میں کسی گمراہی کا شکار نہیں۔ اختلاط اور تغیر کے سلسلہ میں اصل معاملہ وہی ہے جو حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے (۲)۔

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۰۴۵

(۲) حافظ ابن حجر نے ایک جگہ لکھا ہے: ومن عجيب ما وقع للحاكم أنه أخرج لعبدالرحمن بن زيد بن أسلم وقال بعد روايته: هذا صحيح الإسناد، وهو أول حديث ذكرته لعبدالرحمن، مع أنه قال في كتابه الذي جمعه في الضعفاء: عبدالرحمن بن زيد بن أسلم روى عن أبيه أحاديث موضوعة، لايخفى على من تأملها من أهل الصنعة أن الحمل فيها عليه، وقال في آخر هذا الكتاب: فهؤلاء الذين ذكرتهم قد ظهر عندي جرحهم، لأن الجرح لا أستحله تقليدا. [النكت على كتاب ابن الصلاح: ۳۱۸]

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے لکھا ہے: ''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم راوی ضعیف ہے۔......

امام حاکم کے اس تساہل اور اختلاط کی وجہ سے محدثین ان کی مرویات پر اعتماد کرنے سے کتراتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے حافظ ذہبی کا قول ذکر کیا ہے کہ:

حلال نیست کسی را کہ بر تصحیح حاکم غرہ شود تا وقتے کہ تعقبات و تلخیقات مرانہ بیند[1]۔

"کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ حاکم کی تصحیح سے دھوکہ کھائے جب تک وہ میرے تعقبات اور تلخیقات کو نہ پڑھے۔"

حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: وما یروونہ من أنّ آدم عليه السلام دعا به أو تَشَفَّعَ به فهو من الأحاديث التي لا ينبغي عليه حكمًا شرعيًّا إلّا جاهلٌ بأدلة الأحكام[2]۔

"جو [لوگ] یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعاء کی، یا اُن کی شفاعت طلب کی، سو یہ اُن احادیث میں سے ہے، جس پر کوئی ناواقف شخص شرعی احکام کی بنیاد رکھے گا۔"

اس حدیث کے موضوع ہونے کے دلائل

اس حدیث کے موضوع ہونے کے دلائل واضح ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

...... موضوع ہونے کا حکم پھر بھی مشکل ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید، ترمذی، ابن ماجہ کے رجال سے ہے۔"

[ماہ نامہ بینات، کراچی، جلد: ۸۰، شمارہ: ۵، مارچ ۲۰۱۷ء = جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ، ص: ۱۲]

اس بات سے اتفاق کرنا مشکل ہے اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں جب امام حاکم کا اپنا تبصرہ موجود ہے کہ وہ اپنے باپ کی سند سے موضوع روایت نقل کرتے ہیں جب کہ اس روایت کو بھی وہ اپنے والد ہی سے نقل کرتے ہیں تو آخر یہ موضوع کیوں نہ ہوگی؟

دوسری بات یہ ہے کہ امام ابن سعد لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم: كان كثير الحديث ضعيفًا جدًّا. [الطبقات الكبریٰ ۵: ۴۱۳]

(۱) بستان المحدثین: ۱۰۹؛ حافظ ذہبی کی طرف منسوب یہ قول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے علاوہ کسی دوسرے عالم کے ہاں نہیں مل سکا۔

(۲) کتاب الرد علی البکری ۱: ۱۵۱

-۱: اس میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام اور پوری کائنات کو رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے پیدا کیا حالانکہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. [سورۃ الذاریات ۵۱:۵۶]

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔''

اور فرمایا: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ.

[سورۃ النحل ۱۶:۳۶]

''اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت [کی عبادت] سے اجتناب کرو۔''

سیدنا آدم علیہ السلام بھی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے۔ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے نہیں۔ اگر سیدنا آدم علیہ السلام سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے پیدا کیے گئے ہیں تو آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کس کے لیے پیدا کیے گئے؟ اور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی اپنی ذات ستودہ صفات کس کے لیے پیدا ہوئی؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں انبیاء کرام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ. [سورۃ الانعام ۶:۹۰]

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم اُن ہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔''

اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ: لَا يَنْبَغِيْ لِعَبْدٍ اَنْ يَّقُوْلَ: اَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰى (۱).

''کسی انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کہے: میں یونس بن متّٰی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔''

ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے کہا: یَا خَیْرَ الْبَرِیَّةِ تو آپ نے فرمایا کہ:

ذاك إبراهيم علیہ السلام (۲). ''وہ تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔''

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء [۶۰] باب قول اللہ تعالیٰ: وہل اتاک حدیث موسیٰ [۲۴] حدیث: ۳۳۹۵

(۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل [۴۳] باب من فضائل ابراہیم الخلیل علیہ السلام [۴۱] حدیث: ۲۱۳۸

یہ بات پہلے بھی لکھی جا چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام کو بخشش اور معافی کے لیے خود کچھ کلمات کی تعلیم دی تھی، جس کی شاہد یہ آیت کریمہ ہے:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. [سورۃ البقرۃ ۲:۳۷]

''پس آدم [علیہ السلام] نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے تو اُس کی توبہ قبول کی۔ بے شک وہ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔''

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ بخشش کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے کلمات تھے۔ ان کلمات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ اس طرح کیا ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.

[سورۃ الاعراف ۷:۲۳]

''دونوں عرض کرنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

رَبَّنَا ظَلَمْنَا...... الآیۃ ہی وہ کلمات تھے جو بخشش کا ذریعہ بنے۔ جب ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت کرے تو اس کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے اور یہ تفسیر کا سب سے اچھا طریقہ ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے:

إنّ أصحَّ الطُّرُقِ في ذلك أن يفسر القرآن بالقرآن، فما أجملَ في مكانٍ فإنه قد فُسّرَ في موضع آخر (۱)

''تفسیر کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید ہی سے کی جائے اس لیے کہ اگر کہیں کوئی اجمال یا اختصار موجود ہے تو دوسری جگہ میں اس کی تفسیر و تفصیل کی گئی ہے۔''

سلف و خلف کے تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ وہ کلمات جن کے ذریعے سے سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، سورۃ الاعراف میں ذکر کیے گئے ہیں اور جن کلمات کا اس حدیث میں

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم ۱:۶

ذکر کیا گیا ہے وہ اس آیت کے خلاف ہیں اور پھر اس کی سند بھی موضوع ہے، جو قرآن مجید کے نص کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

مجمع الزوائد میں ایک طویل حدیث کا ایک جملہ یہ ہے: قال اللّٰہ: یا آدم ما یحزنك قال کیف لا أحزن وقد أهبطتني من الجنة ولا أدری أعود إلیها أم لا؟ فقال اللّٰہ: یا آدم قل: اللّٰهم لا إله إلّا أنت وحدك لا شریك لك، سبحانك وبحمدك رب إني عمِلتُ سُوْءًا، ظلمتُ نفسي فاغفرلي إنك أنت أرحم الراحمین، فهذه کلماتٌ أنزل اللّٰہ علی محمد ﷺ: فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وهي لولده من بعده (۱)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو کیوں غمگین ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ میں کیسے غمگین نہ ہوں جب کہ تو نے مجھے جنت سے نکال دیا اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں اس میں دوبارہ جا کر داخل ہو سکوں گا یا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم یہ کہو: اللّٰهم لا إله إلّا أنت وحدك، لا شریك لك، سبحانك وبحمدك رب إني عمِلتُ سُوْءًا، ظلمتُ نفسي فاغفرلي إنك أنت أرحم الراحمین، یہ وہ کلمات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پر قرآن مجید میں اس طرح نازل فرمائی: فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. یہ کلمات ان کے بعد ان کی اولاد کے لیے بھی ہیں۔''

حافظ ہیثمی نے فرمایا: رواهُ الطبراني وفیه سوار بن مصعب وهو متروك (۲)

''اسے امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں سوار بن مصعب راوی ہے، جو متروک ہے۔''

اور مجمع الزوائد میں باب دعاء سیدنا آدم علیہ السلام کے عنوان کے تحت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

---

(۱) حافظ ہیثمی کے علاوہ کسی اور کے پاس یہ روایت نہ مل سکی۔

(۲) مجمع الزوائد ۸: ۱۹۸

کی یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو آپ نے کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں یہ دعاء ڈالی: أللهم إنك تعلم سريرتي وعلانيتي فأقبل معذرتي وتعلم حاجتي فأعطني مسئولي، وتعلم ما في نفسي فاغفرلي ذنبي، أللهم إني أسألك إيمانا يباشر قلبي و يقينا صادقا حتى أعلم بأنه لا يصيبني إلّا ما كتبتَ لي ورِضَا بما قسمتَ لي فأوحى الله إليه: يا آدم قد قبلت توبتك وغفرت ذنبك ولن يدعوني أحد بهذه الدعاء إلّا غفرتُ له ذنبه و كفيته المهم من أمره، وزجرت عنه الشيطان و اتجرت له من وراء كل تاجر و أقبلت اليه الدنيا و هي راغمة وإن لم يردوها (۱).

حافظ ہیثمی اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: رواه الطبراني في الأوسط، وفيه نضر بن طاهر، وهو ضعيف (۲).

"اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے جس میں نضر بن طاہر ضعیف راوی ہے۔"

یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں لیکن ان کے ضعف کی وجہ یہ نہیں کہ بحق محمد ﷺ والی روایت سے متعارض ہیں بلکہ اس وجہ سے ضعیف ہیں کہ ایک میں متروک اور دوسری میں ضعیف راوی موجود ہیں نیز اس وجہ سے بھی ضعیف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام کا واقعہ بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے اور جن کلمات سے اُن کی معافی ہوئی تھی وہ بھی قرآن مجید ہی میں موجود ہیں، جس میں بحق محمد ﷺ کا ذکر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی کے حق کے ذریعہ سے مانگنے کی کوئی گنجائش بھی نہیں اس لیے کہ یہ شریعت میں وارد نہیں ہے۔

بحق محمد ﷺ سے مانگنے کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ ایک کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے ہے اور دوسری کا مخلوقات سے۔ پہلا حق اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید ہے جو اللہ تعالیٰ کی

---

(۱) المعجم الأوسط ۴: ۲۷۵، حدیث: ۵۹۷۴
(۲) مجمع الزوائد ۱۰: ۱۸۳

ذات کے ساتھ قائم معانی سے متعلق ہے۔ اگر بحق محمد ﷺ کا یہی مقصد ہو تو یہ محل نزاع سے خارج ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات' افعال اور تائید کے وسیلہ سے سوال کے جواز میں کوئی نزاع نہیں۔ دوسرا معنیٰ اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے وہ اشیاء مراد ہوں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے جنت میں ذخیرہ کر رکھی ہیں مثلاً اجر و ثواب' اچھا بدلہ' کھانا پینا اور حور عین وغیرہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ سیدنا آدم ﷺ نے ان چیزوں کے وسیلہ سے مانگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے تیار کر رکھی ہیں اور یہ ناممکن ہے اور اگر بحق محمد ﷺ میں بَاء، مِنْ کے معنیٰ میں ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ میں تجھ سے جنت کے اندر موجود اشیاء کی وجہ سے مانگتا ہوں تو حاصل یہ ہوگا کہ:

أسألك مِن حق محمد أن تعطيني منه.

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے محمد ﷺ کے حق میں سے کچھ عطا کر۔''

حالانکہ یہ سوال اصلاً باطل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے کسی کے حق کا سوال جہلاء کی وضع کردہ بدعات میں سے ہے اس وجہ سے کتاب اللہ' سنتِ صحیحہ اور امورِ خیر میں سبقت کرنے والے صحابہ کرام ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کو تعلیم اور ترغیب کے طور پر فرمایا ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. [سورۃ الاعراف ۷:۱۸۰]

''اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اس کو اس کے ناموں سے پکارا کرو۔''

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ: ويُكره أن يقول في دعائه: اَللّٰهُمَّ إنِّي أسألك بمَعَاقِدِ العِزِّ مِن عَرشِكَ' وللمسئلة عبارتان: بمَعقَدِ و مَقعَدِ' والأولى من العَقْدِ والثانية من القُعود ولاشكَّ في كراهية الثانيةِ لاستحالته على الله و كذا الأولى ' وعن أبي يوسف: أنه لابأس به وبه أخذ الفقيه أبو الليث' لما رُوِيَ أنه ﷺ كان من دعائه: اَللّٰهُمَّ إنِّي أسألك بمَعَاقِدِ العِزِّ مِن عَرشِكَ' والأحوط: الامتناعُ لكونه خبرًواحدٌ فيما يُخالفُ القطعي' ويكره أن يقول في دعائه: بحق فلانٍ و كذا بحق أنبيائك و أوليائك ' أو بحق رسلك' أو بحق البيت أو المشعر الحرام' لأنه لاحَقَّ للمخلوق على الله تعالى

كذا في التبيين ' و يجوز أن يقول في الدعاء: بدعوة نبيك' هكذا في الخلاصة' و الدعاء المأذونُ فيه والمأثور به مااستفيدَ من قوله تعالى: وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا' كذا في المحيط (۱)۔

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أسألك بمَعَاقِدِ العِزِّ مِن عَرشِكَ سے دعاء کرنا مکروہ ہے۔ اس مسئلہ کی دو عبارتیں ہیں: مَعْقَدْ اور مَقْعَدْ پہلا عقد سے اور دوسرا قعود سے ہے۔ دوسری صورت میں اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہونے کی وجہ سے اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' اسی طرح پہلی صورت بھی مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ: ایسا کہنے میں کوئی گناہ نہیں۔ فقیہ ابو اللیث کا یہی قول ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعاء میں اَللّٰهُمَّ إِنِّي أسألك بمَعَاقِدِ العِزِّ مِن عَرشِكَ (۲) کہا کرتے تھے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا نہ کہا جائے اس لیے کہ یہ خبر واحد نص قطعی کے خلاف ہے اور دعاء میں بِحَقِّ فُلَان اور بِحَقِّ أنبيائك و أوليائك' بحق رُسُلك' بحق البيت اور بحق الشهر الحرام کہنا بھی مکروہ ہے کیوں کہ مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں۔ تبیین میں ایسا ہی ہے۔ دعاء میں بِدَعْوَةِ نَبِيِّكَ کہنا جائز

---

(۱) الفتاوی العالمگیریۃ المعروف بالفتاوی الہندیۃ ۵: ۳۱۸' کتاب الکراہیۃ' الباب الرابع

(۲) اس حدیث کی سند کچھ اس طرح ہے: أخبرنا أبو عثمان البصري' حدثنا أبو أحمد محمد بن عبد الوهاب' أخبرنا عامر بن خِداش' أخبرنا عمر بن هارون' سمعتُ ابن جريج عن داود بن أبي عاصم عن ابن مسعود مرفوعاً. [الدعوات الکبیر ۲: ۱۸' حدیث: ۴۴۳' ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ بیہقی' تحقیق: بدر بن عبد اللہ بدر' غراس' الکویت' ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۹ء]

حافظ ابن الجوزی نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی سند میں عمر بن ہارون ہے جو امام یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق کذاب تھا۔ امام ابن حبان کہتے ہیں: ثقہ راویوں سے معضلات اور ان دیکھے اساتذہ سے بھی احادیث نقل کرتا ہے۔

[الموضوعات من الاحادیث المرفوعات ۲: ۴۶۵' بذیل حدیث: ۱۰۲۹]

حافظ زیلعی نے حافظ ابن الجوزی کی رائے کی تصویب کرتے ہوئے اُسے من و عن نقل کی ہے۔

[نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ ۴: ۲۷۲-۲۷۳' بذیل حدیث: ۷۴۶۸]

ہے اسی طرح خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ وہ دعاء جو ماذون وماثور ہے وہی ہے جو وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا کے مطابق کی گئی ہو۔ اسی طرح محیط میں ہے۔''

مخلوق کی ذات اوران کے اشخاص کا وسیلہ عقلاً' نقلاً اور شرعاً مرغوب اور پسندیدہ نہیں ہے۔

اس قسم کے وسیلہ پکڑنے کا کوئی فائدہ اور ترک کی صورت میں کوئی نقصان نہیں جن لوگوں کا خیال ہے کہ ذواتِ فاضلہ کا وسیلہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے قریب لاتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اُن کے پاس قرآن' سنتِ ثابتہ' صحابہ کرام ﷺ اور سلف صالحین سے اس پر کوئی دلیل وبرہان نہیں ہے۔ اصحابِ رسول اللہ ﷺ میں سے کوئی ایک صحابی بھی ایسا نہیں جس نے کسی مخلوق کی ذات کا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے وسیلہ سے دعاء کی ہو۔

سید آلوسی بغدادی نے آیت کریمہ: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ [سورۃ المائدۃ ۵:۳۵] کے تحت فرمایا: استَدَلَّ بعضُ الناس بهذه الآية على مشروعية الإستغاثة بالصَّالحين' وجَعْلِهم وسيلةً بين اللّٰه تعالى وبين العباد' والقَسَم على اللّٰه بهم بأن يقال: أللهم إنا نُقْسِمُ عليكَ بفُلانٍ أنْ تُعْطِيَنا كذا' و منهم مَن يقول للغائب أو الميت مِن عبادِ اللّٰه تعالى الصَّالِحين: يافلانُ: أدْعُ اللّٰهَ تعالى ليرزقني كذا و كذا و يزعمون أن ذلك من ابتغاء الوسيلة و يروون عن النبي ﷺ أنه قال: إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأهل القبور' أو: فاستغيثوا بأهل القبور' و كل ذلك بعيد عن الحق بمراحل' و تحقيق الكلام في هذا المقام: أنّ الإستغاثة بمخلوق و جعله وسيلة بمعنى طلب الدعاء منه لاشَكَّ في جوازه إن كان المطلوبُ مِنه حَيًّا فقد صح أنه ﷺ قال لعمر ﷺ: لمَّا استأذنه في العمرة: لاتنسنا يا أُخيَّ مِن دُعائك و أمره أيضاً أن يطلب من أويس القرني رحمةُ اللّٰهِ عليه أن يستغفر له و أمر أمته بطلب الوسيلة له كما مَرَّ آنفاً و بأن يصلوا عليه' و أمَّا إذا كان المطلوب منه ميتاً أو غائبا فلا يَسْتَرِيْبُ عـالِمٌ أنَّه غيرُ جائزٍ و أنه من البدع التي لم يفعلها أحد من السلف' نعم السَّلامُ على

أهل القبور مشروعٌ ومخاطبتُهم جائزة...... ولم يَرِدْ عن أحدٍ من الصحابة ﷺ -وهُم أحرصُ الخلق على كل خيرٍ- أنه طلب من ميت شيئًا بل صح عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يقول إذا دخل الحجرة النبوية زائرًا: السَّلامُ عليك يا رسول الله، السَّلام عليك يا أبابكر، السلام عليك يا أبتِ، ثم ينصرف، ولا يزيد على ذلك، ولا يطلب من سيد العالمين ﷺ أو من ضَجِيعَيه المُكرّمَين رضي الله عنهما شيئًا، وهُم أكرم من ضَمَّته البسيطةُ، وأرفعُ قدرًا من سائرِ مَن أحاطت به الأفلاكُ المحيطةُ، نَعَمْ الدُّعاءُ في هاتيك الحضرة المكرمةِ والروضةِ المُعظَّمَةِ أمرٌ مشروعٌ فقد كانتِ الصَّحابةُ تدعو اللّهَ هناك مستقبلينَ القبلةَ، ولم يرِد عنهم استقبالُ القبرِ الشريفِ عند الدُّعاءِ مع أنه أفضل من العرش [1].

'' کچھ لوگوں نے اس آیت کریمہ سے ذواتِ فاضلہ سے استغاثہ اور ان کو اللہ اور بندوں کے درمیان وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کو ان کے نام کی قسم دینے کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے کہ یہ کہا جائے کہ اے اللہ! ہم تجھے فلاں کی قسم دیتے ہیں کہ ہمیں یہ عطا کر دے اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے غائب یا میت کو کہتے ہیں کہ اے فلاں! اللہ سے دعا کیجیے کہ مجھے فلاں فلاں چیز عطا کر دے اور اُن کا یہ خیال ہے کہ یہ مطلوب وسیلہ کے باب سے ہے اور یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأصحاب القبور [2].

''جب تمہیں کاموں میں مشکل پیش آئے تو قبر والوں کی طرف رجوع کیا کرو۔''

یہ سب باتیں اور کام حق سے انتہائی دور ہیں یہاں مخلوق کے وسیلہ اور استغاثہ کی تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی زندہ اور پاس بیٹھے ہوئے شخص سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ کسی کے لیے دعاء طلب کرلے تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے' بلکہ اس میں فاضل ومفضول کا فرق بھی روا

(۱) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۵: ۱۷۳-۱۷۴

(۲) اس کا ذکر پہلے بار بار ہو چکا ہے کہ یہ حدیث نبوی نہیں ہے۔

نہیں رکھا گیا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب سیدنا عمر ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے عمرہ کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: لَا تَنسَنا یا اُخیَّ مِن دُعائِكَ (۱).

''میرے بھائی! مجھے اپنی دعاء میں بھول نہ جانا۔''

اور سیدنا عمر ﷺ کو مشورہ دیا کہ اویس قرنی سے مغفرت کی دعا کروائیں اور اپنی امت کو آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے اور مقام وسیلہ مانگنے کا حکم دیا۔ اگر مطلوب منہ مردہ ہو یا غائب ہو تو اس قسم کی دعاء کے ناجائز ہونے میں کوئی عالم شک نہیں کرتا اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جو سلف میں سے کسی نے نہیں کی۔ قبروں پر سلام کرنا مشروع اور ان کو خطاب کرنا جائز ہے۔ نیکی میں گوئے سبقت لینے والے صحابہ کرام ﷺ میں سے کسی سے بھی کسی مردہ یا غائب سے کچھ مانگنا ثابت نہیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت میں ہے کہ جب وہ حجرہ نبویہ میں زیارت کے لیے داخل ہوتے تو السَّلامُ علیكَ یَا رسولَ اللّٰہِ، السَّلامُ علیكَ یا أبابكر السَّلام علیكَ یَاأبَتِ کہہ کر واپس ہو جاتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہ کرتے اور نہ ہی سید العالمین اور آپ کے پہلو میں لیٹے ہوئے دو معزز ترین ساتھیوں سے کچھ مانگتے تھے حالانکہ وہ پوری زمین کے باسیوں میں سب سے عزت مند اور افلاک کے نیچے رہنے والے تمام افراد میں سے اونچی شان والے تھے۔ ہاں اس مقام پر روضۂ رسول اللہ ﷺ کے پاس دعاء مشروع ہے اس لیے کہ صحابہ کرام ﷺ وہاں قبلہ رُخ کھڑے ہو کر دعاء کیا کرتے تھے اور اُن سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ اُنہوں نے دعاء کے وقت قبر انور کی طرف رُخ کیا ہو باوجود اس کے کہ وہ عرش سے افضل ہے۔''

کسی کی بھی ذات کے وسیلہ سے دعاء سلف صالحین سے ثابت نہیں بلکہ یہ جاہلوں کی ایجاد کردہ ہے جسے انہوں نے شیعہ سے لیا ہے۔ کافی کلینی (۲) نے لکھا ہے کہ:

---

(۱) سنن ابی داود، کتاب الوتر [۸] باب الدعاء [۲۳] حدیث: ۱۴۹۸

(۲) محمد بن یعقوب بن اسحاق ابو جعفر کلینی، امامی فقیہ تھے۔ کلین ''رے'' سے تعلق تھا۔ بغداد......

عن أبي عبد الله: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا؛ قال و اللهِ نحن الأسماءُ الْحسنى الّتي لَايَقْبَلُ اللّٰهُ مِنَ الْعِبَادِ عَمَلاً إلّا بِمَعْرِفَتِنَا[1]۔

''ابو عبداللہ[2] نے ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا'' کے بارے میں فرمایا: اللہ کی قسم! ہم ہی اللہ کے اچھے نام ہیں۔ اللہ اپنے بندوں کے کسی عمل کو ہماری معرفت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔''

جوابات کا خلاصہ

-۱: اس کو حاکم نے روایت کی ہے جو آخری عمر میں اختلاط اور نسیان کا شکار ہو گئے تھے۔

-۲: حدیث کے راوی ضعیف اور کذاب ہیں۔

-۳: لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ کے موضوع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر سیدنا آدم علیہ السلام سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے پیدا کیے گئے ہیں تو خود سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کس کی وجہ سے پیدا کیے گئے؟

-۴: سیدنا آدم علیہ السلام سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے پیدا کیے گئے ہیں تو باقی انبیاء کس کی وجہ سے پیدا کیے گئے؟

...... میں شیخ الشیعہ تھے۔ اصول کافی، فروع کافی، رسائل الائمہ، کتاب الرجال اور الرد علی القرامطہ جیسی کتابیں لکھیں۔ ۳۲۹ھ = ۹۴۱ء کو بغداد میں وفات پائی۔

[سیر اعلام النبلاء ۱۵: ۲۸۰، ترجمہ: ۱۲۵، الاعلام ۷: ۱۴۵]

(۱) اصول الکافی ۱: ۱۶۴، کتاب التوحید، باب النوادر، نص: ۳۵۴، محمد بن یعقوب کلینی رازی، دار الاسوۃ للطباعۃ والنشر، تہران، ایران، ۱۳۸۲

(۲) جعفر بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن حسین ہاشمی قرشی ابو عبداللہ ۸۰ھ = ۶۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ بہت بڑے جلیل القدر عالم ہیں۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے استاذ رہے ہیں۔ جھوٹ کبھی بھی نہیں بولا اس لیے صادق کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۴۸ھ = ۷۶۵ء کو وفات پائی۔

[وفیات الاعیان ۱: ۳۲۷، الاعلام ۲: ۱۲۶]

۵- یہ حدیث ارشاد ربانی: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [سورۃ الذاریات ۵۱:۵۶] کے خلاف ہے۔

۶- سیدنا آدم علیہ السلام سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ آپ کے ساتھ مل کر دشمنوں سے لڑے اور نہ ہی آپ کا دفاع کیا ہے تو سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے پیدا کرنے کا کیا مطلب؟

۷- اللہ تعالیٰ نے ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا...... الآیۃ'' [سورۃ الاعراف ۷:۲۳] میں ان کلمات کی تفسیر کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث، قرآن مجید کے خلاف ٹھہری۔

۸- حدیث تو قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کرتی ہے جب قرآن مجید نے دوسری آیت میں ایک آیت کی تفسیر کر دی تو حدیث میں کیوں اس کے خلاف تفصیل کی گئی؟

۹- قرآن مجید میں فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ نص ہے کہ وہ کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائے گئے تھے جب کہ اس حدیث میں رَفَعْتُ رَاْسِيْ فَرَاَيْتُ مَكْتُوْبًا کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلمات سیدنا آدم علیہ السلام نے خود حاصل کیے ہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنے کلمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے کلمات کو کیسے چھوڑا؟

۱۰- اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں بیان کیا کہ وہ گناہوں کو استغفار کی وجہ سے بخشتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔ کسی ایک آیت میں بھی دعاء بحق محمد ﷺ کا ذکر نہیں ہے۔

۱۱- حق محمد ﷺ کا کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے جنت میں حور اور غلمان اور دیگر جو خوشیاں جمع کر رکھے ہیں ان میں سے مجھے عطا کر یا حق محمد ﷺ کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید اور آپ کی دعاء اور عبادت کا قبول کرنا ہے۔ یہ حق تو سب بندوں کے لیے ثابت ہے پس با بمعنی من ہوگا۔ بائے سببیت لینا درست نہیں ہوگا۔

۱۲- توسل کے کلمات شیعہ امامی اور رافضی کی تفسیر مجمع البیان میں بیان کیے گئے ہیں[1]۔

---

(۱) إنَّ آدمَ علیہ السلام رأى مكتوبًا على العرش أسماء معظّمة مكرمة فسأل عنها فقيل له: هذه أسماءُ أجل الخلق منزلةً عند الله تعالى والأسماء: محمد ﷺ وعلي وفاطمة و......

امام دار قطنی [1] کی روایت میں عمرو بن ثابت بن ہرمز غالی شیعہ ہے [2] جو کہا کرتا تھا کہ:

كَفَرَ النَّاسُ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِلاَّ أربعة [3].

”رسول اللہ ﷺ کے بعد سوائے چار کے سب لوگ کافر ہو گئے تھے۔“

یہ روایت باطل جھوٹی اور موضوع ہے۔ حافظ ابن الجوزی اور امام سیوطی نے موضوعات میں اس کو ذکر کیا ہے [4]۔ عمرو بن ثابت کذاب اور وضاع ہے۔

۲۴-غزوۂ یمامہ میں صحابہ کرام ﷢ کا شعار [جنگی نعرہ] یا محمداہ! تھا

مسیلمۃ الکذاب کے ساتھ جنگ میں صحابہ کرام ﷢ کا نعرہ یَامُحَمَّدَاہ تھا۔

جواب

کسی روایت کو قبول کرنے اور اس سے استدلال کرنے سے پہلے اس کے ثبوت اور سند کی

......الحسن و الحسين ﷢ فتوسّل آدم ﷤ إلى ربه بهم في قبول توبته ورفع منزلته.

[مجمع البیان فی تفسیر القرآن ۱: ۱۱۹، دار العلوم بیروت ۱۴۲۶ھ = ۲۰۰۵ء]

(۱) یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی روایت ہے کہ: سالتُ النبي ﷺ عن الكلمات التي تَلَقَّاهَا آدم من ربه قال: سأل بحق محمد و علي و فاطمة والحسن و الحسين إلاّ تُبْتَ عَلَيَّ فتَابَ عليه. [أطراف الغرائب و الأفراد من حديث رسول الله ﷺ للإمام الدارقطني ۳: ۱۵۸، حدیث: ۲۳۰۶، حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی مقدسی، تحقیق: محمود محمد محمود حسن نصار، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء]

امام دار قطنی نے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: تفرّد به عمرو بن ثابت عن أبيه عنه ولم يروه عنه غير حسين الأشقر. [أطراف الغرائب و الأفراد ۳: ۱۵۸، صیانۃ الانسان: ۱۲۴]

(۲) امام ابو داود لکھتے ہیں: عمرو بن ثابت رافضی تھا لیکن حدیث میں صدوق اور سچا تھا۔

[سنن ابی داود، کتاب الطہارۃ [۱] باب اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلاۃ [۱۰۹] بذیل حدیث: ۲۸۷]

(۳) الضعفاء الکبیر ۳: ۲۶۱، ترجمہ: ۱۲۶۸

(۴) الموضوعات من الاحادیث المرفوعات ۲: ۲۳۰-۲۳۱، حدیث: ۸۵۷، اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ۱: ۳۶۹

تصحیح اور اثبات کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس لیے کہ مجرد روایت کبھی سچی ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی۔ وہ شخص بڑا نامراد ہے اور خاسر ہے، جو مجرد روایت پر اپنے عقیدہ اور دین کی بنیاد رکھتا ہے۔ نیز پہلے بار بار اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اِسناد دین سے ہے۔ اس روایت سے استدلال تب جائز ہوتا جب اس کی سند معلوم اور صحیح ہوتی۔ اس لیے ہم ایسی روایات کو پھینک دیتے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہ ہو۔ ہر ذی عقل اور مسلمان شخص پر لازم ہے کہ صحیح اور سقیم روایات کو پہچانیں اس لیے کہ جب تک روایت صحیح نہ ہوگی، تب تک دلیل نہیں بن سکتی لہٰذا استدلال کرنے والے مخالف پر ثبوت اور بیان لازم ہے[1]۔

---

(۱) امام ابن جریر لکھتے ہیں: مجھے السَّرِي نے شعیب از سیف از ضحاک بن یربوع از والد اُو بنو سُحَیم کے ایک ایسے شخص سے یہ بات لکھ دی جو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگِ یمامہ میں شریک تھے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اُس روز کہا: أنا ابنُ الوليد العود، أنا ابن عامر و زيد، ثم نادى بشعارهم يومئذ، و كان شعارهم يومئذ: يامُحَمَّدَاه! فجعل لا يبرزُ له أحدٌ إلّا قَتَلَهُ.

[تاریخ الطبری ۲: ۵۱۳، واقعات: ۱۱ھ البدایۃ والنہایۃ ۶: ۳۰۸]

"میں ابن الولید العود ہوں، میں عامر اور زید کا بیٹا ہوں پھر انہوں نے مسلمانوں کے شعار کے ساتھ پکارا اُس دن اُن کا شعار [جنگی نعرہ] یامُحَمَّدَاہ! تھا۔ اس کے بعد جو بھی اُن کے سامنے آیا، وہ قتل ہوا۔"

یہ کہانی من گھڑت اور موضوع ہے اس لیے کہ:

- اس کا ایک راوی شعیب بن ابراہیم ہے جو مجہول ہے۔ [میزان الاعتدال ۲: ۲۷۵، ترجمہ: ۳۷۰۴]
- اس کا ایک راوی سیف بن عمر الضبي ہے جس کے متعلق امام حاکم لکھتے ہیں: زندیق تھا اور احادیث کے سلسلے میں ساقط الاعتبار تھا۔ [المدخل الی الصحیح ۱: ۱۵۹، ترجمہ: ۷۷]

امام ابن حبان فرماتے ہیں: موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ [المجروحین ۱: ۳۳۹، ترجمہ: ۴۳۷]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: سیف بن عمر واقدی کی طرح [ضعیف] ہے۔ [میزان الاعتدال ۲: ۲۵۵]

حافظ ذہبی یہ بھی لکھتے ہیں: سیف بن عمر بالاتفاق متروک ہے۔ زندقہ سے بدنام ہے اور موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ [المغنی فی الضعفاء ۱: ۴۶۰، ترجمہ: ۲۷۱۶]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سیف بن عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ: ضعيفُ الحديثِ عُمدَةٌ في التاريخ۔ [تقریب التہذیب: ۳۴۰، ترجمہ: ۲۷۳۹]

۲۵-سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وامحمداہ کہا

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سُن ہو گیا تو انہیں کہا گیا کہ اپنے محبوب ترین شخص کو یاد کرو تو انہوں نے وَامُحَمَّدَاہ کہا جس سے آپ کا پاؤں ٹھیک ہو گیا۔

جواب

یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔ ان میں سے ہر ایک طریق سے بحث کی جاتی ہے۔

پہلا طریق

ابو اسحاق سبیعی نے ابو شعبة کے حوالے سے کہا کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جا رہا تھا کہ اچانک اُن کا پاؤں سن ہو گیا اور آپ بیٹھ گئے تو کسی نے اُنہیں کہہ دیا کہ:

أُذكر أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيكَ، فقال: يامحمداه، فقام، فمشى (۱)

''اُس شخص کا نام لیجیے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو تو اُنہوں نے ''یا محمداہ'' کہا، اُن کا ایسا کہنا تھا کہ تکلیف دور ہو گئی اور وہ چلنے پھرنے لگے۔''

یہ روایت ضعیف ہے اس لیے کہ معنعن ہے اور اس کا راوی ابو اسحاق سبیعی عمرو بن عبداللہ

...... ''حدیث میں ضعیف ہے لیکن تاریخ میں اچھا ہے۔''

جواب: حافظ ابن حجر کا یہ قول جمہور کے خلاف ہے اس لیے قابلِ تقلید نہیں' نیز یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو شخص احادیثِ نبوی کو نقل کرنے میں احتیاط اور پرواہ نہیں کرتا، وہ تاریخ میں کیسے عمدہ ہو سکتا ہے؟

پھر زیرِ بحث روایت اس لیے موضوع ہے کہ:

- اس کا ایک راوی ضحاک بن یربوع ہے، جس کی کسی معتبر محدث نے توثیق نہیں کی۔
- اس کا ایک راوی یربوع ہے، جو مجہول ہے۔
- یربوع اسے رَجُلٍ مِن بَنِي سُحَيم نقل کرتا ہے اور یہ بھی مجہول ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ کہانی بالکل موضوع و من گھڑت ہے اور موضوع و من گھڑت روایت کو بیان کرنا بالاتفاق ممنوع و حرام ہے چہ جائے کہ اُس سے کوئی مسئلہ اَخذ کیا جا سکے!!

(۱) عمل الیوم واللیلۃ، ابن السنی: ۱۸۸، حدیث: ۱۷۰، الاذکار ۲: ۳۶۰، الکلم الطیب: ۱۲۰

مدلس ہے[1]۔

دوسرا طریق

ابو اسحاق سبیعی نے ہیثم بن حنش کے حوالے سے کہا ہے کہ ہم سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھے کہ اُن کا پاؤں سُن ہو گیا تو ایک شخص نے اُن سے کہا:

أُذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ فقال: يا محمد ﷺ! فقام فكأنما نشط من عقال[2].

''جو شخص تجھے زیادہ محبوب ہے اُس کا نام لے لو۔ اُس نے یا محمد ﷺ کہا تو وہ ایسے ٹھیک ہوئے جیسا کہ رسیوں سے چھوٹ گئے ہوں۔''

یہ روایت حسب سابق ضعیف ہے اس لیے کہ معنعن ہے اور اس کا راوی ابو اسحاق سبیعی عمرو بن عبداللہ ضعیف تھے اور اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔

اس کا ایک راوی ہیثم بن حنش ہے جو خطیب بغدادی کی تصریح کے مطابق مجہول ہے[3]۔

تیسرا طریق

ابو اسحاق سبیعی نے عبدالرحمٰن بن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھا کہ اُن کا پاؤں سُن ہو گیا تو میں نے اُن سے کہا: ابو عبدالرحمٰن! آپ کے پاؤں کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کے اَعصاب ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں اس پر میں نے اُن سے کہا: أُدْعُ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! فَانْبَسَطَتْ[4].

اس کی سند میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہی ابو اسحاق سبیعی موجود ہے۔ چونکہ یہ راوی اس کے ان تینوں طرق میں موجود ہے لہٰذا یہ اس کا مرکزی راوی ہے۔ جرح و تعدیل کے ائمہ نے

---

(۱) تعریف اہل التقدیس: ۱۰۱' تہذیب التہذیب ۸: ۵۹

(۲) عمل الیوم واللیلۃ: ۸۹' حدیث: ۱۷۰

(۳) الکفایۃ فی معرفۃ اصول علم الروایۃ ۱: ۲۴۵

(۴) عمل الیوم واللیلۃ: ۹۰' حدیث: ۱۷۲

اس راوی کو اختلاط کا شکار کہتے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ ان طرق میں دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ اس کو کبھی ابوشعبہ سے، کبھی ہیثم بن حنش سے اور کبھی عبدالرحمن بن سعد سے نقل کرتے ہیں۔ دو روایتوں میں وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا اور ایک میں کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن سعد نے اُن سے یہ بات کی۔ ایسی مضطرب روایت پر عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

۲۶-سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے وامحمداہ کہنے کی تلقین کی

ایک شخص سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں بیٹھا تھا جس کا پاؤں سُن ہو گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اُسے کہا: اپنے محبوب ترین شخص کا نام لو۔ اُس نے کہا: محمد ﷺ! اُس کا موچ فوراً ٹھیک ہو گیا۔

جواب

اس روایت کی سند یہ ہے: غیاث بن ابراہیم عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن مجاہد عن ابن عباس رضی اللہ عنہما(۱)۔

اس روایت سے بھی کسی قسم کا استدلال نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ اس کا ایک راوی غیاث بن ابراہیم ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں لوگوں نے اس کی حدیث کو چھوڑ دیا ہے۔ امام یحییٰ بن معین سے منقول ہے کہ یہ ثقہ نہیں۔ امام جوزجانی نے کہا: میں نے کئی لوگوں سے سنا کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ امام بخاری نے کہا: محدثین نے اس کو چھوڑ دیا تھا اور یہ شخص ہے جس کے بارے میں امام ابوخیثمہ نے ذکر کیا کہ اس نے مہدی (۲) کے سامنے یہ موضوع حدیث بیان کی کہ:

---

(۱) عمل الیوم واللیلۃ: ۸۸-۸۹ حدیث: ۱۶۹

(۲) محمد بن عبداللہ المنصور بن محمد بن علی العباسی ابو عبداللہ المہدی باللہ۔ عراق میں دولتِ عباسیہ کے خلفاء میں سے تھے۔ ایذج [اہواز] میں ۱۲۷ھ=۷۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۵۸ھ کو ولی عہد بنے۔

لا سَبَقَ اِلَّا فِی نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ أَوْ جَنَاحٍ (۱)

''مقابلہ صرف تیر' اونٹ' گھوڑے' اور پرندے میں جائز ہے۔''

ان روایات کے معنٰی سے بحث

بالفرض یہ روایات پایہ ثبوت تک پہنچ جائیں' تب بھی یہ اموات سے مانگنے اور ان کو پکارنے کی دلیل نہیں' اس لیے کہ:

۱: اس قسم کے الفاظ توجع' تاسف یعنی اظہار افسوس اور ندبہ کے لیے مستعمل ہیں۔ اظہار افسوس تو اس لیے کہ لوگ ایک شخصیت سے محروم ہو جاتے ہیں جب کہ ندبہ میں میت کے اوصاف اور اس کے فضائل و کمالات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور سختی اور تکلیف کے وقت اس کی غیر موجودگی پر افسوس کیا جاتا ہے' جیسے کوئی زندہ شخص کسی میت کا مرثیہ کرتے ہوئے وَاأَبَتَاهُ اور وَاصدیقاہ کہتا ہے۔ امام بخاری نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اپنے والد سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی وفات کے بعد ندبہ کا ذکر کرتے ہوئے وَاأَبَتَاهُ کا ذکر کیا ہے (۲)۔ وَاأَبَتَاهُ تفجع اور توجع کے لیے ہے' جیسے مریض تکلیف کے وقت وَاأَبَتَاهُ وَاأُمَّاهُ کہتا ہے۔

...... ماسبذان میں شکار کھیلتے ہوئے ۱۶۹ھ = ۷۸۵ء کو وفات پائی۔

[فوات الوفیات ۲:۲۷۱' ترجمہ: ۶۸ ۴' الاعلام ۶: ۲۲۱]

(۱) المجروحین ۱: ۶۶' میزان الاعتدال ۳: ۳۳۷-۳۳۸' ترجمہ: ۶۶۷۳؛ حالانکہ صحیح حدیث میں أَوْ جَنَاحٍ کا اضافہ موجود نہیں۔ دیکھیے سنن ابی داؤد' کتاب الجہاد [۹] باب فی السبق [۶۷] حدیث ۲۵۷۴ سنن ترمذی' کتاب الجہاد [۲۴] باب ما جاء فی الرہان والسبق [۲۲] حدیث: ۱۷۰۰' سنن نسائی' کتاب الخیل [۲۸] باب السبق [۱۴] حدیث: ۳۵۸۶

(۲) یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ جعل يتغشاه فقالت فاطمة رضي الله عنها: وَاكَرْبَ أَبَاهُ! فقال: ليس على أبيك كَرْبٌ بعد هذا اليوم. فلما مات قالت: يَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ يَا أَبَتَاهُ، يَا أَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ، يَا أَبَتَاهُ إِلَى جِبْرِيلَ نَنْعَاهُ.

[صحیح بخاری' کتاب المغازی [۶۴] باب مرض النبی ﷺ [۸۴] حدیث: ۴۴۶۲]

۲- وَامُحَمَّدَاهُ کے الفاظ صریح ہیں کہ اس میں استغاثہ اور طلب نہیں ہے اس لیے ایسا کہنے کے بعد کوئی مطالبہ اور دعاء مذکور نہیں۔ یہ ایک قسم کی تسلی اور اطمینان ہے اس لیے کہ کہ رسول اللہ ﷺ کے پاؤں مبارک بھی سوج جاتے تھے۔ آپ مختلف قسم کی تکلیفیں اٹھاتے اور مصائب کو برداشت کرتے تھے کیوں کہ یہ دنیا غموں کا گھر ہے اس میں مسلمانوں کو طرح طرح کے غم پہنچتے ہیں۔

۳- اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں مؤمنوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ شدائد و مصائب میں اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے عاجزی کرتے ہیں اسی کا نام لے کر گڑگڑاتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے فریاد کرتے ہیں۔ دورِ اول کے مسلمانوں نے جنگوں اور دشمنوں کے ساتھ جھگڑوں میں اپنے رب کے سوا کسی نبی، رسول یا ملائکہ سے مدد نہیں مانگی یہ تو عربوں کا طریقہ رہا ہے، جیسے ان کا شاعر کہتا ہے:

وَ تَخدَرُ فِي بَعْضِ الْأَحَايِينِ رِجْلُهُ
فَإِنْ لَمْ يَقُلْ: يَاعَتْبُ لَمْ يَذْهَبِ الْخَدَر (۱)

”کسی وقت اس کے پاؤں میں موچ آجائے اور وہ یاعَتْبُ نہ کہے تو موچ ختم نہیں ہوتی۔“

یہ اشعار اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دوست کا ذکر تسلی اور اطمینان کے لیے ہے اور دوست کا ذکر اور اس کی صورت کا تمثل دونوں نفس کی تسلی کا سبب بنتا ہے۔ موچ کے بارے میں وارد احادیث اسی قبیل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اور جس کے دل کو چاہے اسے مضبوط کر دیتا ہے۔

---

(۱) امام نووی نے الاذکار ۲: ۳۶۱ بذیل روایت ۷۹۶/ج: میں اس شعر کی نسبت ابوالعتاہیہ کی طرف کی ہے لیکن ابوالعتاہیہ کے مطبوعہ دیوان میں یہ شعر نہیں مل رہی۔

علامہ محمد علی بن محمد علان نے اس شعر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: أي: من حيث كمال المحبة بهذا المحبوب بحيث تمكن حبه في الفواد حتى إذا ذكره ذهب عنه الخدر.

[الفتوحات الربانية على الأذكار النواوية ٦: ١٣٣]

۲۷-یَاعِبَادَ اللّٰہِ احْبِسُوْا سے استدلال

ابن السنی کی روایت یَاعِبَادَاللّٰہِ احْبِسُوْا میں اَموات سے مدد مانگنے کا ذکر ہے۔ ابن السنی نے اس سند کے ساتھ حدیث نقل کی ہے:

اخبرنا ابو یعلیٰ حدثنا الحسن بن عمر بن شقیق حدثنا معروف بن حسان ابو معاذ السمرقندی عن سعید عن قتادۃ عن ابی بردۃ عن ابیہ عن عبداللہ بن مسعود ﷺ مرفوعاً:

إذاانفلت دابة أحدكم بأرض فلاةٍ فلْيُناد: ياعبادَ الله أحبسوا 'ياعبادَالله أحبسوا فإنَّ لِلّٰهِ عزوجل حاضرًا في الأرض سَيَحْبِسُهُ(۱).

''جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل میں گم ہو جائے تو وہ پکارے اے اللہ کے بندو میری سواری کو روکے رکھنا۔ اللہ کے کچھ بندے حاضر ہوتے ہیں جو اس کو روک لیں گے۔''

اور امام طبرانی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إذاانفلتَتْ دابَّةُ أحدكم بأرضِ فلاةٍ فلْيُنادِ: يَاعبادَ الله احبِسوا عَلَيَّ ' يَاعبادَ الله احبِسوا عَلَيَّ فإن لِلّٰهِ في الأرضِ حاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عليكم (۲).

---

(۱) مسند ابی یعلیٰ ۹: ۱۷۷ 'حدیث: ۳۰۳-[۵۲۶۹] 'عمل الیوم واللیلۃ: ۲۳۹-۲۴۰ 'حدیث: ۵۰۸

(۲) المعجم الکبیر ۱۰: ۲۱۷ 'حدیث: ۱۰۵۱۸

اس قسم کی ایک روایت اس سند کے ساتھ بھی مروی ہے: زید بن علی عن عتبۃ بن غزوان عن نبی اللہ ﷺ:

إذاأضلَّ أحدكم شيئًا أو أرادأحدكم عونًا وهو بأرضٍ ليس به أنيسٌ فليقل: ياعبادَالله أغيثوني فإن لِلّٰهِ عِبادًا لانراهم 'وقد جُرِّبَ ذلك. [المعجم الکبیر ۱۷: ۱۱۷-۱۱۸ 'حدیث: ۲۹۰]

''جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے 'یا کسی کو کسی ایسی جگہ امداد کی ضرورت ہو جہاں کوئی جان پہچان والا نہ ہو تو وہ یوں کہے کہ: اللہ کے بندو! میری مدد کرو' کیونکہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے۔ یہ مجرب ہے۔''

امام طبرانی کی یہ روایت منقطع ہے' کیونکہ اس کا راوی زید بن علی اس کو سیدنا عتبہ بن غزوان ﷺ سے نقل کرتا ہے حالانکہ اس نے اُن کا زمانہ ہی نہیں پایا اور نہ اُن سے اس کی ملاقات ہوئی ہے۔

"جب تم میں سے کسی کا جانور گم ہو جائے تو وہ کہے: اے اللہ کے بندو! میری سواری روکو۔ اے اللہ کے بندو! میری سواری روکو اس لیے کہ وہاں اللہ کے کچھ بندے موجود ہوتے ہیں جن کو تم دیکھ نہیں پاتے۔"

اسے حافظ سیوطی نے بھی الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے مگر خاموشی اختیار کی ہے[1]۔

حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ اسے ابو یعلیٰ اور طبرانی نے روایت کیا ہے جس کی سند میں معروف بن حسان ضعیف راوی ہے[2]۔

جواب

اس حدیث پر دو طرح سے کلام ہوگا۔ [۱] اس کی سند سے کلام [۲] اس کے معنیٰ پر کلام

اس کی سند سے کلام

یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ یہ روایت استدلال کے لیے کافی نہیں اس لیے کہ جن محدثین نے اسے نقل کیا انہوں نے اپنی روایات میں صحت اور ثبوت کی شرط نہیں لگائی اس لیے ان کا محض حدیث بیان کر دینا ہی استدلال کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ اس قسم کے محدثین صحیح، ضعیف اور مکذوب و موضوع تک روایتیں نقل کر دیتے ہیں۔ اگر ان کا محض کسی روایت کو نقل کر دینا ہی استدلال کے لیے کافی ہوتا تو محدثین کو جرح، نقد اور توثیق کی ضرورت کیوں پڑتی؟ علم اسماء الرجال کے وجود کی وجہ ہی یہی ہے۔ اگر ہر محدث کی منقول

...... [مجمع الزوائد ۱۰: ۱۳۲]

اس لیے کہ سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۷ ہجری کو ہوئی۔

[تقریب التہذیب: ۳۴۴ ترجمہ: ۴۴۷۰]

جب کہ زید بن علی کی ولادت ۷۹ ہجری کو ہوئی۔ ان دونوں راویوں کے درمیان ۶۲ سال کا طویل عرصہ ہے جن میں کم از کم دو راوی درکار ہیں جو یہاں مفقود ہیں۔

(۱) الجامع الصغیر مع الشرح فیض القدیر ۱: ۳۰۷ حدیث: ۵۰۱

(۲) مجمع الزوائد ۱۰: ۱۳۲

روایتیں درست ہوتیں تو وہ موضوعات سے متعلق کتابیں کیوں لکھتے؟ موضوع احادیث تو ان ہی کتابوں میں ہیں جن کے جامعین نے صحیح احادیث کا التزام نہیں کیا۔ اس فن کے کسی عالم نے ان کے اس عمل کا انکار بھی نہیں کیا جس کا سبب یہ تھا کہ اکثر محدثین ان کے علم تک پہنچنے والی ہر روایت، حدیث اور خبر کو سند کے ساتھ روایت کر دیتے تھے اور اسے قاری کے علم ونقد اور بحث پر اعتماد کرتے ہوئے اسی حال میں چھوڑ دیتے تھے۔ وہ منقول علم کی امانت کو جس طرح ان تک پہنچی، بحث وتمحیص کے بغیر ہی باقی لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ محض حدیث بیان کر دینا ہی روایت کی تصحیح وتوثیق نہیں، اسی وجہ سے وہ کبھی اپنی روایت کردہ حدیث کو ضعیف اور کبھی صحیح قرار دیتے ہیں۔

حافظ ہیثمی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی سند میں معروف بن حسان ضعیف ہے[۱]۔

حافظ ذہبی نے میزان سے اس کے ترجمہ کے تحت لکھا ہے کہ حافظ ابن عدی نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ اس نے عمرو بن ذر سے ایک طویل نسخہ روایت کیا جو پورے کا پورا غیر محفوظ ہے[۲]۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے[۳] اور امام ابن ابی حاتم نے اپنے والد کے حوالے سے اسے مجہول کہا ہے[۴]۔

حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی میں سے کسی ایک بھی محدث نے اس کی ثنا وصفت نقل نہیں کی اس لیے اس کی حدیث باطل ہے اور اسے دلیل بنانا جائز نہیں۔

---

(۱) مجمع الزوائد ۱۰:۱۳۲
(۲) الکامل فی ضعفاء الرجال ۸:۳۰، ترجمہ: ۱۸۴/۱۸۰۵، میزان الاعتدال ۴:۱۴۳، ترجمہ: ۸۶۵۴
(۳) لسان المیزان ۶:۶۱، ترجمہ: ۲۲۱
(۴) الجرح والتعدیل ۸:۳۲۳، ترجمہ: ۱۴۹۰

یہ وہ حدیث ہے جسے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں۔اس حدیث کے موضوع اور مکذوب ہونے پر حدیث کا علم رکھنے والوں کا اتفاق ہے۔یہ لوگ الٹا یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ احادیث تو بڑے اَعلام وشیوخِ حدیث مثلاً امام طبرانی' امام ابو یعلیٰ' امام ابن السنی' امام حاکم اور دارقطنی وغیرہ کی کتب میں مروی نہیں؟ اگر ان کی روایت کردہ ساری احادیث صحیح اور قابل استدلال ہوتیں تو سند کی ضرورت کیوں پڑتی؟ اور ان پر تنقید کرنے والا جاہل اور معتدی ہوتا اس حدیث کی سند صحیح نہیں اس لیے اہل علم کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں۔

حدیث کے معنیٰ پر کلام

-۱: اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تب بھی اِس میں مُردوں کو پکارنے کے جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے۔لَیْسَ بِھَا اَنِیْسٌ کی عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ وہاں کوئی زندہ اور مردہ انسان نہیں ہے۔

-۲: بِاَرْضِ فَلَاۃٍ دلیل ہے کہ پکارنے والا ایسی جگہ پکارتا ہے جہاں زندہ یا مردہ شیخ' ولی اور کوئی انسان موجود نہیں ہے۔جنگل میں مُردوں کو پکارنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ہر جگہ سے پکارنے والے کی پکار کو سنتے اور جواب دیتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کے لیے علم غیب ثابت کرنا ہے جو صریح شرک ہے۔

-۳: اگر وہاں کسی شیخ کی قبر ہوتی اور مردوں کو پکارنا مراد ہوتا تو حدیث میں فَلْیَذْھَبْ اِلٰی ضَرِیْحِ فُلَانٍ کے الفاظ وارد ہوتے۔

-۴: اگر وہ سنتے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پکارے جانے کے سب سے زیادہ حق دار قرار پاتے۔

-۵: فَاِنَّ لِلّٰہِ حَاضِرًا سَیَحْبِسُہٗ دلیل ہے کہ حاضرین اور شاہدین کو پکارا جا رہا ہے اور مردے جو آبادیوں یا جنگلوں میں مدفون ہیں وہ حاضر اور شاہد نہیں ہیں۔

-۶: فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا لَا تَرَوْنَهُمْ اس بات کا ثبوت ہے کہ مردوں کے علاوہ کسی اور کو پکارا جا رہا ہے۔ حدیث میں مراد کچھ ایسے زندہ لوگ ہیں جو عادۃً صحراؤں میں موجود ہوتے ہیں اس صورت میں غیر معین کو پکارنا مراد ہے جس میں شرک اور گمراہی کا وجود تک نہیں ہے۔

اس کی مثال راستے میں کھڑے اس اندھے کی طرح ہے جو اس ارادہ کے ساتھ یَا رَجَالَ خُذُوْا بِیَدِیْ پکار رہا ہوتا ہے کہ کوئی زندہ شخص اس کی پکار سن کر اس کی مدد کرے۔

شیخ رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ وہاں یہ موجود زندہ لوگوں کو ندا ہوتی ہے اس سے مردے مراد لینا جہالت ہے(۱)۔

۲۸- سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعاء

امام بخاری نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قحط کے دوران سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش مانگا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ: فَيُسْقَوْنَ(۲)۔

"اے اللہ ہم اپنے نبی ﷺ سے دعائے استسقاء کی اپیل کیا کرتے تھے تو [اُن کی دعاء کے نتیجے میں] تو بارش برسا دیتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا [کی دعاء] کے ذریعے سے بارش کی التجا کرتے ہیں تو [اب بھی رحم فرما کر] بارش برسا دے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر بارش برسنے لگتی تھی۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے: وقد بيّن الزبير بن بكار في الأنساب صفة مادعابه العباس في هذه الواقعة والوقت الذي وقع فيه ذلك فأخرج بإسناد له أن العباس لما استسقى به عمر قال: أللهم لم ينزل بلاء إلا بذنب ولم يكشف إلا بتوبه و قد توجه القوم بي إليك لمكاني من نبيك وهذه أيدينا إليك بالذنوب

---

(۱) فتاوی رشیدیہ: ۹۲

(۲) صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام اذا قحطوا [۳] حدیث: ۱۰۱۰

ونواصينا إليك بالتوبة فاسقنا الغيث فأرخت السماء مثل الجبال حتى أخصبت الأرض وعاش الناس[1].

''انساب میں زبیر بن بکار[2] نے اس واقعہ میں دعاء کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ سیدنا عباس ﷛ سے جب سیدنا عمر ﷛ نے دعاء کا مطالبہ کیا تو انہوں نے کہا: اے اللہ! مصیبت تو گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی کے ذریعہ ختم ہے۔ لوگوں نے مجھے تیرے نبی ﷺ کا قریبی ہونے کی وجہ سے متوجہ کیا ہے۔ ہمارے ہاتھ گناہوں کے ساتھ اور ہماری پیشانیاں توبہ کے ساتھ تیرے سامنے ہیں۔ اے اللہ! ہم پر بارش برسا تو آسمان میں پہاڑوں جیسے بادل آئے اور اتنی بارش برسی کہ زمین سرسبز ہوگئی اور لوگ تر وتازہ ہو گئے۔''

حافظ صاحب موصوف نے آگے لکھا ہے: أخرجه البلاذري من طريق هشام بن سعد عن زيد بن أسلم فقال عن أبيه بدل إبن عمر فيحتمل أن يكون لزيد فيه شيخان وذكر ابن سعد وغيره أنّ عام الرمادة كان سنة ثمان عشرة وكان ابتداءه مصدر الحاج منها ودام تسعة أشهر[3].

(۱) فتح الباری ۲: ۴۹۷، کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام الاستسقاء [۳] بذیل حدیث: ۱۰۱۰

(۲) زبیر بن بکار بن عبداللہ قرشی اسدی مکی ابو عبداللہ ۱۷۲ھ = ۷۸۸ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ سیدنا زبیر بن عوام ﷛ کی اولاد میں سے ہے۔ تاریخ کے راوی اور انساب و اخبار عرب کے عالم تھے۔ مکہ مکرمہ میں قضاء کے عہدہ پر فائز تھے جہاں ۲۵۶ھ = ۸۷۰ء کو وفات پائی۔
[وفیات الاعیان ۲: ۳۱۱-۳۱۲، الاعلام ۳: ۴۲]

(۳) فتح الباری ۲: ۴۹۷، کتاب الاستسقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام الاستسقاء [۳] بذیل حدیث: ۱۰۱۰

''بلاذری (۱) نے ہشام بن سعید از زید بن اسلم کی روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جگہ عن ابیہ ذکر کیا ہے (۲)۔ ممکن ہے کہ زید کے دو شیخ ہوں۔ امام ابن سعد وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اٹھارہ ہجری کو عَامُ الرَّمَادَةِ (۳) کہا جاتا ہے جو حاجیوں کی واپسی سے نو ماہ تک رہا ہے (۴)۔

شرکی وسیلہ ثابت کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ حدیث زندہ اور مردہ صالحین کے وسیلہ کے جواز کی دلیل ہے۔

جواب

یہ حدیث مبارک ان لوگوں کے عقائد: مردوں، ذوات فاضلہ اور غیر کے اعمال کو وسیلہ بنانے کی تائید نہیں کرتی بلکہ اس سے تو ہماری بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی زندہ صالح شخص سے دعا کروائی جائے۔ اس کے کئی وجوہ ہیں:

---

(۱) احمد بن یحییٰ بن جابر بن داود بلاذری۔ مؤرخ، جغرافیہ دان، ماہر انساب اور شاعر تھے۔ بغداد سے تعلق تھا۔ متوکل عباسی کے ہم نشین رہے ہیں۔ مامون کی مدح میں کئی نظمیں لکھیں۔ فارسی خوب جانتے تھے۔ ''عہد از دشیر'' کو فارسی سے ترجمہ کیا۔ عمر کے آخری حصہ میں جنون کا شکار ہوئے۔ بیمارستان یعنی ہسپتال میں داخل کیے گئے جہاں ۲۷۹ھ = ۸۹۲ء کو وفات پائی۔

[معجم الادباء ۵: ۸۹-۱۰۲، ترجمہ: ۲۶، الاعلام ۱: ۲۶۷]

(۲) انساب الاشراف ۴: ۱۳، احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری، تحقیق: ڈاکٹر سہیل زکار: ڈاکٹر ریاض زرکلی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۶ء، فتح الباری ۲: ۴۹۷

(۳) الرَّمَادَةُ: بفتح الراءِ وتخفيف الميم سُمّي العامُ بها لما حصلَ من شدَّةِ الجدب فاغبرت الأرض جدًّا من عدم المطر. [الطبقات الکبریٰ ۳: ۳۱۰، فتح الباری ۲: ۴۹۷، واللفظ لہ]

''رَمَادَة: ''راء'' کے زبر اور ''میم'' کی تخفیف کے ساتھ۔ ایک سال بارشیں نہ برسنے کی وجہ سے پوری زمین راکھ جیسی خشک ہوگئی تھی جس کی وجہ سے قحط والے سال کو یہ نام دیا گیا۔

(۴) الطبقات الکبریٰ ۳: ۲۸۰

-۱: سیدنا عباس رضی اللہ عنہ زندہ تھے۔ ان سے دعاء کا مطالبہ کیا گیا۔ یہی ہمارا عقیدہ اور قول ہے کہ زندہ اور صالح لوگوں سے دعاء کروائی جائے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

يُستَفادُ مِن قصة العباس :استحباب الإستشفاع بأهل الخير والصلاح وأهل بيت النبوة(۱).

''سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے قصہ سے اہل خیر اور اہل بیت سے استشفاع کے مطالبہ کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔''

-۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عیدگاہ میں استقاء کے لیے گئے اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: قُم فَاستَسقِ اٹھیے اور بارش کی دعاء مانگیے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اٹھے جس کی امام عبد الرزاق کی روایت میں تصریح ہے (۲)۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں بھی اس کا ذکر کیا ہے (۳)۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ زندہ تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بارش کے لیے دعاء کا مطالبہ کیا۔

-۳: زبیر بن بکار کی روایت میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے: وَقَدْ تَوَجَّهَ الْقَوْمُ بِي إِلَيْكَ لِمَكَانِي مِنْ نَبِيِّكَ (۴).

-۴: امام بخاری نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے اُس میں تصریح ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قحط کے دوران سیدنا عباس کے ذریعہ سے بارش مانگا کرتے تھے۔ یہ کسی زندہ صالح شخص سے دعاء کروانے میں صریح ہے کیوں کہ استقاء بارش مانگنے کو کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مردوں کا وسیلہ پیش کرنے کی کئی وجوہ سے سخت تردید ہے:

---

(۱) فتح الباری ۲: ۴۹۷، کتاب الاستقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام الاستقاء [۳] بذیل حدیث: ۱۰۱۰

(۲) مصنف عبد الرزاق ۳: ۹۲-۹۳، حدیث: ۴۹۱۳

(۳) فتح الباری ۲: ۴۹۵

(۴) فتح الباری ۲: ۴۹۷، کتاب الاستقاء [۱۵] باب سوال الناس الامام الاستقاء [۳] بذیل حدیث: ۱۰۱۰

۱:- سیدنا عمر ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی جاہ' حق اور ذات کے وسیلہ سے دعاء نہیں مانگی بلکہ سیدنا عباس ﷺ - جو زندہ تھے - سے دعاء کی درخواست کی۔ سیدنا عمر ﷺ کا رسول اللہ ﷺ سے دعاء نہ کروانا اور سیدنا عباس ﷺ کی طرف دعاء کے لیے رجوع کرنا مخالفین کے زعم کے غلط ہونے کے لیے کافی ہے اور اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو سیدنا عمر ﷺ ضرور رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ پیش کرتے کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی جاہ' ذات اور حق دنیا کی طرح آخرت میں بھی ثابت ہے لیکن خلیفہ راشد امیر المؤمنین سیدنا عمر ﷺ کا صحابہ کرام کی موجودگی میں ایسا نہ کرنا اس بات پر اجماع کی حیثیت رکھتا ہے کہ اموات کے بجائے زندوں سے دعاء کا مطالبہ کیا جائے۔

۲:- سیدنا عمر ﷺ کا اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا کہنا دلیل ہے کہ زندگی میں قحط کے دوران صحابہ کرام ﷺ کسی اور کی طرف رجوع نہیں کیا کرتے تھے پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات پا جانے کے بعد کسی اور کی طرف اُن کا رجوع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اموات سے استشفاع کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

۳:- قرآن مجید کی متعدد آیات میں انبیاء کرام علیہم السلام سے زندگی میں دعاء کے مطالبہ کا ذکر ہے۔ کسی بھی مؤمن نے موت کے بعد انبیاء کرام سے دعاء کا مطالبہ منقول نہیں ہے۔

۴:- سیدنا عمر ﷺ قحط کے دوران سیدنا عباس ﷺ کے دعاء کے وسیلہ سے بارش مانگا کرتے تھے۔ یہ اس بات کی تصریح اور دلیل ہے کہ انہوں نے ایسا کئی بار کیا ہے اور زندوں کا وسیلہ پیش کرنا ان کے ہاں ایک عام عادت تھی۔ نبی کریم ﷺ کے وسیلہ کو چھوڑ کر سیدنا عباس ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا اور بارش مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اس پر کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے اس قسم کی کوئی بات ثابت ہو سکے۔ اگر سیدنا آدم ﷺ کے نبی کریم ﷺ کے حق کے وسیلہ سے مانگنے کی حدیث یعنی امام حاکم کی روایت اگر ثابت ہوتی تو وہ اپنے رب سے نبی کریم ﷺ کے حق کے وسیلہ سے بارش مانگتے اسی طرح نابینا کی حدیث سے اگر اموات

کا توسل مراد ہوتا تو اللہ سے آپ کے حق کے وسیلہ سے مانگتے اور کبھی بھی اس حدیث سے بے رُخی نہ برتتے۔ اسی طرح سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ثابت ہوتی تو انہیں فرماتے کہ اپنے نبی ﷺ کے حق کا وسیلہ دے کر دعاء کریں۔ اور یہ سوال بھی وارد ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے سخت تکلیف کے وقت میں صحیح اور ثابت خبر کو کیسے چھپالیا؟

اسی طرح اگر مالک الدار، خازنِ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جو روایت یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ: فَاَتَی الرَّجُلُ فِي الْمَنَامِ فَقِيْلَ لَهُ: إِيْتِ عُمَرَ وَأَخْبِرْهُ أَنَّهُمْ مُسْقَوْنَ تو یہ روایت اگر صحیح ہوتی اور وہ اعرابی سیدنا بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ صحابی ہوتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے اِستشفاع نہ کرواتے۔

۲۹-قرابت کا وسیلہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ. [سورة النساء ۴:۱]

''اور اللہ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو۔''

کچھ لوگ اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے قرابت کا وسیلہ جائز قرار دیتے ہیں۔

جواب

یہ جائز ہے کیونکہ رشتہ داروں کے ایک دوسرے پر حقوق ہوتے ہیں جو اس قرابت اور صلہ رحمی کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے مانگتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ:

اَلرَّحِمُ شِجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ: مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ.(۱)

''رحم، رحمان سے ملی ہوئی ایک شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کوئی تجھے ملائے گا میں اُس

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب [۷۸] باب من وصل وصلہ اللہ [۱۳] حدیث: ۵۹۸۸، سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ [۲۸] باب ما جاء فی رحمۃ المسلمین [۱۶] حدیث: ۱۹۲۴

کو ملاؤں گا اور جو کوئی تجھے قطع کرے گا میں اُس سے اپنا تعلق توڑوں گا۔“

اور حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَنَا الرَّحْمٰنُ وَهِيَ الرَّحِمُ شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنِ اسْمِيْ مَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ (1)

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں رحمٰن ہوں [اور یہ قرابت داریاں جسے] رحم [کہتے ہیں] میں نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا جو اسے جوڑے گا میں اس کے ساتھ تعلق قائم رکھوں گا اور جو اسے کاٹے گا تو میں اس سے کٹ جاؤں گا۔“

۔دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں زندوں سے دعاء اور توسل کا ثبوت ہے۔ مردوں اور ان کے وسیلہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کے لیے دعاء کرنے کا حکم ہے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ [۹] باب فی صلۃ الرحم [۴۵] حدیث: ۱۲۹۴

فصل پنجم

فضائل اعمال' اماکن اور قبور کے بارے میں جھوٹی باتیں

-۱-

قبروں کے بارے میں بہت زیادہ جھوٹی باتیں مشہور ہیں۔قبروں کے پاس اپنی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے جانے والے اور ان سے مدد مانگنے والے' ستاروں کے پجاری اور شیطان کے بھائیوں کا یہ کہنا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں قبر والے سے مدد مانگی تو اس کی دعاء قبول ہوئی اور اس کی ضرورت پوری ہو گئی اور اس کا مریض اور گھوڑا ٹھیک ہو گیا اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے بیمار گھوڑے اور دوسرے جانوروں کو ان کی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں تو وہاں شفا پاتے ہیں۔

ایسے کچھ لوگوں سے حافظ ابن تیمیہ کا واسطہ پڑا تھا جس کا ذکر کرنے کے بعد انہوں نے اپنا تبصرہ کچھ اس طرح لکھا ہے: **فقلت لہم**:ھذا من أعظم الأدلةِ علی کفرھم' و طلبتُ من طائفةٍ من سیاس الخیل فقلتُ : أنتم بالشام و مصر إذا أصاب الخیل المغل أین تذھبون بھم؟**فقالوا**:في الشام یُذھَبُ بھا إلی قبور الیھود و النَّصاریٰ وإذا کُنَّا في أرض الشمال یذھب بھا إلی القبور التي ببلاد الإسماعیلیة کالعلیقة والمنقبة ونحوھما' وأمّافي مصر فیُذْھَبُ بھاإلی دیْرٍ ھناك للنَّصاری' و تذھب بھا إلی قبور ھؤلاء الأشراف ' و ھم یظُنُّون أنَّ العبیدیین شرفاء لِما أظھروا أنھم من أھل البیت' **فقلتُ**:ھل یذھبون بھا إلی قبور صالحي المسلمین مثل قبر اللیث بن سعد' والشافعي' وابن القاسم وغیرھؤلاء ؟ فقالوا:لا 'فقلتُ لأولئك:اسمعوا' إنما یذھبون بھا إلی قبور الکفار و المنافقین' وبیَّنْتُ لھم سبب ذلك **قلتُ**:لأنَّ ھؤلاء

يُعَذَّبون في قبورهم ' و البهائمُ تسمع أصواتهم ' كما ثبت ذلك في الحديث الصَّحيح ' فإذا سمعت ذلك فَزِعَتْ ' فبسبب الرُّعب الذي يحصل لها تنحل بطونها فتروّث فإن الفزع يقتضي الإسهال[1].

''میں نے اُن سے کہا کہ یہ ان کے کفر کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ گھوڑوں کی رکھوالی کرنے والی ایک جماعت سے میں نے پوچھا کہ جب تم شام یا مصر میں ہو اور تمہارے گھوڑوں کے پیٹ خراب ہو جائیں[2] تم انہیں کہاں لے جاتے ہو؟ وہ کہنے لگے: شام میں اسے یہود اور نصاریٰ کی قبروں کے پاس لے جایا جاتا ہے اور جب ہم شمالی علاقوں میں ہوتے ہیں تو انہیں اسماعیلیہ کے علاقے میں علیقہ ومنقیہ وغیرہ جیسی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں اور مصر میں وہاں کے عیسائیوں کے قبرستان میں وہاں کے اشراف کی قبور کے پاس لے جاتے ہیں۔ ان کا خیال کہ عُبیدی شرفاء ہیں کیوں کہ وہ اپنے آپ کو اہل بیت ظاہر کرتے ہیں تو میں نے انہیں کہا: کیا تم ان کو مسلمانوں کے نیک لوگوں کی قبروں مثلاً امام لیث بن سعد[3] امام شافعی اور ابن قاسم وغیرہ کے پاس بھی لے جاتے ہو؟ تو کہنے لگے: نہیں تو میں نے انہیں کہا کہ سنو یہ لوگ اپنے جانور کفار اور منافقین کی قبروں کے پاس لے

---

(۱) کتاب الرد علی البکری ۲: ۵۸۸-۵۹۰

(۲) اصل میں المغل ہے۔ امام جوہری لکھتے ہیں: مغل الدَّابَّة- بالکسر- يمغل مغلاً إذا أكل التراب مع البقل فاشتكى بطنه [الصحاح ۱۹۹۶]

''مَغِلَ الدَّابَّةُ- میم کے زیر کے ساتھ- اُس وقت کہتے ہیں جب کوئی جانور چارہ کے ساتھ مٹی بھی کھالے اور اُس کا پیٹ خراب ہو جائے۔''

(۳) لیث بن سعد بن عبدالرحمن الفہمی بالولاء ابوالحارث۔ خراسان سے تعلق تھا۔ ۹۴ھ= ۷۱۳ء کو قلقشندہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے میں حدیث اور فقہ میں اہل مصر کے امام تھے۔ کریم النفس اور سخی تھے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ لیث، امام مالک سے بڑھ کر فقیہ تھے مگر ان کے اصحاب نے ان کے مسائل کا اہتمام نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے اُن کے حالات زندگی پر ایک رسالہ ترتیب دیا ہے۔ ۱۷۵ھ= ۷۹۱ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ [وفیات الاعیان ۴: ۱۲۹، الاعلام ۵: ۲۴۸]

جاتے ہیں اور میں نے اس کا سبب بیان کیا کہ ان لوگوں کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہوتا ہے جسے یہ جانور سن لیتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے'اُس عذاب کی آواز کے خوف کی وجہ سے ان کے پیٹ جاری ہو جاتے ہیں اور گوبر خارج ہو جاتا ہے کیوں کہ خوف اسہال کا ذریعہ ہوتا ہے۔تو اس سے یہ لوگ تعجب میں پڑ جاتے ہیں۔"

حافظ ابن تیمیہ یہ بھی لکھتے ہیں: فکثیرٌ من هؤلاء الذین یُعظِّمون القبور و المشایخ، و یستغیثون بهم، و یطلبون حوائجهم منهم، یطیعهم الشیاطین بسبب ذلك في بعض الأمور، وذلك من جنس السحر و الشرك، فمنهم من تطیر به الشیاطین في الهواءِ حملاً له من مكان إلی مكان، فتارةً تذهب به إلی مكة، وتارةً إلی بیت المقدس وغیره من البلاد، ویكون زندیقًا فاجرًا إباحیًا تاركًا للصَّلاةِ وغیرها مما أوجبه الله ورسوله ﷺ و فرضه، ویستحلُّ المحارمَ التي حرمها اللهُ ورسوله ﷺ و یحلها لغیره، وإنما تقترن به الشیاطینُ و تخدمه لما فیه من الكفر والزندقة و من الفسوق والعصیان، فإذا آمَنَ بالله ورسوله ﷺ وتابَ والتزَمَ الطَّاعةَ لِلّٰهِ ولرسوله فَارَقَتْهُ تلك الشیاطینُ وتلك الأحوال الشیطانیة من الإخبارات و التأثیرات.(۱)

"ان لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو قبروں اور مشائخ کی تعظیم کرتے'ان سے مدد مانگتے ہیں اور اپنی حاجات اُن سے طلب کرتے ہیں اور شیطان اسی وجہ بعض کاموں میں اُن کی اطاعت کر لیتے ہیں اور یہ سحر اور شرک کی ایک قسم ہے۔ان میں سے بعض کو شیاطین ہوا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑا کر لے جاتے ہیں انہیں کبھی مکہ مکرمہ کبھی بیت المقدس وغیرہ شہروں کی طرف لے جاتے ہیں حالانکہ وہ زندیق اور بدکردار'اِباحی اور تارکِ نماز ہوتا ہے اور ان سارے اعمال کا تارک ہوتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے یا اس کو فرض قرار دیا ہو اور اُن محرمات کو حلال قرار دیتا ہے جن کو اللہ اور اُس کے رسول نے

(۱) کتاب الرد علی البکری ۱:۲۷

حرام ٹھہرایا ہے۔ اسی کفر، زندیقیت، فسق اور نافرمانی کی وجہ سے شیطان ان کے ساتھ مل جاتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں اور جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں، توبہ کرتے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں تو شیاطین ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہ شیطانی احوال، اخبارات اور تاثیرات ختم ہو جاتے ہیں۔''

حافظ صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: وقد يرى أحدهم القبر قد انشقَّ وخرج منه الميت فعانقهُ أو صافحَهُ أو كلَّمهُ، ويكون ذلك شيطانا تمثّل على صورته لِيُضلَّه، و هذا يُوجَدُ كثيرًا عند قبور الصّالحين (۱).

''ان میں سے بعض لوگ کبھی کسی قبر کو دیکھتا ہے کہ وہ پھٹی اور اس سے میت باہر نکلی اور اس کے ساتھ مصافحہ و معانقہ کیا یا اس کے ساتھ کلام کیا حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے جو صاحب قبر کی صورت میں اس کو گمراہ کرنے کے لیے آتا ہے۔ ایسا اکثر نیک لوگوں کی قبروں کے پاس ہوتا رہتا ہے۔''

حافظ ابن تیمیہ مزید لکھتے ہیں: ومنهم من يستقبلُ القبرَ ويصلي إليه مستدبرًا الكعبة ويقول: القبرُ قِبلةُ الخاصّةِ والكعبةُ قِبلَةُ العامةِ، وهذا يقوله مَن هو أكثر الناس عبادةً وزهدًا، وهو شيخٌ متبوعٌ...... وآخرون يَحُجُّون إلى القبور، وطائفة صنفوا كُتبًا وسمُّوها مناسكُ حجِّ المَشاهِدِ؛ كما صنَّفَ أبو عبدالله محمد بن النعمان المُلقَّب بالمفيد، أحد شيوخ الإمامية، كتابًا في ذلك، وذكر فيه من الحكايات المكذوبة على أهل البيت ما لا يخفَى كذبه على من له معرفة بالنقل (۲).

''ان میں سے بعض وہ ہیں جو قبلہ کی طرف پشت کر کے اور قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کعبہ عام لوگوں کا قبلہ ہے اور قبر خاص لوگوں کا قبلہ ہے۔ یہ باتیں

---

(۱) کتاب الرد علی البکری ۱: ۱۴۵-۱۴۶

(۲) کتاب الرد علی البکری ۲: ۵۶۰

اُن میں سے وہ شخص کرتا ہے جو زہد و عبادت میں کمال تک پہنچ چکا ہو اور لوگ اس کے پیروکار ہوتے ہیں۔...... اور کچھ ایسے ہیں جو حج ادا کرنے کے لیے قبروں کے پاس جاتے ہیں' ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے' جس نے مناسک حج مشاہد کے نام سے کتابیں بھی لکھی ہیں جیسا کہ روافض کے شیخ ابوعبداللہ محمد بن النعمان المفید (۱) نے اس قسم کی ایک کتاب لکھی' جس میں اہل بیت کو منسوب کر کے جھوٹی اور من گھڑت حکایتیں درج کی ہیں (۲)۔ علم منقول کے علماء سے یہ بات مخفی نہیں۔"

حافظ ابن تیمیہ یہ بھی لکھتے ہیں: قال بعض المتفلسفة: إنّ الأرواح المفارقة قد حصلَ لها قوة و كمال' فإذا اتّصل بها روح الزائر مع خشوعه فاضَ عليها من آثار تلك الروح ما تقوي به و تستنير' هذا من قول أهل الزور (۳)۔

"کچھ فلسفیوں نے کہا ہے کہ جسم سے الگ ہونے والی ارواح کو ایسی قوت اور کمال حاصل ہو جاتا ہے کہ جب زائر سے متصل ہو جائے جب کہ زائر خشوع سے سرشار ہو تو اس روح کے آثار اس پر بھی پڑتے ہیں' جس سے وہ قوت اور روشنی حاصل کرتی ہے۔ یہ جھوٹے لوگوں کی بات ہے۔"

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ: وهؤلاء المشركون يُعظِمون الشمس والقمر و الكواكب تعظيمًا' يسجدون لها ويتذللون لها' و يسبحونها تسابيح معروفة في

---

(۱) محمد بن محمد بن النعمان بن عبدالسلام عکبری ابوعبداللہ المفید۔ ابن المعلم سے مشہور ہیں۔ امامی محقق ہیں۔ اپنے دور میں شیعوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ ۳۳۶ھ = ۹۴۷ء کو عکبرا میں پیدا ہوئے جو بغداد سے دس فرسخ کی مسافت پر ہے۔ بغداد میں پلے بڑھے اور وہیں ۴۱۳ھ = ۱۰۲۲ء کو وفات پائی۔ دو سو کے لگ بھگ کتابیں لکھیں۔ [روضات الجنات ۴: ۲۴۳' الاعلام ۷: ۲۱]

(۲) اس کتاب کا نام کتاب المزار' مناسك المزار ہے۔ ۲۳۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب آیۃ اللہ الحاج السید محمد باقر الابطحی کی تحقیق کے ساتھ موسسۃ الامام المجتبیٰ سے ۱۴۱۳ھ کو چھپ چکی ہے۔

(۳) کتاب الرد علی البکری ۱: ۱۶۷

كتبهم، ودعوات لا ينبغي أن يدعى بها إلّا خالقها وفاطرها وحده...... ويزعمون أن روحانية ذلك الكوكب تتنزل عليهم فتخاطبهم وتقضي حوائجهم وشاهدوا ذلك منها وعاينوه، وتلك الروحانية هي الشياطين تنزلت عليهم وخاطبهم، وقضت حوائجهم ثم لما رامَ هذا الفعل من تستر منهم بالإسلام، ولم يكن أن يبني لها بيوتًا يعبدها فيه كتب لها دعوات وتسبيحات وأذكارًا سمّاها هياكل، ثم من اشتد تستره وخوفه أخرجها في قالب حروف وكلمات لا تُفْهَم لئلا يبادر إلى إنكارها وردها ومن لم يخف منهم صرح بتلك الدعوات والتسبيحات والأذكار بلسان من يخاطبه بالفارسية والعربية وغيرها فلما أنكر عليه أهل الإيمان قال: إنما ذكرت هذا معرفة لهذا العلم، وإحاطة به لا إعتقادًا ولا ترغيبًا فيه(۱)

''یہ مشرکین سورج' چاند اور ستاروں کی تعظیم' ان کے سامنے سجدے اور عاجزی کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں مشہور تسبیحات اور دعاؤں کے ساتھ ان کے نام کی ایسی تسبیحات پڑھتے ہیں جو صرف اکیلے خالق ہی کو بجتی ہیں...... ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس ستارے کی روحانیت ان پر نازل ہو کر ان سے باتیں کرتی ہے اور ان کی حاجتیں پوری کرتی ہے وہ اس روحانیت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کرتے ہیں حالانکہ وہ روحانیت نہیں بلکہ حقیقت میں شیاطین ہوتے ہیں جو ان کے پاس آ کر باتیں کرتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے ہیں پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اس کو اسلام کے پردے کے تحت چھپا کے رکھا لیکن اُن کی عبادت کے لیے عبادت گاہیں نہ بنا سکے جس میں اُن کی عبادت کر سکیں تو اُن کے لیے دعائیں' تسبیحات اور اذکار لکھیں جن کا نام ہیکل رکھا گیا۔ پھر جن لوگوں کا پردہ ذرا مضبوط اور خوف بڑھ گیا تو انہوں نے ان ہیاکل کو ایسے حروف اور کلمات کے قالب میں ڈھالا جن کا مطلب نہ سمجھا جا سکتا تھا تاکہ کوئی ان کے انکار اور رد میں جلدی نہ کرے۔ ان

(۱) مفتاح دار السعادۃ و منشور ولایۃ العلم والارادۃ: ۶۱۴-۶۱۵

میں سے جنہیں زیادہ خوف لاحق نہیں تھا اُنہوں نے عربی اور فارسی زبان میں ان دعاؤں' تسبیحات اور اذکار وغیرہ کو واضح طور پر بیان کیا اور جب اہل ایمان نے ان پر نکیر اور تردید کی تو کہنے لگے کہ یہ تو محض اس لیے ذکر کیے گئے ہیں کہ ہم بھی ان کا علم رکھتے ہیں اور ہم بھی ان چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ہم ان چیزوں پر عقیدہ نہیں رکھتے اور نہ کسی کو اس کی ترغیب دیتے ہیں۔''

سب سے پہلا شرک اموات کو پکارنے ہی کی وجہ سے وجود میں آیا۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کا یہی شرک تھا جو سب سے پہلے عالم میں ظہور پذیر ہوا۔ اس شرک کا فتنہ بہت عام ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے اکثر دشمن مبتلا ہوئے۔

-۲-

بہت سے قبر پرست مکانات ومقامات اور ان کی طرف سامان سفر باندھنے کی فضیلت کے بارے میں ائمہ کی طرف بہت سے اقوال منسوب کرتے ہیں جنہیں ان پر اعتماد کرنے والے جاہل قبول کر لیتے ہیں اور ان کی ایسی کرامات کا ذکر کرتے ہیں جن سے ان کا تصرف ثابت ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے بارہ سال بعد مرے ہوئے انسانوں سے بھرا ہوا غرق شدہ بیڑا دریا سے نکالا۔ ہمارے شیخ الشیوخ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے کہا ہے کہ یہ جہلاء کی جھوٹی باتیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں اور یہ عقیدہ شرک ہے اس سے توبہ کرنی ضروری ہے [(۱)]۔ اور کہا ہے کہ اگر یہ خیال ہو کہ ان کو اختیار حاصل ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار اور علم غیب دیا ہے تو یہ شرک ہے [(۲)]۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ کفر کا کلمہ اگرچہ اعتقاد کے بغیر ہو کفر ہے پھر بحر الرائق اور فتاویٰ قاضی خان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ استعانت جس نہج پر بھی ہو جائز نہیں اور مجمع البحار سے نقل کیا

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ: ۳۱۵' رشید احمد گنگوہی' ایچ ایم سعید کمپنی' ادب منزل' کراچی' پاکستان

(۲) نفسِ مصدر: ۳۱۵

کہ من قصد زیارة قبور الأنبیاء والصُّلحاء أن یصلي عند قبورھم ویدعو عندھا ویسألھم الحوائج فھذا لا یجوز عند أحد من علماء المسلمین فإن العبادة وطلب الحوائج والاستعانة حق اللہ تعالیٰ وحدہ (۱)۔

''ان میں سے کچھ لوگ انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کی قبروں کے پاس نماز پڑھنے' اُن کو پکارنے اور اُن سے حاجتیں مانگنے کا قصد کر کے جاتے ہیں جو کسی بھی مسلمان عالم کے نزدیک جائز نہیں ہے اس لیے کہ عبادات' حاجتیں طلب کرنا اور مدد مانگنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے (۲)۔''

پھر استغاثت بالموتی کے بارے میں سوال کا ذکر کیا کہ قبروں کے پاس تو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے فقر کی دوری' رزق کی کشادگی' اولاد کی کثرت اور مریض کی شفاء کے لیے دعا کریں اور اس کا جواب دیا کہ یہ بھی مشروع نہیں (۳)۔

اور کہا کہ قبور سے استمداد حرام ہے (۴)۔

اور کہا کہ عوام میں ان امور [اولیاء کی قبروں سے فیض حاصل ہونے] کا بیان کفر و شرک کا دروازہ کھولنا ہے (۵)۔

اور کہا کہ متبرک مقامات اور اولیاء کی قبروں کی زیارت مکروہ ہے (۶)۔

اسی طرح سالانہ عرس میں شرکت بھی مکروہ ہے۔ شیخ نے کہا اگرچہ اس میں قرآن کی تلاوت ہی کیوں نہ ہو مکروہ ہے۔ اور اپنے فتاویٰ میں کئی جگہوں پر اس کی تفصیل کی ہے (۷)۔

---

(۱) مجمع بحار الانوار ۲:۴۴۳' فتاوی رشیدیہ: ۳۳۱-۳۳۲

(۲) فتاویٰ رشیدیہ: ۳۳۲ (۳) نفسِ مصدر: ۳۳۲

(۴) نفسِ مصدر: ۴۰۷ (۴) نفسِ مصدر: ۴۰۰

(۵) نفسِ مصدر: ۴۰۰ (۶) نفسِ مصدر: ۴۰۰

(۷) نفسِ مصدر: ۴۲۹-۴۳۰

بہت سے لوگ لاعلمی میں کفار اور منافقین کی قبروں کی تعظیم میں مبتلا ہیں، چنانچہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ: کَمْ مِن مَشْهَدٍ يُعظِّمهُ الناس وهو كذب بل يُقالُ: هو قبر كافر ...... و كثير من المشاهد متنازع فيها و عندها شياطين تضل بها من تضلُّ و منهم من يرى في المنام شخصًا يظن أنه المقبور و يكون ذلك شيطانًا تصوَّر بصورته أو بغير صورته كالشياطين الذين يتمثلون لمن يستغيث بالأصنام والموتى والغائبين و هذا كثير في زماننا و غيره ...... و يخرج الشيطان فيقضي حوائجه و مثل هذا كثير في شيوخ الكفار (۱)

''کئی مشاہد اور دربار ایسے ہیں جن کی لوگ تعظیم کرتے ہیں حالانکہ وہ جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کافر کی قبر ہے ان کے پاس شیاطین موجود ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض خواب میں کسی شخص کو دیکھتے ہیں تو اسے صاحب قبر سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ شیطان ہوتا ہے جو اس قبر والے کی صورت یا کسی اور کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس طرح شیطان بتوں، اموات اور غائبوں سے مدد مانگنے والوں کے لیے کسی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ ایسا ہر زمانے میں وقوع پذیر ہوتا رہا ہے۔ شیطان آ کر لوگوں کی ضرورتیں اور حاجتیں پوری کرتا رہا ہے۔ اس قسم کے واقعات کفار کے شیوخ کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے۔''

ایک شبہ کا ازالہ

اموات کو پکارنے والے اور اُن سے استشفاع اور استمداد کرنے والے کہتے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد زندگی اور مرتبہ حاصل ہے اس لیے ہم انہیں دعاء کروانے کے لیے پکارتے ہیں؟

---

(۱) کتاب الرد علی البکری ۲: ۵۹۱-۵۹۲

جواب

ہم کہتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجہ اور حیات طیبہ حاصل ہے لیکن ان سے موت کے بعد بھی حیات جیسی مدد طلب کرنا باطل ہے اور اس پر شریعت میں کوئی دلیل نہیں' بلکہ دلائل تو اس کے خلاف ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ کسی سے زندگی ہی کی طرح موت کے بعد بھی مسائل پوچھنے جائز ہیں؟ اور کیا وہ زندگی ہی کی طرح قبروں میں بھی زوجین کے درمیان نکاح کا انعقاد کرتے ہیں؟ اور کیا وہ زندگی کی طرح پانچ نمازوں کی جماعت میں امامت کرتے ہیں؟ اگر یہ کرتے تو ان کے جنازہ میں بھی جب وہ قبلہ کی جانب چارپائی پر تھے تو ان ہی کی اقتدا کی جاتی اور کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد بھی اعمال کا مکلف بنا دیا ہے اور کیا ملائک کو پکارنا جائز ہے جن کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ڈیوٹیاں لگائی ہیں جن کو وہ سرانجام دیتے ہیں؟

ایک اور شبہ کا ازالہ: اللہ تعالیٰ نے کچھ بندوں کو اختیار اور تصرف دیا ہے!

کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بندوں کو اختیار دیا ہوا ہے' جیسا ارشاد ہوتا ہے کہ: إن الله يقول يوم القيامة: يا ابن آدم! مرضتُ فلم تعدني' قال: يا ربِّ كيف أعودُك وأنتَ ربُّ العالمين؟ قال: أما علمت أن عبدي فلانًا مَرِضَ فلم تعده' أما علمتَ أنَّكَ لو عُدْتَهُ لوجدتَّني عنده' يا ابن آدم! استطعمتك فلم تطعمني؟ قال: يا رب كيف أُطعِمُكَ وأنت رب العالمين؟ قال: أما علمتَ أنه استطعمَكَ عبدي فلانٌ فلم تطعمهُ؟ أما علمتَ أنَّكَ لو أطعمتَهُ لوجدْتَ ذلك عندي؟ يا ابن آدم! استسقيتُكَ فلم تَسقني' قال: يا ربِّ! كيف أسقيكَ وأنتَ ربُّ العالمين؟ قال: استسقاك عبدي فلانٌ' أما إنَّك لو أسقيتَه وجدت ذلك عندي (1)

(1) صحيح مسلم: كتاب البر والصلة [۴۵] باب فضل عيادة المريض [۱۳] حديث: ۶۵۵۶

”قیامت کے روز اللہ عزوجل فرمائے گا: آدم کے بیٹے میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ وہ کہے گا: میرے رب! میں کیسے تیری عیادت کرتا جب کہ تو رب العالمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمہیں معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا' تو نے اُس کی عیادت نہ کی۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تو اُس کی عیادت کرتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا' تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ وہ کہے گا: میرے رب! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا جب کہ تو خود ہی سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا' تو نے اُسے کھانا نہ کھلایا اگر تو اسے کھانا کھلا دیتا تو تمہیں وہ [کھانا] میرے پاس سے مل جاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا' تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ وہ کہے گا: میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا جب کہ تو خود ہی سارے جہانوں کو پالنے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے اُسے پانی نہ پلایا' اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو [آج] اس اس کو میرے پاس پالیتا۔“

جواب

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی بیماری اور بھوک اور اپنے فعل کا ذکر کیا اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا۔ یہ حدیث مقید ہے' مطلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ بیان کی ہے کہ اُس کا بندہ بیمار ہوا' بھوکا ہوا اور اسے پیاس لگی۔ اللہ تعالیٰ کو نہ بھوک لگی' نہ پیاس اور نہ وہ بیمار ہوا[1]۔

---

(۱) حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: وهذا الخبر ليس فيه فعلٌ للعبدِ' وإنما فيه جوعه ومرضه ولكن ظنّ أن لفظة استطعمتك وأنه جعل استطعام العبد استطعام الرب' وأيضا فالخبر مُقَيَّدٌ' لم يطلق الخطاب إطلاقًا' وإنمابيّنَ أنّ عبده هو مرضَ وهو الذي جاعَ' وقال: لو أطعمته لوجدت ذلك عندي' ولم يقل: لوجدتني أكلته' وقال: لو عُدْتَهُ لوجدتني عنده' ولم يقل: لوجدتني إيّاه.
[کتاب الرد علی البکری ۱:۳۳۴]

اس میں لو أطعمته لو جدت ذلك عندي کہا اور لو جدتني أكلته نہیں کہا ،اسی طرح اس لو عدته لو جدتني عنده فرمایا۔ سو اس حدیث میں رب تعالیٰ کو کھلانے اور اس کی عیادت کرنے کے مطالبہ کا کوئی ذکر نہیں۔ بندوں کی قید لگا کر ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ افعال بندوں ہی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افعال نہیں ہیں کیوں کہ مخلوق کی جہت عام اور شامل ہے اور اسی نسبت سے اللہ کی طرف اس کی اضافت کی جاتی ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات میں ہیں:

-بعثنا عليكم عبادا لنا أولي بأس شديد. [سورة بنی اسرائیل ۱۷:۵]

''ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کردیے۔''

-فأوحى إلى عبده ما أوحى. [سورة النجم ۵۳:۱۰]

''پھر اللہ نے اپنے رب کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔''

اور حدیث الاولیاء: فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به (۱) کا بھی یہی معنیٰ ہے۔ اس میں بھی أنا أسمع اور أنا أبصر نہیں کہا اور نہ ہی کسی بندے کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہو سکتا ہے بلکہ اسے مثالِ علمی کہا جاتا ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام نے کتاب الاستغاثہ میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ

جھوٹ بولنا اور ائمہ پر بہتان باندھنا مبتدعین کی عادت ہے۔ یہ لوگ اُن کی طرف ایسے بدترین عقائد اور اقوال و اعمال منسوب کرتے ہیں جن سے وہ مبرا ہوتے ہیں۔ ہمارے دور کے مبتدعین امام ابن تیمیہ کے بارے میں بہت گندی باتیں کرتے ہیں حالانکہ وہ بڑے عالم اور امام تھے جنہوں نے سنتوں کو زندہ کیا اور بدعات کا خاتمہ کیا۔ ائمہ کے قول کے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الرقاق [۸۱] باب التواضع [۳۸] حدیث: ۶۵۰۲

مطابق انہوں نے اِحیاءِ سنت اور اِماتتِ بدعت کی راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اُن پر آنے والی مصیبتوں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں کئی بار قید و بند کی صعوبتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ: وقد حُبِس مرارًا فأقام على ذلك نحو أربع سنين أو أكثر، وهو مع ذلك يشغل ويفتي و كان من أذكياء العالَم (۱).

''انہیں کئی بار قید کیا گیا اور چار یا اس سے زائد سال اسی حالت میں رہے مگر اس کے باوجود فتویٰ دینے میں مشغول رہتے اور وہ دنیا کے ذکی ترین علماء میں سے تھے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے شیخ ابوالفتح الیعمری کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

أَلفيتُه مِمَّن أدرَكَ مِن العُلوم حَظًّا و كان يستوعب السنن والآثار حفظا إن تكلّم في التفسير فهو حامل رايَتِه أو افتى في الفقه فهو مُدرِكُ غايته أو ذاكَرَ في الحديث فهو صاحب عَلَمِهِ و ذو رايَه، برز في كل فن على أبناء جنسه، ولم تر عين من رآه مثله، ولا رأت عينه مثل نفسه، كان يتكلم في التفسير فيحضر مجلسه جم غفير يروون من بحره العَذْبِ النمير، يرتعون من ربيع فضله في روضة و غدير إلى أن دَبَّ من أهل بلده داء الحسد (۲).

''شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے علوم میں سے وافر حصہ پایا تھا۔ انہوں نے حفظ میں سنن کا احاطہ کیا ہوا تھا اگر تفسیر میں بات کرتے تو اس کے علم بردار معلوم ہوتے اور فقہ میں فتویٰ دیتے تو انتہا تک پہنچ جاتے۔ حدیث میں مذاکرہ کرتے تو اس علم کے ماہر اور صاحب رائے معلوم ہوتے۔ ہر فن میں اپنے ہم نشینوں میں نمایاں حیثیت کے مالک رہے۔ کسی آنکھ نے ان کی طرح کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کی اپنی آنکھ کو ان جیسا کوئی نظر آیا۔ جب وہ تفسیر بیان

---

(۱) الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ ۱:۱۵۴ ترجمہ: ۴۰۹

(۲) المعجم المختص بالمحدثین: ۲۵-۲۶، ترجمہ: ۲۲، حافظ ذہبی، تحقیق: ڈاکٹر محمد الحبیب الہیلۃ مکتبۃ الصدیق، طائف، سعودی عرب ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۸ء، الدرر الکامنۃ ۱:۱۵۶-۱۵۷، ترجمہ: ۴۰۹

کرتے تو ان کی مجلس میں بڑی تعداد میں لوگ حاضر ہو کر ان کے میٹھے پانی کے سمندرِ علم سے سیراب ہوتے اور اس کی زرخیز فصل، باغ اور چشمے سے فیض یاب ہوتے۔ ایسا ہوتے دیکھ کر ان کے شہر والوں میں حسد کی بیماری پھیل گئی، پھر شیخ نے ذکر کیا کہ آپ کے حاسدین نے آپ کی طرف باطل عقائد اور منکر اقوال گھڑ کر منسوب کیے۔"

حافظ ذہبی کے حوالے سے لکھا ہے: صار من كبار العلماء في حياة شيوخه، وتصانيفه نحو أربعة آلاف كراسة وأكثر، وقال في موضع آخر: وأما نقله للفقه ومذاهب الصحابة والتابعين فضلاً عن المذاهب الأربعة فليس له فيه نظير، وفي موضع آخر وله باع في نقل أقوال السلف.......... وكان دائم الابتهال، كثير الاستغاثة قوي التوكل، رابط الجاش، له أوراد يدمنها قلبية وجمعية (۱).

"آپ اپنے شیوخ کی زندگی ہی میں بڑے علماء میں شمار ہونے لگے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً چار ہزار کاپیوں سے بھی زیادہ ہے۔ اور [حافظ ذہبی نے] ایک اور جگہ لکھا ہے کہ فقہ اور مذاہب اربعہ کے علاوہ مذاہب صحابہ و تابعین کی نقل میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ اور [حافظ ذہبی نے] ایک اور جگہ لکھا ہے کہ سلف کے اقوال کی نقل میں بڑا ملکہ رکھتے تھے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والے، اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدد مانگنے والے، قوی توکل والے، مجاہد اور جوش والے تھے۔ ان کے اپنے قلبی اور اجتماعی اوراد ہیں جن کا وہ ہمیشہ اہتمام کیا کرتے تھے۔"

حافظ ذہبی نے ان کے سخت مخالف علامہ سبکی کی طرف خط لکھا تو انہوں نے جواب میں ان کے علم کی وسعت، فضیلت، زہد اور تقویٰ کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا: فالمملوك يتحقق كبير قدره، وذخارة بحره، وتوسعه في العلوم النقلية، والعقلية، وفرط ذكائه، واجتهاده وبلوغه في كل من ذلك المبلغ الذي يتجاوز الوصف (۲).

---

(۱) الدرر الکامنۃ ۱: ۱۵۸-۱۵۹

(۲) نفس مصدر ۱: ۱۵۹

''خادم، اُن کی بڑی قدر، علمی وسعت اور علوم نقلیہ وعقلیہ کی دسترس، اُن کی انتہائی ذکاوت، اجتہاد اور ہر فن میں اُن کے مقام ایسے بلند مقام کا قائل ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ صلاح الدین علائی (۱) کی تحریر میں پڑھا ہے کہ انہوں نے شیخ المشائخ حافظ بہاء الدین عبداللہ بن محمد بن خلیل (۲) کی توثیق کے متعلق خط میں پڑھا ہے لکھا تھا کہ: سمع بهاء الدين المذكور على الشيخين: شيخنا وسيدنا وإمامنا فيما بيننا وبين الله تعالى شيخ التحقيق السالك بمن اتبعه أحسن طريق ذي الفضائل المتكاثرة والحجج القاهرة التي أقرت الأمم كافة أن هممها عن حصرها قاصرة ومتعنا الله بعلومه الفاخرة، ونفعنا به في الدنيا والآخرة وهو الشيخ الإمام العالم الرباني والحبر المتبحر القطب النوراني إمام الأئمة بركة الأمة علامة العلماء وارث الأنبياء آخر المجتهدين أوحد علماء الدين شيخ الإسلام حجة الأعلام قدوة الإسلام برهان المتكلمين قامع المبتدعين سيف المناظرين بحر العلوم كنز المعتقدين ترجمان القرآن أعجوبة الزمان فريد العصر والدوران تقي الدين إمام المسلمين حجة الله على العالمين اللاحق بالصالحين والمشبه بالماضيين مفتي الفرق ناصر الحق علامة الهدى عمدة الحفاظ فارس

---

(۱) خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ العلائی، دمشقی، ابوسعید، صلاح الدین۔ فاضل اور محدث تھے۔ دمشق میں ۶۹۴ھ = ۱۲۹۵ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں علم حاصل کیا۔ ۷۳۱ھ میں قدس کے مدرسہ صلاحیہ میں مدرس ہوئے اور وہیں ۷۶۱ھ = ۱۳۵۹ء کو وفات پائی۔ [ذیل تذکرۃ الحفاظ، الحسینی: ۴۳، الاعلام ۲: ۳۲۱]

(۲) عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن ابی بکر بن خلیل بن ابراہیم بن یحییٰ بن ابی عبداللہ بن فارس بن ابی عبداللہ بن یحییٰ بن ابراہیم عثمانی مکی شافعی نزیل قاہرہ۔ ۶۹۴ھ کو پیدا ہوئے۔ بہت سے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ امام فقیہ محدث اور زاہد تھے۔ ۳ جمادی الثانیہ ۷۷۷ھ کو قاہرہ میں وفات پائی۔
[طبقات الحفاظ: ۵۳۲، ترجمہ: ۱۱۵۹، جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء]

المعاني و الألفاظ ركن الشريعة ذو الفنون البديعة أبو العباس ابن تيمية (۱).

''شیخ بہاء الدین مذکور نے دو اساتذہ سے حدیث کی سماعت کی' جن میں سے ایک ہمارے شیخ' ہماری سند' اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان امام' شیخ التحقیق' اپنے پیروکاروں کو اچھے طریقے سے چلانے والا' کثیر فضائل اور غالب دلائل والے جن کا سب لوگوں نے اقرار کیا کہ ان کی ہمت بہت بڑی ہے۔ ان کے قابل فخر علوم سے اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائے۔ جو عالم ربانی' متبحر عالم' نورانی قطب' امام الائمۃ' برکت العلماء' علماء میں سے بڑے' انبیاء علیہم السلام کے وارث' آخری مجتہد' علماء دین میں سے یکتا' شیخ الاسلام' حجۃ الاعلام' اسلام کے قائد' متکلمین کی برہان و دلیل' مبتدعین کو مٹانے والے' مناظرین کی تلوار' بحر العلوم' معتقدین کے لیے خزانہ' ترجمان القرآن' عجوبۂ زمان' اپنے زمانے کے یکتا' تقی الدین' امام المسلمین' حجۃ اللہ علی العالمین' صالح ترین' گزرے ہوئے لوگوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے' مفتی فرق' حق کے مددگار' ہدایت کی علامت' حفاظ کے سردار' معانی اور الفاظ کے شاہ سوار' شریعت کے ستون' عجیب ترین فنون والے ابو العباس ابن تیمیہ ہیں۔''

ملا علی القاری نے لکھا ہے کہ: أمّا ابن تيمية و ابن قيم فإنهما من أولياء هذه الأمة (۱).

''ابن تیمیہ اور ابن قیم دونوں اس امت کے اولیاء میں سے تھے۔''

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱: ۲۰۷' ملا علی قاری' نور محمد کارخانہ تجارت کتب' آرام باغ' کراچی' پاکستان' بدون تاریخ

(۲) ملا علی قاری نے لکھا ہے: أقول: صانهما الله [ابن تيمية و ابن القيم] عن هذه السمة الشنيعة و النسبة الفظيعة يعني: التجسيم و من طالع شرح منازل السائرين لنديم الباري الشيخ عبد الله الأنصاري الحنبلي و هو شيخ الإسلام عند الصوفية حال الإطلاق بالإتفاق تبيّن له أنهما كانا من أهل السنة و الجماعة بل و من أولياء هذه الأمة و مما ذكر في الشرح المذكور ما نصه على وفق المسطور هو قوله على بعض صباة المنازل و هذا الكلام من شيخ الإسلام يبين ......

ان کی مدح میں کتب لکھی گئی ہیں۔ ان کا جنازہ حاضرین کی کثرت کی وجہ سے ضرب المثل ہے کم سے کم تعداد ساٹھ ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے' اُن کی وفات ذوالحجہ کی بائیسویں رات ۷۲۸ھ کو ہوئی (۱)۔

یہ اس امام اور علامہ کا حال ہے کہ اسلاف انہیں کن نظروں سے دیکھتے ہیں لیکن اس دور کے لوگ لاعلمی' جہالت' ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر جھوٹ بول کر ان کی طرف ایسے اقوال وافعال کی نسبت کرتے ہیں جو اُن کی شان کے مناسب نہیں اسی طرح متبعینِ توحید وسنت کو اذی اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ فوااسفا!

امام شاطبی نے لکھا ہے کہ جب میں نے سنتوں کی حمایت اور بدعات کی مذمت کی شروعات کیں تو: قَامَتْ عَلَيَّ القيامة' و تواترت المَلَامَةُ' وفَوَّقَ إِلَيَّ العتاب سهامه' ونُسِبَت

......مرتبته من السنة' ومقداره في العلم' وأنه برئ مما رماه به أعداؤه الجهمية من التشبيه و التمثيل على عادتهم في رمي أهل الحديث والسنة بذلك كرمي الرافضة لهم بأنهم نواصب' والنواصب بأنهم روافض' و المعتزلة بأنهم نوابت حشوية' وذلك ميراث من أعداء النبي ﷺ في رميه ورمي أصحابه' بأنهم صراة قد ابتدعوا دينا محدثا وهذا ميراث لأهل الحديث و السنة من نبيهم بتلقيب أهل الباطل لهم بالألقاب المذمومة' و قدّس الله روح الشافعي حيث يقول' وقد نُسِبَ إلى الرفض:

إن كان رِفضًا حب آل محمد فليشهد الثقلان أني رافضي

ورضي الله عن شيخنا أبي عبدالله بن تيمية حيث يقول:

إن كان نصبًا حب صَحْبِ مُحَمَّدٍ فليشهد الثقلان أني ناصبي

وعفا الله عن الثالث حيث يقول:

فإن كان تجسيمًا ثبوت صفاته و تنزيهها عن كل تأويل مفتر
فإني بحمد الله ربي مُجَسِّمٌ هلمّوا شهودًا واملؤا كُلَّ محضر

[مرقاة المفاتیح ۸: ۱۴۸-۱۴۹ بذیل حدیث: ۴۳۴۰' جمع الوسائل ۱: ۲۰۷-۲۰۸]

(۱) تذکرۃ الحفاظ ۴: ۱۴۹۷

إلى البدعة والضلالة، وأنزلت منزلة أهل الغباوة والجهالة، وتارة نُسِبت إلى الرفض وبغض الصحابة رضي الله عنهم، وتارة أضيف إلى القول بجواز القيام على الأئمة، وتارة حمل عليّ التزام الحرج والتنطّع في الدين؛ وتارة نُسِبْتُ إلى معاداة أولياء الله وسببُ ذلك إني عاديْتُ بعض الفقراء المبتدعين المخالفين للسُّنّة؛ وتارة نُسِبتُ إلى مخالفة السُّنّة والجماعة، فكنتُ على حالة تشبه حالة الإمام الشهير عبدالرحمن بن بَطّة الحافظ مع أهل زمانه (۱).

''مجھ پر مصائب وتکالیف کی قیامت ٹوٹ پڑی۔ مجھے مسلسل ملامت کا نشانہ بنایا گیا، مجھ پر تکلیفوں کے تیر برسائے گئے، میری طرف بدعت اور کفر کی نسبت کی گئی اور مجھے غبیوں میں شمار کیا جانے لگا۔ کبھی تو میری طرف رفض اور بغض صحابہ کی نسبت کی گئی اور کبھی میری طرف حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے جواز کا قول منسوب کیا گیا اور کبھی دین کو خراب کرنے اور حرج وتنگی کا الزام لگایا گیا اور کبھی کہا گیا کہ یہ اولیاء اللہ کا دشمن ہے اور اس کا سبب یہ تھا میں نے سنت کے مخالف بعض بدعتی فقیروں کی مخالفت کی تھی اور کبھی میری طرف سنت وجماعت کی مخالفت کی نسبت کی گئی اور میری حالت اپنے زمانے کے مشہور امام عبدالرحمٰن بن بطہ (۲) کی حالت کے مشابہ ہوگئی پھر اس کے بعد اُن کا حال اور ان شدائد کا ذکر کیا جو اُن کے وقت کے مبتدعین کے ہاتھوں ان کو پہنچے (۳)۔

---

(۱) الاعتصام ۱: ۲۴- ۲۸

(۲) عبدالرحمٰن بن حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحیٰ بن مندة العبدی الاصبہانی۔ ۳۸۱ھ کو پیدا ہوئے۔ ۴۰۶ھ کو بغداد گئے اور وہاں بڑے اساطین علم سے علم حاصل کیا۔ بدعت اور مبتدعین کے رد میں کئی کتابیں لکھیں۔ اپنی کتابوں میں پختگی نہیں دکھائی بلکہ حاطب اللیل دکھائی دیتے ہیں اور ہر غث و سمین اپنی کتابوں میں لکھتے جاتے ہیں۔ ۴۷۰ھ کو وفات پا گئے۔ [سیر اعلام النبلاء ۱۸: ۳۴۹-۳۵۴ ترجمہ ۱۶۸، تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۱۶۵-۱۱۷۰ ترجمہ ۱۰۲۳]

(۳) وہ لکھتے ہیں: ان کی حالت بڑی عجیب ہے۔ مراد ان کے حضر میں اقارب و اباعد اور عارفین و منکرین

امام شاطبی نے لکھا ہے کہ: فَقَلَّما تجدُ عالمًا مشهورًا أو فاضلاً مذكورًا إلاَّ وقد نُبِذَ بهذه الأمور أو بعضها، لأنَّ الهوى قد يُداخِل المخالف بل سبب الخروج عن السنة: الجَهْلُ بها والهوَى المُتَّبع الغالب على أهل الخلاف فإذا كان كذلك حمل على صاحب السُّنَّةِ أنه غير صاحبها ورجع بالتشنيع والتقبيح لقوله وفعله حتى يُنْسَب هذه المَنَاسب. وقد نُقِل عن سيد العباد بعد الصحابة أويس القرني أنه قال: أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لم يدعا للمؤمن صديقًا؛ نأمرهم بالمعروف فيشتمون أعراضنا و يجدون على ذلك أعوانًا من الفاسقين حتى و الله لقد رموني بالعظائم (1).

''تم بہت سے مشہور اور فاضل عالم ایسے پاؤ گے جن کا ان سب یا بعض کاموں سے واسطہ رہا ہوگا کیوں کہ مخالفین کے دل میں ہوا اور خواہش داخل ہو جاتی ہے بلکہ سنت سے خروج کا

..... کا میرے ساتھ بڑا عجیب رویہ ہے۔ مجھے مکہ مکرمہ اور خراسان میں بہت سے موافق اور مخالف لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جن میں سے ہر ایک نے مجھے اُس کی بات قبول کرنے اور اس کی تصدیق کرنے کو کہا۔ اگر میں نے من وعن کسی کی تصدیق کی تو مجھے اپنا موافق سمجھا اور اگر اُن کی رائے سے تھوڑا اختلاف کیا تو مجھے اپنا مخالف سمجھنے لگا اگر کسی کو تنبیہ کی کہ قرآن وسنت تیری رائے کے خلاف ہے تو اُس نے مجھے خارجی سمجھا۔ اگر حدیث سے متعلق کوئی حدیث پیش کی تو مجھے مشبہ کہا۔ رؤیت باری تعالیٰ کی بات کی تو مجھے سالمی کہا جانے لگا۔ اعمال سے متعلق کوئی بات کی تو مجھے قدری کہا۔ معرفت سے متعلق کوئی بات کی تو مجھے کرامیہ میں شمار کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت سنائی تو مجھے ناصبی کہا جانے لگا اور اگر اہل بیت کے فضائل بیان کیے تو میں رافضی ٹھہرا۔ اگر کسی آیت یا حدیث کی کوئی تفسیر نہیں کی اور خاموشی اختیار کی تو میں ظاہری ٹھہرا اور اگر اس کے بغیر کوئی جواب دیا تو مجھے باطنی کہا جانے لگا۔ کسی بات کی تاویل کروں تو مجھے اشعری کہتے ہیں اور اگر انکار کروں تو مجھے معتزلی کہتے ہیں۔ قنوت پڑھوں تو حنفی کہتے ہیں۔ قرآن مجید کو کلام اللہ کہوں تو مجھے حنبلی کہتے ہیں۔

[تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۱۶۶-۱۱۶۷؛ الاعتصام ۱: ۲۸-۳۱]

(۱) الاعتصام ۱: ۳۱-۳۲

سبب بھی جہالت اور خواہش کی پیروی ہی ہے جو مخالفین پر غالب ہوتی ہے' ایسے حال میں صاحب سنت کو مخالفِ سنت کہا جاتا ہے اور اس کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے صحابہ کرام ﷺ کے بعد سید العباد: اویس قرنی سے منقول ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کسی کو کسی مسلمان کا دوست نہیں چھوڑتا تم ان کو نیکی کا کہو گے تو وہ تمہیں گالیوں کا نشانہ بنائیں گے اور اس معاملہ میں فاسقوں کو اپنا معاون بنائیں گے۔ مجھ پر بڑے الزامات لگائے گئے۔"

ہمارا دور بڑا ہی عجیب ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں کی عبدیت کا ذکر کرے گا تو اُس پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ اس نے اُن کی گستاخی کر دی اور جب کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر مبنی عمارتوں کو گرانے کا مشورہ دے گا تو اُسے متشدد کہا جائے گا حالانکہ انہوں نے قبروں کو مسجدیں بنا رکھا ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجی ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ آپ نے فرمایا ہے: إِنَّ شِرَارَ النَّاسِ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ (۱).

"لوگوں میں سے بدترین وہ ہیں جنہوں نے قبروں کو مساجد بنا کر رکھا ہے۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ. أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَإِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ (۲).

"اور بے شک تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجدیں بنا لیا کرتے تھے خبردار تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

اور فرمایا: اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (۳).

---

(۱) مسند احمد ۲: ۲۲۳' حدیث: ۱۶۹۴

(۲) صحیح مسلم' کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ [۵] باب النہی عن بناء المسجد علی القبور و اتخاذ الصور فیہا و النہی عن اتخاذ القبور مساجد [۳] حدیث: ۱۱۸۸

(۳) موطا امام مالک' کتاب قصر الصلوۃ فی السفر [۹] باب جامع الصلوۃ [۲۴] حدیث: ۸۵

''اُس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

اور فرمایا: إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ فَأُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۱)

''اُن لوگوں کی عادت تھی کہ اُن میں اگر کوئی نیک شخص مرتا تو اُس کی قبر پر مسجد بنالیتے اور اس میں تصویریں بنادیتے تھے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا. [سورۃ الکہف ۱۸:۲۱]

''جو لوگ اُن کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم [اُن کے غار] پر مسجد بنائیں گے۔''

جن لوگوں نے غار پر مسجد بنائی اُن کا تعلق عیسائی مذہب سے تھا اور ان ہی پر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (۲).

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

ابو الہیاج اسدی (۳) کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ:

أَلَا أَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ [۸] باب هل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ [۴۸] حدیث: ۴۲۷

(۲) صحیح بخاری، کتاب الجنائز [۲۳] باب ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور [۶۱] حدیث: ۱۳۳۰

(۳) حیان بن حصین ابو الہیاج اسدی کوفی۔ ثقہ تابعی ہیں۔ سیدنا علی، سیدنا عمار بن یاسر اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام مسلم، امام ابوداود، امام ترمذی اور امام نسائی نے ان کی روایتیں نقل کی ہیں۔ [تہذیب الکمال ۷: ۴۷۱-۴۷۲، ترجمہ: ۱۵۷۵]

قبرًا مُشرفًا إلا سوّيته.(۱)

''کیا میں تجھے اُس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا کہ کوئی بت مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑنا مگر یہ کہ اس کو برابر کر دینا۔''

کسی گرجا میں نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ: والصحیح أنه إن كان فيها تماثيل كانت بمنزلة المساجد المبنية على القبور و بمنزلة دار الأصنام فالمصلي فيها مشابه بمن يعبد غير الله و إن كانت نيته الصلاة لله كما أن المصلي عند طلوع الشمس و عند غروبها لما شابه من يعبد غير الله نهي عن ذلك سدًا للذريعة(۲).

''صحیح بات یہ ہے کہ اگر ان میں بت اور تماثیل ہوں تو وہ بت خانے اور قبروں پر بنائی گئی مساجد کی طرح ہیں۔ وہاں نماز پڑھنے والا اگر چہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کا ارادہ کرے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کی طرح ہے، جس طرح سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے والا اگر چہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اس لیے ان اوقات میں سد ذرائع کے طور پر نماز سے روکا ہے۔''

علماء ربانی نے قبروں پر مشاہد کی تعمیر کی تردید میں کئی کتابیں لکھ کر اس عمل کی قباحتیں اور برائیاں بیان کی ہیں لیکن کچھ محرفین اور کج رو لوگ اس کے جواز کے لیے دلائل تلاش کرتے ہیں۔ انہوں نے غیر معصوم لوگوں کے باطل اقوال پر وضعی قواعد کی بنیاد رکھی ہے۔ تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو خود کو شیخ الحدیث کہنے کے باوجود اور مشاہد میں قرآن مجید اور حدیث نبوی کا درس دیتے ہیں۔ یہ لوگ حق کو چھپاتے، قبروں کے پجاریوں کے قبروں پر اعتکاف، نذر و

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنائز [۱۱] باب النہی عن تجصیص القبر والبناء علیہ [۳۲] حدیث: ۲۲۴۳
سنن ترمذی، کتاب الجنائز [۸] باب ما جاء فی تسویۃ القبور [۵۶] حدیث: ۱۰۴۹
(۲) الاستغاثۃ فی الرد علی البکری: ۳۱۲

نیاز کے جانوروں کو ذبح کرتے اور قبروں کو ہاتھ لگاتے ہوئے دیکھ کر بھی انہیں روکنے اور ان کی تردید سے چشم پوشی کرتے ہیں اور بقول شاعر (۱):

أعادوا بها معنى سواع و مثله يغوث وَ وَدٌّ بئس ذلك من ود
وقد هتفوا عند الشدائد بإسمها كما يهتف المضطر بالصمد الفرد
و كم عقروا في سُوحِها من عقيرة أُهِلَّت لغير الله جهلاً على عمد
و كم طائف عند القبور مُقَبِّلٍ و يلتمس الأركان منهن بالأيدي

''ان لوگوں نے وڈ سواع اور یغوث کا دور دوبارہ واپس لایا جو بہت ہی بری محبت ہے۔ یہ لوگ اپنی تکالیف میں ان کے ناموں کے ایسے نعرے لگاتے ہیں جیسے پریشان حال شخص اپنے اکیلے بے نیاز رب کے سامنے عجز وانکساری سے اس کا نام لیتا ہے انہوں نے کتنے ہی جانوران کے درباروں میں ذبح کیے اور غیر اللہ کے تقرب کے لیے سوچ سمجھ کر آوازیں بلند کیں [یعنی غیر اللہ کے تقرب کے لیے ان کی منتیں مانیں] کتنے ہی لوگ ہیں جو قبروں کے کا طواف کر کے اُن کو بوسہ دیتے ہیں اور ہاتھوں کے ساتھ ان کے ارکان کو چھوتے ہیں۔''

قاضی شوکانی نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ: ومِن رَفعِ القبورِ الداخلِ تحتَ الحديثِ دُخولاً أوَّلِيًّا: القُبَبُ وَالمَشاهِدُ المَعْمُورَةُ عَلَى القُبُوْرِ، وأيضا هو مِن اتِّخاذِ القُبورِ مَساجدَ، وقد لَعَنَ النبيُّ ﷺ فاعل ذلك (۲).

''بنیادی طور پر قبروں پر تعمیر کیے گئے گنبد اور درگاہیں قبروں کی بلندی کی ممانعت کے متعلق حدیث کے تحت سب سے پہلے داخل ہیں اسی طرح یہ قبروں کو مسجدیں بنانے کے زمرہ میں

---

(۱) علامہ ابو ابراہیم عز الدین محمد بن اسماعیل بن صلاح الصنعانی [وفات ۱۱۸۲ھ] کے اشعار ہیں جو ''دیوان الامیر'' کے صفحہ: ۱۲۹ پر درج ہیں۔

(۲) نیل الاوطار من احادیث سید الاخیار شرح منتقی الاخبار ۴: ۱۰۲؛ محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی الیمنی، تحقیق: عصام الدین الصبابطی، دار الحدیث، مصر، ۱۴۱۳ھ = ۱۹۹۳ء

بھی آتا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے والے پر لعنت کی ہے۔''
قبروں کو پختہ اور خوب صورت بنانے کی وجہ سے اسلام کے بارے میں ایسے غلط اور بے بنیاد عقائد پھیلے اور وہ اخلاقی دیوالیہ نکل گیا کہ ان پر رونا آتا ہے۔

بعض جاہل اور نادان لوگوں نے اہل قبور کے متعلق وہی عقیدہ اپنایا جو کفار نے بتوں کے بارے میں اپنایا ہوا تھا۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ نفع دینے اور نقصان پہنچانے پر قادر ہیں اور انہیں حاجات وضروریات پوری کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔ اُن کے ناموں کے نذر و نیاز اور منتیں مانتے ہیں۔ اُن کی قبروں کو چومتے ہیں۔ وہاں کی مٹی تبرک اور شفاء سمجھ کر کھاتے ہیں اور اُن سے وہ سب کچھ مانگنے لگ گئے جو بندے اپنے رب سے مانگتے ہیں۔ ثواب کی نیت سے ان کی طرف رختِ سفر باندھ کر صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ انہوں نے ہر وہ کام کیا جو اہلِ جاہلیت اپنے بتوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

وہ عالم و معلم اور امیر و وزیر بہت کم دکھائی دیتے ہیں جو اس برائی اور کفر کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے غصہ میں آئے اور دین حنیف کی حمیت میں غیرت کا مظاہرہ کرے۔ ہمیں ایسی یقینی اطلاعات پہنچی ہیں کہ اگر ان قبر پرستوں کو کسی معاملے میں قسم کھانی پڑے تو اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں اگر اس کے بعد انہیں کہا جائے کہ تمہارے فلاں شیخ ولی کی قسم! تو ان پر خوف طاری ہو جاتا ہے اور جھوٹی قسم کھانے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ ان کے شرک کی واضح ترین دلیل ہے اور ان کا شرک مشرکین مکہ کے شرک سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنی سخت قسم اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی اُٹھاتے تھے' چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

-وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا. [سورۃ الانعام ۶:۱۰۹]

''اور یہ لوگ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر اُن کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔''

—وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ. [سورۃ النحل ۳۸:۱۶]

''اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے، اللہ اسے نہیں اٹھائے گا۔''

—وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ.

[سورۃ فاطر ۴۲:۳۵]

''اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر اُن کے پاس کوئی تنبیہ کرنے والا آیا تو یہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے۔''

اے علماءِ دین اور اے مسلمانوں کے حکمرانو! کفر و شرک اور غیر اللہ کی عبادت و پکار سے بڑھ کر اسلام کے لیے نقصان دہ چیز اور مصیبت کیا ہوگی؟ کیا اس سے منع کرنا فرائض منصبی میں داخل نہیں؟ کیوں نہیں لیکن کوئی سننے والا نہیں اور بقول شاعر!

لَقَدْ اَسْمَعْتَ لَوْ نَادَيْتَ حَيًّا وَلٰكِنْ لَّا حَيَاتَ لِمَنْ تُنَادِيْ
وَلَوْ نَارٌ نَفَخْتَ بِهَا اَضَاءَتْ وَلٰكِنْ اَنْتَ تَنْفَخُ فِيْ رَمَادِيْ (۱)

''اگر تو کسی زندہ کو پکارتا تو ضرور اُسے سنا دیتا لیکن جسے تو پکار رہا ہے وہ زندہ نہیں۔ اگر تو آگ میں پھونک مارتا تو وہ بھڑک اٹھتی لیکن تم تو محض راکھ میں پھونکیں مار رہے ہو۔''

حافظ ابن قیم نے اس بارے میں اپنی رائے اس طرح لکھی ہے کہ:

لایجوز إبقاء مواضع الشرك والطواغيت بعد القدرة على هدمها وإبطالها يوما واحدا، فإنها من شعائر الكفر والشرك، وهي أعظم المنكرات، فلا يجوز الإقرار عليها مع القدرة البتة، وهذا حكم المشاهد التي بنيت على القبور التي اتخذت أوثانا وطواغيت تعبد من دون الله، والأحجار التي تقصد للتعظيم والتبرك والنذر والتقبيل لايجوز إبقاء شيء منها على وجه الأرض مع القدرة على إزالته وكثير

(۱) شعر عمرو بن معدی کرب الزبیدی: ۱۱۳، تحقیق: مطاع الطرابیشی، مطبوعات مجمع اللغۃ العربیۃ، دمشق، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء

منها بمنزلة اللات والعزى ومنات الثالثة الأخرى أو أعظم شركًا عندها وبها، و الله المستعان، ولم يكن أحد من أرباب هذه الطواغيت يعتقد أنها تخلق وترزق وتميت وتحيي، وإنما كانوا يفعلون عندها وبها ما يفعله إخوانهم من المشركين اليوم عند طواغيتهم فاتَّبع هؤلاء سَنَنَ من كان قبلهم و سلكوا سبيلهم حذو القُذَّة بالقُذَّةِ و أخذوا مأخذهم شِبرًا بِشِبْرٍ و ذراعًا بذراع، و غلب الشرك على أكثر النفوس لظهور الجهل وخفاء العلم، فصار المعروف منكرًا و المنكر معروفًا، و السنة بدعة والبدعة سنة، ونشأ في ذلك الصغير، و هرم عليه الكبير، وطمست الأعلام واشتدت غربة الإسلام، وقَلَّ العُلماء، وتَفاقَم الأمر و اشتد البأس وظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس، و لكن لا تزالُ طائفة من العِصابةِ المحمديةِ بالحق قائمين، و لأهل الشرك و البدع مجاهدين إلى أن يرث الله سبحانه الأرض ومن عليها، وهو خير الوارثين.(۱)

”شرک اور طاغوت کی جگہوں کو اگر ختم کرنے اور گرانے کی طاقت ہو تو انہیں ایک دن بھی باقی چھوڑنا جائز نہیں کیوں کہ یہ کفر وشرک کے شعائر اور عظیم ترین منکرات میں سے ہیں۔ ان کو قدرت کے باوجود برقرار رکھنا بالکل جائز نہیں۔ یہی حکم ان مشاہد کا ہے جو ان قبروں پر بنائے گئے ہیں جنہیں بت اور طاغوت بنا کر اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا جاتا ہے اور یہی حکم ان پتھروں کا بھی ہے جن کی تعظیم، تبرک، نذر اور بوسہ کا قصد کیا جاتا ہے۔ اگر ان اشیاء کو ختم کرنے کی طاقت ہو تو زمین پر ان میں سے کسی چیز کو بھی باقی چھوڑنا جائز نہیں، ان میں سے بہت سے لات، عزیٰ اور تیسرے منات ہی کی طرح ہیں بلکہ ان کے پاس تو ان سے بھی بڑھ کر شرک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ ان بتوں کو ماننے والوں میں سے کسی کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ وہ خالق، رازق، زندگی اور موت کے مالک ہیں وہ بھی اپنے بتوں کے پاس وہی کچھ کیا

(۱) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۳: ۵۰۶-۵۰۷

کرتے تھے جوان کے مشرک بھائی آج کل اپنے طواغیت کے پاس کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے پہلے لوگوں کے طریق کار کی پیروی کر کے مکمل طور پر ان کے راستے پر چل پڑے ہیں اوران کے مأخذ و مشرب کو مکمل طور پر لے لیا ہے۔ جہالت کے ظہور اور علم کے خفاء کی وجہ سے اکثر لوگوں پر شرک کا غلبہ ہو گیا جس سے معروف منکر اور منکر معروف بدعت سنت اور سنت بدعت بن گئی۔ اسی حالت میں چھوٹا بڑا ہوا اور بڑا بوڑھا ہو گیا۔ اسلام کے نشانات مٹ گئے اور اسلام کی اجنبیت زیادہ ہو گئی۔ علماء کم ہو گئے اور سفہاء کا غلبہ ہو گیا۔ دین کا معاملہ مشتبہ ہو گیا لڑائی بڑھ گئی اور خشکی و دریا میں لوگوں کے اعمال کی وجہ سے فساد ظاہر ہو گیا لیکن اس سب کچھ ہونے کے باوجود امت محمدیہ کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا جو شرک اور بدعت والوں کے خلاف اس وقت تک جہاد کرتے رہے گا جب تک اللہ سبحانہ زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کا وارث نہیں بن جاتا اور وہ سب سے بہتر وارث ہے۔"

وَلْيَكُنْ هٰذَا اٰخِرُ مَا اَرَدْنَاهُ مِنْ دَحْضِ الشُّبُهَاتِ الْبَاطِلَةِ مِنْ أَهْلِ الزَّيْغِ وَالطُّغٰى؛ بِعَوْنِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الأَعْلٰى؛ وَهُوَ أَهْلُ التُّقٰى؛ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ الْوَرٰى؛ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى؛ وَعَلٰى آلِهٖ وأَصْحَابِهٖ نُجُوْمُ الْهُدٰى. غُرَّةُ ربيع الثاني ۱۳۷۸ھ[1]۔

> البصائر کی تحقیق و تعلیق کا کام ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ = ۲-فروری ۲۰۱۵ء کو شروع کیا اور بفضل اللّٰہ تعالٰی ومنّہ و کرمہ ۲۸ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ = ۲۴-اپریل ۲۰۱۷ء کو اس کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالٰی، رحمٰن و رحیم اور غفور و شکور اسے قبولیت سے نوازے اور اسے مسلمانوں کے عقیدے کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ اللّٰھم آمین۔
>
> ڈاکٹر سراج الإسلام حنیف عفا اللہ عنہ و ستر عیوبہ و غفر ذنوبہ آمین!

(۱) غُرَّۃ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ سے مراد اگر یکم ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ لیا جائے تو یہ بدھ ۱۴-اکتوبر ۱۹۵۸ء کے مطابق ہوگا۔

علمی فہارِس

- فہرسِ آیات: ۴۵۲-۴۵۷
- فہرسِ اَحادیث وآثار واقوال: ۴۵۸-۴۶۳
- فہرسِ اَعلام: ۴۶۴-۴۶۹
- فہرسِ اصطلاحات: ۴۷۰
- فہرسِ فرق: ۴۷۰
- فہرسِ مصادر ومراجع: ۴۷۱

فہرس آیات

- سورۃ البقرۃ ۲: ۲۲: فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: ۲۷۵
- سورۃ البقرۃ ۲: ۳۷: فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ: ۳۹۶
- سورۃ البقرۃ ۲: ۴۵: وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ: ۳۷۰
- سورۃ البقرۃ ۲: ۶۰: فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ: ۳۳۲
- سورۃ البقرۃ ۲: ۶۸: اُدْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا: ۳۳۱
- سورۃ البقرۃ ۲: ۷۹: فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ: ۳۶۷
- سورۃ البقرۃ ۲: ۸۹: وَلَمَّا جَآءَھُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ: ۳۵۸
- سورۃ البقرۃ ۲: ۸۹: وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا: ۲۵۴
- سورۃ البقرۃ ۲: ۱۵۴: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ: ۱۱۳
- سورۃ البقرۃ ۲: ۱۸۶: وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ: ۲۴۸، ۳۳۲، ۳۵۵
- سورۃ البقرۃ ۲: ۲۲۸: وَبُعُوْلَتُھُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ: ۲۵۷
- سورۃ البقرۃ ۲: ۲۵۰: وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِہٖ قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ: ۲۴۹
- سورۃ البقرۃ ۲: ۲۵۰: رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ: ۳۶۹
- سورۃ آل عمران ۳: ۸: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً: ۳۶۹
- سورۃ آل عمران ۳: ۴۹: اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا: ۲۸۱
- سورۃ آل عمران ۳: ۱۲۶: وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ: ۳۷۰
- سورۃ آل عمران ۳: ۱۳۵: وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ: ۳۷۰
- سورۃ آل عمران ۳: ۱۴۷: وَمَا کَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا: ۳۶۸
- سورۃ آل عمران ۳: ۱۶۹: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ: ۶۸، ۶۹، ۷۵، ۱۱۳، ۳۸۲

- سورۃ النساء۴:۱: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ: ۴۲۲
- سورۃ النساء۴:۸: فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ: ۴۵۴، ۲۶۰
- سورۃ النساء۴:۵۹: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ: ۳۱۰
- سورۃ النساء۴:۶۴: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ: ۳۲۴
- سورۃ النساء۴:۶۴: جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا: ۳۳۱
- سورۃ المائدۃ۵:۲: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ: ۳۳۰، ۳۷۰
- سورۃ المائدۃ۵:۱۳: وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ: ۳۶۹
- سورۃ المائدۃ۵:۳۵: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ: ۴۴۴، ۲۰۱
- سورۃ المائدۃ۵:۶۶: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا: ۲۸۸
- سورۃ الانعام۶:۱۲: كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ: ۳۴۴
- سورۃ الانعام۶:۴۱: بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ: ۲۰۱، ۲۴۹
- سورۃ الانعام۶:۷۱: قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا: ۳۳۰
- سورۃ الانعام۶:۹۰: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ: ۳۹۵
- سورۃ الانعام۶:۱۰۹: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا: ۴۴۷
- سورۃ الانعام۶:۱۱۳: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ: ۴۴۰
- سورۃ الاعراف۷:۱۱: وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ: ۷۹
- سورۃ الاعراف۷:۲۳: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ: ۳۹۶، ۴۰۵
- سورۃ الاعراف۷:۴۳: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ: ۵۳
- سورۃ الاعراف۷:۷۹: یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ: ۱۴۰
- سورۃ الاعراف۷:۹۳: یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَیْفَ اٰسٰى: ۱۴۰
- سورۃ الاعراف۷:۹۵: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ: ۱۵۷
- سورۃ الاعراف۷:۹۶: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ: ۴۸۹
- سورۃ الاعراف۷:۱۰۵: حَقِیْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ: ۳۵۸
- سورۃ الاعراف۷:۱۲۸: اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا: ۲۴۹
- سورۃ الاعراف۷:۱۳۴: قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ: ۲۴۵
- سورۃ الاعراف۷:۱۷۲: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ: ۷۹

- سورۃ الاعراف ۷:۱۷۲: واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى شهدنا ان: ۸۰
- سورۃ الاعراف ۷:۱۸۰: ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها: ۳۳۵، ۳۹۹
- سورۃ الاعراف ۷:۱۹۴: فليستجيبوا لكم ان كنتم صدقين: ۳۳۱
- سورۃ الاعراف ۷:۲۰۴: واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون: ۵۹
- سورۃ الانفال ۸:۹: اذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم اني ممدكم بالف من الملئكة: ۳۳۹
- سورۃ الانفال ۸:۱۰: اذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم: ۳۶۹، ۳۷۱
- سورۃ الانفال ۸:۱۷: وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى: ۳۷۰
- سورۃ الانفال ۸:۱۹: ان تستفتحوا فقد جاءكم الفتح: ۳۶۵
- سورۃ الانفال ۸:۶۴: يايها النبي حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين: ۳۳۹
- سورۃ الانفال ۸:۷۲: وان استنصروكم في الدين فعليكم النصر: ۳۳۱، ۳۷۰، ۳۷۴
- سورۃ التوبہ ۹:۴۰: الا تنصروه فقد نصره الله: ۳۳۲
- سورۃ التوبہ ۹:۷۴: وما نقموا الا ان اغنهم الله ورسوله: ۲۵۴، ۲۷۸
- سورۃ یونس ۱۰:۱۸: ويعبدون من دون الله ما لا يضرهم ولا ينفعهم ويقولون هؤلاء شفعاؤنا: ۱۹۴، ۲۳۶، ۲۷۲
- سورۃ یونس ۱۰:۲۲: هو الذي يسيركم في البر والبحر حتى اذا كنتم في الفلك وجرين: ۱۹۶
- سورۃ یونس ۱۰:۸۸: ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم: ۳۶۸
- سورۃ یونس ۱۰:۱۰۳: كذلك حقا علينا ننج المؤمنين: ۳۵۶
- سورۃ ہود ۱۱:۳: وان استغفروا ربكم ثم توبوا اليه: ۲۸۹
- سورۃ ہود ۱۱:۵۲: ويقوم استغفروا ربكم ثم توبوا اليه يرسل السماء عليكم مدرارا: ۲۸۹
- سورۃ یوسف ۱۲:۳۶: اني اراني اعصر خمرا: ۱۳۶
- سورۃ یوسف ۱۲:۹۷: قالوا يابانا استغفر لنا ذنوبنا انا كنا خطئين: ۳۳۲
- سورۃ یوسف ۱۲:۱۰۱: رب قد اتيتني من الملك وعلمتني من تاويل الاحاديث فاطر: ۳۶۸
- سورۃ یوسف ۱۲:۱۰۶: وما يؤمن اكثرهم بالله الا وهم مشركون: ۲۰۶، ۲۷۳
- سورۃ الرعد ۱۳:۷: ولكل قوم هاد: ۵۲
- سورۃ الرعد ۱۳:۲۸: الا بذكر الله تطمئن القلوب: ۳۳۳
- سورۃ ابراہیم ۱۴:۷: لئن شكرتم لازيدنكم: ۳۳۳

- سورۃ ابراہیم ۱۴:۴۷: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ: ۳۴۳
- سورۃ النحل ۱۶:۲۰: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ: ۱۵۷
- سورۃ النحل ۱۶:۳۶: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ: ۳۹۵
- سورۃ النحل ۱۶:۳۸: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ: ۴۴۸
- سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۵: بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ: ۴۳۵
- سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۳۶: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ: ۴۹
- سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۴۴: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ: ۱۳۲
- سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۵۷: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ: ۱۸۸، ۲۴۳
- سورۃ بنی اسرائیل ۱۷:۵۷: يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ: ۲۴۶
- سورۃ الکہف ۱۸:۲۱: قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا: ۴۴۴
- سورۃ الکہف ۱۸:۱۰۲: اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْ اَوْلِيَآءَ: ۱۸۹
- سورۃ الکہف ۱۸:۱۱۰: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: ۱۹۹
- سورۃ طٰہٰ ۲۰:۵۰: رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى: ۵۲
- سورۃ طٰہٰ ۲۰:۱۲۳: فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى: ۵۲
- سورۃ الانبیاء ۲۱:۸۷: لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ: ۳۶۸
- سورۃ الانبیاء ۲۱:۸۹: رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ: ۳۶۸
- سورۃ الانبیاء ۲۱:۱۰۵: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا: ۷۷
- سورۃ النور ۲۴:۵۵: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ: ۳۴۴
- سورۃ النور ۲۴:۶۳: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ: ۳۸۹
- سورۃ الشعراء ۲۶:۷۲-۷۳: هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ: ۳۳۰
- سورۃ الشعراء ۲۶:۸۷: وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ: ۳۶۸
- سورۃ الشعراء ۲۶:۸۷-۸۹: وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ: ۲۵۰
- سورۃ النمل ۲۷:۶۲: اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ: ۱۶۳، ۲۴۸
- سورۃ النمل ۲۷:۸۰: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ: ۳۲، ۳۳، ۱۵۲، ۳۳۰
- سورۃ القصص ۲۸:۱۵: فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ: ۳۳۲
- سورۃ القصص ۲۸:۵۶: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ: ۵۱، ۲۷۰

- سورۃ العنکبوت۲۹:۶۹: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ:۵۲
- سورۃ الروم۳۰:۱۹: يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا:۱۱۴
- سورۃ الروم۳۰:۴۷: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ:۳۴۴، ۳۵۶
- سورۃ الروم۳۰:۵۰: كَيْفَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا:۳۸۱
- سورۃ الروم۳۰:۵۲: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ:۳۲، ۴۳
- سورۃ الروم۳۰:۶۵: فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ:۱۹۶
- سورۃ لقمان۳۱:۲۵: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ:۲۰۵
- سورۃ الاحزاب۳۳:۷۲: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ:۴۹
- سورۃ سبأ ۳۴:۲۲: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي:۱۸۹
- سورۃ سبأ ۳۴:۳۷: وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ:۲۵۰
- سورۃ فاطر۳۵:۱۲: وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا اَنْتَ:۱۵۸
- سورۃ فاطر۳۵:۱۴: اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ:۳۳۰
- سورۃ فاطر:۳۵:۱۹: وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ:۳۳
- سورۃ فاطر۳۵:۲۲: وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ:۳۲، ۳۳، ۴۴، ۵۳، ۹۷، ۱۵۲، ۳۳۰
- سورۃ فاطر۳۵:۴۲: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى:۴۲۸
- سورۃ الصافات۳۷:۷۹: سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ:۱۲۱، ۱۴۳
- سورۃ الصافات۳۷:۹۱-۹۲: اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ:۱۲۷
- سورۃ الصافات۳۷:۱۰۹: سَلٰمٌ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ:۱۲۱، ۱۴۳
- سورۃ الصافات۳۷:۱۲۰: سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ:۱۲۱، ۱۴۳
- سورۃ الصافات۳۷:۱۳۰: سَلٰمٌ عَلٰى اِلْ يَاسِيْنَ:۱۴۳
- سورۃ الزمر۳۹:۳: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا:۲۴۶، ۲۷۲
- سورۃ الزمر۳۹:۳: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى:۲۲۹، ۲۴۶، ۲۷۷
- سورۃ المؤمن۴۰:۷: وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا:۱۲۲
- سورۃ المؤمن۴۰:۱۱: قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ:۵۴
- سورۃ حم المؤمن۴۰:۱۱: رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ:۱۰۶
- سورۃ المؤمن۴۰:۶۰: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ:۱۵۸

- سورۃ المؤمن ۴۰:۶۵: هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ: ۱۵۸
- سورۃ الاحقاف ۴۶:۶: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ: ۱۵۸، ۳۲۹
- سورۃ محمد ۴۷:۱۷: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى: ۵۲
- سورۃ الذاریات ۵۱:۲۲: وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ: ۳۰۵
- سورۃ الذاریات ۵۱:۵۳: اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ: ۱۶۴
- سورۃ الذاریات ۵۱:۵۶: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ: ۲۶۶، ۳۷۹، ۳۹۵، ۴۰۵
- سورۃ النجم ۵۳:۱۰: فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى: ۴۳۵
- سورۃ النجم ۵۳:۲۸: اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا: ۱۸۰
- سورۃ القمر ۵۴:۱۰: فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ: ۳۶۹
- سورۃ الواقعہ ۵۶:۸: فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ: ۸۱
- سورۃ الواقعہ ۵۶:۸۸-۸۹: فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ: ۷۱
- سورۃ الحدید ۵۷:۱۷: يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا: ۱۱۴
- سورۃ الطلاق ۶۵:۱۲: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ: ۲۶۶
- سورۃ نوح ۷۱:۱۰-۱۱: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ: ۲۸۹
- سورۃ نوح ۷۱:۲۱: وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗ: ۱۹۲
- سورۃ نوح ۷۱:۲۳: وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ:
۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۹۰، ۱۹۱
- سورۃ الجن ۷۲:۱۶: وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا: ۲۸۹
- سورۃ الجن ۷۲:۱۸: فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا: ۲۰۱
- سورۃ الاعلیٰ ۸۷:۱۳: ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى: ۱۱۴
- سورۃ الفجر ۸۹:۲۷-۳۰: يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ...... وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ: ۷۲
- سورۃ الضحیٰ ۹۳:۱۰: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ: ۳۳۲

فہرس اَحادیث وآثار

-أجعلتني لِلّٰهِ نِدًّا؟بَلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ:۳۷۳
-أحْيَاهُم اللّٰه حتّٰى أسْمَعَهُمْ قَوْلَهُ تَوْبِيْخًا و تَصْغِيْرًا و نِقْمَةً و حَسْرَةً وَ نَدَمًا:۸۹
-أُذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ!فَانْبَسَطَتْ:۴۰۹
-إذا أَضَلَّ أحدكم شيئًا أو أراد أحد كم عونًا وهو بأرضٍ ليس به أنيسٌ فليقل: ياعِبادَاللّٰهِ:۴۱۳
-إذَا أعْيَتْكُمُ الأُمُوْرُ فَعَلَيْكُمْ بِأَصْحَابِ الْقُبُوْرِ:۲۹۳
-إذاانفلتتْ دابّةُ أحد كم بأرضٍ فلاةٍ فليُنادِ:ياعبادَ اللّٰه احبِسوا عَلَيَّ ياعباد اللّٰه:۴۱۳
-إذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الأُمُوْرِ فَاسْتَعِيْنُوْا مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ:۲۹۳
-إذَا سَئَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئلو ا اللّٰه بجاهي:۲۵۱،۲۹۲،۲۹۵،۲۹۶
-إذا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ:إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ:۲۹۰
-إذا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ أخِيهِ المُسْلِم كانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَسَلَّمَ عليه رَدَّ عليهِ السَّلَامَ:۱۱۵
-أُذكر أَحَبَّ النَّاس إليكَ فقال: يامحمداه فقام فمشى:۲۵۷،۴۰۸
-أُذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ فقال: يامحمد ﷺ! فقام فَكَأَنَّمَا نَشِطَ مِنْ عِقَالٍ:۴۰۹
-أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ:۲۶۰
-اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ:۴۴۳
-إِشْفَعْ تُشَفَّعْ:۳۷۵
-أصاب النَّاسَ قحطٌ فِي زمن عمرفجاء رجلٌ إلى قبرالنبي ﷺ فقال: يارسول اللّٰه!:۲۸۶
-أعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ:۳۵۷
-أكرهُ أن يُرفع القبرُ إلّا بقدر مايُعرف أنه قبرٌ لكيلا يُوطَأ ولا يُجلس عليه[امام شافعی]:۱۶۱
- ألا أبعثك على مابعثني عليه رسول اللّٰه ﷺ: أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا:۱۶۱،۴۴۴
-ألا إنّ الشيطان قد أيس أنْ يُعْبَدَ فِي بَلَدِكم هذا أبدًا ولكنْ ستكون له طاعة:۲۸۲

-اللّٰھُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا:
۱۵۶،۲۶۳،۳۱۷،۳۲۱

-اللّٰھُمَّ إِنَّا نسألك بحقِّ مُحَمَّدٍ النبي الأمي الذي وعدتنا أن تخرجه في آخر الزمان:۳۵۹

-اللهم إنك تعلم سريرتي وعلانيتي فأقبل معذرتي وتعلم حاجتي فأعطني:۳۹۸

-اللهم إني أتوب إليك ولا أتوب إلى محمد ﷺ عَرَفَ الْحَقَّ لِأَهْلِهِ:۳۷۴

-اللّٰھُمَّ إِنِّي أسئلكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عليكَ وبحقِّ ممشايَ:۲۵۷،۳۵۳

-اللّٰھُمَّ إِنِّي أسألك بمَعَاقِدِ العِزِّ مِن عَرشِكَ:۳۹۹،۴۰۰

-اللهم إني أسألك وأتوجّهُ إليك بنبيك محمد نبي الرحمة يامحمد! إني توجّهتُ:۲۶۷

-اللّٰھُمَّ إِنِّي أُقْسِمُ عَلَيْكَ بِفُلَانٍ إِلَّا قَضَيْتَ حَاجَتِي:۲۶۶

-اللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَمُحَمَّدٍ أَجِرْنِي مِنَ النَّارِ:۳۳۵

-اللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَإِلَيْكَ الْمُشْتَكَى وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَإِلَيْكَ الْمُسْتَغَاثُ:۳۷۳

-أَمَا وَاللهِ لقد علمتُ أَنَّكَ حَجَرٌ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ يُقَبِّلُكَ:۳۳۸

-أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ:۳۳۰

-أنظروا إلى قبر النبي ﷺ فاجعلوا منه كُوًّا إلى السماء حتى لا يكون بينه:۳۳۹

-إِنَّ آدمَ علیہ السلام رأى مكتوبًا على العرش أسماء معظّمة مكرمة فسأل عنها:۴۰۵

-إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ:۷۴

-إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ العلمَ انتزاعًا ينتزعه من الناس ولكن يقبضُ العلم بقبض العلماء:۲۳۱

-إن الله يقول يوم القيامة: يا ابن آدم! مرضتُ فلم تعدني قال: يا ربِّ كيف:۳۲۳

-إِنَّ السماء قحطت فخرج معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ وأهل دمشق يستسقون فلما قعد:۱۵۶

-أَنَّ النبي ﷺ لم يرَ قريةً يُرِيدُ دخولها إلا قال حين يراها اللّٰھُمَّ رَبَّ السماواتِ ورب:۳۳۷

-إِنَّ أولئك إذا كان فيهم الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا على قبره مسجدًا وصَوَّرُوْا:۲۷۷،۳۲۳

-أَنَّ رجلًا ضريرَ البصر أتى النبي ﷺ فقال: أُدْعُ اللهَ أن يعافيني قال: إن شئتَ:۲۶۷،۲۹۷،۳۰۱

-إِنَّ شِرَارَ النَّاسِ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ:۳۲۳

-إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ حُبِسَ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ بِدَيْنٍ كَانَ عَلَيْهِ:۸۳

-أَنَّ عائشة رضي الله عنها أم المؤمنين رَأَتْ مِنَّا يُسَرِّحُ رأسه فقالت: عَلَامَ تَنْصُوْنَ:۱۰۲

-إِنَّ عَلِيًّا مِنِّي وأنا منه وهو وليُّ كُلِّ مؤمنٍ بعدي:۲۳۲

-أنّ عمربن الخطاب ؓ كان إذا قحطوا استسقى بالعباس ابن عبدالمطلب:۲۵۴
-إنّ مِن شِرَارِ النّاسِ مَن تُدرِكُهُم السّاعَةُ وهُم أحْياءٌ ومن يتّخِذُ القُبورَ مساجد:۲۱۳
-إنّ هذا العلمَ دِينٌ فانظروا عمّن تأخذون دينكم [ابن سیرین]:۲۲۹
-إنّ المَيّتَ إذا خَرجَتْ نَفْسُهُ يُعرَجُ بِهَا إلى السّماءِ حَتّى يَنْتَهِي بِهَا إلى السّماءِ:۷۵
-إنّ النّبيّ ﷺ كَانَ يَسْتَفتِحُ بِصَعَالِيكِ المُهَاجِرِين:۳۶۵
-إنّا كُنّا نُحدّثُ عَن رَسُولِ اللّهِ ﷺ إذ لَم يَكُنْ يُكذَبُ عَلَيهِ فَلَمّا رَكِبَ النّاسُ الصّعْبَ:۳۰۸
-إنه لايُستغاثُ بِي إنّما يُستغاثُ باللهِ عزّ وجلّ:۳۷۱
-إنه لايُقامُ لِي إنّما يُقامُ لِلّه:۳۷۲
-إنّي أعلَمُ أنّكَ حَجَرٌ لاتَضُرُّ ولا تَنفعُ ولَولا أنّي رأيتُ رَسُولَ اللّهِ ﷺ يُقبّلُكَ ما قبّلتُك:۱۲۷
-إنّي واللّهِ ما أخافُ أن تُشرِكُوا بَعدِي ولكِنْ أخافُ عَلَيكُمُ الدّنيا:۲۸۲،۲۸۵
-أوحَى اللّهُ إلى عيسى: امِن بِمُحَمّدٍ فلولاه ما خلقتُ آدمَ ولا الجنّةَ ولا النّارَ:۳۷۹
-أوحى اللّهُ إلى عيسى ؑ: آمن بمحمد وأمر من أدركه مِن أُمّتِك أن يؤمنوا به:۳۷۷
-أين يزيدبن الأسود الجُرَشي؟ فناداه:۱۵۶
-الإسنادُ مِنَ الدِّينِ ولَولا الإسنادُ لَقالَ مَن شاءَ ما شاءَ [عبداللہ بن مبارک]:۳۳،۱۱۹،۲۲۳،۳۰۳
- بَينَا أنا نائِمٌ رأيتُني في الجنّةِ فإذا امرأةٌ تتوضّأُ إلى جانبِ قَصرٍ فقلتُ: لِمَن هذا القَصرُ؟:۱۱۳
-حديثُ الكُوّة:۲۵۳
-دَعُونِي أُصَلّي:۱۰۶
- الدُّعاءُ هُوَ العِبادةُ:۲۱۷
-ذاك إبراهيم ؑ:۳۹۵
- رأيتُ صاحِبَكُم مَحْبُوسًا على بابِ الجنّةِ:۸۳
- رَجَعْنَا مِنَ العامِ المُقبِلِ فَمَا اجتَمَعَ اثنانِ عَلَى الشّجَرَةِ الّتي بَايَعنا تَحتَها كَانَتْ رَحمَةً:۲۱۵
-رحمكِ اللهُ يا أُمّي إكُنتِ أُمّي بعدَ أُمّي ......ثم خلع رسول الله ﷺ قميصه فألبسها:۳۳۸
- الرّحِمُ شِجْنَةٌ مِنَ الرّحمٰنِ فَقالَ اللّهُ: مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ ومَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ:۳۲۲
- سألتُ النبيّ ﷺ عن الكلمات التي تَلَقّاهَا آدم من ربه قال: سأل بحق محمد وعلي:۳۰۶
- سيكون في آخر أمتي أناس يحدثونكم ما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم:۳۲۷
- سَيَكُونُ فِي أُمّتي ثَلاثُونَ كَذّابُونَ كُلُّهُم يَزعَمُ أنّهُ نَبِيٌّ وأنا خاتَمُ النّبِيّينَ لا نَبِيَّ بعدي:۲۸۵

-اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا:۱۲۰

-اَلسَّلَامُ عليكم دارَ قومٍ مؤمنين أمّا نِساءُكم فنُكِحت وأمّا أموالكم فقُسِمت وأمّا:۸۸،۸۷

-اَلشُّهَدَاءُ عَلَى بَارِقٍ فِي قُبَّةٍ خَضْرَاءَ يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً:۸۳

- عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ:۱۴۶،۱۴۵

- فإذا أحببتُه كُنتُ سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به:۴۳۵

- فَاسْأَلُوا اللّٰهَ بِجَاهِي:۲۵۱

-فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ:۲۶۴

- فإنه لولا مُحمَّدٌ ما خلقتُ آدم، ولولاهُ ما خلقتُ الجنّةَ ولا النّارَ:۳۷۷

- قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: أَنَا الرَّحْمٰنُ وَهِيَ الرَّحِمُ شَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنِ اسْمِي مَنْ وَصَلَهَا:۴۲۳

- قال اللّٰه: يا آدم ما يحزنك قال كيف لا أحزن وقد أهبطتني من الجنة ولا أدري:۳۹۷

- قال يوسف عليه السلام: أللهم إني توجهت إليك بصلاح آبائي: إبراهيم خليلك وإسحاق:۳۱۸

- قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ فَزُوْرُوْهَا:۲۹۱

- قُلْ لِابْنِ سَمْعَانَ: يَتَّقِي اللّٰهَ وَلَا يَكْذِبْ عَلَيَّ:۹۹

-كان رسولُ اللّٰهِ ﷺ إذا قامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ: أَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيكَائِيْلَ:۳۳۶

-كان شعارهم يومئذٍ: يامُحمَّداه افعلَ لا يَبرُزُ له أحَدٌ إلّا قتلَهُ:۴۰۷

-كَانَ قَبَائِلُ مِنَ الْعَرَبِ يَعْبُدُوْنَ صِنْفًا مِنَ الْمَلٰئِكَةِ يُقَالُ لَهُمُ الْجِنُّ[سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ]:۴۴۷

-كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَإِنِّي وَاضِعٌ ثَوْبِي وَأَقُوْلُ: إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي:۱۰۷

-كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ أَلَا فَزُوْرُوْهَا:۱۳۳

- لتأتيني على ذلك ببينة أو لأفعلن بك فجاء نا أبو موسى منتقعًا لَونه:۲۲۶

-لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ:۲۸۳

- لَسْتُ هُنَاكُمْ إِذْهَبُوْا:۳۷۶

-لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ:۴۴۴

- لقد رأيتُ الشَّجَرَةَ ثم أتيتُها بعدُ فلَمْ أعرِفْها:۲۱۵

- لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ:۱۴۴

- لَمْ تَرَ أهلَ الخير في شيءٍ أكذبَ منهم في الحديثِ:۲۲۶

-لِمَ تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة أبيك آدم عليه السلام إلى اللّٰه:۳۸۱،۲۵۵

- لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَرْوَاحَهُمْ فِي أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ: ۶۹
- لَمَّا انْهَزَمَتِ الرُّومُ يوم أجنادين انتهوا إلى موضع لايعبره الإنسان و جعلت أرواحهم: ۶۳
- لَمَّا ثَقُلَ النبيُّ ﷺ جعل يتغشّاهُ فقالت فاطمة رضي الله عنها: وا كربَ أباه! فقال: ۳۱۱
- ليس على أبيكِ كربٌ بعدَ هذا اليوم: ۳۱۱
- ما مِنْ أحدٍ يمرُّ على قبرِ أخيهِ المُؤمنِ يعرفُهُ في الدُّنيا فسلَّمَ عليهِ إلّا عرفَهُ وردَّ عليهِ: ۱۱۸
- ما مِنْ رجلٍ يزورُ قبرَ أخيهِ ويجلسُ عندَهُ إلّا استأنسَ بهِ وردَّ عليهِ حتّى يقومَ: ۹۷، ۱۱۵، ۱۱۸
- مَن استغنى باللّٰهِ افتقرَ إليهِ النَّاسُ [سعید بن مسیب]: ۱۶۳
- مَن ترك الأمرَ بالمعروفِ والنَّهيَ عن المنكرِ من مخافةِ المخلوقين [عمری]: ۱۶۳
- مَنْ حلفَ بغيرِ اللّٰهِ فقدْ أشركَ: ۳۷۴
- مَنْ خرجَ مِنْ بيتِهِ إلى الصَّلاةِ فقال: اللّٰهمَّ إنِّي أسألكَ بحقِّ السَّائلين: ۳۵۳
- مَنْ قتلَ قتيلاً فلهُ سلبُهُ: ۱۳۵، ۱۳۶
- المَلٰئكةُ تُصلِّي على أحدِكُمْ مادامَ في مُصلَّاهُ الَّذي صلَّى فيهِ ما لمْ يُحدِثْ: ۱۳۲
- نَسَمَةُ المُؤمنِ تذهبُ في الأرضِ حيثُ شاءتْ: ۷۸
- نَسَمَةُ المُؤمنِ طائرٌ يعلَقُ في شجرِ الجنَّةِ: ۷۸
- نَمْ كنَوْمَةِ العَروسِ الَّذي لايوقِظُها إلّا أحبُّ أهلِهِ إليها وهذا مضحعك: ۱۰۶
- نَهَى رسولُ اللّٰهِ ﷺ أنْ يُسبَّ قتلى بدرٍ مِنَ المُشركينَ وقال: لاتسبُّوا هؤلاءِ: ۶۲
- هَلْ معكَ أحدٌ؟: ۳۳۳
- هَلْ تُنصَرونَ وتُرزَقونَ إلّا بضُعفائِكُمْ: ۲۶۳، ۳۱۹، ۳۶۵، ۳۷۵
- هَلْ وجدتُمْ ما وعدَكُمْ ربُّكُمْ حقًّا؟ فقال عمرُ ؓ: أتُكلِّمُ المَوتى يارسولَ اللّٰهِ؟: ۸۷، ۸۸
- هُو وسيلتُكَ و أبيكَ آدمَ إلى اللّٰهِ يوم القيامة: ۳۸۱
- وإذا سألتَ فاسألِ اللّٰهَ وإذا استعنتَ فاستعنْ باللّٰهِ: ۳۳۳
- واللّٰهِ نحنُ الأسماءُ الحُسنى الَّتي لايقبلُ اللّٰهُ مِنَ العبادِ عملاً إلّا بمعرفتِنا: ۳۰۴
- واللّٰهِ لوْ حضرتُكَ مادُفِنتَ إلّا حيثُ مِتَّ. ولوْ شهدتُكَ مازُرتُكَ: ۱۰۰
- وإنَّ مَنْ كانَ قبلَكُمْ كانوا يتَّخِذونَ القُبورَ مساجدَ ألا فلاتتَّخِذوا القُبورَ: ۳۳۳
- وقدْ توجَّهَ القومُ بي إليكَ لِمكاني مِنْ نبيِّكَ: ۳۲۰
- لاتُشَدُّ الرِّحالُ إلّا إلى ثلاثةِ مساجدَ: المسجد الحرام، ومسجد الرسول ﷺ: ۲۰۲، ۲۱۲

-لَا تَقُولُوا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَلٰكِنْ قُولُوا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ مَا شَاءَ مُحَمَّدٌ:۳۷۴

-لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَرَوْا أُمُورًا عِظَامًا لَمْ تَكُونُوا تَرَوْنَهَا وَلَا تُحَدِّثُونَ بِهَا:۲۸۴

-لَا تقومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَضْطَرِبَ أَلْيَاتُ نِسَاءِ دَوْسٍ عَلٰى ذِي الْخَلَصَةِ:۲۸۳

-لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِيْنَ وَحَتّٰى تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي:۲۸۴

-لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِيْنَ وَحَتّٰى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ وَإِنَّهُ:۲۸۵

-لَا تقومُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالُ فِي الْأَرْضِ: اللّٰه اللّٰه:۲۸۳

-لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَرْجِعَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي إِلٰى أَوْثَانٍ يَعْبُدُونَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ:۲۸۴

-لَا تنسنا يا أُخَيَّ مِن دُعَائِكَ:۴۰۱، ۴۰۳

-لَا سَبَقَ إِلَّا فِي نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ أَوْ جَنَاحٍ:۴۱۱

-لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰى تُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى:۲۸۴

-لَا ينبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى:۳۹۵

- يَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ يَا أَبَتَاهُ يَا أَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ يَا أَبَتَاهُ إِلٰى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ:۴۱۱

-يَا أَرْضُ رَبِّي وَرَبُّكِ اللّٰهُ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ، وَشَرِّ مَا فِيْكِ، وَشَرِّ مَا خُلِقَ:۳۴۸

- يا رب أسألك بحق آبائي عليك إبراهيم وإسحق ويعقوب فقال اللّٰه: يا داؤد!:۳۱۹، ۳۵۷

- يَا رَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَا غَفَرْتَ لِي:۳۸۹

-يا رسولَ اللّٰه! أتكلمُ أجسادًا بلا أرواحٍ؟ فقال ﷺ: والذي نفسي بيده ما أنتم بأسمعَ:۳۵، ۴۰

- يارسول اللّٰه! إستسق لأمتك:۲۸۶، ۲۸۷

-يارسول اللّٰه! هَلَكَتِ الأموالُ وانقطعت السُّبُلُ فادعُ اللّٰه يُغِيثُنا فرفع رسول اللّٰه ﷺ:۳۲۳

- يا علي! أنتَ سَيِّدٌ في الدُّنيا سَيِّدٌ في الآخرةِ حَبِيبُكَ حَبِيبِي وحَبِيبِي:۳۸

- يجري الكذب على لسانهم ولا يتعمَّدون الكذب:۲۲۶

-يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم:۳۰۳

فہرسِ اَعلام

[جن کے مختصر تراجم/احوالِ زندگی اس کتاب میں لکھے گئے]

آلوسی: ۲۶۵
ابراہیم حلبی: ۱۰۳
ابن ابی حاتم: ۱۴۰
ابن ابی شیبہ: ۲۷
ابن ابی الدنیا: ۲۷
ابن تیمیہ: ۱۱۱
ابن جریر: ۴۲
ابن جوزی: ۳۰۵
ابن حجر عسقلانی: ۲۱
ابن حنبل: ۷۴
ابن خزیمہ: ۳۵۳
ابن زید: ۲۷۰
ابن سعد: ۶۴
ابن سیرین: ۲۲۹
ابن سینا: ۱۷۶
ابن طاہر: ۱۰۹
ابن عابدین شامی: ۲۳
ابن عباس رضی اللہ عنہما: ۶۳
ابن عبد البر: ۸۱
ابن عبد السلام: ۲۶۶
ابن عبد الہادی: ۳۲۶
ابن عدی: ۱۰۰
ابن عربی، صوفی: ۳۲
ابن عساکر: ۲۸
ابن عمر رضی اللہ عنہما: ۴۹
ابن قیم: ۷۱
ابن کثیر: ۵۰
ابن مردویہ: ۶۲
ابن مندۃ: ۷۵
ابن نجیم: ۱۲۴
ابن ہمام: ۴۳
ابن وضّاح: ۲۸۶

ابن وہب فہری:۲۴۷
ابن التین:۴۹
ابن الزملکانی:۶۷
ابن السنی:۸۵
ابن العربی المالکی:۱۹۵
ابو اسماعیل انصاری:۱۰۹
ابو بصرة غفاری ﷺ:۲۱۲
ابو بکر صدیق ﷺ:۱۷۸
ابو بکر باقلانی:۲۳۵
ابو بکر خیاط یمنی:۲۳۷
ابو جعفر باقر:۶۲
ابو حفص کبیر:۲۳۸
ابو حنیفہ، امام:۴۷
ابو داود سجستانی:۸۶
ابو داود طیالسی:۲۱۲
ابو رزین العقیلی ﷺ:۱۱۸
ابو زرعۃ رازی:۳۵۵
ابو سعید خدری ﷺ:۳۵۳
ابو سلیمان دارانی:۲۳۸
ابو طالب:۲۴۲
ابو عبداللہ محمد بن نعمان:۴۲۸
ابو علی سینا:۱۷۶
ابو علی نیشاپوری:۳۴۰
ابو موسیٰ اشعری ﷺ:۲۱۹
ابو ہریرۃ ﷺ:۷۱
ابو یزید بسطامی:۲۳۹
ابو یعلیٰ:۲۳۲
ابو یوسف:۲۶۸
ابو السعود، فقیہ:۹۳
ابو السعود، مفسر:۱۰۶
ابو اللیث سمرقندی:۵۶
احمد بن محمد بن حنبل:۷۴
ارسطو:۱۷۶
اسحاق بن راہویہ:۸۰
اکمل الدین بابرتی:۱۵۵
ام بشر رضی اللہ عنہا:۶۶
انس بن مالک ﷺ:۳۳۷
اویس قرنی:۲۶۴
بخاری:۸۶
براء بن عازب ﷺ:۶۶
بلاذری:۴۱۹
بیضاوی:۵۰

بیہقی:۲۹
ترمذی:۱۰۰
تفتازانی:۲۰
تقی الدین سبکی شافعی:۱۴۱
جعفر بن محمد الباقر:۴۰۴
جلال الدین خوارزمی:۹۰
جنید بغدادی:۲۳۹
جوزجانی:۹۸
چلپی سعدی:۹۱
حاکم:۸۵
حسن بن زبالۃ:۳۵۲
حسین علی:۷۰
حماد بن زید:۳۳
خازن:۶۸
خطیب بغدادی:۱۱۰
خفاجی=شہاب الدین:۴۷
دارقطنی:۲۳۲
دارمی:۳۴۹
دسوقی: محمد بن احمد بن عرفۃ:۵۶
دوانی:۱۵۱
ذہبی:۱۰۸
راغب اصفہانی:۸۳
رشید احمد گنگوہی:۴۵
زاہدی:۲۴
زبیر بن بکار:۴۱۸
زرقانی:۱۴۲
زیلعی:۱۵۴
سعد الدین الحلبی:۹۱
سعدی چلپی:۹۱
سعید بن مسیب:۲۹
سفیان ثوری:۱۳۶
سلمان فارسی رضی اللہ عنہ:۷۸
سید آلوسی:۲۶۵
سید شریف جرجانی:۴۰
سیوطی:۲۹
سواد بن قارب رضی اللہ عنہ:۳۲۰
شاطبی:۲۵
شافعی، امام:۱۰۲
شامی:۲۳
شاہ عبد العزیز دہلوی:۱۱۰
شاہ ولی اللہ دہلوی:۱۲۱
شبیر احمد عثمانی:۵۷

شہاب الدین خفاجی: ۴۷
شہرستانی: ۲۷۶
شیخ الہند: ۶۰
شیخین: ۱۰۹
صابونی: اسماعیل بن عبد الرحمٰن: ۱۱۵
صفوان بن عمرو: ۷۷
صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبد المطلب: ۲۵۸
ضحاک بن مزاحم: ۳۶۳
طاوس یمانی: ۱۶۴
طبرانی: ۲۷
طحاوی/طہطاوی: ۱۲۵
عامر بن عبد اللہ ابو الیمان: ۷۷
عائشہ رضی اللہ عنہا: ۴۵
عبد الحق اشبیلی: ۲۷
عبد الحق، محدث دہلوی: ۱۲۷
عبد الحی لکھنوی: ۱۲۸
عبد الحکیم افغانی دمشقی: ۹۲
عبد الحکیم سیالکوٹی: ۵۴
عبد الرحمٰن بن ابی بکر: ۱۰۰
عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم: ۲۴۷
عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک: ۶۵
عبد الرحمٰن بن مہدی: ۱۷
عبد العزیز بن عبد السلام: ۱۴۲
عبد القادر جیلانی: ۲۳۵
عبد اللہ بن عبد العزیز: ۱۶۳
عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ۷۱
عبد اللہ بن مبارک: ۱۱۹
عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ۱۴۰
عبد اللہ بن معبد الزمانی: ۲۴۷
عبد اللہ بن وہب فہری: ۲۴۷
عبد الوہاب شعرانی: ۲۳۴
عتمی: ۳۲۴
عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ: ۲۶۷
عروۃ بن زبیر: ۱۶۶
عز بن عبد السلام: ۱۴۲
عز الدین شافعی: ۱۴۲
عفان بن مسلم الصَّفَّار: ۳۰۵
عقیلی: ۱۱۸
عکرمہ بربری: ۲۷۴
علی بن ابی بکر مرغینانی: ۱۳۳
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: ۳۸
علی بن فضیل: ۱۳۷

عمر بن خطاب ؓ: ۸۸
عمرو بن حمدان: ۳۱
عمرو بن العاص ؓ: ۶۵
عنترۃ عبسی: ۲۴۱
عینی: ۲۴
غزالی: ۶۸
فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد: ۳۳۸
فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ: ۱۸۰
فخر الدین رازی: ۴۳
فضیل بن عیاض: ۱۶۲
قاضی خان: ۱۲۳
قاضی شوکانی: ۲۰۸
قاضی عیاض: ۱۴۲
قتادۃ: ۵۰
قُتَیلَۃ بنت نضر بن حارث: ۲۴۱
قرطبی، مفسر: ۲۷۸
قہستانی: ۲۴
کافی کلینی: ۴۰۳
کعب بن ماتع حمیری: ۷۷
کعب بن مالک ؓ: ۶۶
کمال الدین زملکانی: ۶۷

لبید بن ربیعہ ؓ: ۲۴۲
مالک بن انس: ۷۴
متنبی: ۲۴۳
مجاہد بن جبر: ۸۱
مجد الدین فیروز آبادی: ۲۳۷
محب الدین طبری: ۱۴۲
محقق دوانی: ۱۵۱
محمد بن حسن شیبانی: ۱۰۳
محمد بن اسحاق: ۳۶۶
محمد بن باقر: ۶۲
محمد بن علی بن عبد الواحد: ۶۷
محمد بن مسلمہ: ۲۲۵
محمد بن نصر مروزی: ۸۰
محمد بن طاہر مقدسی: ۱۰۹
محمد بن وضّاح: ۲۸۶
محمد طاہر پٹنی: ۳۳
محمد قاسم نانوتوی: ۵۷
محمود الحسن: ۶۰
مسلم بن حجاج: ۳۴
معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما: ۱۵۶
معذور بن سوید: ۲۱۴

معمر بن راشد: ۳۷
مغیرۃ بن شعبہ ؓ: ۲۲۴
ملا علی قاری: ۲۲
ملا مسکین: ۲۴
مناوی: ۲۶۷
منصور: ۲۵۵
مہدی: ۴۱۰
نسائی: ۱۳۵
نسفی: ۱۵۱
نووی: ۱۴۲
نیشاپوری، مفسر: ۲۷۵
ہشام بن العاص ؓ: ۶۵
ہیثمی: ۳۲۱
ولید بن عبد الملک: ۲۱۶
یافعی: ۱۴۲
یحییٰ بن معین: ۹۹
یزید بن مہلب بن ابی صفرۃ: ۱۶۸

فہرس اصطلاحات

تدلیس الشیوخ:۳۵۴
تناسخ:۸۲
ذاہب الحدیث:۹۸
علم بیان:۵۵
فِناءُ الجنۃ:۲.۷
متواتر:۲۰
متہم:۲۲۷
مرسل:۳۴۶
مشہور:۲۰
منقطع:۳۴۶
منکر:۲۲۷

فہرس فرق

دیصانی:۱۶۰
روافض:۳۱
زنادقہ:۳۲
صالحیہ:۴۰
مانوی:۱۶۰
مجوسی:۱۶۰
معتزلہ:۳۹

فہرس مصادر و مراجع

[اس کتاب کے علمی منابع]

-اتحاف الزائر واطراف المقیم للسائر فی زیارۃ النبی ﷺ ابو الیمن عبد الصمد بن عبد الوہاب بن عساکر، تحقیق: حسین محمد علی شکری شرکۃ دار الارقم، بیروت، بدون تاریخ
-احکام القرآن، ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف با بن العربی المالکی، دار الجیل، بیروت، ۱۴۰۷ھ = ۱۹۸۷ء
-احکام القرآن، ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، تحقیق: عبد الرزاق المہدی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ = ۱۹۹۷ء
-احوال الرجال، ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی، المکتبۃ الاثریۃ، سانگلہ ہل، شیخوپورہ، پاکستان، بدون تاریخ
-احیاء علوم الدین، ابو محمد غزالی، دار المعرفۃ، بیروت، بدون تاریخ
-ادلۃ معتقد ابی حنیفۃ فی ابوی الرسول ﷺ ملا علی قاری، مندرجہ: مجموعۃ رسائل الملا علی القاری دار الکتب، پشاور، پاکستان، بدون تاریخ
-اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، پاکستان، ۱۴۰۰ھ = ۱۹۸۰ء
-ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم، ابو السعود محمد بن محمد العمادی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۴ء
-اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ابن الاثیر الجزری، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۷ھ = ۲۰۰۶ء
-أشِعّۃُ اللّمعات، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، پاکستان، بدون تاریخ
-اصول السرخسی، ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۳ھ = ۱۹۷۳ء
-أطراف الغرائب والأفراد من حدیث رسول اللہ ﷺ للإمام الدارقطنی، حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی مقدسی، تحقیق: محمود محمد محمود حسن نصار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ = ۱۹۹۸ء
-اعراب القرآن، ابو جعفر احمد بن محمد بن اسماعیل ابن النحاس، تحقیق: ڈاکٹر زہیر غازی زاہد، عالم الکتب،

بیروت، ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء

-اغاثۃ اللہفان من مصائد الشیطان، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم، تحقیق: محمد حامد الفقی، دار المعرفۃ، بیروت، بدون تاریخ

-اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ اصحاب الجحیم، شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ، تحقیق: ڈاکٹر ناصر عبدالکریم العقل، دار العاصمۃ، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۸ء

-إنباء الغمر بأبناء العمر فی التاریخ، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء]

-انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری، تحقیق: ڈاکٹر سہیل زکار، ڈاکٹر ریاض زرکلی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۶ء

-انوار التنزیل وأسرار التأویل، ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۸ء

-أہوال القبور وأحوال اہلہا الی النشور، حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن رجب حنبلی، تحقیق: محمد نظام الدین الفُتَیِّح، دار الزمان، مدینہ منورہ، ۱۴۳۳ھ=۲۰۱۲ء

-الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی، تحقیق: عبدالرحمٰن فہمی، دار الغد الجدید، القاہرۃ، مصر، ۱۴۲۷ھ=۲۰۰۶ء

-الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، امیر علاء الدین علی بن بلبان الفارسی، تحقیق وتخریج: شعیب الارنووط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء

-الاحکام الشرعیۃ الصغریٰ، ابو محمد عبدالحق اشبیلی، تحقیق: ام محمد بنت احمد الہلیس، مکتبۃ ابن تیمیۃ، قاہرۃ مصر، ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۳ء

-الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ، ابو محمد عبدالحق اشبیلی، تحقیق: ڈاکٹر احمد بن معبد عبدالکریم، مکتبۃ الرشد، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۲۲ھ=۲۰۰۱ء

-الاحکام الوسطیٰ من حدیث النبی ﷺ، ابو محمد عبدالحق اشبیلی، تحقیق: حمدی السلفی، مکتبۃ الرشد، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۱۶ھ=۱۹۹۵ء

-الاستذکار، الجامع لمذاہب فقہاء الامصار، ابو عمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر، تحقیق: سالم محمد عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء

-الاستغاثۃ فی الرد علی البکری، شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، تحقیق: ڈاکٹر عبداللہ بن دجین السہلی،

مکتبۃ دار المنہاج، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۲۶ھ

-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر، تحقیق: ڈاکٹر خلیل مامون شیما، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۷ھ=۲۰۰۶ء

-الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، ملا علی قاری، تحقیق: محمد لطفی الصباغ، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء

-الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۲۸ھ

-الاعتصام، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، تحقیق: ڈاکٹر سعد بن عبد اللہ آل حمیر، دار ابن الجوزی، جدۃ، سعودی عرب، ۱۴۳۱ھ

-الاعلام، خیر الدین زرکلی، دار العلم للملایین بیروت، نومبر ۱۹۸۴ء

-الامر بالمعروف والنہی عن المنکر من مسائل عبد اللہ بن احمد بن حنبل، ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون البغدادی الخلال، تحقیق: عمرو عبد المنعم سلیم، مکتبۃ الصحابۃ، الامارات، الشارقۃ، ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء

-بستان المحدثین، شاہ عبد العزیز دہلوی، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، پاکستان، ۱۹۷۶ء

-بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز ابادی، دار الباز، مکۃ المکرمۃ، بدون تاریخ

-بغیۃ الملتمس في تاریخ رجال أهل الأندلس، احمد بن یحیٰی بن احمد بن عمیرۃ ابو جعفر الضبی، دار الکتاب المصری، القاہرۃ، ۱۴۱۰ھ=۱۹۸۹ء

-بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام، ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الملک ابن القطان الفاسی، تحقیق: ڈاکٹر الحسین آیت سعید، دار طیبہ، الریاض، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء

-بیس بڑے مسلمان، عبد الرشید ارشد، مکتبہ رشیدیہ، لاہور ۱۴۲۰ھ=۱۹۹۹ء

-البحر الرائق شرح کنز الدقائق، زین الدین ابن نجیم الحنفی، سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی، پاکستان، بدون تاریخ

-البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، محمد بن علی شوکانی، مطبعۃ السعادۃ، القاہرۃ، مصر، ۱۳۴۸ھ

-البدور البازغۃ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، المطبع الحیدری، لاہور، پاکستان، ۱۳۸۹ھ=۱۹۷۰ء

-البنایۃ شرح الہدایۃ، محمود بن احمد بن موسیٰ العینی، تحقیق: ایم صالح شعبان ۶: ۲۴۳-۲۴۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ=۲۰۰۰ء

-تاج التراجم' ابو الفداء زین الدین قاسم بن قطلوبغا' دار القلم' دمشق ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۲ء
-تاریخ بغداد' ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی' دار الفکر بیروت' بدون تاریخ
-تاریخ مدینۃ دمشق' ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ' دار الفکر بیروت' ۱۴۳۵ھ=۲۰۱۴ء
-تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق' عثمان بن علی الزیلعی' المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ' بولاق' مصر
۱۳۱۳ھ
-تحریرات حدیث علی اصول التحقیق' مولانا حسین علی' یونین پرنٹنگ پریس' ملتان' ۱۳۶۲ھ=۱۹۴۳ء
-تحقيق الأولى من أهل الرفيق الأعلى' قاضی کمال الدین محمد بن علی بن عبد الواحد الزملکانی'
تحقیق: ڈاکٹر عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد العزیز' جامعۃ ام القریٰ' مکۃ المکرمۃ' سعودی عرب' ۱۴۲۳ھ
-تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی' جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی' دار الکتاب العربی'
بیروت' ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء
-تذکرہ علمائے ہند' مولوی رحمان علی' ترتیب و ترجمہ: محمد ایوب قادری' پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی'
کراچی' پاکستان ۱۹۶۱ء
-تذکرۃ الحفاظ' ابو عبد اللہ شمس الدین محمد ذہبی' دار احیاء التراث العربی' بیروت' بدون تاریخ
-تذکرۃ الموتیٰ والقبور' قریشی کتب خانہ' محلہ جنگی' پشاور' پاکستان' بدون تاریخ
-تسکین الصدور فی تحقیق أحوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور' مولانا محمد سرفراز خان صفدر' ادارہ نشر واشاعت
مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ' پاکستان' ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء
-تطہیر الاعتقاد عن أدران الالحاد' محمد بن اسماعیل بن صلاح بن الامیر الصنعانی' مکتبۃ الامام الوادعی'
صعدۃ' دماج' یمن' ۱۴۳۰ھ=۲۰۰۹ء
-تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس' ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی
تحقیق: ڈاکٹر عبد الغفار سلیمان البنداری' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۴ء]
-تفسیر الخازن' علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم الخازن' وحیدی کتب خانہ پشاور' پاکستان' بدون تاریخ
-تفسیر روح البیان' اسماعیل حقی بن مصطفیٰ' استانبولی' مطبع عثمانیہ' ترکی' ۱۳۳۱ھ
-تفسیر الامام مجاہد بن جبر' تحقیق: ڈاکٹر محمد عبد السلام ابو النیل' دار الفکر الاسلامی الحدیثۃ' مدینۃ نصر'
متحدہ عرب امارات' ۱۴۱۰ھ=۱۹۸۹ء
-تفسیر السمرقندی المسمّٰی بحر العلوم' نصر الدین محمد بن احمد ابو اللیث السمرقندی' تحقیق: ڈاکٹر محمود مطرجی'
دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء

-تفسیر الطبری، محمد بن جریر طبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
-تفسیر القرآن العظیم، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی، تحقیق: لجنۃ من العلماء، دار عالم الکتب، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء
-تفسیر النسفی المسمیٰ بمدارک التنزیل وحقائق التاویل، عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی، دار القلم، بیروت، ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۹ء
-تقریب التہذیب، شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، تحقیق: ابو معاذ طارق بن عوض اللہ بن محمد، دار الکوثر القاہرۃ، مصر، ۱۴۳۱ھ=۲۰۱۰ء
-تکمیل الایمان، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، الرحیم اکیڈمی، کراچی، پاکستان، بدون تاریخ
-تلخیص المستدرک، ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ=۱۹۷۸ء
-تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، مجد الدین فیروز آبادی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
-تہذیب التہذیب، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی، تحقیق وتعلیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۴ء
-تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزی، تحقیق: ڈاکٹر بشار عواد معروف، دار الرسالۃ العالمیۃ، دمشق، ۱۴۳۶ھ=۲۰۱۵ء
-تہذیب اللغۃ، ابو منصور محمد بن احمد ازہری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۱ء
-التاریخ، یحییٰ بن معین، تحقیق: ڈاکٹر احمد محمد نور سیف، مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی، جامعۃ الملک عبدالعزیز، مکۃ المکرمۃ، ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء
-التاریخ الصغیر، محمد بن اسماعیل بخاری، تحقیق: ڈاکٹر یوسف المرعشلی، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء
-التاریخ الکبیر، محمد بن اسماعیل بخاری، دار الباز للنشر والتوزیع، مکۃ المکرمۃ، بدون تاریخ
-التبصیر فی الدین، ابو المظفر اسفرائینی، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء
-التعریفات، علی بن محمد بن علی جرجانی، تحقیق: ابراہیم ابیاری، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۲ء
-التفسیر الکبیر، فخر الدین محمد بن عمر رازی، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۷ء
-التفہیمات الالہیۃ، تفہیم: ۳۴، شاہ ولی اللہ دہلوی، تصحیح وتحشیہ: استاذ غلام مصطفیٰ قاسمی، المطبع الحیدری، پاکستان، ۱۳۸۷=۱۹۶۷ء

-التَّمهِيدُ لِمَا فِي المُوطَّأ مِنَ المَعَانِي والأسانيد' یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر القرطبی، تحقیق: محمد عبدالقادر عطا' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء
-جاء الحق وزہق الباطل' حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی' مفتی احمد یار خان نعیمی کتب خانہ' گجرات' پاکستان' بدون تاریخ
-جامع بیان العلم وفضلہ' ابوعمر یوسف بن عبدالبر' تحقیق: ابوالاشبال الزہری' دار ابن الجوزی' الدمام' سعودی عرب' ۱۴۲۷ھ
-جامع التفاسیر' نواب قطب الدین خان دہلوی' نظامی پریس دہلی' تاریخ طباعت ندارد
-جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ' شمس الدین محمد خراسانی' مظہر العجائب' کلکتہ' ہند' ۱۲۷۶ھ=۱۸۵۸ء
-جمال قاسمی' مندرجہ نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم نانوتوی' میر محمد کتب خانہ' کراچی' پاکستان' بدون تاریخ
-جمع الوسائل فی شرح الشمائل' ملا علی قاری' نور محمد کارخانہ تجارت کتب' آرام باغ' کراچی' پاکستان' بدون تاریخ
-الجامع لاحکام القرآن=تفسیر القرطبی' ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی' تحقیق: عبدالرزاق المہدی' دار الکتاب العربی' بیروت ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء
-الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی / الداء والدواء' ابن قیم الجوزیۃ' تحقیق: علی بن حسن' دار ابن الجوزی' الدمام' سعودی عرب' ۱۴۳۰ھ
-حاشیۃ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق' شہاب الدین احمد المعروف ابن الشِّلْبِي' المطبعۃ الکبری الامیریۃ' بولاق' مصر' ۱۳۱۳ھ
-حاشیۃ لملا عبدالحکیم السیالکوتی علی الخیالی' مطبع یوسفی' لکھنؤ' ہند' بدون تاریخ
-: حاشیۃ الدسوقی علی مختصر المعانی' محمد بن عرفۃ الدسوقی' مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ' پاکستان' بدون تاریخ
-حاشیۃ السیالکوتی علی شرح المواقف' عبدالحکیم السیالکوتی' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۸
-حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار' دار الطباعۃ' بولاق' مصر' ۱۲۸۲ھ
-حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح' شیخ احمد طحطاوی' مکتبۃ القدس' کوئٹہ' پاکستان' ۲۰۰۱ء
-حاشیۃ العلامۃ السید محمد ابی السعود المصری الحنفی علی شرح الکنز للعلامۃ محمد منلا مسکین ۲:۳۴۲' مطبعۃ جمعیۃ المعارف المصریۃ' بدون تاریخ
-حاشیۃ المحقق سعداللہ علی ہامش فتح القدیر' دار الفکر بیروت' سن طباعت ندارد

-حدائق الحنفیۃ، فقیر محمد جہلمی، المیزان، اردو بازار، لاہور، پاکستان، ۲۰۰۵ء
-حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، دار الفکر بیروت، بدون تاریخ
-الحاوی الکبیر، ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب الماوردی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء
-خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، صفی الدین احمد بن عبداللہ خزرجی، المطبعۃ الکبریٰ، بولاق، مصر ۱۳۰۱ھ
-خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر، المحبی، بدون نام مطبع وتاریخ اشاعت
-الخیر الکثیر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مجلس علمی، ڈابھیل، ہند، بدون تاریخ
-درالمختار، محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمٰن حصکفی، برہامش ردالمحتار، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، پاکستان، بدون تاریخ
-دیوانُ ذی الرُّمۃ مع شرح الخطیب التبریزی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء
-دیوان عنترۃ، مع شرح خطیب تبریزی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء
-دیوان لبید بن ربیعۃ، مع شرح الطوسی، تحقیق: ڈاکٹر حنا نصر، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۳ء
-دیوان مجنون لیلیٰ، جمع وتحقیق: عبدالستار احمد فراج، مکتبۃ مصر، بدون تاریخ
-دیوان الامیر الصنعانی، محمد بن اسماعیل الامیر الحسنی الصنعانی، تقدیم واشراف: علی السید صبح المدنی، مطبعۃ المدنی، القاہرۃ، مصر، ۱۳۸۴ھ=۱۹۶۴ء
-دیوان الحماسۃ، مع شرح ابوعلی احمد بن محمد بن حسن مرزوقی، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۱ھ=۱۹۹۱ء
-دیوان الحسمی، دار بیروت للطباعۃ والنشر بیروت، ۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء
-الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ، السید احمد بن السید زینی دحلان، تحقیق: ڈاکٹر جبریل حدّاد، مکتبۃ الاحباب، دمشق، ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۳ء
-ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، محب الدین ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن محمد الطبری المکی، تحقیق: اکرم بوشی، بدون نام ناشر وطابع وتاریخ طباعت
-رود کوثر، شیخ محمد اکرام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۸ء
-الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی، تحقیق: استاذ عبدالفتاح ابوغدۃ، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، ۱۴۰۷ھ=۱۹۸۷ء
-الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، حافظ ابن حجر عسقلانی، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۳ء
-الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، جلال الدین سیوطی، تحقیق: عبدالرزاق المہدی، دار احیاء التراث

العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۱ء
- ردالمحتار علی الدرالمختار' محمد امین المعروف با بن عابدین شامی' مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ' پاکستان' بدون تاریخ
- روح المعانی' سید آلوسی بغدادی' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء
- الرد علی البکری' احمد بن عبدالحلیم بن تیمیۃ الحرانی' مکتبۃ الغرباء الاثریۃ' مدینہ منورہ' ۱۴۱۷ھ
- الروح' ابن قیم الجوزیۃ' تحقیق: ڈاکٹر بسام علی سلامہ العموش' دار ابن تیمیۃ' الریاض' سعودی عرب' ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء
- زاد المعاد فی ہدی خیر العباد' ابن القیم الجوزیۃ' تحقیق: شعیب ارنووط' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۲ھ = ۱۹۹۲ء
- سنن ابن ماجۃ' ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی' مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع' ریاض' سعودی عرب' ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء
- سنن الترمذی' ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی' تحقیق: احمد محمد شاکر' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۷ء
- سنن الدار قطنی' علی بن عمر دار قطنی' دار ابن حزم' بیروت' ۱۴۳۲ھ = ۲۰۱۱ء
- سیر أعلام النبلاء' شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان' ذہبی' تحقیق: شعیب الارنووط' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۰ھ = ۱۹۹۰ء
- سیرۃ ابن اسحاق' المسماۃ بکتاب المبتدأ والمبعث والمغازی' محمد بن اسحاق' تحقیق وتعلیق: محمد حمید اللہ' Hayra Hizmet Vakfi' ترکیا' ۱۴۰۱ھ = ۱۹۸۱ء
- شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا' سید قاسم محمود' الفیصل ناشران کتب' لاہور' پاکستان' اکتوبر ۲۰۰۸ء
- شذرات الذہب فی أخبار من ذہب' شہاب الدین ابوالفلاح عبدالحی بن احمد ابن العماد' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۴ھ = ۱۹۹۳ء
- شرح ابن بطال علی صحیح البخاری' علی بن خلف بن عبدالملک' تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ = ۲۰۰۲ء
- شرح صحیح مسلم' یحییٰ بن شرف النووی' مکتبۃ الغزالی' دمشق' بدون تاریخ
- شرح مشکل الآثار' ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ طحاوی' تحقیق: شعیب ارنووط' مؤسسۃ الرسالۃ' حجاز' ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء
- شرح نخبۃ الفکر' حافظ ابن حجر عسقلانی' مکتبۃ الغزالی' دمشق' بدون تاریخ

-شرح السنۃ' امام بغوی' تحقیق: زہیر الشاویش وشعیب الارناؤط' المکتب الاسلامی' بیروت'
۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء

-شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور' جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی' مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ' بیروت'
۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء

-شرح العقائد النسفیۃ' سعد الدین تفتازانی' مکتبہ یادگار شیخ' لاہور' پاکستان' ۱۴۳۴ھ

-شرح العنایۃ علی الہدایۃ' ہامش فتح القدیر' اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی' دار الفکر' بیروت' بدون تاریخ

-شرح الفقہ الاکبر' ملا علی قاری' قدیمی کتب خانہ' کراچی پاکستان' بدون تاریخ

-شرح المقاصد' مسعود بن عمر بن عبد اللہ سعد الدین تفتازانی' اشاعتِ اسلام کتب خانہ پشاور' پاکستان'
بدون تاریخ

-شرح المواقف' سید شریف علی بن محمد جرجانی' تحقیق: محمود عمر دمیاطی' دار الکتب العلمیۃ بیروت' ۱۴۱۹ھ=
۱۹۹۸ء

-شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' تقی الدین علی بن عبد الکافی بن علی السبکی الشافعی' تحقیق: حسین محمد علی
شکری' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۲۹ھ=۲۰۰۸ء

-شم العوارض فی ذم الروافض' مندرجہ: مجموعۃ رسائل الملا علی القاری' جلد اول' دار الکتب' پشاور' پاکستان'
بدون تاریخ

-الشرح الکبیر' محمد محیی الدین بن عبد الحمید' منشورات المکتبۃ العصریۃ' صیدا' بیروت' بدون تاریخ

-صحیح مسلم' مسلم بن حجاج قشیری' ترقیم: یاسر حسن' مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون' بیروت' ۱۴۳۷ھ=۲۰۱۶ء

-صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان' محمد بن بشیر سہوانی ہندی' اشاعت اکیڈمی' مینگورہ' پاکستان'
بدون تاریخ

-الصارم المنکی فی الرد علی السبکی' محمد بن احمد بن عبد الہادی مقدسی حنبلی' تحقیق: ڈاکٹر صفیہ بنت سلیمان
تویجری' دار الکتب' پشاور' پاکستان' بدون تاریخ

-الضعفاء الکبیر' ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی' تحقیق: ڈاکٹر عبد المعطی امین قلعجی' دار الکتب
العلمیۃ' بیروت' بدون تاریخ

-الضوء اللامع لاہل القرن التاسع' شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد السخاوی' تحقیق: عبد اللطیف حسن
عبد الرحمٰن' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۲ء

-طبقات ابن سعد' محمد بن سعد' دار صادر' بیروت' ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء

-طبقات الحفاظ، جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ=۱۹۹۴ء

-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تاج الدین ابونصر عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی السبکی، فیصل عیسیٰ البابی الحلبی، مصر، بدون تاریخ

-عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ، احمد بن یوسف بن عبد الدائم المعروف بالسمین الحلبی، تحقیق: محمد باسل عیون السود، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۶ء

-عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی، دار الفکر، بیروت، بدون تاریخ

-عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول لمن ذہب بصرہ، ابوبکر احمد بن محمد الدینوری، المعروف بابن السنی، تحقیق وتخریج: بشیر محمد عیون، مکتبۃ دار البیان، دمشق، ۱۴۰۷ھ=۱۹۸۷ء

-العاقبۃ، ابو محمد عبد الحق اشبیلی، تحقیق: عبید اللہ ابو عبد الرحمٰن المصری الاثری، دار الصحابۃ للتراث، طنطا، مصر، ۱۴۱۰ھ=۱۹۹۰ء

-العرف الشذي شرح سنن الترمذي، محمد انور شاہ بن معظم شاہ کشمیری، تصحیح: محمود شاکر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء

-العنایۃ شرح الہدایۃ، علیٰ ہامش فتح القدیر، اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی، دار الفکر، بیروت، بدون تاریخ

-غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد بن الجزری، مکتبۃ الخانجی، مصر، ۱۳۵۱ھ=۱۹۳۲ء

-غرائب القرآن ورغائب الفرقان، نظام الدین حسن بن محمد بن حسین قمی نیشاپوری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ=۱۹۹۶ء

-غُنیۃ المُتَملي في شرح مُنیۃ المُصلّي، المشتہر بشرح الکبیر، ابراہیم الحلبی، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان، ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء

-فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاوی العالمگیریۃ المعروفۃ بالفتاوی الہندیۃ، مکتبۃ علوم اسلامیۃ، چمن، بلوچستان، پاکستان، بدون تاریخ

-فتح الباری بشرح صحیح الامام ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار نشر الکتب الاسلامیۃ، لاہور، پاکستان، ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء

-فتح القدیر، محمد بن عبد القادر سیواسی سکندری، ابن ہمام، دار الفکر، بیروت، بدون تاریخ

-فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، شبیر احمد عثمانی، مدینہ برقی پریس، بجنور، ہند، ۱۳۵۳ھ

-فہرس الفہارس والاثبات ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات، عبد الحی بن عبد الکبیر الکتانی، دار الغرب

الاسلامی بیروت ۱۴۰۲ھ=۱۹۸۲ء

-فیض القدیر شرح الجامع الصغیر من احادیث البشیر النذیر، محمد عبدالرؤوف مناوی، دارالفکر، بیروت، بدون تاریخ

-الفتاوی العالمگیریہ المعروف بالفتاوی الہندیہ، شیخ نظام و جماعۃ من علماء الہند الاعلام، مکتبہ علوم اسلامیہ چمن، بلوچستان، پاکستان، بدون تاریخ

-الفتن، نعیم بن حماد الخزاعی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ=۲۰۰۴ء

-الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النواویہ، محمد بن علی بن محمد علان صدیقی شافعی، ضبط و تصحیح: عبدالمنعم خلیل ابراہیم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء

-الفَصلُ فِي المِلَلِ وَالأهوَاءِ وَالنِحَلِ، ابو محمد علی بن حزم اندلسی ظاہری، مکتبہ المثنی، بغداد، بدون تاریخ

-الفَوَاكِهُ العِذَابِ فِي الرَّدِّ على مَن لم يُحَكِّم السُّنَّةَ والكتاب، حمد بن ناصر بن عثمان آل معمر تمیمی حنبلی، دارالعاصمہ، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۰۷ھ

-الفوز الکبیر، شاہ ولی اللہ دہلوی، نور محمد اصح المطابع، آرام باغ، کراچی، پاکستان، بدون تاریخ

-قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ، حافظ ابن تیمیہ، منشورات المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۳۹۰ھ= ۱۹۷۰ء

-قانون الموضوعات والضعفاء، محمد طاہر پٹنی، ہندی، دار إحیاءِ التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ=۱۹۹۵ء

-قُوتُ المغتذي عَلى جَامع الترمذي، جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال ابوبکر سیوطی، تحقیق: توفیق محمود تکلہ، دارالنوادر، بیروت، ۱۴۳۳ھ=۲۰۱۲ء

-کتاب البدع والنہی عنہا، ابوعبداللہ محمد بن وضاح قرطبی، تحقیق: عمرو عبدالمنعم سلیم، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ، مصر، ۱۴۲۹ھ=۲۰۰۸ء

-کتاب البعث والنشور، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، تحقیق: عامر احمد حیدر، مرکز الخدمات والابحاث الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ=۱۹۸۶ء

-کتاب التذکرۃ فی امور الآخرۃ، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری القرطبی، تحقیق: ڈاکٹر صادق بن محمد بن ابراہیم، مکتبہ دارالمنہاج، الریاض، سعودی عرب، ۱۴۳۱ھ

-کتاب الثقات، حافظ احمد بن عبداللہ بن صالح ابوالحسن عجلی، تحقیق: ڈاکٹر عبدالمعطی قلعجی، دارالباز، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۴ء

-کتاب الحلم، ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا، تحقیق: محمد عبدالقادر عطا، مؤسسۃ الکتب

الثقافیۃ' بیروت' ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۳ء
- کتاب الرد علی الاخنائی واستحباب زیارۃ خیر البریۃ الزیارۃ الشرعیۃ' شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ تحقیق: عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی' الرئاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ و الارشاد الریاض' سعودی عرب' بدون تاریخ
- کتاب الصمت' ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا' تحقیق: ابواسحاق الحوینی الاثری' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۷ء
- کشف الارتیاب فی أتباع محمد بن عبدالوہاب' محسن الامین العاملی' مؤسسۃ دار الکتاب الاسلامی' قم' ایران' طبع دوم' ۱۴۲۸ھ=۲۰۰۷ء
- کتاب القبور [المُلحق] ابن ابی الدنیا القرشی' تحقیق: طارق محمود سکلوع العمودی' مکتبۃ الغرباء الاثریۃ' المدینۃ النبویۃ' سعودی عرب' ۱۴۲۰ھ=۲۰۰۰ء
- کشف الحقائق شرح کنز الدقائق' عبدالحکیم الافغانی' نزیل دمشق الشام' المطبعۃ الادبیۃ بسوق الخضار القدیم بمصر' ۱۳۱۸ھ
- کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون' مصطفیٰ بن عبداللہ المعروف بحاجی خلیفہ وملا کاتب چلپی' نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، پاکستان' بدون تاریخ
- الکاشف عن حقائق السنن' شہاب الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الطیبی' تحقیق: ڈاکٹر عبدالحمید ہنداوی' مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز' مکۃ المکرمۃ' ۱۴۱۷ھ=۱۹۹۷ء
- الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ' حافظ ذہبی' تحقیق وتعلیق: عزت علی عید عطیۃ' دار الکتب الحدیثیۃ' عابدین' مصر' بدون تاریخ
- الکامل فی ضعفاء الرجال' ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی' تحقیق: لجنۃ من المحققین' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء
- الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل' محمود بن عمر زمخشری' دار الکتاب العربی' بیروت' ۲۰۱۲ء
- الکفایۃ من شرح الہدایۃ' جلال الدین خوارزمی' طبعۃ کلکتۃ' ہند' ۱۲۳۴ھ=۱۸۳۱ء
- الکواکب السائرۃ باعیان المائۃ العاشرۃ' نجم الدین محمد بن محمد الغزی' تحقیق: خلیل المنصور' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ=۱۹۹۷ء
- الکوکب الدری علی جامع الترمذی' املاء: رشید احمد گنگوہی' جمع وترتیب: محمد یحییٰ کاندھلوی' تحقیق:

محمد زکریا کاندھلوی، مطبعہ ندوۃ العلماء، لکھنو، ہند، بدون تاریخ

-لطائفِ رشیدیہ، ضمن تالیفاتِ رشیدیہ، امام ربانی رشید احمد گنگوہی، ادارۂ اسلامیات، لاہور، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء

-مثیر العزم الساکن الی اشرف الاماکن، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی، تحقیق: مرزوق علی ابراہیم، دار الرایۃ، ریاض، سعودی عرب، ۱۴۱۵ھ

-مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المدعو شیخی زادہ یعرف بداماد افندی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، بدون تاریخ

-مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ۲: ۳۲۵، فقیہ عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المدعو شیخی زادہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۸ء

-مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار، محمد طاہر پٹنی ہندی، دائرۃ المعارف العثمانیہ، ہند، ۱۳۸۷ھ=۱۹۶۷ء

-مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء

-مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محل، مطبع یوسفی فرنگی محل، لکھنو، ۱۹۲۶ء

-مجموعۃ الرسائل والمسائل، احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، تعلیق: سید رشید رضا، لجنۃ التراث العربی، بدون تاریخ

-مختصر المعانی، مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی، بک لینڈ لاہور، پاکستان، بدون تاریخ

-مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین، ابن قیم الجوزیۃ، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، مصطفی البابی الحلبی، مصر، بدون تاریخ

-مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجاۃ الارواح، حسن بن عمار بن علی شرنبلالی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء

-مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ملا علی قاری، المکتبۃ التجاریۃ مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۲ء

-مروج الذہب ومعادن الجوہر، ابوالحسن علی بن حسین المسعودی، المکتبۃ التوقیفیۃ، القاہرۃ، بدون تاریخ

-مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق، ابراہیم بن محمد اللیثی، مطبع الرضوی، دہلی، ہند، بدون تاریخ

-مسند ابی داود طیالسی: سلیمان بن داود بن الجارود، مکتبۃ المعارف، ریاض، سعودی عرب، بدون تاریخ

-مسند امام احمد، تحقیق: شعیب ارنووط، دار الرسالۃ العالمیۃ، بیروت، ۱۴۳۶ھ=۲۰۱۵ء

-مشکاۃ المصابیح، محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، تحقیق: سعید محمد اللحام، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ=

۱۹۹۱ء

-مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجۃ' احمد بن ابی بکر بوصیری' تحقیق: موسیٰ محمد علی' دار الکتب الحدیثیہ' عابدین' مصر' بدون تاریخ
-معجم البلدان' شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۳۹۹ھ=۱۹۷۹ء
-معجم المصنفین' محمود حسن ٹونکی' مطبعۃ وزنکوغراف طبارۃ' بیروت' ۱۳۴۴ھ
-معجم المؤلفین' عمر رضا کحالہ' دار احیاء التراث العربی' بیروت' بدون تاریخ
-معرفۃ علوم الحدیث وکمیۃ اجناسہ' ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری' تحقیق: ڈاکٹر احمد بن فارس السلوم' مکتبۃ المعارف' ریاض' سعودی عرب' ۱۴۳۱ھ=۲۰۱۰ء
-مفتاح دار السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والارادۃ' ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الدمشقی' دار نجد' ریاض' سعودی عرب' ۱۴۰۲ھ=۱۹۸۲ء
-مقدمہ صحیح مسلم' مسلم بن حجاج قشیری' ترقیم: محمد فؤاد عبدالباقی' المکتبۃ الاسلامیۃ' استانبول' ترکیا' بدون تاریخ
-مناقب آل ابی طالب' ابو جعفر محمد بن علی بن شہر اشوب السروی المازندرانی' تحقیق: ڈاکٹر یوسف البقاعی' دار الاضواء' بیروت' ۱۴۱۲ھ=۱۹۹۱ء
-مناقب الشافعی' امام بیہقی' تحقیق: سید صقر' دار التراث' قاہرۃ' ۱۳۹۰ھ=۱۹۷۰ء
-منتخبات التواریخ لدمشق' محمد ادیب آل تقی الدین الحصنی' المطبعۃ الحدیثۃ' دمشق' ۱۳۴۶ھ=۱۹۲۷ء
-منتہی الارب فی لغۃ الارب' عبدالرحیم بن عبدالکریم' کتابخانہ سنائی' ایران' بدون تاریخ
-منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر' علی بن سلطان محمد القاری' دار البشائر الاسلامیۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ =۱۹۹۸ء
-موسوعۃ فتح الملہم بشرح صحیح امام المسلم' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۶ء
-موسوعہ کشاف اصطلاحات العلوم والفنون
-میزان الاعتدال' ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی' دار المعرفۃ' بیروت' بدون تاریخ
-المجالسۃ وجواہر العلم' ابو بکر احمد بن مروان الدینوری المالکی' تحقیق: سید یوسف احمد' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰ء
-المجروحین من المحدثین' ابن حبان' تحقیق: حمدی عبدالمجید السلفی' دار الصمیعی' ریاض' سعودی عرب'

۱۴۳۰ھ=۲۰۰۰ء

-المحیط البرہانی' برہان الدین محمود بن احمد الحنفی' تحقیق: عبدالکریم السامی الجندی' دار الکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ=۲۰۰۴ء

-المختصر المفید فی عقائد ائمۃ التوحید' ابو یوسف مدحت' مؤسسۃ الریان' بیروت' ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء

-المَدخل إلى الصَّحیح' ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم' تحقیق: استاذ ڈاکٹر ابراہیم بن علی' مکتبۃ العبیکان' ریاض' سعودی عرب' ۱۴۲۳ھ=۲۰۰۲ء

-المُستَدرَك على الصَّحِیحَین' حاکم نیشاپوری' دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ=۱۹۷۸ء

-المصباح المنیر' احمد بن محمد بن علی فیومی' مکتبۃ لبنان' ۱۹۸۷ء

-المُصَنَّف ابن ابی شیبۃ: ابوبکر عبداللہ بن محمد' تحقیق: محمد عوامۃ' المجلس العلمی' جوہانسبرگ' ساؤتھ افریقہ' ۱۴۲۷ھ=۲۰۰۶ء

-المطول للتفتازانی وبہامشہ حاشیۃ السید میر شریف' منشورات مکتبۃ الداوری' قم' ایران' بدون تاریخ

-المُعجَم الأوسط' ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب اللخمی الطبرانی' دارالکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ=۱۹۹۹ء

-المعجم المختص بالمحدثین' حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی' تحقیق: ڈاکٹر محمد الحبیب الہیلۃ' مکتبۃ الصدیق' طائف' سعودی عرب' ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۸ء

-المعرفۃ والتاریخ' ابو یوسف یعقوب بن سفیان الفسوی' حواشی: خلیل المنصور' دارالکتب العلمیۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۹ء

-المُغني عن حمل الأسفار في الأسفار في تخریج ما في الإحیاءِ من الأسفار' زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی' دارالمعرفۃ' بیروت' بدون تاریخ]

-المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل شیبانی' ابومحمد عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی' دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ

-المفردات فی غریب القرآن' ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی' دارالمعرفۃ بیروت' بدون تاریخ

-المُفہِم لِمَا أشْکَلَ مِن تلخِیصِ کتابِ مُسْلِم' ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی' تحقیق: لجنۃ من المحققین' دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۰ھ=۱۹۹۹ء

-الملل والنحل' ابوالفتح محمد عبدالکریم بن ابی بکر شہرستانی' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۲ھ=۲۰۰۲ء

-المواقف' عضدالدین عبدالرحمٰن بن احمد الایجی ۳: ۶۵۵' تحقیق: ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرۃ' دارالجیل'

بیروت، ۱۹۹۷ء

-نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، عبدالحی بن فخر الدین الحسنی، طیب اکادمی، ملتان، پاکستان، ۱۴۱۳ھ= ۱۹۹۳ء

-نَفعُ قُوتِ المغتذي عَلى جَامِع الترمذي علی بن سلیمان دمنانی البُجمُوعي ابوالحسن، اضواء السلف، بدون مقام اشاعت وتاریخ اشاعت

-نیل الاوطار من احادیث سید الاخیار شرح منتقی الاخبار، محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی الیمنی، تحقیق: عصام الدین الصبابطی، دارالحدیث، مصر، ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۳ء

-النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، جمال الدین ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۳ھ=۱۹۹۲ء

-النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد الجزری ابن الاثیر، تحقیق: شیخ خلیل مأمون شیحا، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۳۲ھ=۲۰۱۱ء

-النّهرُ الفَائِق شرح كنز الدّقائق، سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نُجیم حنفی، تحقیق: احمد عزو عنایۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ=۲۰۰۲ء

-وفیات الاعیان وأنباء أبناء الزمان، ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس، منشورات الرضی، قم، ایران، ۱۳۶۴ش

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ.
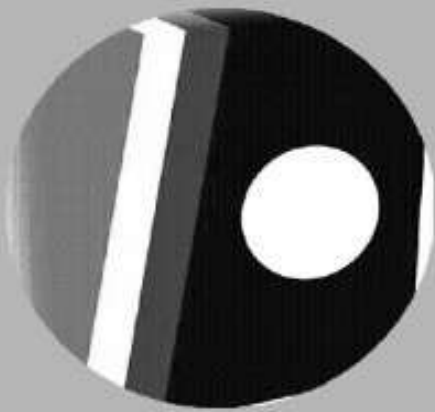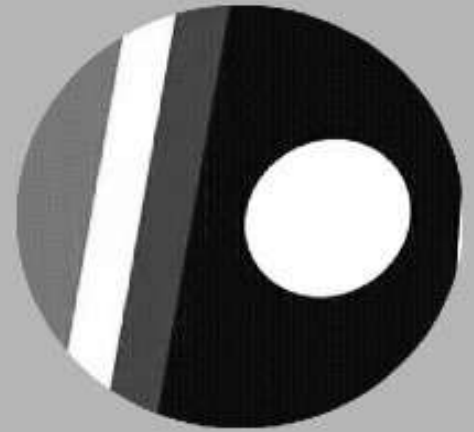
خوشخبری
اکابرین جماعت اشاعت التوحید والسنت کے کتب
ٹیلی گرام پر مکتبۃ الاشاعۃ چینل سے ڈاؤنلوڈ کریں
منجانب سید عبداللہ شاہ توحیدی الحنفی
خادم جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ